رجسٹرڈ نمبر ۲۷۱

خاتون

۷

جلد ۶ | بابت ماہ جنوری ۱۹۰۹ء | نمبر

اڈیٹر ... بی سکرٹری تعلیم نسواں

... سلام پرنٹر کے اہتمام سے
... فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا
... عبد ... پبلشر

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت (۱ روپے) اور

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے، یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستو
میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے، اور جبتک مرد اس طرف متو
مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے
ذریعے سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی ج
جو نقصانات ہو رہے ہیں اُسکی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا ک
جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیف
پڑھنے کی اُنکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محرو
علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے

۶۔ اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے اگر اس کی آ
کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدم
تیار کیا جائے گا۔

۷۔ تمام خط وکتابت وترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیے۔

خاتون

مرحومہ شہنشاہ بیگم چین

خاتون کے صفحات میں اب سے پہلے بہت سی مختلف قسم کی بیگمات اور ملکوں ملکوں کی خواتین کی سوانح عمریاں نکل چکی ہیں لیکن اب تک کسی چینی بیگم کی سوانح عمری ہمکو نہیں مل سکی تھی کہ جسکو ہم ناظرات خاتون کے سامنے پیش کر سکتے۔

ابھی مہینہ ڈیڑھ مہینہ کا عرصہ ہوا کہ چین کی شہنشاہ بیگم کا انتقال ہوا۔ ہماری یہ خواہش تھی کہ کسی صورت سے ہم اس نامور بیگم کے کچھ حالات ناظرات خاتون کو بھی سنائیں اور ابھی ہم اسی تردد میں بیٹھے تھے کہ خاتون کی خاص کر مغربا اور ایثار نفسی کیساتھ اسکی خدمت کرنیوالی سیز س م۔ د صاحبہ نے شہنشاہ بیگم مذکورہ کی ایک مختصر سی سوانحعمری بھیجدی چونکہ یہ ایک ایسے ملک کی حکمران بیگم کے حالات ہیں جنکی حالت سے ہمارے ناظرات بہت کم واقف ہیں اسلئے ہمکو امید ہی کہ ان کے لیے عام طور پر یہ مضمون جو کہ بالکل ایک نئی چیز ہی دلچسپ ثابت

بیگا اور وہ بھی ہمارے ساتھ مسیز س. م. و. صاحبہ کا شکریہ ادا کرینگے۔

اڈیٹر

اندنوں اخباروں میں شہنشاہ بیگم چین کی خبر وفات شایع ہوئی ہے اور چونکہ ایک عجیب و غریب عورت گذری ہے اور اس کا نام مشہور فرمان روایان اور نامور خواتین میں درج ہونے کے قابل ہے اسلیے میں ناظرات خاتون کی دلچسپی کے لیے اوسکے حالات تحریر کرتی ہوں۔

زمانہ کے انقلاب اور اوسکی نیرنگیوں کی یہ عورت ایک زندہ نظیر تھی۔ اسکے حالات کے پڑہنے سے دنیا کی بے ثباتی معلوم ہوتی ہے اور یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ نہ دنیا کی راحت اور خوشی قابل اعتبار ہے۔ اور نہ اس کی تکلیف و مصیبت لایق اعتماد۔

اس عجیب و غریب عورت کے حسب و نسب کے متعلق مختلف روایات مشہور ہیں ان میں سے چند روایات جو زیادہ مشہور اور قابل اعتبار ہیں ذیل میں درج کیجاتی ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ یہ منچو قوم کے ایک غریب آدمی کی لڑکی تہی اور اوس کے والدین ایسے مفلس تھے کہ اون کو قوت لایموت کا میسر ہونا دشوار تھا۔ جنوبی چین کے باشندوں میں جب ایسی لاچاری کا سامنا ہوتا ہے تو اس مصیبت سے رہائی کی آخری تدبیر یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی کسی لڑکی کو فروخت کر دیتے ہیں اور اگر لڑکی خوبصورت ہوتی ہے تو اوس کی ایک معقول قیمت بھی اٹھتی ہے۔ پس ان بیچاروں مصیبت کے ماروں کو مجبور ہو کر آخر اسی طریقہ نجات کو اختیار کرنا پڑا اور اپنی لخت جگر کو کنٹن کے ایک بردہ فروش کے ہاتھ بطور کنیز کے بیچ ڈالا۔ کہیں جنرل ٹی ڈو نے جو بادشاہ کا رشتہ دار تھا اس لڑکی کو دیکھ پایا اور فوراً سوداگر سے اسے خرید لیا اس کی وجاہت کے علاوہ اسکی ذہانت و دانائی نے جنرل ٹی ڈو پر یہ ثابت کر دیا کہ یہ کوئی معمولی کنیز نہیں ہے اس لیے اسکی تعلیم کا عمدہ انتظام کیا جو چینی عورتوں کے لیے ایک غیر معمولی بات تھی۔ تہوڑے عرصہ میں اس لڑکی نے لکہنے پڑہنے میں اچھی قابلیت حاصل کی اور نیز امور

خانہ داری سے بھی بخوبی واقف ہو گئی ابھی اوس کی عمر پندرہ سال کو نہین پہنچی تھی کہ اسکی علمی لیاقت کا شہرہ ہو گیا اور وہ کنٹن کی نہایت قابل لڑکیوں میں شمار ہونے لگی۔ اوسکی اس قابلیت اور لیاقت کو دیکھکر جنرل نے اسے شہنشاہ ہین فون کی خدمت میں بطور نذر کے گزرانا جو اسکے حسن و لیاقت کا فریفتہ ہو گیا اور اس کو (بھی) شاہی بیگمات میں داخل کیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ اسکے باپ کا نام شن یو ئی تھا اور وہ ایک اعلی عہدہ پر مامور تھا اور اس کی والدہ گیور و خاندان شاہی سے تعلق رکھتی تہی۔ یہ لڑکی ۱۸۳۴ء میں دارالسلطنت پیکن میں پیدا ہوئی۔ اس کا نام پورا نو لفظوں میں ختم ہوتا ہے۔ اسے بچپنے ہی سے علم کا شوق تھا جب اسکے باپ نے اپنے لخت جگر کے اس علمی شوق و ذوق کو دیکھا تو چینی رسم و خیالات کو بالائے طاق رکھکر اسکی تعلیم کا عمدہ انتظام کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی خداداد ذہانت سے اسنے اچھی لیاقت بہم پہونچالی۔ حسن صورت کیساتھ علمی لیاقت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور عام طور پر اس کا شہرہ ہو گیا۔ کہیں شہنشاہ کو بھی اس کی خبر لگ گئی تو اوسکے والد کی رضامندی سے اسے حرم شاہی میں داخل کیا۔ اسکی ایک دوسری بہن شہزادہ چون سے بیاہی گئی۔

تیسری روایت جو زیادہ مشہور ہے یہ ہے کہ یہ نامور لڑکی ایک ایسے منچو خاندان کی تھی جس نے ڈہائی سو سال تک چین کی سلطنت کی تھی اور چونکہ منچو لوگوں میں لڑکیوں کے پاؤں باندہنے کی رسم جاری نہیں ہے اس لیے وہ اس رسم کی تکلیف سے بچگئی۔ اوسکا باپ سرکاری ملازم تہا لیکن گردش زمانہ سے اوسکی نوکری جاتی رہی اور جب آمدنی کا رستہ مسدود ہو گیا تو مفلسی اوسے اپنے شکنجہ میں دباتے لگی اور فاقہ پر فاقہ گزرنے لگا۔ آخر اوسے جب کوئی تدبیر نظر نہ آئی تو لاچار ہو کر ۱۸۴۰ء میں ترک وطن مالوف کر کے کنٹن کی راہ لی۔ اسوقت اوسکے ہمراہ اوسکی بیوی ایک لڑکا اور یہ لڑکی تہی یہاں پہونچکر یہ اپنے رفع تکلیف اور دفع کلفت کی تدابیر میں مصروف ہوا اور ہر طرح کی

محنت کو گوارا کرتا لیکن پھر بھی وہ زمانہ کی گردش اور تقدیر کے نوشتہ سے عہدہ برآ نہو سکا اس لڑکی نے جسکا مختصر نام نی شی تہا اپنے والد کو راضی کیا کہ وہ اوسے فروخت کرکے رفع تکلیف کرے۔ اول اوس کا باپ بلحاظ شرافت خاندانی و محبت پدری اس امر پر راضی نہوا لیکن بہوک کی کون تاب لا سکتا ہے آخر مجبوراً اپنی لخت جگر کی مفارقت کو گوارا کیا اور اوسے ایک بردہ فروش کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ کسے معلوم تہا کہ یہ لڑکی کنج غربت سے نکلکر تخت سلطنت پر متمکن ہوگی اور ایک وسیع ملک کی مالک اور چالیس کروڑ بندگان خدا کی حکمران نجائیگی۔

نی شی بجائے کنیز ہونے کے اگر کسی رئیس کی بیٹی ہوتی تو اوسکے پاؤں چھوٹے ہونیکی غرض سے باندہ دیے جاتے اور بالغ ہوتے ہی اوسے پردہ کی رسم کی پابندی کرنی پڑتی اور مکان کی چار دیواری میں مقید رہنا پڑتا۔ کنیزی میں شی کے لیے اتنا تو فائدہ تہا کہ ان دونوں تکلیفوں سے بچی اور باہر بغیر روک ٹوک کے چل پہر سکتی تہی۔ مزید براں لکھی پڑہی ہونے کے وجہ سے بازار کی خرید و فروخت اور سودا سلف اوسکے ذمہ کیا گیا تہا۔ اس نے اپنی ہشیاری اور دانشمندی سے رفتہ رفتہ اپنے آقا اور اوسکے متعلقین پر ایسا عمدہ اثر ڈالا کہ وہ اسے اپنے کنبے میں شمار کرنے لگے اور اوس کے ساتھ عمدہ برتاو ملحوظ رکہتے تہے۔

شہنشاہ ہین فون کی شادی ہو چکی تہی اور اوس کی بیوی اوسے عزیز بہی تہی لیکن چونکہ اسکے بطن سے کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا تہا اس لیے چینی رسم کے لحاظ سے لازم تہا کہ کسی دوسری لڑکی سے شادی کرے تاکہ سلطنت بے وارث نہ رہے اس بنا پر ۱۸۵۲ء میں ایک اعلان شاہی جاری ہوا جس کا مضمون یہ تہا کہ جو جو لڑکیاں کہ بادشاہ کی بیوی بننے کی خواہشمند ہوں اور جنکی عمر پندرہ اور اٹھارہ کے درمیان ہو پکین کے شاہی محل پر حاضر رہیں تاکہ اون میں سے ایک لڑکی اس غرض سے انتخاب کیجائے۔

کہیں راستہ میں شی کی بھی نظر اس اشتہار پر پڑ گئی وہ عمر اور خاندان کے لحاظ سے بہمہ وجوہ
حسب شرایط اعلان تھی حسن و خوبصورتی تو ایسی چیز نہیں تھی کہ جس کی نسبت وہ خود فیصلہ
کر سکے تاہم ضرور آئینہ کے روبرو اوس کے متعلق بھی رائے قایم کر لی ہوگی۔ بہرحال اُسنے
اپنے دل میں مصمم ارادہ کیا کہ ان لڑکیوں میں شامل ہو کر اپنی قسمت آزمائی کرے شہنشاہ کی بیوی
ہونا کچھ چھوٹی خواہش نہیں تھی لیکن چونکہ اس لڑکی کے خیالات رفیع اور اوس کی ہمت عالی
تھی اس لیے وہ ہرگز بددل نہیں ہوئی اور اپنی کامیابی کی تدابیر سوچنے لگی۔

اول اس نے اپنے مالک سے اس امر کی اجازت طلب کی۔ اوسکے مالک کو اپنی کنیز کے
اس خیال پر جو حیرت اور تعجب ہوا ہوگا وہ ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے اوسنے اسکے اس خیال
کی تضحیک و تحقیر کی مگر اس مستقل مزاج اور عالی ہمت لڑکی کا ارادہ کب ایسی باتوں سے رکنے
والا تھا۔ اوس نے کچھ تو عاجزی اور کچھ بحث و مباحثہ سے نہ صرف اپنے مالک کو راضی کر لیا
بلکہ اپنی خوش تقریری سے اوس پر ایسا زبردست اثر ڈالا کہ اس نے اس خیال سے کہ اسکی
کامیابی میں زیادہ سہولیت ہو اوسے اپنی بیٹی بنایا اور معقول ساز و سامان کیساتھ دارالسلطنت
پیکن کو روانہ کیا۔

یہ معلوم نہیں ہوا کہ ان لڑکیوں کا کس طرح اور کن امور میں امتحان لیا گیا لیکن اس امتحان
کی سختی اس سے واضح ہو سکتی ہے کہ ہزاروں امیدواروں میں صرف دس لڑکیاں منتخب ہوئیں
جو بے عیب اوران تمام صفات سے متصف سمجھی گئیں جو ایک شریف لڑکی کے لیے ضروری
ہیں اور ان دسوں میں شی کو سب پر ترجیح دی گئی اور وہ بہمہ وجوہ شہنشاہ کی بیگم بننے
کے قابل سمجھی گئی اور اوس کو شاہی حرم کا اعلیٰ رتبہ عطا ہوا۔ چونکہ شہنشاہ کی پہلی بیوی محل
کے شرقی حصہ میں رہتی تھی اس لیے اوسے شرقی بیگم اور نیز پہلی بیوی ہونیکے لحاظ سے
بڑی بیگم کہتے تھے اور شی غربی جانب رہتی تھی اس لیے اوسے غربی بیگم اور منکوحہ ثانی ہونیکے
باعث سے چھوٹی بیگم کہتے تھے اسوقت اس کی عمر سترہ سال کی تھی اور اوس کی بیس برس

کی عمر نہیں ہوئی تھی کہ وہ حاملہ ہوئی اور اوس کے بطن سے تخت وتاج کا وارث پیدا ہوا جسکا نام ٹونگ چی رکھا گیا۔

اکثر ممالک مغربی میں جہاں تعدد ازدواج کی رسم جاری ہے شاہی خاندانوں میں یہ دستور ہی کہ جس بیوی کے بطن سے کوئی شہزادہ پیدا ہوتا ہے تو اوس کو دوسری بیویوں پر تفوق دیا جاتا ہے اور اوس کی بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ شی ہی ان تمام خوشگوار لذات سے مستفید ہوئی جو قسام ازل نے اُس کی قسمت میں لکھے تھے۔ اس نے اپنی چالاکی و فراست سے شہنشاہ کو اپنا زیادہ گرویدہ بنا لیا تھا مگر اس خوبصورتی اور عمدہ ترکیب سے کہ اوس کی سوکن پر کسی طرح بار نہیں گذرا بلکہ اوسے بھی اپنا دوست بنایا اور دونوں محبت و ملنساری کے ساتھ رہتی تھین جو حقیقت میں ایک عجیب بات تھی۔ اس کے علاوہ محل کے لوگوں کے ساتھ اوس کا برتاوا اور طریق سلوک ایسا اچھا تھا کہ سب اوسے عزیز رکھتے اور اوس کے بڑے ثنا خواں تھے۔

ایک مدت تک تمام کاروبار نہایت اطمینان کے ساتھ چلتا رہا۔ لیکن زمانہ کب چین دیتا ہے اور کب عیش و آرام کا لطف اُٹھانے دیتا ہے۔ ۱۸۶۰ء میں مغرب کی طرف سے بلا و مصیبت کی گھنگھور گھٹائیں چھانے لگیں اور انگریزی اور فرانسیسی فوجیں چین پر حملہ آور ہوئیں ٹاکو گولہ باری کی اور پیکن پر قبضہ کر لیا۔ شہنشاہ بیچارہ پریشانی اور بدحواسی کے ساتھ اپنی بیوی شی اور خورد سال بچہ کو ہمراہ لیکر اپنے شکارگاہ جیہو کے مکان میں پناہ گزیں ہوا۔ یہ مہذب فوجین شاہی محل پر ٹوٹ پڑیں اور اوسے خوب لوٹ کر برباد کر دیا۔

ایک مضمون نگار اس عورت کے اوس وقت کے خیال کو اس طرح بیان کرتا ہی کہ برخلاف اپنے خاوند اور مشیروں سلطنت کے شی کی یہ رائے تھی کہ اس بلائے بے درمان کو ٹالنے کے لیے بہترین ترکیب یہ ہی کہ ان کے ساتھ تھوڑی رعایت کیجائے وہ ان کے بل بوتے کو سمجھے ہوئے تھے اور بخوبی جانتی تھی کہ چین ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا

لیکن وہاں اسکی کیا چل سکتی تہی اور نقار خانہ میں طوطی کی آواز کو کون سنتا ہے بہرحال مضمون نگار مذکور اوس کی عقل اور دور اندیشی پر تحسین و آفریں کرتا ہے اور اوس کی اس دانائی کی داد دیتا ہے۔

شہنشاہ ہین فون پر اس صدمہ کا ایسا دلخراش اثر پڑا کہ وہ ۱۸۶۱ء میں راہی ملک عدم ہوا۔ اس وقت اس کے بیٹے ٹونگ چی کی عمر صرف سات سال کی تہی۔ اسلیے اوسنے قبل وفات ایک کونسل انتظام سلطنت کے لیے قایم کر دی تہی جس میں وہ شہزادہ اور ایک وزیر یونگ چی تہا لیکن بیٹے کا ولی دونوں بیگموں کو قرار دیا۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ انتقال کے وقت ایک اوس نے سر بمہر لفافہ اپنی بڑی بیگم کے حوالہ کر دیا تہا اور اوسکے ساتھ یہ تاکید کی تھی کہ اگر برے وقت میں کوئی ضرورت پیش آئے تو وہ اس کی رو سے شہزادہ کو اپنے اختیار میں لیکر اوس کی نگرانی اور نگہداشت کرے۔ بڑی بیگم نے اپنی نیک دلی اور دانشمندی سے کبھی ان اختیارات کو استعمال نہیں کیا اور نہ چھوٹی بیگم نے اسے کوئی ایسا موقع دیا جو اوس کے حرم پر دلالت کرتا ہے۔ بہرحال دارالسلطنت پیکن میں یہ دونوں اٹھائیس سال تک ایکدوسرے کی صلاح و مشورے سے کاروبار سلطنت کو انجام دیتی رہیں۔ لیکن اس اولوالعزم اور عاقلہ لڑکی نے جب زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی ہے تو اوس کو بہت سے مشکلات اور دقتوں کا سامنا ہوا۔ آمدنی کی کمی۔ ملک میں بے امنی شاداب صوبوں کی تباہی غیر اقوام کا تسلط اور ان کی دراز دستی۔ قرضہ کی گراں باری جو انسے جنگ و مقابلہ کرنے کا نتیجہ تہا اور رعایا کی بغاوت اور ناراضی کچھ کم روح فرسا و دلشکن امور نہیں تھے لیکن یہ بلند ہمت اور مستقل مزاج لڑکی کبھی ان کو خاطر میں نہ لائی اور وہ ان تمام عقدوں کو اپنے انگشت تدبیر سے سلجھانے کے لیے تیار تھی۔ جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا ہے شہنشاہ مرحوم نے تمام امور سلطنت کے اختیارات کونسل کو دیے تھے۔ لیکن، شی کی عالی حوصلگی اور بلند طبیعت کب اس امر کو برداشت کر سکتی تھی کہ وہ حکومت کے دائرے میں

ایک عضو معطل کی طرح بیکار بیٹھکر تماشا دیکھا کرے۔

اس امر کا فیصلہ کرنا کہ کونسل کی بربادی اور اوس کے اراکین کا قتل کس کے ایما و اشارہ سے ہوا ایک دشوار امر ہے شہزادہ کونگ جو وزیر اور کونسل کا صدر نشین تہا بادی النظر میں زیادہ الزام کے قابل ہے جس کی وجہ آیندہ بیان کی جائے گی۔ مگر جب ہم شی کے آیندہ معاملات اور کارروائیوں پر غور کرتے ہیں تو گمان غالب ہوتا ہی کہ دریردہ وہ بھی ضرور اس سازش میں شریک تھی۔ شہزادہ کونگ شہنشاہ کا بہائی تھا۔ اور شہنشاہ کی وفات کے بعد وہی ایک سلطنت کا حکمراں بھی سمجھا جاتا تہا۔ جس زمانہ میں کہ غنیم کے حملوں سے پریشان ہوکر شہنشاہ نے اپنے شکارگاہ کے مکان میں پناہ لی تھی تو فاتح اقوام سے شرایط صلح کی تحریر اور ان کا فیصلہ اسی شہزادہ نے کیا تہا اور نیز وہ اس محکمہ کا صدر نشین مقرر ہوا تہا جو ۱۸۶۱ء میں دول خارجہ سے خط و کتابت و معاملہ طے کرنے کی غرض سے قایم ہوا تہا۔

چونکہ کونسل کے اراکین اس شہزادہ کی مطلق العنانی میں سد حائل تھے اور انکی وجہ سے وہ اپنے عظیم الشان حکومت اور جلیل القدر عہدہ سے کوئی فائدہ نہیں اوٹہا سکتا تہا اس لیے اس کی موجودگی ں کو ایک آنکھ نہیں بہاتی تہی اس سبب سے وہ انکے قلع قمع کے درپے ہوا۔ غالباً اوسے خیال یہ تہا کہ یہ دونوں عورتیں اس کی مخالفت کی جرات نہ کرینگی اور وہ امور سلطنت کو جس طرح چاہے گا انجام دے گا۔ شی کی بہی تو یہی تمنا تہی اور وہ اسیطرح کی حکمرانی کو پسند کرتی تہی۔ اس لیے یقین ہے کہ اس نے شہزادہ کی تجویز کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہوگا۔ غرض جب یہ اجل رسیدہ لوگ شہنشاہ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوکر واپس آرہے تہے تو ان پر شہنشاہ کی رسوم تجہیز و تکفین میں سخت فرد گذاشتیں کرنے کا الزام لگایا گیا اور وہیں قتل کردیے گئے۔ کونسل کے خاتمہ ہونے سے شہنشاہ کے دونوں بیگیات محل کی مالک و مختار ہوگئیں اور کلی و جزوی

امورانہی کی رائے سے فیصلہ ہونے لگے۔ شہزادہ کونگ کی مطلق العنانی کے لیے بھی ایک وسیع سلطنت کا دروازہ کھل گیا تھا اور کوئی مرد میدان باقی نہیں رہا تھا۔

تین سال تک کام بدستور چلتا رہا۔ اور اس اثنا میں چین جنگ بغاوتوں کے صدمات کی آہستگی سے تلافی کر رہا تھا۔ شہزادہ کونگ کی لیاقت و شائستگی کا شہرہ ہونے لگا۔ اور اوس کی حکمرانی کا طریقہ اور تدابیر سلطنت کی بھی تعریف ہونے لگی۔ شہنشاہ بیگم شی کب اس امر کو گوارا کر سکتی تھی۔ اوس کو تو یہ منظور تھا کہ میں ہی مرجع خلایق بنوں اور لوگ میرے ہی طرف رجوع کریں۔

اب شہزادہ کونگ اوس کی نظروں میں کھٹکنے لگا اور اوس کے ہٹانے کی فکر و تدبیر کرنے لگی۔ آخر ۲ اپریل ۱۸۶۵ء کو ایک فرمان جاری کیا جس کی رو سے شہزادہ کونگ تمام عہدوں سے موقوف کیا گیا اور اسکی وجہ یہ تبلائی گئی تھی کہ وہ اپنی حد سے بہت آگے بڑھ چلا تھا گویا۔ "ایاز قدر خود بشناس" کے مقولہ کو مدنظر نہیں رکھتا تھا۔

شہزادہ نے تو اس فرمان کی اطاعت کی لیکن دفعتاً اوسکی اس طرح کی موقوفی نے تمام اراکین دربار اور عمائدین سلطنت میں ایک ہل چل ڈالدی۔ اس تشویش کے پیدا ہونے سے شی گھبرا گئی اور پانچ ہفتہ کے بعد ایک دوسرا فرمان جاری کیا جس کی رو سے شہزادہ کا سوائے کونسل کی صدارت کے باقی تمام عہدوں پر دوبارہ تقرر کیا گیا۔ اس کارروائی سے شہزادہ کو شی کا لوہا ماننا پڑا اور اوس کو ایک ایسا زبردست سبق ملا کہ آیندہ پھر اوسے شی کے احکام و معاملات میں دم مارنے کی جرات نہیں رہی۔

۱۸۷۱ء میں شہزادہ ٹونگ چی جو شی کا بیٹا تھا بڑا ہوا۔ اور اوس کی شادی کی فکر ہونے لگی۔ اوس کی والدہ یعنی شی نے دلھن کا انتخاب اپنے ذمہ لیا۔ پنچو کی لڑکیاں شاہی محل پر حاضر رکھی گئیں۔ اور چار چار پانچ پانچ کرکے شہنشاہ بیگم کے ملاحظہ میں پیش کی گئیں۔ ہر لڑکی جب روبرو آتی تو ایک تختی جس پر اوس کا نام و عمر درج رہتا تھا شہنشاہ بیگم کے

ہاتھ میں دیتی جو پہلی نگاہ میں پسند نہ آتی تو بے اعتنائی کے ساتھ بڑھا دیتی تھی۔ اور جو پسند آتی تو اوس کیطرف توجہ کرکے اوس سے ایک دو سوال کرتی اور اون کے جوابات لکھ لیتی۔ جو خواجہ سرا کہ اس وقت حاضر تھے ناپسند امیدواروں کو حسب ہدایت شہنشاہ بیگم ایک ایک چاندی کا ٹکڑا جو جوتے کی شکل میں بنا ہوا تھا دے کر رخصت کرتے جن لڑکیوں کو پہلی نظر میں یہ علامت نامنظوری نہیں دی گئی تھی وہ دوبارہ پیش کی گئیں اور اس دفعہ کے ناپسند امیدواروں کو ریشم کی ایک اٹیا دی گئی اس طرح بار بار معاینہ کیا گیا اور آخر میں خوش قسمتی و بلند اقبالی کا سہرا الیونی کے سر باندھا گیا جو چینگ کی نیک دل شریف و عقلمند لڑکی تھی۔

شادی سے تین روز قبل شہنشاہ ٹونگ چی نے اپنی دلھن کے لیے شادی کا جوڑا روانہ کیا۔ اور اوس کے دو روز بعد ایک سونے کی تختی بھیجی جس پر اوس کے ملکہ بننے کی منظوری کندہ تھی۔ غرض نہایت تکلف کیساتھ شادی ہوئی اور مصارف میں کسی طرح کی کمی نہیں کی گئی دلہن جلوس کے ساتھ شاہی محل میں گئی۔ اس جلوس میں منچو کے شہزادے بھی شریک تھے اور تیس سفید گھوڑے دلہن کے میانہ کے ساتھ تھے شی نے درباری شان و شوکت کیساتھ اپنی بہو کا استقبال کیا۔ اس وقت کا شمار ان غیر معمولی اوقات میں ہے جس میں شی کو لوگ پردہ کے باہر دیکھ سکے۔ کیونکہ شی ہمیشہ کاروبار سلطنت کو پردہ کے پیچھے سے انجام دیا کرتی تھی۔ وہ اپنے فرزند اور وزرا کے مشورہ و ملاقات میں پردہ کی آڑ میں حاضر رہتی اور ان کی تمام گفتگو من و عن سنتی۔ ساٹھ سال کی عمر تک اس نے پردہ سے باہر نکلنے کی جرات نہیں کی اور نہ وزرا سے بالمشافہ ملاقات کی۔

شہزادہ کونگ کی یہ بڑی خواہش تھی کہ ان دونوں بیگموں میں مخالفت پیدا ہوتا کہ آسکی بن آئے اور حسب دلخواہ حکومت کے مزے اڑائے وہ رات دن اسی کی ادھیڑ بن میں رہتا اور طرح طرح کی تدبیر کرتا تھا لیکن شہنشاہ ٹونگ چی کی حیات تک اوسے کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔

ایک مضمون نگار کا یہ بیان ہے کہ ۱۸۴۳ء میں ان دونوں بیگموں میں مخالفت ہوگئی تھی اور اس کی وجہ وہ اس لبستو وصیت نامہ کو قرار دیتا ہے جسکے رو سے شہنشاہ مرحوم نے تمام اختیارات اپنی بڑی بیگم کو دئے تھے۔ اور جسے بڑی بیگم نے شی کو اپنی خیر خواہی اور محبت جتلانے کی غرض سے دکھلا دیا تھا۔ اس کے دیکھنے سے شی سخت برہم ہوئی اور شہنشاہ کا یہ فعل اوسکو سخت ناگوار گذرا۔ لیکن واقعات مابعد پر غور کرکے اور ان دونوں بیگموں کو امور مملکت میں اتفاق کرکے کام کرتے ہوئے دیکھنے سے یہ روایت درجہ اعتبار سے ساقط ہوتی ہے۔ ۱۸۶۵ء میں شہنشاہ نے شہزادہ کونگ اور اوس کے بیٹے کو بے ادبانہ وگستاخانہ الفاظ استعمال کرنے کے جرم میں برطرف کردیا لیکن دوسرے ہی روز دونوں بیگموں کے فرمان سے وہ بحال کیا گیا اور ۱۸۸۴ء تک اپنے عہدہ پر مامور رہا۔ اور آخر اس سال میں شی کے حکم سے موقوف کردیا گیا۔

اس واقعہ کے تھوڑی مدت بعد شہنشاہ بیمار ہوگیا اگرچہ وہ نام کا بادشاہ تھا۔ لیکن اپنی علالت کے زمانہ میں اپنی بیوی کی حق تلفی کرکے ایک فرمان (غالبًا انہی بیگموں کی تحریک سے) اس مضمون کا جاری کیا کہ دونوں بیگمات پھر زمام حکومت اپنے اختیار میں لیں۔ بغرض یہ بیماری پیغام مرگ لیکر آئی تھی اور اس نے ۱۸۷۵ء میں انتقال کیا۔ وفات کے وقت اس کی بیوی الیوتی حاملہ تھی۔ باضابطہ کارروائی تو یہ تھی کہ یہ دونوں شہنشاہ بیگم کے بیوی کی زچگی ہونے تک انتظار کرتیں۔ اور ملکی قانون کی رو سے اگر لڑکا ہوتا تو یہ دونوں ہٹادی جاتیں اور لڑکے کی والدہ یعنی الیوتی شہزادہ کے سن بلوغ کو پہونچنے تک کاروبار سلطنت کا انتظام کرتی اور اگر لڑکی ہوتی تو شاہی خاندان سے کسی دوسرے لڑکے کو متبنی بنالیتی۔ بہرحال دونوں صورتوں میں فرمانروائی کی عنان اسی کے ہاتھ میں رہتی۔ لیکن یہ دونوں کب اس امر کو پسند کرسکتی تھیں۔ اسیلئے انہوں نے اس قدیم رسم سے چشم پوشی کرکے شہنشاہ ہین فون کے چھوٹے بھائی شہزادہ چون کے بیٹے کو جو ۱۸۷۱ء میں پیدا ہوا تھا اور جو ایک روایت کی رو سے شی کا بھانجہ تھا وارث تخت وتاج قرار دیا۔

اسس کار روائی کی غایت یہ تھی کہ اس لڑکے کے جوان ہونے تک ایک مدت مدید درکار تھی اور نتیجتاً یہ دونوں اوس وقت تک بے فکری سے حکومت کرتیں اور ملک کے سیاہ سفید کی مالک ہتیں۔ اور اوس کے ساتھ انہوں نے زبان خلق وملامتوں سے بچنے اور اپنی کارروائی کو جائز قرار دینے کی غرض سے یہ بیان کیا کہ شہنشاہ مرحوم نے بھی اپنی وصیت میں اسی شہزادہ کو متبنیٰ کیا تھا۔

اب جو امر کہ انہیں خار کی طرح کھٹکتا تھا وہ شہنشاہ متوفی کی بیوہ الیوٹی کی موجودگی تھی۔

چند روز بعد یہ خبر شایع ہوئی کہ الیوٹی پر اپنے پیارے خاوند شہنشاہ کے انتقال کا ایسا صدمہ عظیم ہوا کہ اپنی زندگی سے بیزار ہو کر خودکشی کر لی۔ اگرچہ اکثر لوگوں میں اس خبر کی سرگوشیاں ہونے لگیں اور اس کی موت مشتبہ نظروں سے دیکھی جانے لگی لیکن کسے مجال تھی کہ دم مار سکے۔

اب دونوں بیگمات نے عنان حکومت کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ شہزادہ کونگ بھی طوعاً وکرہاً ان کے حسب خواہش کاروبار سلطنت چلاتا رہا۔ ۱۸۷۴ء میں یہ اپنے عہدہ سے ذلت کیساتھ نکالدیا گیا۔ اور اوس کی جائے پر شہزادہ چون مامور کیا گیا جو شہنشاہ خورد کا والد اور ایک مدت سے دونوں بیگمات کے ہاتھ میں مانند ایک کٹھ پتلی کے تھا کہ جس طرح چاہتیں اوس سے کام لیتی تھیں۔ چون اگرچہ شاعر تھا اور گاہ گاہ شہنشاہ بیگم سے شعر بازی کیا کرتا اور گانے بجانے کا بھی شوقین تھا لیکن اپنے ذہن کا پکا اور مستقل مزاج نہیں تھا اس لیے شہنشاہ بیگم نے اس کمی اور نقص کو اس طرح پورا کیا کہ ایک دوسرے چینی مدبر لی ہنگ چنگ کو اپنا معتمد ومشیر بنایا۔

صوبہ شانسی کے زمانہ قحط میں دونوں بیگمات نے ایک ایسا کام کیا جو ان کی ہر دلعزیزی اور شہرت کا باعث ہوا۔ روزانہ سوٹیل یعنی قریب سوا پانچسو روپیہ کا گوشت شاہی باورچیخانہ

کے لیے آتا تھا۔ انہوں نے ایک تخت گوشت کھانا ترک کر دیا اور نیز دوسرے مصارف و اخراجات محل کو گھٹا کر اس بچی ہوئی رقم کو قحط زدوں کی امداد کے لیے مقرر کیا۔

ایک نامہ نگار ایک اور موقع میں شی کی ہمدردی کا اس طرح ذکر کرتا ہے۔

جب جزیرہ ہینان میں باغیوں کی سرکوبی کے لیے فوج بھیجی گئی تھی تو وہاں کی مرطوب آب و ہوا کے اثر سے اہالیان فوج اکثر بخار میں مبتلا رہتے تھے۔ شی کو اس کی خبر ہوتے ہی دافع بخار گولیوں کے دس صندوق انکے لیے روانہ کیے گئے۔

وینگ ٹونگ چو جو اعلیٰ لیاقت اور شایستہ خیالات کے لحاظ سے خاص و عام میں مشہور تھا خورد سال شہنشاہ کا معلم قرار دیا گیا۔ اور نہایت محنت و جانفشانی کے ساتھ اپنے فرض کو ادا کرتا تھا اور بادشاہ میں جدید خیالات کا میلان اور مغربی طرز تمدن کی رغبت اسی کی تعلیم سے پیدا ہوئی۔ کہتے ہیں کہ اس خورد سال بادشاہ کو بڑی بیگم سے زیادہ اُنس تھا اور وہ اس کو شی پر ترجیح دیتا تھا اور بڑی بیگم کے اچانک موت کا جو ۱۸۸۱ء میں واقع ہوئی یہی سبب سمجھا جاتا ہے اب توشی کے لیے اور زیادہ میدان صاف ہو گیا اور کسی کو اوس کے اختیارات و احکام میں مداخلت کرنے اور کسی سے صلاح و مشورہ لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ الغرض اس وقت کنٹن کی غلام لڑکی ایک عظیم الشان سلطنت کی خود مختار شہنشاہ بن بیٹھی اس بلند اقبال لڑکی کی ایسی زبردست قسمت تھی کہ جس نے مخالفت پر کمر باندھی یا سنگ راہ ہونا چاہا اجل نے اوسے آدبایا گویا تائید غیبی اس کی پشت و پناہ تھی۔ اگرچہ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ یہ تمام لوگ یعنی کونسل کے تین ممبر بدنصیب شہنشاہ ٹونگ چی جو اس کا بیٹا تھا اس کی الیوٹی بیوی جو اس کی بہو تھی۔ مارکویس سینگ جو کسیقدر مخالفت کرنا چاہتا تھا۔ اور آخر میں بڑی بیگم اس کی تمناؤں اور آرزوں کی بھینٹ چڑھی تھی مگر کوئی صحیح طور پر نہیں کہہ سکتا کہ کس حد تک یہ ان موت کی باعث تھی لیکن گمان غالب یہی ہے۔ ۱۸۸۸ء تک شی بالکل خود مختارانہ اور مطلق العنانی سے حکومت کرتی تھی۔ اس سال ذیل کا شاہی فرمان

جریدہ میں شایع کیا گیا۔

شہنشاہ بیگم کا خاص فرمان

شہنشاہ نے باستحقاق وراثت تخت شاہی پر جلوس فرمایا اور چونکہ سن بلوغ کو بہی پہونچ گئے ہیں۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نیک و باعصمت بیوی اپنے لیے منتخب کریں تاکہ اون کو شاہی محل کے کاروبار میں مدد دے اور امور خانگی کا انتظام کرے اور نیک اخلاق اور عمدہ طریقہ زندگی کی ترغیب دے بنابرین لفٹنٹ جنرل کوی سینگ کی بیٹی ٹٹ ہونالا جس کو عمدہ خصائل اور نیک اخلاق کیوجہ سے ہمنے اون کے لیے انتخاب کیا ہے شہنشاہ بیگم سمجھی جائے۔

اسکے بعد کا فرمان حسب ذیل ہے

ٹنالا جو چینگ ہی کی لڑکی اور پندرہ سال کی عمر کی ہے اول درجہ کی حرم ہونے سے سرفراز ہوئی اور اوس کی بہن ٹنالا دوم درجہ کی حرم بنائی گئی۔

اس فرمان کی توقیر کیجائے

۱۹۰۸ء میں شہنشاہ کوانگ سو نے جب تخت سلطنت پر جلوس کیا تو ملک کو اپنے متبنی ہونے کے زمانہ سے بہت بہتر حالت میں پایا اوشی کی نسبت کیسے ہی روایات بیان کیے جائیں لیکن اس سے اس کے مخالفین بہی انکار نہیں کرسکتے کہ اس کے زمانہ اقتدار و اختیارات میں چین کی وقعت و آمدنی بڑہ گئی تہی اور اس کی حالت روز افزوں ترقی پر تہی۔ شہزادہ کونگ سے کیسی ہی ان بن رہی ہو مگر بیس سال تک دونوں نے ایکدوسرے کی راے و مشورہ سے کام کیے اور جب اوسے ہٹا دیا تو اوسکی مردم شناش نظر نے لی ہنگ چنگ

سب جیسے قابل و بے نظیر مدبر اور کارگزار کو اوس کی جاے پر انتخاب کرلیا۔ ۱۸۶۱ء سے ۱۸۸۹ء تک اِس نے عملی طور پر چین کی فرمان روائی کی اور جب نوجوان شہنشاہ کو حکومت سپرد کرنے کا وقت آیا تو اوس کو اتنے وسیع اختیارات سے ایک تخت دستکش ہو کر کنج گمنامی میں جانا نہایت شاق گذرا اور اِس کا یہ ملال مقتضاے فطرت انسانی تھا کیونکہ انسان فطرتاً حکومت پسند ہوتا ہے اور خصوصاً جب اسکا مزا چکھ لیتا ہے تو پھر وہ ہمیشہ اسکا طالب و خواہاں رہتا ہے۔

شی کو شہنشاہ کوانگ سو کیطرف سے یہ خوف تھا کہ تخت و تاج کا مالک ہوتے ہی وہ سے کہیں دایرہ حکومت سے خارج نہ کردے اور اوسکے یہ شبہات بیجا بھی نہیں تھے اسلیے اوسنے قبل از وقت کے خیال سے شہنشاہ سے ایک باضابطہ اقرارنامہ لکھوایا جس میں پچیس دفعات سے کم نہیں تھیں اور جسکی رو سے شی کے بہت سے اختیارات شاہی قایم رکھے گئے تھے شہنشاہ نے مصلحت وقت کے لحاظ سے اس اقرارنامہ پر دستخط تو کردیے لیکن اوس کی نیت ایفا کی نہیں تھی اور لطایف الحیل سے کام لینے لگا اور بتدریج ایک ایک دفعہ کی تنسیخ کرنے لگا۔

آیندہ دس سال تک شہنشاہ اور شی میں تنازع اور کشمکش کا سلسلہ جاری رہا شہنشاہ کی پہلی مخالفت اوس تجویز کی نامنظوری سے ظاہر ہوئی جو لی ہنگ چنگ نے ٹینٹسن سے پیکن تک ریل بنانے کے متعلق پیش کی تھی اور جس کی شی نے زور کیساتھ تائید کی تھی اِس کارروائی سے اس کا اصلی مقصد شی کو معلوم کرانا تھا کہ وہ اپنے کو خودمختار اور اوسکے دایرہ اثر سے آزاد سمجھتا تھا۔ اگرچہ وہ اس باعث سے تنگ خیال مشہور ہوا لیکن اوس کی آیندہ انتظامات و اصلاحات اس خیال کی تردید کرتے ہیں اور اوس کی روشن خیالی کی شہادت دیتے ہیں۔

باوجود اس تنازع و مخالفت کے ذیل کا فرمان جو شہنشاہ کی جانب سے ۱۸۹۴ء میں

جبکہ شی کی عمر ساٹھ سال کو پہونچگئی تھی شایع ہوا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہنشاہ کو شی کے قابو سے آزادی حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

شہنشاہ بیگم کی اعلیٰ خوبیاں وملکی تدابیر بیّن طور پر ظاہر ہیں اور ان کی مدبری و دور اندیشی سے قوم وملک کو جو فائدہ پہونچا ہے محتاج بیان نہیں اور جو امن وامان کہ اسوقت ملک میں قایم ہے انہیں کی انتھک محنت اور دور اندیشی کا نتیجہ ہے۔ اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ زمانۂ جلوس سے اب تک ہم آنجہانی عاقلانہ مشوروں سے مستفید ہوتے رہے ہم نہایت مسرت سے اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ اس سال شہنشاہ بیگم کی عمر پوری ساٹھ سال کی ہوچکی ہے۔ اور خدا کے فضل سے صحت بہی اچھی ہے۔ ہم اسکو اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ارکان سلطنت و امرائے دولت کے ساتھ اون کی ازدیاد عمر وصحت مزاج کے لیے دعا کریں۔

اسی سال میں جاپان سے جنگ چھڑ گئی۔ شی کی رائے اس جنگ کے متعلق ٹھیک طور پر نہیں معلوم ہوسکتی ہے۔ ایک نامہ نگار کا بیان ہے کہ وہ اس جنگ کے بالکل خلاف تھی اور دوسرا اسے اس کی اصل بانی قرار دیتا ہے۔ ایک عورت نامہ نگار لکھتی ہے کہ اگر اس سال جاپان کی جنگ حارج نہوتی تو شی کا شصت سالہ جشن تمام مملکت میں نہایت شان وتکلف سے کیا جاتا۔

ہم ذیل میں شہنشاہ کا ایک رقعہ درج کرتے ہیں جو ۱۸۹۸ء میں کنگ یودی کے نام لکھا گیا تھا جس کے دیکھنے سے اس خیال کی تقویت ہوتی ہے کہ شہنشاہ شی کے پنجہ میں بطور پھنسا ہوا تھا۔

ہکو معلوم ہے کہ ملک کیسی بےامنی وتشویش کی حالت میں ہے اور جبتک مغربی طرز تمدن نہ اختیار کیا جائے اس کو تباہی سے بچانا ممکن نہیں اور نیز جبتک متعصب خیالات کے لوگ دایرہ حکومت سے خارج نہ کردیے جائیں اور اون کی جاے پر ایسے روشن خیال نوجوان مامور نہوں جو مغربی اُصول حکومت سے باخبر ہوں ملک کی ہرگز اصلاح نہوسکے گی

شہنشاہ بیگم میرے اس خیال کی مخالف ہیں میں متعدد مرتبہ ادن سے اس کے فوائد کو بیان کرچکا ہوں لیکن وہ منظور نہیں کرتیں۔ بلکہ رنجیدہ وغصہ ہوتی ہیں اس لیے بذریعہ ہذا تمکو حکم دیا جاتا ہے کہ تم اپنے ہمراز وہم رتبہ لوگوں سے اس کے متعلق مشورہ کرکے اطلاع دو کہ کس ترکیب سے مجھے اس گرداب بلا سے نجات دے سکو گے۔

اس سال شہنشاہ نے جرات کرکے شی کو ایک جزیرہ میں جو محل میں ہی واقع تہا قید کرنے کا حکم دیا اور پہر اوس کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ یہ عام بات ہے کہ جہاں شخصی سلطنت ہوتی ہے وہاں سازشوں کا بھی ایک گروہ ضرور رہتا ہے جو اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کے سامنے قوم کی بھلائی اور ملک کی بہبودی کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ اسی طرح شہنشاہ کے گرد بھی ایسے لوگوں کی ایک جماعت کثیر تھی جو اس کے نئے اصلاحات اور عمدہ خیالات کو اپنے خود غرضانہ مقاصد کے پیش رفت میں سد حائل سمجھتے تہے اس لیے انہوں نے اس موقع کو اپنے مفید مطلب سمجھا اور فوراً شہنشاہ کے خلاف سازش کرکے شی کی امداد کے خواہاں رہوے شی بھی اپنی رستگاری کے لیے اسے تائید غیبی سمجھی اور بلا تامل اس سازش میں شریک ہوگئی اس عجیب و غریب عورت کی اس وقت کی کارروائی قابل یادگار ہے اور اس کی معاملہ فہمی اور عقلمندی پر دلالت کرتی ہے۔ اس نے فوراً سپاہیوں کی ایک جماعت کو جن پر اوسے اعتماد تہا شہنشاہ کی قیام گاہ کے اردگرد مقرر کرکے اوس کا محاصرہ کیا اور اس طرح ایک آن واحد میں تمام کارروائی کا تختہ اولٹ دیا۔

شہنشاہ کو قید کرکے اوس سے اپنے حسب منشا کٹھ پتلی کی طرح کام لینے لگی۔ باوجود اسکے کہ شہنشاہ اس وقت اس کے ہاتھ میں مجبور و لاچار تہا مگر شاید اس کی موجودگی کو وہ اپنے لیے خطرناک سمجھتی تھی۔ چند روز بعد سرکاری جریدہ میں شہنشاہ کی علالت کی خبر شایع ہوئی اور غالباً اگر برطانی سفیر دخل نہ دیتا اور شہنشاہ بیگم کو ان خطرات اور خوفناک نتایج سے آگاہ نہ کرتا جو شہنشاہ کی موت سے لامحالہ وقوع میں آنے والے تہے تو دوچار روز ہی بعد

اسس بیچارہ کے انتقال کی خبر بھی جریدہ میں مشتہر ہوتی۔

شہنشاہ کی جانب سے اپنا اطمینان کرکے اب وہ اون لوگوں سے انتقام لینے کے درپے ہوئی جو شہنشاہ کو اوس کے خلاف اکساتے اور نئے اصلاحات کا مشورہ دیتے تھے۔ ان لوگوں میں جن کو اس بادشاہ گردی کی اطلاع ہوئی اور جو عاقبت اندیش تھے سمجھ گئے کہ اب اُن کی جان کی خیر نہیں تھی فوراً گھربار کو خیرباد کہکر فرار ہوگئے اور جو بیچارے بے خبر بیٹھے تھے گرفتار کرکے قتل کردیے گئے فرمان ذیل سے پتہ لگ سکتا ہے کہ انتقام کی آگ اوسکے سینہ میں کس طرح بھڑک اٹھی تھی۔

ان لوگوں کی کارروائیوں پر جس قدر کہ ہم بدولت کو رنج و افسوس ہے اوس کے اظہار کے لیے الفاظ قاصر ہیں اس لیے ہم دوبارہ صوبہ داروں و حکام کو حکم دیتے ہیں کہ اس امر کا اعلان کریں کہ سرکار عالی بلا تخصیص تبہ و ذات کے اوس شخص کو جو کنگ یو وی اور لیانگ چی جاؤ کو گرفتار کرکے سرکاری ملازمین کے حوالہ کرے گا اوس کو پندرہ ہزار پونڈ انعام دیا جائے گا اور اگر یہ دونوں مجرم مارے جائیں تو صرف ان کی لاشوں کو شناخت کرا دینا انعام مذکور کے استحقاق کے لیے کافی ہوگا۔

سنہ ۱۹ء میں ایک شورش عظیم ملک میں بپا ہوئی اور اس کا اصلی باعث غیر سلطنتوں کی دراز دستی تھی جو ملک میں مقررہ حدود سے آگے بڑھنے لگی تھیں۔ ان کے اس طریقہ کارروائی سے شہنشاہ بیگم آگ بگولا ہوئی اور ان کے روکنے کے لیے ہر طرح کی کوشش کی لیکن جب بس نہ چلا تو جنگ و مقابلہ کی تیاریاں شروع کردیں اتنے میں باکسروں کا جوش و خروش بپا ہوا جس نے تمام چین میں ایک طوفان عظیم پیدا کیا۔ شہنشاہ بیگم اس شورش کو ایسے وقت میں مفید مطلب سمجھکر خفیہ طور پر اس کی امداد کرنے لگی۔ لیکن دکھاوے کی غرض سے ظاہراً وہ اپنی ناراضی ظاہر کرتی رہی جب وقت مناسب پر وہ اس شورش کو دبانے کی کوشش کرنے لگی تو وہ ایسا زور پکڑ گئی تھی کہ اوس کی قوۃ امکان سے باہر ہوگیا تھا

اس لیے غیر سلطنتوں کو بھی موقع مل گیا اور انہوں نے دار السلطنت پر اپنے سفرا کو بچا لینے کے
بہانہ سے چڑہائی کی۔ جب یہانتک نوبت پہونچی تو شی مع شہنشاہ اور درباریوں کے پہلے
فرار سے چالیس سال بعد پیکن سے پر فرار ہوگئی غیر سلطنتوں نے سابق سے بھی زیادہ پیکن کو لوٹا اور خوب دل کھولکر لوٹتے ہوئے
تھے۔ آخرکار وہ بعد ان سلطنتوں سے مصالحت ہوگئی اور پھر وہ پیکن کو واپس آ کر حسب سابق سلطنت کرنے لگی
مگر ان حملہ آوروں سے اوس کو آئندہ کے لیے ایسی نصیحت ہوئی کہ پھر وہ یوروپین سلطنتوں سے
دوستانہ سلوک اور اون کی مزاجداری کرنے لگی۔

اس بلند اقبال عورت کا چوہتر سال کی عمر میں ماہ نومبر ۱۹۰۸ء میں انتقال ہوا اور
اپنے عجیب وغریب کارنامے تاریخ میں یادگار چھوڑ گئی۔

ایک ایسی عورت کی عادات واخلاق کی نسبت رائے دینا جس نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ
پردہ میں گذارا ہو اور جس کے حالات میں اس قدر اختلاف پائے جائیں ایک دشوار امر ہے
ہم اوس کے موافق ومخالف رایوں کو پیش کر کے اس کا فیصلہ ناظرات خاتون پر چھوڑ دیتے
ہیں۔

یہاں پر ہم ایک مضمون سے کچھ اقتباس کرتے ہیں اور اس کے بعد ہم ان رایوں کو
بھی درج کرینگے جو اس مضمون کے بعد شایع ہوئی ہیں۔

ایک دیسی جو پیکن میں مدت تک رہ چکا ہے لکھتا ہے کہ شی بہت ہی وحشی عورت
ہے لیکن دوسرے لوگ جو مدت تک وہاں سکونت پذیر تھے یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک پاکیزہ مذاق
اور اعلیٰ قابلیت کی بیگم ہے اور فن مصوری جانتی ہے اور شعر بھی کہتی ہے۔ چنانچہ اسنے
ہیملٹن کالج کو اپنی تصنیف کے چھ سو بند نذر کیے۔ مسٹر ایف جی کارنیٹر پیکن سے اخبار
نیویارک ہیرلڈ کو بتاریخ ۳۰ ستمبر ۱۸۹۸ء شہنشاہ بیگم کی نسبت یہ الفاظ لکھتے ہیں۔

شہنشاہ بیگم کی عمر اس وقت پچاس سے اوپر ہے اور کہتے ہیں کہ وہ مضبوط اور باوقار
عورت ہے میں نے سنا ہے کہ وہ تتریوں کی وضع پر جو اہل منچو میں دستور ہے اپنے بالوں میں

کنگھی کرتی ہے اور سر کے پچھلے حصہ میں چھ چھ انچ کے لمبے سینگ بناتی ہے جنہیں وہ سونے کی الپنوں سے باندہ دیتی ہے وہ نہایت آزاد خیال ہے اور جو چاہتی ہے کرتی ہے اور چینی ریت و رسوم کی پروا نہیں کرتی۔ کہتے ہیں کہ وہ محل میں چار دیواری کے اندر تیر اندازی کی بھی مشق کرتی ہے اور سُنا ہے کہ اس نے ایک بوڑہے خواجہ سرا سے مشت زنی بھی سیکھی ہے۔ وزیر ڈن بھی مجھ سے کہتا ہے کہ وہ تمام مضامین اور معاملات پر غور کرتی ہے اور بخوبی سمجھتی ہے اور بڑی محنتی ہے اس کا خیال ہے کہ وہ تاریخ میں دنیا کے نامور فرمانرواؤں میں شمار کی جائے گی اور وہ کہتا تھا کہ اسکی وجہ سے چین کو دنیا کے اقوام میں موجودہ وقعت حاصل ہوئی ہے شہنشاہ بیگم کے خیالات چینیوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ اگرچہ چین دنیا کی مہذب اقوام سے بالکل الگ تھلگ ہے لیکن اس امر کا لکھنا حیرت کا باعث ہوگا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ محلات چھ ہزار برقی روشنی کے لیمپوں سے روشن ہوں گے اور شہنشاہ اپنا کھانا آبنوس کی لکڑی سے جس کا سرا سنہری ہوگا برقی روشنی کی شعاعوں میں کھائیگا۔

اگرچہ شی کی عمر چہیاسٹھ سال کی ہے لیکن اس کے بال اب تک سفید نہیں ہوے اسکا قد میانہ ہے اور جسم چوڑی ہڈی کا ہے اس کی آنکھیں سیاہ اور رنگ کسی قدر زیتونی اور اور اس کے پاؤں برخلاف چینی رسم کے قدرتی طول رکھتے ہیں اسکی آواز کرخت ہے اور وہ زیور اور جواہرات کی بیحد شوقین ہے۔

انگریزی وزیر مقیم پیکن شہنشاہ بیگم کی اس ملاقات کو جو اسنے دول خارجہ کے سفرا کی بیویوں سے کی ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

ملاقات کی رسوم اچھی طرح ادا ہو گئیں شہنشاہ بیگم کے اخلاق اور تہذیب کا سب حاضرین پر نہایت عمدہ اثر ہوا جو لوگ اس خیال کے ساتھ گئے تھے کہ ہم جس سے ملنے جاتے ہیں وہ بدمزاج اور مغرور عورت ہے ان کو شہنشاہ بیگم کی خوش اخلاقی اور عنایت اور مزاج کی

صفائی اور فراست دیکھکر سخت حیرت ہوئی۔

اسکے دشمن اس کو الزام دیتے ہیں کہ وہ جوے کی بہت شوقین ہے اور روپیہ سے بے انتہا محبت رکھتی ہے اس کا سب سے بڑا مخالف جسنے اس پر بڑے بڑے الزام لگائے ہیں۔ کنگ یو دی ایک مصلح ہے جسے شہنشاہ بیگم نے اندہا دہند آزادانہ خیالات کی وجہ سے نکالدیا ہے اس نے اپنے آخری خط میں جو وزرائے دول خارجہ کے نام ہے شہنشاہ بیگم کو بہت کچھ برا بہلا لکھا ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کو غلامی کیحالت میں رکہا اور تمام اختیارات شاہی پر خود قابض ہے اسنے شہنشاہ کو جان بوجھکر خراب کیا اور اپنی سوکن شرقی بیگم اور نیز اپنی بہو یعنی ٹونگ چی کی بہو کو زہر دیکر مار ڈالا وہ بڑی غاصب ہے کہ اس نے ایک ہونہار و لایق شہنشاہ کو تخت سے اوتار دیا اور خود مالک بن بیٹھی اور اس نے اپنے خاوند ہین فون کو اپنی حرکات سے ستاکر ہلاک کردیا۔

لیڈی مکڈنلڈ نے ایک مضمون میں اون ملاقاتوں کو بیان کیا ہے جو انہوں نے دوسرے سفرائے دول خارجہ کی بیویوں کے ہمراہ شہنشاہ بیگم سے مختلف اوقات میں کی تہیں وہ شہنشاہ بیگم کی نسبت لکھتی ہیں کہ۔

ظاہر میں وہ ایسی عورت نظر آتی ہے جو اپنے مشیروں کی رائے اور ایما سے چلتی ہے اس کے مشیروں کی زیادہ تر تعداد ان لوگوں کی ہے جو غیر ممالک سے بالکل ناواقف اور ان کی ہر چیز و امر کو ناپسند کرتے ہیں۔ شہنشاہ بیگم میں ذاتی خوبیاں اور عمدہ خصائل کی جہلک صاف نظر آتی ہے وہ ملنسار و مہربان بہی معلوم ہوتی ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اوس کے دائرے کے لوگ اوسے چاہتے ہیں اور عزیز رکہتے ہیں۔

اس وقت میرے ساتھ جتنی خواتین تہیں اون کو میری اس رائے کے ساتھ اتفاق تہا۔ وہ اسی مضمون کے سلسلہ میں کہتی ہیں کہ پہلی ملاقات کے وقت جب ہم کمرہ میں داخل ہوئے تو شہنشاہ بیگم ایک چہوٹی میز کے پاس بیٹہی تہی جو پہول در پہول نقشے

کنگھی کرتی ہے اور سر کے پچھلے حصہ میں چھ چھ انچ کے لمبے سینگ بناتی ہے جنہیں وہ سونے کی الپنوں سے باندہ دیتی ہے وہ نہایت آزاد خیال ہے اور جو چاہتی ہے کرتی ہے اور چینی ریت و رسوم کی پروا نہیں کرتی۔ کہتے ہیں کہ وہ محل میں چار دیواری کے اندر تیر اندازی کی بہی مشق کرتی ہے اور سُنا ہے کہ اس نے ایک بوڑہے خواجہ سرا سے مشت زنی بہی سیکہی ہے۔ وزیر ڈن بہی مجھ سے کہتا ہے کہ وہ تمام مضامین اور معاملات پر غور کرتی ہے اور بخوبی سمجھتی ہے اور بڑی محنتی ہے اسکا خیال ہے کہ وہ تاریخ میں دنیا کے ناموز فرمانرواؤں میں شمار کی جاے گی اور وہ کہتا تہا کہ اسکی وجہ سے چین کو دنیا کے اقوام میں موجودہ وقعت حاصل ہوئی ہے شہنشاہ بیگم کے خیالات چینیوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ اگرچہ چین دنیا کی مہذب اقوام سے بالکل الگ تہلگ ہے لیکن اس امر کا لکھنا حیرت کا باعث ہوگا کہ تہوڑے ہی عرصہ میں یہ محلات چھ ہزار برقی روشنی کے لمپوں سے روشن ہوں گے اور شہنشاہ اپنا کہانا آبنوس کی لکڑی سے جس کا سر اسنہری ہوگا برقی روشنی کی شعاعوں میں کہائیگا۔

اگرچہ شی کی عمر چہیاسٹہ سال کی ہے لیکن اس کے بال اب تک سفید نہیں ہوے اسکا قد میانہ ہے اور جسم چوڑی ہڈی کا ہے اس کی آنکہیں سیاہ اور رنگ کسی قدر زیتونی اور اور اس کے پانوں برخلاف چینی رسم کے قدرتی طول رکہتے ہیں اسکی آواز کرخت ہے اور وہ زیور اور جواہرات کی بیحد شوقین ہے۔

انگریزی وزیر مقیم پیکن شہنشاہ بیگم کی اس ملاقات کو جو اسنے دول خارجہ کے سفرا کی بیویوں سے کی ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

ملاقات کی رسوم اچہی طرح ادا ہوگئیں شہنشاہ بیگم کے اخلاق اور تہذیب کا سب حاضرین پر نہایت عمدہ اثر ہوا جو لوگ اس خیال کے ساتھ گئے تہے کہ ہم جس سے ملنے جاتے ہیں وہ بدمزاج اور متکبر عورت ہے ان کو شہنشاہ بیگم کی خوش خلاقی اور عنایت اور مزاج کی

صفائی اور فراست دیکھکر سخت حیرت ہوئی۔
اسکے دشمن اس کو الزام دیتے ہیں کہ وہ جوے کی بہت شوقین ہے اور روپیہ سے بے انتہا محبت رکھتی ہے اس کا سب سے بڑا مخالف جسنے اس پر بڑے بڑے الزام لگاے ہیں۔ کنگ یودی ایک مصلح ہے جسے شہنشاہ بیگم نے اندہادہند آزادانہ خیالات کی وجہ سے نکالدیا ہے اس نے اپنے آخری خط میں جو وزرائے دول خارجہ کے نام ہے شہنشاہ بیگم کو بہت کچھ برا بہلا لکہا ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کو غلامی کیحالت میں رکہا اور تمام اختیارات شاہی پر خود قابض ہے اسنے شہنشاہ کو جان بوجھ کر خراب کیا اور اپنی سوکن شرقی بیگم اور نیز اپنی بہو یعنی ٹونگ چی کی بہو کو زہر دیکر مارڈالا وہ بڑی غاصب ہے کہ اس نے ایک ہونہار و لائق شہنشاہ کو تخت سے اوتار دیا اور خود مالک بن بیٹھی اور اسنے اپنے خاوند ہین فون کو اپنی حرکات سے ستاکر ہلاک کر دیا۔
لیڈی لٹد نلڈ نے ایک مضمون میں اون ملاقاتوں کو بیان کیا ہے جو انہوں نے دوسرے سفرائے دول خارجہ کی بیویوں کے ہمراہ شہنشاہ بیگم سے مختلف اوقات میں کی تہیں وہ شہنشاہ بیگم کی نسبت لکہتی ہیں کہ۔
ظاہر میں وہ ایسی عورت نظر آتی ہے جو اپنے مشیروں کی رائے اور ایما سے چلتی ہے اس کے مشیروں کی زیادہ تر تعداد ان لوگوں کی ہے جو غیر ممالک سے بالکل ناواقف اور ان کی ہر چیز و امر کو ناپسند کرتے ہیں۔ شہنشاہ بیگم میں ذاتی خوبیاں اور عمدہ خصائل کی جہلک صاف نظر آتی ہے وہ ملنسار و مہربان بہی معلوم ہوتی ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اوسکے دائرہ کے لوگ اوسے چاہتے ہیں اور عزیز رکہتے ہیں۔
اسوقت میرے ساتھ جتنی خوانین تہیں اون کو میری اس رائے کے ساتھ اتفاق تہا۔" وہ اسی مضمون کے سلسلہ میں کہتی ہیں کہ پہلی ملاقات کے وقت جب ہم کمرہ میں داخل ہوے تو شہنشاہ بیگم ایک چہوٹی میز کے پاس بیٹھی تہی جو پہل درپہلو تہے

سجایا گیا تہا۔ وہ غور ودلچسپی سے ہم کو دیکھ رہی تہی ہم بہی اس زبردست عورت کو جس کی مستقل مزاجی ودانشمندی کا شہرہ تہا کچھ کم غور و اشتیاق سے نہیں دیکھتے تھے اس وقت گو اس کی عمر ساٹھ سال سے اوپر تہی لیکن وہ نوجوان معلوم ہوتی تہی۔ اور اوس کے بال بہی سیاہ تہے۔ اوس کی آنکھیں اوس کی مہربان طبیعت کی شہادت دے رہی تہیں جب وہ ٹیکے سے بیٹہی رہتی ہے تو اوس کے چہرے پر رعب ہوتا ہے لیکن جب مسکراتی ہے تو چہرہ خوشنما معلوم ہوتا اور وہ رعب باقی نہیں رہتا۔ اوس کا چہرہ معمولی چینی یا منچوؤں کی مانند نہیں ہے بلکہ زیادہ تر اٹلی کے دہقانی لڑکیوں سے مشابہ ہے قد و قامت میں کوتاہ و چھریری ہے۔ اوس کے ہاتھ پاؤں چھوٹے اور خوبصورت ہیں۔ اور جو بدنمائی ہمکو اپنے مذاق کے لحاظ سے نظر آئی وہ گلٹ کے غلاف ناخن تہے جو تین انچ لانبے تہے۔ یہاں کی شہزادیوں کا یہ عام دستور ہے کہ اپنے ناخنوں کو خوب لانبے ہونے دیتی ہیں۔ پہر ان پر حفاظت کی غرض سے غلاف چڑہاتی ہیں۔ اوس کا چہرہ برخلاف اس کے ارد گرد کی خواتین کے صاف تہا اور بناؤ سنگار کی کوئی چیز استعمال نہیں کی گئی تہی۔ شہنشاہ بیگم کی کرسی کے مقابل شہنشاہ بہی ایک کرسی پر بیٹہا ہوا تہا۔

شہنشاہ بیگم کی آواز کرخت ہے جو کانوں کو ناگوار معلوم ہوتی ہے اور وہ چینی عورتوں کی عام دستور کے خلاف زیادہ زور سے بات کرتی ہے۔ جب ہماری گفتگو ختم ہوئی اور رخصت کا وقت آیا تو شہنشاہ بیگم نے مجھے نزدیک بلا کر میری انگلی میں ایک قیمتی انگوٹھی پہنادی۔

ایک دوسری ملاقات کے ذکر میں وہ بیان کرتی ہیں کہ۔

شہنشاہ بیگم نے کہانے کے بعد ہمسے ایک دلچسپ گفتگو شروع کی۔ ہمارے ساتھ دو چینی مترجم بہی تہے۔ یہ لوگ شہنشاہ بیگم کو مخاطب کرتے تو تعظیماً دونوں گھٹنوں کو زمین پر ٹیک دیتے تہے۔ اسکے درباری امرا ردگرد کی خواتین میں بہی سوائے اس آداب شاہی اور کچھ فاصلے کے جو تعظیماً اون کے اور شہنشاہ بیگم کے درمیان تہا اور کوئی شاہی مراسم آداب کی پابندی مجھے نظر نہ آئی۔

وہ آپس میں فرراآہستہ آواز سے بات چیت کرتی تہیں اور کسی طرح اس کے رعب و جلال سے مخوف نہیں تہیں۔

ایک اور ملاقات کے بیان میں جو ایک ناٹک میں ہوئی تہی وہ اس طرح رقمطراز ہیں کہ۔

اثنائے تماشے میں شہنشاہ بیگم ہمارے باکس میں آئی اور تہوڑے وقت تک ہمارے پاس رہی۔ اور جب تک وہ یہاں رہی ہمارے زیور کی ساخت اور لباس کے قطع و برید کو دیکہتی رہی۔ ایک خاتون کی عینک اوس کی بڑی تفریح طبع کا باعث ہوئی۔ اس بیچاری نے شہنشاہ بیگم کو دیکہکر اوسے چہپانا چاہا۔ کیونکہ عینک لگا کے بات چیت کرنا بے تہذیبی سمجہا جاتا ہے۔ لیکن شہنشاہ بیگم کی نظر اول ہی اوس پر پڑگئی تہی۔ اس نے اسے لیکر اپنی آنکہوں پر لگا یا۔

اسکے بعد ہمارے دوربینوں کو لیکر دیکہا ہمکو بہی اپنے زیور تبلائے اور ایک نے ردالماس دکہلا کر کہا کہ وہ یورپ سے آیا ہے اور اسکو میں بہت پسند کرتی ہوں اور پہر اپنے چہوٹے پاؤں کو ہمارے پاؤں سے مقابلہ کرکے دیکہا۔ غرض اوس کی یہ تمام حرکات بے کسی بناوٹ کی تہیں اور اس کی سادگی و صاف دلی پر دلالت کرتی تہیں۔

راقمہ

مسز س۔ م۔ د

پہول

ہمارے ملک میں مستورات کو جس قدر پہولوں کا شوق ہے شاید اوس سے زیادہ یورپ کی لیڈیوں کو ہوگا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہماری بیگمات فقط خوشبودار پہولوں کو پسند کرتی ہیں اور ان کو اون خوشنما اور خوشرنگ پہولوں سے جن میں خوشبو نہو یا انگریزی مذاق کی خوشبو ہو چنداں رغبت اور شوق نہیں ہوتا ہمارے ملک کی مستورات تو درکنار مرد اور

اکثر تعلیم یافتہ مرد بھی اپنے مکانوں میں اس قسم کے پودے لگاتے پسند نہیں کرتے۔ گلاب، موتیا، مولسری، چنبیلی، چمپا، جوہی وغیرہ کے سوا شاید انہوں نے پھولوں کے دیگر اقسام کے نام بھی نہ سنے ہوں گے۔

انگلستان کے ایک نہایت مشہور شخص کا قول ہے کہ پھول فرشتوں کے خیالات ہیں اس تشبیہ سے بہتر پھولوں کے لیے اور کیا تشبیہ ہو سکتی ہے۔ اسی کے قریب قریب ہماری زبان میں بھی ایک محاورہ ہے جب کوئی فصیح و بلیغ شخص تقریر کرتا ہے تو کہتے ہیں منہ سے پھول جھڑتے ہیں گانے کی نسبت انگلستان کیا بلکہ تمام مہذب دنیا کے نامور شاعر اور ڈراما نویس شیکسپیر کا قول ہے کہ جو کوئی خوش الحانی سے موثر نہیں ہوتا۔ وہ غدار غارت گر اور مکار و فریبی ہوتا ہے۔ یہی خیالات بہت صحت کیساتھ اوس شخص کی نسبت لکھے جا سکتے جسکو پھولوں کا عشق نہو۔ ہم میں سے اکثروں کو اپنی عمر میں ایسے اشخاص سے ملنے کا غالباً اتفاق ہوا ہوگا جنکو موسیقی کا شوق نہیں یا جو گانا سننے سے رغبت نہیں رکھتے۔ لیکن میں دعوی سے کہہ سکتا ہوں کہ کوئی بھی ایسے شخص کا نام نہیں بتا سکے گا جسکو پھولوں سے عشق نہو یا جو ان کو پسند یا ان کی تعریف نہ کرتا ہو گو یہ ممکن ہی کہ ہم میں سے سب کو پھولوں کے جملہ اقسام سے محبت نہو۔ مگر کسی نہ کسی قسم کا پھول ہمارا منظور نظر اور مرغوب خاطر ضرور ہوگا۔ اور انگلستان میں تو یہ شوق اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ کسی خاص پھول کو کسی خاص خاصیت یا رنگت یا خوشبو کے لحاظ سے عزیز رکھتی ہیں وہاں کی لیڈیاں ایک پھول منتخب کر لیتی ہیں اور خاص پھولوں سے ان کی رغبت اور محبت اسی خیال پر مبنی ہوتی ہے۔ اور پھولوں کے ان ہی خواص کی وجہ سے انگلستان میں اُن سے اسدرجہ شوق ہوتا ہے۔

انسان کی فطرت سے مخصوص کوئی ایسا فعل یا خیال یا خدشہ نہیں ہی جسکی مثال پھولوں میں موجود نہو بلکہ انسان کے جذبات کیسی خوبی سے ان پھولوں کے ذریعے معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بعض پھول ہیں جنکو پاکدامنی اور عصمت کی نشانی سمجھا جاتا ہی بعض کو ہوا و ہوس کا

اور علیٰ ہذالقیاس حتیٰ کہ پھولوں کی ایک خاص زبان مقرر ہو گئی ہے جس کے ذریعہ سے دو دوست اپنے جذبات دلی کا اظہار کر سکتے ہیں اور جن سے دلی جذبات کا بہت کچھ صحت کیساتھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

دوست دوست کو اپنی محبت کے ثبوت میں پھول نذر کرتا ہے اور ان کو اوس الٰہی صفت کے اظہار کے لیے کام میں لاتا ہے جو خالق نے انسان میں پیدا کی ہیں۔ شاعر نظم میں اپنی مرغوب خاطر پھول کے خواص اور اوس کی خوبیوں کی مدح کرتا ہے۔ غرضکہ پھول زندگی کے معاملات میں بہت بڑا حصہ لیتے ہیں اور نہ صرف وہ زندوں کے ساتھ اظہار عقیدت اور محبت میں کام آتے ہیں بلکہ مُردوں کے ساتھ اپنے اظہار محبت کے لیے بھی ہم ان کا استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں جو پھول قبروں پر چڑہائے جاتے ہیں وہ زیادہ تر گلاب اور موتیا یا چنبیلی کے ہوتے ہیں جن کی خوشبو ملکی خیالات اور پاکیزہ محبت سے معطر ہوتی ہے۔ گلاب کے اس درجہ قبروں پر چڑہائے جانے کیوجہ سے بعض وہمی اور اکثر نازک خیال سے اس پھول کی برداشت ہی نہیں ہو سکتی مگر بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن کو اس کی مست خوشبو باایں ہمہ وجد میں لے آتی ہے۔

انگریزوں کو خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں ہوں پھولوں سے اس درجہ عشق ہوتا ہے کہ شاذ و نادر ہی ان کے مکانات میں پھولوں کا ایک چمن موجود نہو۔ پھولوں کے درختوں کے ساتھ وہ اپنی پالتو جانوروں سے کم محبت نہیں کرتے اور جس طرح جانوروں کی غور و پرداخت کرتے ہیں اسی توجہ اور دلسوزی سے اپنے باغ کے درختوں کے نشو و نما کو غور سے معائنہ اور ان کی دیکھ بہال کرتے رہتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس شوق سے بڑھکر کوئی شوق انسان کے لیے اوس کے جذبات کو برانگیختہ اور پاکیزہ خیالات کو پیدا کرنے کا نہیں ہو سکتا۔ اس شوق سے نیچر کی نہایت

خوبصورت اشیاء کا مطالعہ و معائنہ کیا جاتا ہے جو اشیا رگو بظاہر ہم سے گفتگو نہیں کر سکتیں مگر ان میں بلا کی فصاحت موجود ہے اور ان لوگوں کے دلوں پر ان کا اثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جو ان سے ہم کلام ہونے کی خواہش رکھتے ہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے نظموں میں سوائے تشبیہات و استعارات کے ان کا بہت کم ذکر پایا جاتا ہے اور جو تھوڑا بہت ہے بھی وہ صرف سطحی اور کسی شاعر نے بھی سعدی کے اس شعر کی کما حقہ توجیہ کرنیکی کوشش نہیں کی۔ شعر

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

کسی خوشنما اور خوشرنگ پھول کو دیکھکر جو مسرت دل و دماغ اور نگاہ کو حاصل ہوتی ہے اس کا بیان ہمارے نظموں میں بہت کم ملتا ہے۔ انگلستان کا ایک شاعر پھولوں کو دن کے ستاروں کے نام سے مخاطب کرکے لکھتا ہے۔

عمدہ گلاب یا پینسی (ایک پودا ہے جس کا پھول تیتری کے پروں کی مانند رنگا رنگ کا ہوتا ہے اور جسکو انگریز "آرام دل" بھی کہتے ہیں مگر افسوس ہے کہ اس کے واسطے ہماری زبان میں کوئی نام نہیں) کے تختہ کے نظارہ سے جو فرحت و تازگی نگاہ کو حاصل ہوتی ہے اور جس قدر مسرت و انبساط ہمارے دل و دماغ میں خود بخود پیدا ہوتی ہے اس کا ہر شخص جسنے اس کا نظارہ کیا ہو بجائے خود اندازہ کر سکتا ہے۔ نیچر کے اس دل آویز حسن در وح پرور جمال سے ایک انگریزی شاعر بطور ایک زندہ ذی روح کے اس طرح خطاب کرتا ہے۔

اے نازک پھولو! تمہاری بے آواز سب زندہ ناصح ہیں۔ ہر پنکھڑی ایک سبز اور ہر پتا ایک کتاب ہے۔ جو ہر گوشہ سے ہمارے خیال کے لیے بیشمار پند سودمند کا کام دیتے ہیں۔"

افسردہ دل اور پژمردہ طبیعت بھی جو بیماری یا کسی اور سبب سے دنیا سے

بیزار اور سوسائٹی سے متنفر ہو جاتے ہیں پھولوں کو دیکھکر بے ساختہ بول اٹھتے ہیں گو میں کسی دور دراز مقام میں تنہا ہوں جہاں واعظ و ناصح کی آواز میرے کانوں تک نہ پہنچ سکے تاہم خدا کے بنائے ہوئے پھول میری روح کے لیے کتابیں بھیجتے اور وعظ و پند سب کچھ مہیا کر دیتے ہیں۔

خواجہ محمود حسین منصف دہلی

فاطمہ کی کہانی

فاطمہ سر جھکائے ایک چھپر کے نیچے بیٹھی ہے مٹی کے دو تین برتن اوس کے پاس رکھے ہیں اور یہ اس طرح اپنے دل سے باتیں کر رہی ہے۔

خدا نے میری ہی کیا بری قسمت بنائی ہے کہ کبھی چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا لوگ کہتے ہیں کہ شادی سے خانہ آبادی ہوتی ہے۔ ہر قسم کی خوشی و آرام حاصل ہوتا ہی جبکی قسمت میں ہوگا ہوتا ہوگا۔ مجھے تو کبھی آرام و چین کی صورت دیکھنی نہ نصیب ہوئی۔ دو چار دن دولھن بنکر بے فکری سے گذرے کہ خدا مغفرت کرے، ابّا میاں کا انتقال ہوگیا وہ تو اون کی زندگی میں ہی خوب کھیل کھیلتے تھے اب اور آزادی ہوگئی کسی طرح کی روک ٹوک نہ رہی جو کام چھپے چوری کیے جاتے تھے علانیہ ہونے لگے۔ مفت کی دولت ہاتھ نہ آتی خود کماتے تو درد معلوم ہوتا ہر چند سمجھایا مگر میرے سمجھانے سے کیا ہوتا تھا وہ تو بے سونڈ کے ہاتھی پر سوار تھے۔ لیکن دیکھو چار ہی دن میں سب بل نکل گئے جب روپیہ ختم ہوگیا تو وہ سرکار اور حضور کہنے والے دوست بھی چلتے پھرتے نظر آئے۔ اب میاں مٹھن اور شیخ قلندر بخش کبھی شکل ہی نہیں دکھاتے حضور مارے مارے پھرتے ہیں ملازمت ہی نہیں ملتی اور کیوں دکھائیں وہ قورمہ اور پلاؤ تو رہے

ہی نہیں۔ اب پچہتائے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اب آنکھ ہی کھلی تو کس کام کی گلے گلے پانی آگیا۔ نماز روزہ کا تو بھلا ایسی حالت میں کیا ذکر تھا وہاں تو شراب کباب اور آوارگی نے اسلام اور دین سب بھلا دیا تھا کوئی کچھ کھوگر میں تو کھونگی کہ کچھ قصور مرحوم اماجان کا بھی ہے جنہوں نے لاڈ پیار کرکے اون کا کھوج کھو دیا اور کسی کام کا نہ رکھا خبر نہیں کس طرح مارے پیٹے اون کو پڑھنے لکھنے کی بھی شدبد ہوگئی ہر چند کہتی ہوں کہ تھوڑی انگریزی پڑھلو آج کل بغیر انگریزی کے کام چلنا دشوار ہے مگر اون پر ذرا اثر نہیں مجھے تو وہ لونڈی سے بھی بدتر جانتے ہیں۔

(اتنے میں فاطمہ کا خاوند ذاکر علی آجاتا ہے)

ذاکر علی۔ خیر تو ہے آج ہاتھ پر ہاتھ دہرے کیوں بیٹھی ہو کیا کھانا پکا چکیں۔ ابہی تو سویرا ہے۔

فاطمہ۔ آج گھر میں اناج ہے نہ اور ساماں حیران بیٹھی ہوں۔

ذاکر علی۔ ہائیں کیا اناج ختم ہوگیا۔

فاطمہ۔ (غصہ ضبط کرکے) آٹھ دن ہونے کو آئے چھ آنہ کا باجرہ کتنے دن تک کافی ہوتا۔ ذاکر علی پریشان ہوجاتا ہے اور سوچتا ہے کہ اب کیا کرے (دل میں) حقیقتاً یہ بیچاری قابل رحم ہے۔ جب سے آئی ہے کبھی عیش و آرام سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا اماں کی زندگی تک خیر غنیمت تھی۔ میں نے اس کے ساتھ بڑی بڑی سختیاں کیں کیا یہ مجھے ایسی حالت میں بددعا نہ دیتی ہوگی مگر نہیں فاطمہ بڑی نیک بی بی ہے یہ میرے گناہوں کا ثمرہ ہے اور تقدیر کی خرابی (آوازسے) پھر اب کیا کیا جائے دیکھیے تقدیر کیا دکہاتی ہے نوکری کی تلاش کرتا ہوں مگر ایسی حالت میں وہ بھی نہیں ملتی اول تو مجھے جانتا کون ہے اور جو لوگ جانتے ہیں اون کی حکام تک رسائی مشکل ہے۔

فاطمہ۔ افسوس ہے کہ تم نے ابتدا سے اون ہی لوگوں سے میل بڑہایا جو کسی قابل

نہ تھے اور جنکے ارذل ہونے کے معترف تم خود ہی ہو گئے۔ علاوہ ازیں اگر حکام تمہارے سالی ہی ہو تو تم کو انگریزی نہیں آتی جسکے بغیر ملازمت مشکل ہے۔

ذاکر علی۔ حقیقت میں یہ ساری خرابی میری تقدیر کی ہے اگر تقدیر اچھی ہوتی تو گھر کا ہی کیوں جاتا۔

فاطمہ۔ یہ تمہارے خیال کی غلطی ہے لوگوں نے شاید تقدیر اسباب کو سمجھ لیا ہے کہ خدا اون کو چھپر پھاڑ کے روپیہ کی تھیلی پھینکدے اگرچہ اوس کی قدرت اس سے بھی زیادہ وسیع ہے لیکن اوس کی عادت نہیں بلکہ اوس نے رزق پہونچانے کے ذرایع پیدا کر دیے ہیں۔

دانہ ڈالا جاتا ہے اگر مینہ نہ برسے تو بے کار ہے مینہ برستا ہے کسان اہتمام کرتے ہیں پانی کم ہے یا زیادہ برابر ہے یا نہیں جب تمام باتیں دیکھ لیتے ہیں تو پھر اور حفاظتیں کیجاتی ہیں غرضکہ بلا انتظام کچھ نہیں ہو سکتا حیلہ رزق بہانہ موت اگرچہ کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے لیکن یا تو اون اسباب تک ہماری کوتاہ نظر نہیں پہونچ سکتی اور یا الشاذ کالمعدوم اصل میں تقدیر اور قضاء الٰہی اوس قانون قدرت کا نام ہے جس کو اوس نے مرتب کر دیا ہے۔ اور جس کے خلاف ایک ذرہ جنبش نہیں کر سکتا۔

لاتتحرک ذرۃ الا باذن اللہ کے یہی معنی ہیں کہ خلاف قانون قدرت ذرہ جنبش نہیں کر سکتا اگر کوئی چوری کرے گا تو اوس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اب چوری کرنا نہ کرنا اوسکا کام ہے خدا نے اوس کو مجبور نہیں کیا اوسنے انسان میں بدی اور نیکی دونوں کے ارتکاب کی قوت عطا کی اور اوس کے نتیجہ سے مطلع کر دیا اب ارتکاب بندہ کا کام ہے اسیلیے علماء فاعل خدا کو اور کاسب بندہ کو مانتے ہیں لیکن افسوس کہ ہمارے تعلیم ایسی غیر مکمل اور تاریک ہے کہ تم ان مسائل کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے تم تو بس تقدیر اسیکو سمجھتے ہو کہ جو کچھ برا بھلا کرتا ہے وہ سب خدا کرتا ہے حالانکہ یہ

خدا پر الزام ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اگر اسی حالت میں بیٹھے رہو گے تو تم کو خدا اپنے گھر سے روٹی پکا کر دشتوں کے ہاتھ بھیجدے گا۔ ہرگز نہ بھیجے گا جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ تم رات کو بھوکے رہو گے لیکن اگر ہاتھ پیر چلاؤ گے اور کچھ تدبیر کرو گے تو روٹی ملجائیگی۔

ذاکر علی (شرمندہ ہوکر) تمہاری تقریر نے مجھے قائل کردیا اچھا تم ہی خدا کے لیے بتاؤ کہ میں کیا کروں۔

فاطمہ نے اپنے ہاتوں سے چاندی کی چوڑیاں اُتار کردیں اور یہ کہکر کہ اگر تم مستعد ہو تو ایسی بہت بنجائینگی بازار لیجانے پر راضی کردیا۔

فاطمہ انکو فروخت کرکے اناج اور دوسری ضروریات کی چیزیں لیتے آؤ صبح میں اور تدبیر بتاؤں گی۔

ذاکر علی طوعاً و کرہاً چوڑیاں لیکر بازار گیا مگر راستہ بھر اپنی بیوی کی نیکی اور محبت و جاں نثاری کے خیالات سے اوسکا دماغ بھرا ہوا تھا۔

اوسنے پورے چوڑیاں فروخت کیں کچھ ناج خریدا کچھ سامان اور ان کو لیکر گھر آیا۔

غریب فاطمہ نے اوسیدم ناج کو پیکر روٹی پکائی اور بدنصیب ذاکر کے سامنے رکھدی۔

رات کو تو کسی قسم کے مزید بات چیت کی نوبت نہ آئی مگر صبح کو فاطمہ نے اس طرح کی تقریر شروع کی دیکھو جو کام کرنا چاہیے سوچ سمجھکر کرنا چاہیے پچھلی باتوں کا خیال تو جانے دو مگر اب بھی کوشش کرتے سے تم سب کچھ کرسکتے ہو لیکن ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھنے سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا مولوی صغر علی صاحب وکیل کے یہاں چلے جاؤ کہ وہ تمہارے ابّا کے دوست ہیں دوسرے اُن کے لڑکے

میاں اختر تمکو جانتے ہیں ضرور کچھ نہ کچھ بندوبست کردیں گے تم یہ ضرور رکھو گے کہ جب تک وہ بندوبست کریں کس طرح گھر کا کام چلیگا مگر اسکا فکر نہ کرو جو دام رات کے بچے ہوئے ہیں اون کا ریشم لے آؤ اور کچھ خاصہ خرید لاؤ خدا مالک ہے۔

ذاکر علی بازار کو جانے لگتا ہے۔

سچ ہے قدر عافیت کسے داند کہ بمصیبتے گرفتار آید۔ اب بیوی کی قدر معلوم ہوئی۔

واہ ری نیک دل فاطمہ شریف زادیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ فاطمہ کا یہ خیال کہ خاوند خواہ کیسا ہی خراب کیوں نہو اوس کے فرمان سے باہر ہونا اور اطاعت کے دائرہ سے نکل جانا کمینوں کا فعل ہے بالکل سچ تہا۔

ذاکر علی تہوڑی دیر میں سامان مطلوبہ سامنے لاکر رکہدیتا ہے۔

فاطمہ تم سید صغر علیصاحب کے یہاں جاؤ اون سے اپنا حال بیان کرنا یقین ہے کہ وہ ضرور تمہارا خیال کرینگے۔

(ذاکر علی چلا گیا)

فاطمہ ذاکر علی کے جانے کے بعد اپنے دل سے اس طرح باتیں کرنے لگتی ہے۔

دیکہے زمانہ کا انقلاب کیا رنگ دکہاتا ہے خدا اماں باوا کا بہلا کرے جنہوں نے جان بوجہکر مجہے اس اندہے کنوئیں میں ڈال دیا حقیقت میں یہ رسم کس قدر ناپاک ہے کہ اگر شادی ہو تو اپنے کنبہ والوں میں ہی ہو غیر جگہہ نہ ہو۔ مانا کہ قرابت خاندانی ضرور رہی ہے لیکن نہ اس قدر کہ کنبہ میں بداطوار اور شراب خوار ہی کیوں نہ ہو مگر غیروں سے اچہا ہے۔ وہ تو کہو مجہے بچپنے سے ہی سینے پرونے کا شوق اور لکہنے پڑہنے کا دہیان رہتا تہا ورنہ آج کیا نوبت ہوتی جہالت کا نتیجہ ظاہر ہے روز جوتی پیزار رہوتی اور یہ ناممکن تہا کہ ایسی حالت میں جبکہ اونکو

اپنی ہی فکر بھاری ہو رہی ہے اُس کا کچھ دوسرا اثر نہ ہوتا - یا اللہ رحم دراصل عورتوں کا جاہل رکھنا ہی ایک بڑی سخت غلطی ہے - علاوہ ازیں جاہل مرد ہو یا عورت مثل ایک جانور کے ہے اخلاق - عادات جب تک علم کے زیور سے انسان مزین نہ ہو ہرگز نہیں آسکتے۔

رہا سینا پرونا اور اُسکے متعلقات فرض کرو آج ہمارا خاندان رئیس ہے کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ وہ اسی حالت میں رہے بادشاہوں کو جب انقلاب ہوتا ہے تو ہم بیچارے کس شمار قطار میں ہیں اب بتائیے کہ وہ عورت جسنے کبھی سوئی تاگے کو ہاتھ میں ہی نہ لیا ہو کیونکر کام چلائیگی - جو جو صعوبتیں اوٹھانی پڑینگی ظاہر ہیں (چونک کر) توبہ توبہ میں بھی بالکل سنٹرن ہو دس بجنے کو آئے مگر ابھی تک کھانے کا کچھ انتظام نہیں کیا - یہ کہکر جلد جلد کھانے کا انتظام کرنے لگتی ہے - ہائے فاطمہ تو بیشک قابل رحم ہی ماں باپ کے گھر سے خوش حال ہی لیکن کیا کرے شرافت تقاضہ نہیں کرتی کہ اُن سے امداد کی خواہاں ہو ماں باپ زندہ ہوتے تو مضائقہ نہ تھا مگر اون کا سایہ ہی سر سے اوٹھگیا بھائی ہیں بھلا وہ کس کے ہوتے ہیں - سو میں ایک ایسا ہوتا ہے جسے اپنی بہنوں کا خیال ہوتا ہے ورنہ کوئی یہ بھی نہیں پوچھتا کہ تم آج فاقہ سے ہو یا پیٹ بھرے - ذاکر علی کے والد کے مرنے سے جو کچھ گھر میں تھا سب اوس کی بے عنوانیوں نے ختم کر دیا - مگر بیچاری کچھ نہیں کہہ سکتی اور کیا کہے شریف کی ہر طرح مصیبت سے تعلیم اعلےٰ درجہ کی پائی ہی جسکی وجہ سے اسکے خیالات میں صفائی اور عمدگی نے اپنی جلا دیدی ہی۔

فاطمہ کھانا پکا رہی تھی کہ ذاکر علی آگیا۔

فاطمہ کہو کیا ہوا وکیل صاحب نے کیا کیا۔

وکیل صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ میں تمکو کسی موقعہ سے کام دلوا دونگا مگر وہ ہی

انگریزی کی بابت لکھتے تھے میں نے لکھدیا کہ انگریزی میں نہیں جانتا ایک کلرک سے ملوا دیا ہے اوسنے لکھا کہ مچلکہ وغیرہ لکھدیا کرو چار چھ آنے روز ملجایا کرینگے۔

فاطمہ۔ میرے خیال میں یہ مناسب ہے کہ وہاں تم جایا کرو اور پرائیویٹ طور پر انگریزی سیکھتے رہو امید ہے کہ اگر تم محنت کروگے تو سال بھر میں خاصی مہارت ہو جائیگی۔

ذاکر علی۔ تم جس طرح تباؤ میں موجود ہوں لیکن یہاں تم اکیلی کس طرح رہوگی۔

فاطمہ۔ تم میرا فکر نہ کرو دو چار لڑکیاں محلہ کی مجھسے پڑھنے کو کہتی ہیں وہ یہاں دن بھر رہا کرینگی رات کو تم آہی جایا کروگے۔

ذاکر علی۔ بات ٹھیک ہے۔

فاطمہ کھانا لاتی ہے اور ذاکر علی کھانا کھاکر کچہری چلا جاتا ہے۔

چھ مہینے اسی طرح گذرے فاطمہ کچھ ٹوپیاں رومال وغیرہ بنالیتی اور آٹھویں دن یہاں ذاکر علی اون کو بیچ آتے کچہری سے بھی پانچ چار آنے روز ملرہتے۔ فاطمہ کی نصیحت کا ایسا اثر ہوا کہ ذاکر علی نے دن رات محنت کرکے سال بھر کا کام چھ مہینہ ہی میں سیکھ لیا اب اس کو انگریزی میں خاصی مہارت پیدا ہوگئی تھی۔ چنانچہ اوسنے ایک دن اسکا تذکرہ فاطمہ سے کیا فاطمہ نے اوس کو تار کا کام سیکھنے کی رائے دی۔ جس کو سیکھنے میں اوس کو شاید تھوڑے ہی دن لگے ہوں گے کہ سید اصغر علی صاحب وکیل کی سفارش سے وہ ایک اسٹیشن پر بارہ روپیہ کا ملازم ہوگیا۔

سلیقہ شعار بیوی کے انتظام سے اونہیں بارہ میں خاصی برکت ہونے لگی ذاکر علی ابھی تک کوشش اور ترقی کرنے میں سرگرم تھا۔ یہ اپنے کام کو نہایت محنت اور جانفشانی سے انجام دیتا تھا۔ رفتہ رفتہ اسکی ترقی ہوگئی اور اب اسکو پچیس روپیہ

جگہ مل گئی۔

ایک دن جبکہ وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا ایک کتاب دیکھ رہا تھا یکایک اوس کی نظر فاطمہ پر جا پڑی جو خوش خوش بیٹھی ہوئی اسکے لیے پان بنا رہی تھی۔

ذاکر علی۔ مجھے یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ تم اب خوش رہتی ہو۔

فاطمہ۔ خدا تمہیں سلامت رکھے میں خوش کب نہ تھی۔ لیکن تم جانتے ہو کہ مصیبت بالطبع ہر شخص کو خواہ وہ کیسا ہی فہیم اور زیرک کیوں نہو افسردہ بنا دیتی ہے لیکن انسان کو اپنی سابقہ حالت ہرگز نہ بھولنی چاہیئے خدا نے پہلے تم کو بارہ کا نوکر کرا دیا اور اب تمکو پچیس ملتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے لیکن ساتھ ہی انسان کو اپنی کوشش سے غافل نہ رہنا چاہیئے۔ یہ خیال کرنا کہ ہماری تقدیر میں یہیں تک تھا نادانی ہے۔ یعنی خدا نے تمکو دماغ دیا دل دیا عقل دی اسی لیے کہ تم اپنے کو سمجھو۔ یاد رکھو کہ اگر تم ترقی کرو گے کوشش کروگے تو ضرور ہے کہ ایک دن معراج کمال پر پہونچ جاوگے افسوس تمکو تاریخ دیکھنے کا بالکل شوق نہیں اگر تم تاریخ کا مطالعہ کرتے تو تمپر ظاہر ہو جاتا کہ ہندوستانی مسلمانوں نے کس قدر سابق زمانہ میں ترقی کی اوس کی وجہ یہ تھی کہ ہم کوششوں میں سرگرم رہتے تھے۔ کبھی سوتے چوکتے بھی ہمارے دل میں اس کا خیال نہ آتا تھا کہ بس اب ترقی کا راستہ محدود ہو گیا یا مقدر کو ہمارا عروج یہیں تک منظور تھا جس کا نتیجہ تمام دنیا نے دیکھ لیا لیکن اب وہی ہم ہیں کہ ترقی تو کیا تنزل ہی ہمارے نام سے شرما جاتا ہے مطلب یہ کہ تم یہ خیال نہ کرو کہ پچیس میرا انتہائی ترقی کا زینہ ہے۔ کوشش کرتے رہو ایکدن خدا تمکو پچاس کی بھی جگہ دیگا علی ہذا القیاس۔

ذاکر علی پر اس تقریر نے بہت بڑا اثر ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہر دم ترقی کے خیال میں غرق رہتا تھا خیال کو اوس نے وسیع کر دیا تھا اور ہر کام پر اپنی نظر کو پہونچانا چاہتا تھا۔ طبیعت اچھی تھی تھوڑے ہی عرصہ میں اوس نے حکام

بالادست کو اپنا کرلیا۔ خدا کے سوء اتفاق میں اسٹیشن ماسٹر نے کسی خاص وجہ سے استعفا دیدیا شام کو گھر آیا تو تبصیل تذکرہ فاطمہ سے ذکر کیا فاطمہ نے فوراً درخواست دینے کی رائے دی حاکم چونکہ اسپر مہربان تھا درخواست منظور ہوگئی اور دو مہینہ کے واسطے عارضی طور پر تقرر ہوگیا۔

لیکن فاطمہ کی وہ تقریر جو اوس نے کوشش کرنے کے بارہ میں کی تھی کچھ کم موثر نہ تھی ذاکر علی نے اس دو مہینہ میں اپنی قابلیت کا ایسا ثبوت دیا کہ یہ تقرر اس کا مستقل ہوگیا۔

اب وہی ذاکر علی اسٹیشن ماسٹر ہیں اور وہ فاطمہ جس کو آپ غمگین اور اداس دیکھ چکے ہیں خوش ہے وہی فاطمہ جو ایک ٹوٹے جھونپڑے میں رہتی تھی اور جو اپنے ہاتھوں سے سب کام انجام دیتی تھی اب عیش و آرام سے زندگی بسر کرتی ہے خدا نے اوس کے صبر اور نیک دلی کا معاوضہ دنیا میں ہی اوسکو دیدیا اور آخرت میں تو جو کچھ بھی نعمتیں نہ میسر ہوں کم ہے۔

مقبول احمد نظامی سیوہاروی

ایک اہم فرض

انسانی تعلقات و رباہمی ربط و ارتباط پر نظر غائر ڈالنے والے اور دقیقہ سنج اور نکتہ فہم طبائع نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ انسانی تعلقات و روابط انہیں تین صورتوں میں منحصر ہیں۔ تہذیب اخلاق تدبیر منزل سیاست مدن، کیونکہ یہی تین قسم کے تعلقات عموماً تمام انسانوں سے وابستہ ہیں اور بغیر ان کے دینی و دنیوی زندگی کامیاب نہیں ہوسکتی ہے، وجہ حصر اس طرح بیان کیگئی ہے

کہ انسان کو یا تو خود اپنی ذات سے تعلق ہے اور ذاتی معاشں و معاد کی اصلاح منظور ہے، یا خاندانی تعلقات مثلاً باپ کو بیٹے سے اور بیٹے کو باپ سے بی بی کو خاوند سے اور خاوند کو بی بی سے علیٰ ہٰذالقیاس ہیں، یا ملکی اور وطنی روابط مثلاً دوستی و ہمسائگی حاکمی و محکومی وغیرہ، خلاصہ یہ کہ اپنے سے بڑے چھوٹے اور مساوی درجہ والوں کیساتھ برتاؤ ایک انسان کا دوسرے انسان کیساتھ عملدرآمد، احکام خدا کی تعمیل نہیں مندرجہ بالا صورتوں میں محدود ہے۔

انسان اور حیوان میں جو چیزیں مابہ الامتیاز ہیں وہ یہی باہمی تعلقات کے خوبی اور روزمرہ کے برتاؤ کا حسن اور چھوٹے بڑے کی تمیز اپنے فرائض کا احساس وغیرہ ہے لیکن ان تعلقات کا برتاؤ اوس وقت تک پسندیدہ اور خوشنما اسلوب پر نہیں ہوسکتا ہے جب تک کل اخلاقی امور کو طرز عمل نہ بنالیا جاوے۔ کیونکہ بغیر راستبازی، قناعت، مسرت، ہمت، دماغی قوت، ہمدردی، وغیرہ جملہ صفات حسنہ کے باہمی ربط وضبط اور عملدرآمد میں استقلال و پائیداری حسن و خوبی نہیں پیدا ہوسکتی ہے اور یہی وہ فرائض ہیں جنکی تعمیل کے واسطے مرد و عورت مجبور کیے گئے ہیں اور جس وقت سے کہ انسان دنیا میں داخل ہوتا ہے اوسوقت سے لیکر موت کے وقت تک اوسکی زندگی ان حدود و فرائض سے محیط رہتی ہے خصوصاً ہم فرقۂ اناث کا سب سے اہم ترین فرض ان ہی تعلقات کو خوش اسلوب اور پسندیدہ بنانا ہے، کیونکہ چال چلن کی درستگی، انجام فرائض کی تعلیم، اُصول طرز معاشرت کا حقیقی مدرسہ گھر ہے۔ مکان ایسی جگہ ہے جہاں انسان اپنی پیدایش کے ساتھ اعلےٰ درجہ کی تعلیم بھی پاسکتا ہے اور بدترین خصائل بھی اُسکی طبیعت میں پیدا ہوسکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مکان و خاندان کی نظامت کا دستاویز قانون قدرت کیطرف سے عورتوں ہی کو ملا ہے، پھر کیا ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ

آپس کے تعلقات کی اصلاح کریں؟ اور خاندان کی باہمی کشیدگی اور تنازع کا قلع قمع کردیں اور وہ باہمی رنج و ملال جو خراب طرز معاشرت کا نتیجہ ہیں مبدل بہ انبساط ہو جائیں اور وہ خانہ جنگیاں جو صدہا سال سے مایہ افتخار بن گئی ہیں صلح و آشتی کے نور سے محو کردی جائیں۔ بیشک ضرور ضرور!! کیونکہ آج تک جو کچھ ہماری قوم اور ہمارے مذہب کو ہماری ذات سے صدمہ پہونچا ہے وہ کسی طرح قابل معافی نہیں ہے۔ مثل مشہور ہے کہ "جسکا گھر برا اوس کا سب برا" تھوڑی دیر کے لیے ہماری تمام بہنیں اپنے خاندانی حالات اور ہمسائیوں کے واقعات پر نظر تحقیق ڈالیں اونہیں صاف طور پر معلوم ہو جائے گا کہ آج جتنے فتنے و فساد اوٹھتے رہتے ہیں وہ صرف ہماری ہی ذات بابرکات کا نتیجہ ہیں اور یہ کیوں نہو جب بدمزاجی نخوت "خود پسندی ہماری سرشت میں داخل ہوگئی لیکن غور کرنا چاہیے کہ کیا یہ صفات ذمیمہ جنہیں آج تک ہم حسنہ اور جمیلہ سمجھتے آئے ہیں اس قابل ہیں کہ اب بھی اون کو اپنا شعار بنایا جائے اور ان پر بیجا فخر و مباہات کر کے دل خوش کرلیا جائے نہیں کبھی نہیں بلکہ انہیں اب نظر حقارت سے دیکھنا چاہیے اور بجائے انکے راستبازی۔ ایمانداری انجام فرائض اور صلح کل روش کو اپنا مسلک بنانا چاہیے کیونکہ یہی وہ صفات ہیں جو ہمارے سب سے اہم اور بڑے فرض کے معین و مددگار ہوسکتے ہیں۔ جن کے لیے ہماری جنس مخلوق ہوئی ہے یعنی تدبیر منزل اور تہذیب اخلاق صرف یہی نہیں بلکہ ہر شخص کی روزانہ زندگی دوسروں کے لیے ایک قسم کی اچھی اور بری مثالوں کی نمایش ہے۔ ایک نیک خصلت اور پاکیزہ منش آدمی کی زندگی دوسروں کے لیے نیکی اور بھلائی کی عمدہ تحریک اور برائیوں سے باز رکھنے کے لیے بہتر آلہ ہے۔

اس قسم کی تشبیں کہ بڑے بڑے دانشمند اور مہذب اشخاص کے چال چلن کے

اثر سے معمولی لوگوں کے طور وطریقے درست ہو گئے ہیں اکثر تاریخوں میں موجود ہیں بڑے بڑے مدبر او رجنگ آزما شاعر۔ انشاپرداز خوش بیان جن کو دنیا میں کامیابی کے ساتھ شہرت حاصل ہوئی اونہوں نے بھی اپنی تعلیم گذشتہ لوگوں کے اقوال و امثال اور موجودہ بزرگوں کی تقلید سے حاصل کی تھی۔ آج کون گھرانا ایسا ہے جہاں مولانا رومی علیہ الرحمتہ کی شہرت کا آفتاب طلوع نہیں ہوا ہے اور اون کے فنا فی اللہ اور ولی کامل ہونے کا اعتراف نہیں کیا جاتا ہے؟ لیکن کیا مولانا موصوف بذات خود فطرتا اس درجہ پر پہونچ گئے تھے نہیں بلکہ وہ حضرت شمس تبریز کی مقناطیسی کشش تھی جس نے مولانا کو راہ پر لگا لیا تھا۔

پس اے معزز بہنوں! ضروری ہے کہ ہم میں بھی صبر و تحمل و انکسار ہی استقلال جیسے عمدہ خصائل ہونے چاہئیں تا کہ اپنے بچوں اور خاندان کے لیے ایک عمدہ تمثیل بن سکیں کیونکہ یہ مسلم ہوگیا ہے کہ اخلاق کا حقیقی مدرسہ گھر ہے اور اوس کی معلمہ عملی طور پر ہمارے ہی جنس کی افراد ہیں اونہیں کی تعلیم سے انسانیں ہمدردی کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔

آج اکثر بہنوں کو مردوں کی بے وفائی اور خراب برتاؤ کی شکایت ہے لیکن یہ خود ہماری سہل انگاری اور عدم توجہی کا نتیجہ ہی کاش اون مردوں کی تربیت ایک تعلیم یافتہ مہذب اور دوراندیش عورت کے آغوش عاطفت میں ہوتی تو کبھی اس کا موقع نہیں ملتا کیونکہ عمدہ تربیت کا نتیجہ کبھی برا نہیں ہوسکتا ہے۔

پس ہمارا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ ہم خاندانکی گتھیوں کے سلجھانے کی کوشش کریں اور آیندہ نسل کے لیے عمدہ مثال قایم کریں اور یہ اوسوقت تک ممکن نہیں ہے کہ جبتک ہم میں تمام وہ خصائل نہ پیدا ہوجائیں جو ایک تعلیم یافتہ قوم کیلیے ضروری ہیں۔

مومنہ از استھاپان

قندہار

دکن

اکثر خواتین اس عنوان کو پڑھکر تعجب کرینگی کہ "قندہار" کے ساتھ "دکن" کیسا اور دکن میں قندہار کہاں؟ کیونکہ ان کا خیال فوراً اُس مشہور شہر قندہار کی طرف جائے گا جو افغانستان میں واقع ہے اور بہت کم ہی بیاں اسبات سے واقف ہوں گی کہ اسی نام کا ایک شہر حیدرآباد کے علاقہ میں بھی موجود ہے جو ایک زمانہ میں افغانستان کے قندہار سے زیادہ باسطوت اور زیادہ مشہور و معروف تھا اور جس کی عمر اس وقت بہت بڑی ہے اور جو حضرت مسیح سے بہت پہلے دنیا میں موجود تھا جبکہ اس کے ہمنام افغانی شہر کا صفحۂ ہستی پر نام و نشان بھی نہ تھا۔ لیکن جیسا کہ زمانہ ناہنجار کی عادت ہے آج وہ مشہور تاریخی مقام کوے گمنامی میں گم ہے اور وہ باوقعت شہر جو کبھی ایک عظیم الشان سلطنت کا دارالخلافت تھا آج ایک چھوٹا سا قصبہ رہگیا ہے۔ اس کی عظمت کے کارنامے صرف تاریخ کے صفحوں پر باقی ہیں۔ بڑی بڑی عمارتیں جو کبھی اس شہر کی زینت تھیں بالکل نیست و نابود ہوگئیں۔ ان کا نشان تک نہ رہا اور ان سر بفلک کشیدہ عمارتوں میں سے اب صرف ایک ویران اور بےچراغ قلعہ باقی رہگیا ہے جو اپنی بربادی کے سوگ میں بالکل سیاہ پوش ہے اور جو اپنی زندگی کے باقی ایام نہایت دردناک حالت میں گذار رہا ہے۔ گردش دوار نے اس بیرحمی و بیدردی سے اس قلعہ پر اپنے مظالم کی مشق کی ہے کہ اسکی زبون حالت ناگفتہ بہ ہوگئی ہے۔ یہ اب اپنی بےکسی۔ بے سرو

بے سرو سامانی کی حالت میں زبان حال سے اسطرح گویا ہے کہ۔

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہو

جو لوگ انقلاب زمانہ کی اس عبرتناک تصویر کو بچشم خود دیکھنے کے مشتاق ہوں اون کو قندہار شہر حیدرآباد دکن سے ایک سو (۱۲۰) میل پر شمال مغرب کی جانب صوبہ اورنگ آباد میں ملیگا جہاں کی چپہ چپہ زمین تاریخی واقعات کی یادگار ہے۔

راجہ کنہر نے جو خاندان پانڈو میں ایک مشہور بادشاہ ہوا ہے ایک سرسبز و دلفریب و نزہت گاہ میں دریائے مینار کے شمال کی طرف اس شہر کو بسایا تھا اور اپنے نام پر اس کا نام کنہار رکھا تھا۔ چوتھی صدی عیسوی میں جبکہ خاندان چالوکیا اس قطعہ زمین پر حکمراں تھا راجہ سوما دیوراج نے اسے اپنا دارالسلطنت قرار دیا تھا لیکن کچھ عرصہ کے بعد بالا ہندو راجہ نے فوج کشی کر کے اپنا تسلط کر لیا اس کے کئی سال بعد راجہ سوما دیوراج کے لڑکے راجہ دہو دہرما نے جس نے اپنے چچازاد بھائی سے ہنکندہ کی حکومت پائی تھی موقعہ پاکر کنہار کو پھر اپنے قبضہ اختیار میں کر لیا۔ اس خاندان کے اخیر راجہ گنپتی دیوراج کا جس نے سنہ ۱۱۷۹ء سے سنہ ۱۲۱۲ء تک حکومت کی کوئی لڑکا نہ تھا اس لیئے اسکے بعد اس کی رانی رودرما دیوی حکمراں ہوئی۔ راجہ کندارا والی دیوگیر نے اس موقعہ کو مناسب سمجھکر کنہر پر قبضہ کر لیا اور اس کا نام کندار رکھا لیکن سنہ ۱۲۶ء میں ملکہ رودرما دیوی نے کندار پر جو اب اسی نام سے معروف ہو چکا تھا حملہ کر کے پھر اپنے قلمرو میں شامل کر لیا اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ عورت ذات اگر اس کو موقع دیا جائے تو کیا کچھ کر سکتی ہے اسی اثنا میں مسلمان حملہ آوروں کا بڑھتا ہوا سیلاب دکن تک آپہونچا اور سنہ ۱۲۲ء میں

سلطان تغلق غیاث الدین کی ایک کثیر فوج نے ملک فخرالدین کی ماتحتی میں قندہار کو جو اب تک کندار تھا ورنگل اور بیدر کے ساتھ فتح کر لیا۔ اور سلطان فاتح کی دقیقہ شناسی نے اسے قندہار بنا دیا۔ اب یہ شہر ہندو راجاؤں کے تصرف سے نکلکر مسلمانوں کی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ اور اس پر اسلامی حکومت شروع ہوئی۔ خاندان تغلق کے بعد خاندان بہمنی اور پھر شاہان احمدنگر وبیجاپور نے یکے بعد دیگرے اس پر حکومت کی جس کے بعد ۱۰۴۳ء میں جبکہ ملک عنبر اس کا حکمراں تھا قندہار کو شاہجہاں کی فوج نے دہلی کے قلمرو میں شامل کر لیا اس کے بعد قندہار حیدرآباد کے علاقہ میں شریک کیا گیا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی اس کا ستارہ گردش ہی میں رہا اور قندہار کبھی علاقہ سرکار حیدرآباد میں اور کبھی کسی جاگیردار کے قبضہ میں رہا لیکن ۱۳۰۰ھ میں یہ شریک خالصہ سرکاری ہو گیا۔

چنانچہ اب یہ شہر خالصہ سرکاری میں شریک ہے۔ لیکن افسوس! وہ قندہار جو کبھی دولت وسطوت۔ آبادی وہوم دہام میں شہرہ آفاق تھا اور جس کے حاصل کرنے کی ہر بادشاہ اور ہر راجہ کو خواہش رہتی تھی اور جہاں رزم بزم دونوں طرح کے بازار گرم رہتے تھے جس کی شادابی ودلفریبی کا جادو ہر کس وناکس پر یکساں اثر کرتا تھا۔ جس کی بڑی بڑی رفیع الشان عمارتیں آسمان سے باتیں کرتی تھیں اور جو اپنی عظمت وشان سے لاجواب تھا۔ آج ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں نہ وہ اگلی سی چہل پہل ہے نہ وہ دلفریبی۔ نہ وہ مرتفع مکانات ہیں۔ نہ وہ سر بفلک کشیدہ عمارات یہاں تک کہ ان عمارتوں کے کھنڈر بھی باقی نہ رہے جو کسی دردمند دل کو گھنٹوں اپنی سیر میں منہمک رکھتے اور کسی تاریخ داں شخص کو زبان حال سے اپنی بربادی کی کہانی سناتے۔ (سید خورشید علی)

اڈیٹوریل

زنانہ مدرسہ علی گڈہ

اس وقت ہمارے مدرسہ میں قریب ایک سو کے لڑکیاں بھرتی ہوگئی ہیں خدا کا شکر ہے کہ ہر طرح سے کام قابل اطمینان ہو رہا ہے۔ ہم اس سے پیشتر ہی اعتراف کر چکے ہیں کہ اس مدرسے کے قایم کرنے میں زیادہ حصہ ہندوستان کی خواتین کا ہے۔ سب سے اول حضور عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال۔ اور اون کے بعد ہماری ہمدرد بہنوں مس زہرہ فیضی صاحبہ و مس عطیہ فیضی صاحبہ۔ مسز علی اکبر صاحبہ سلطانہ بیگم صاحبہ وغیرہ معزز خواتین نے اس کی طرف توجہ کی اور ہز ہائنس بیگم صاحبہ جنجیرہ و دیگر عالی مرتبہ بیگمات نے اپنا دست شفقت اس کے سر پر رکھا اور ان سب کی خاصی ہمدردی کی وجہ سے آج یہ مدرسہ اس درجہ تک پہونچا ہے کہ اگر خدا کو منظور ہوا تو اب اس کے ٹوٹنے کا اندیشہ نہیں ہے۔ ایک دن یہ پودا ضرور بفضل خدا بڑہے گا۔ اور پھل پھول لائے گا اور لوگ اس کو ایک شاندار اور مفید چیز خیال کر کے اس کو ترقی دینے اور شاداب بنانے کے لیے تیار ہو جائیں گے اور اوس وقت کی ہمدردی کرنے والوں کو جو اپنی قوم اور ملک سے اپنی فیاضی اور کوشش کے لیے بہت آسانی سے داد حاصل کر سکینگے اسباب کا احساس بھی مشکل ہے کہ کس مصیبت اور جانکاہی اور کاوش سے یہ کمزور پودا ایک سنگلاخ زمین میں قایم ہوا تھا خشک ریتیلے اور پتھریلے قطعات زمین میں جو لوگ اپنی زندگی کی ضروریات کے لیے پودے لگانے اور

اون کی پرورش کرنے پر مجبور ہیں وہی خوب جانتے ہیں کہ اس کام میں کیا کیا
دشواریاں ہیں۔ لیکن آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے ہم بطور ایک ابتدائی
یادگار کے یہاں پر یہ ایک نوٹ درج کرتے ہیں کہ ایک بی بی ہیں جو عرصہ سے علیل
ہیں۔ ایک ننھی سی بچی بھی ہے جو اون سے ایک لمحہ بھی علیحدہ ہونا نہیں چاہتی اور آپ
اپنے گھر کا انتظام کرنا پڑتا ہے لیکن اس پر بھی وہ اکثر صبح نو بجے سے
مدرسے میں پہونچتی ہیں۔ اوستانیوں کے کام کی پوری نگرانی کرتی ہیں اور شام کے
پانچ بجے تک برابر مدرسے میں بیٹھی رہتی ہیں۔ اپنی بچی کی۔ اور اپنے گھر کی اور
اپنی صحت کی مطلقاً کچھ پروا نہیں کرتیں۔ دن بھر لڑکیوں کی حفاظت میں کہ شریفوں
کی بچیاں ہمارے بھروسے پر بھیجدی گئی ہیں اور مدرسہ بند ہونے کے بعد گھنٹہ
آدھ گھنٹہ اوستانیوں کے آپس کے قضیے منفصل کرنے میں صرف کرتی ہیں اور پھر
اگر کہیں اون کا کھانا نصیب ہوتا ہے۔ کیونکہ مدرسہ میں کھانا کھانے کا کوئی موقعہ نہیں
ہے۔ ایک بہن ہیں کہ اپنی خلاف وضعداری کے معمولی اودنے اودنے
آدمی کے گھر میں بھی جاکر اگر کوئی بچی ملے تو اوس کو مدرسے میں بھرتی
کراتی ہیں اور اپنے وقت کا اکثر حصہ مدرسے ہی کے کام میں صرف کرتی ہیں اور اپنا
گھر بار جو دہلی میں ہے اوس کو چھوڑ کر علیگڈھ میں محض مدرسے کی خاطر آکر
رہتی ہیں۔ ایک بڑی بہن ہیں کہ وہ بھی دن رات اس مدرسے کی کامیابی کی دھن
میں لگی ہیں اور بار بار دہلی سے محض مدرسے کی نگرانی میں امداد دینے کی غرض سے
آتی ہیں اور بعض وقت مہینوں یہاں پر رہتے ہیں۔ علاوہ نگرانی کے ان سبھوں کو
بعض انتظامی معاملات میں سخت دقتیں اوٹھانی پڑتی ہیں۔ مسلمان اوستانیوں
کا ایک جگہ ملکر رہنا اور اون سے کام لینا اوس وقت بجائے خود ایک ایسا
دشوار معاملہ ہے کہ اس کی دقت کو اونہیں کا دل جانتا ہوگا جو صبح و شام ان کے

جھگڑے طے کرتی ہیں۔ غرضیکہ یہ معلوم ہوتا ہی کہ ان بیبیوں نے اسس مدرسے کی کامیابی کو اپنی زیست کا مقصد قرار دیدیا ہے؟

لیکن یہ نیک دل اور ہمدرد بیبیاں یہ کل مصیبت اپنے اوپر کیوں گوارا کیے ہوئے ہیں۔ کیا کسی قومی دربار سے ان کو کبھی داد ملنے کی توقع ہے ہرگز نہیں اسس کا نہ اون کو خیال ہے اور نہ کوئی امید ہو سکتی ہی۔ مسلمان ابھی تک اسس قابل نہیں ہیں کہ وہ عورتوں کی سچی ہمدردی یا ایثار نفسی کی داد دیسکیں اگر کوئی مرد ایک ذرہ برابر بھی کام کرتا ہے تو چاروں طرف سے مرحبا اور جزاک اللہ کا نعرہ بلند ہوتا ہے۔ لیکن میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ مردوں میں کوئی مثال اسس وقت ایسی ہی کہ وہ باوجود اپنی خوشحالی ثروت اور آرام اور بیفکری کے نہایت بے نفسی سے اور خاموشی سے اوس قسم کی زحمت اوٹھاتے ہوں جس کا ذکر اسس نوٹ میں کیا گیا ہے۔ مردوں کو ان بیبیوں سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ سچی قومی ہمدردی ایسی ہوتی ہے۔ ہمارے بزرگوار سر سید اور نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک بہادر کی واقعی ایک بڑی اور بے نظیر ایثار نفسی کی مثال ہے۔ لیکن وہ سب بزرگ پرانی تعلیم و تہذیب کے دور میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ہم اپنی قوم کے نو تعلیم یافتہ اصحاب کو مخاطب کرکے دریافت کرتے ہیں کہ کیا ہمارے لیے یہ ایک تکلیف دہ خیال نہیں ہی کہ ہم میں سچی ہمدردی اور ایثار نفسی کی مثالیں بہت ہی کم پائی جاتی ہیں۔

ہم آیندہ آنے والی نسلوں سے جنکے دل میں سچی ہمدردی اور اور پوری ایثار نفسی کا مادہ پیدا ہو جانا بہت کچھ ممکن ہی یہ خواہش کیے بغیر نہیں رہسکتے کہ جہاں اون کو تعلیم نسوان کی اسس درسگاہ کو اپنی شان و شوکت کی حالت میں دیکھکر خوشی حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔ جہاں اون کو لازم

پہل پہول اور سایہ سے پورا فائدہ حاصل کرنے کا موقع ملیگا اور جہاں اون کی نگاہ اوس کی بلند چوٹی اور پہول اور پہل سے لدی ہوئی شاخوں پر پڑے گی وہاں وہ ذرہ نیچے کی طرف ہی اوس کی جڑوں کی طرف دیکہیں تو اون کو کوئی چیز سرخ سرخ اوس کی جڑوں سے لپٹی ہوئی دکہائی دے گی۔ وہ سرخ چیز اون نیک دل اور سچی ہمدرد اور بے ریا کام کرنے والیوں کا خون جگر ہوگا جو اسوقت مصیبت اٹہا کے اوس کے قایم کرنے میں اپنی جان کہو رہی ہیں۔

اعلان چندہ ۱۔ ریاست ٹونک سے پچاس روپے بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۸ء وصول ہوئے والی ریاست کی فیاضی کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

۲۔ ہمارے ناظرین اسوقت تک مس زہرا سیفی صاحبہ و مس عطیہ فیضی صاحبہ کی پوری ہمدردی اور قومی جوش ومحبت کے معترف ہو چکے ہوں گے جب سے یہ مدرسہ جاری ہوا ہے اوس وقت سے ان دونوں معزز بہنوں نے جہانتک ان کے امکان میں تہا اس مدرسہ کو اپنا سمجہا اور اس کی امداد میں کما حقہ اپنی ہمت و کوشش صرف کی۔ اس مدرسہ پر کچہہ انحصار نہیں ہے ان کی ہمدردی اسقدر وسیع ہے کہ کہیں بہی کوئی قومی کام ہو وہ اس کی امداد کے لیے تیار ہیں۔ ہمیشہ کانفرس کے موقع پر مس زہرا فیضی صاحبہ کہیں نہ کہیں سے کچہہ وصول کر کے نارمل اسکول کے لئے بہیجا کرتی تہیں۔ اب کے انہوں نے ایک ایسی رقم ہمارے پاس بہیجی کہ جس کی ہم کو کوئی توقع نہیں ہوسکتی تہی۔ ۲۳ دسمبر کو جب ہم امرتسر کی کانفرس کیلئے سامان سفر کر رہے تہے تو ہمارے پاس ایک رجسٹری آئی جسمیں دو ہزار پچاس

روپے کے نصف نوٹ تھے۔ اور مس زہرا فیضی صاحبہ نے ہم کو لکھا کہ اس رقم میں سے
ایک ایک ہزار روپیہ دیا ہے جنٹلمینوں نے جو اپنا نام و نشان ظاہر کرنا نہیں چاہتے
زنانہ نارمل اسکول کے لیے دیا ہے اور پچاس روپے مس گل محمد صاحب نے عطا
فرمائے ہیں مس زہرا فیضی صاحبہ ان دونوں پادری جنٹلمینوں کی انتہا درجہ
کی ممنون ہیں کہ انہوں نے باوجود اس کے کہ ایک دوسری قوم کا مدرسہ تھا انکی
اپنی قوم کو اس سے کوئی فائدہ متصور نہیں ہو سکتا تھا تاہم انہوں نے ایک اچھا کام
سمجھکر بیدریغ اس کی امداد کی۔ اور آئندہ امداد کا وعدہ فرمایا۔ مس صاحبہ موصوفہ
کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مس عطیہ فیضی صاحبہ نے دوران سفر یورپ میں ان
دونوں صاحبان سے مدرسہ کا ذکر کیا تھا۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی افسوس
ظاہر کیا تھا کہ مسلمانوں کی قوم ابھی غافل ہے وہ ایک ایسے اعلیٰ اور مفید مدرسہ
کی امداد نہیں کرتے ہیں۔ میں اور میری بہن بمبئی میں اس کے لیے چندہ جمع کرتی
ہیں۔ لیکن پوری کامیابی نہیں ہوتی اور جو لوگ چندہ دیتے ہیں وہ بھی کچھ بہت
خوشی سے نہیں دیتے۔ یہ سنتے ہی ان دونوں صاحبوں کو بہت ملال ہوا۔ اور
انہوں نے ایک ایک ہزار روپیہ اپنے پاس سے دینے کا وعدہ کیا اور یہ بھی فرمایا
کہ آئندہ ہم چندہ دلوانے میں مدد دیں گے۔ اور یہ بات کی تاکید کردی کہ ہمارا
نام ظاہر نہ ہو۔

ہماری قوم کے لیے ان غیر قوم کے شریف انسانوں کی مثال قابل تقلید
ہے کہ اس وقت جبکہ مدد کا وقت ہے تو الگ بیٹھے تماشا دیکھ رہے ہیں کہ جنکے
دل کو لگی ہے وہ جہاں سے بھی چاہیں بھیک مانگ کر دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلا کر
ہمارے لیے کریں۔

اس وقت ہمارے پاس ایک بڑی تعداد درخواستوں کی رکھی ہے جنہیں

ہم سے خواہش کی گئی ہے جلدی ہماری لڑکیوں کو مدرسہ میں بھرتی کیا جائے اور انکے رہنے کا انتظام کیا جائے۔ لیکن درخواست دینے والے بزرگوں میں سے کسی نے کبھی ہمکو یہ نہ لکھا کہ ہم اس مدرسہ کے لیے تمہیں کسی قسم کی کوئی امداد دینے کو بھی آمادہ ہیں۔ خیر ہم اسی کو غنیمت سمجھیں گے کہ ہماری قوم کے حضرات اس سے فائدہ ہی اوٹھائیں۔

یہاں پر ہم اُن فیاضدل پارسی جنٹلمینوں کا اور مسز گل محمد صاحبہ کا اور اون کے ساتھ مس عطیہ فیضی و زہرا فیضی صاحبہ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

۳۔ ناظرین خاتون تعلیم نسوان کے ایک اور ہمدرد جوشیلے نوجوان کے نام سے بھی واقف ہوں گے۔ جنہوں نے پارسال کراچی میں نمائش کا انتظام و اہتمام کیا تھا۔ اور امسال بھی امرتسر میں وہ نمائش میں مدد دینے کے لیے حیدرآباد سندھ سے تشریف لائے تھے۔ ان کا نام نامی محمد الیاس صاحب ہے۔ وہ سردار محمد یعقوب صاحب مرحوم کے جو صوبہ سندھ کے مسلمانوں کے بڑے محسن و مربی تھے اور ریاست خیرپور کے وزیر تھے سگے بھتیجے ہیں اور اپنے پہلو میں ایک درمند دل رکھتے ہیں۔ انہوں نے باوجود اس کے کہ محض طالب علمی کی حالت میں ہیں مبلغ پچاس روپیے مدرسہ کے فنڈ میں عطا فرمائے۔ اونکے ہم ممنون منت ہیں۔

۴۔ جناب خان بہادر شیخ غلام صادق صاحب آنریری مجسٹریٹ امرتسر نے مبلغ پچیس روپے نمائش فنڈ کے لیے مرحمت فرمائے۔

۵۔ جناب مسز فراسٹیڈ صاحبہ جنہوں نے امسال نمائش کا افتتاح کیا تھا

انہوں نے مبلغ پچیس روپے نمائش فنڈ میں عطا فرمائے۔

۶۔ جناب مسز ہمایوں مرزا صاحبہ نے حیدرآباد دکن سے مبلغ بیس روپے نمائش فنڈ میں بھیجے ہیں۔

۷۔ جناب میاں غلام نبی و میاں حبیب اللہ صاحبان سوداگران امرتسر نے مبلغ پانچ روپے نمائش فنڈ میں عطا فرمائے۔

۸۔ جناب مسٹر سید محمد علی صاحب سشن جج مرزاپور نے خاتون کی امداد کے لیے مبلغ پچیس روپیہ مرحمت فرمائے ہیں۔

۹۔ جناب مسٹر محمد اسحاق خانصاحب سشن جج فتحگڑھ نے مبلغ پندرہ روپے اس غرض کے لیے دیے ہیں کہ سن رواں میں رسالہ خاتون میں جو بی بی اوڈیٹر کی رائے میں سال بھر میں سب سے اچھا مضمون لکھے اوس کو نقد یا تمغہ کی صورت میں یہ رقم انعام میں دی جائے۔ ہم ان سب فیاض بزرگوں اور خواتین کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

رسالہ پردہ نشین میں اس بات کی شکایت کی گئی ہے کہ زنانہ مصنوعات کی نمائش میں ایسی خواتین کے حقوق نظرانداز کیے جاتے ہیں جو اپنی دماغی محنت سے کوئی تصنیف یا تالیف کر کے نمائش میں پیش کرتی ہیں اور ادنی اور سوتی موزوں اور سوئی دہلائی کے کاموں کو تصانیف پر ترجیح دیجاتی ہے۔ ہم اسبات کو تسلیم کرتے ہیں

ہیں کہ ایک مصنف یا مصنفہ کا درجہ بہ نسبت ایک دستکار کے بہت بڑا ہی لیکن یہ بات ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آئی کہ نمایش مصنوعات کو کسی کتاب کی تصنیف سے کیا تعلق ہی۔

غالباً ہماری بہن اڈیٹر صاحبہ پردہ نشیں کو مقصد نمایش کے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ اگر کوئی نمایش ایسی منعقد ہو جہاں پر دماغی قابلیت کے نتائج پر مقابلہ سے انعامات ملیں تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اڈیٹر صاحبہ پردہ نشیں کو ضرور داد ملے گی۔ لیکن نمایش دستکاری و صنعت میں کسی داد یا انعام یا تمغے کی توقع اور اسپر شکایت بیجا ہی۔

ہم اڈیٹر صاحبہ و منیجر صاحب رسالہ پردہ نشیں کو اس اشتہار ادویات کی اشاعت کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں جس میں عزت وغیرہ کے نام سے دواؤں کا اعلان کیا گیا ہی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آیندہ اس قسم کا کوئی اشتہار رسالہ پردہ نشیں میں شائع نہوگا۔ یہ ہمارا دوستانہ مشورہ ہی۔ لیکن اگر اس میں فروگذاشت ہوگی تو ہمارا قومی فرض ہوگا کہ ہم زیادہ واضح طور پر لکھیں۔

نمایش اور کانفرنس کے متعلق جو کچھ بھی حالات ہیں وہ اخبار وکیل امرتسر میں بہت واضح طور پر شائع ہوچکے ہیں۔ ہم اس رسالہ کے ساتھ علیحدہ مطبوعہ رپورٹ خریداران کے پاس بھیجتے ہیں اس رپورٹ کی چار سو کاپیاں جناب منیجر صاحب وکیل نے بلامعاوضہ چھپوا کر اشاعت کے لیے ہم کو دی ہیں۔ ہم جناب منیجر صاحب اور اڈیٹر صاحب اخبار وکیل کے ممنون ہیں۔

نمایش کے متعلق ہم کو کچھ واضح طور پر لکھنا ہے اُسکو آئندہ نمبر خاتون میں انشاءاللہ لکھینگے یہاں پر ہم صرف تمغہ جات کی فہرست درج کرتے ہیں جو نمایش میں بفیصلہ کمیٹی مستحقین کے لیے تجویز ہوئے۔

فہرست انعامات

طلائی تمغے

(۱) ایک افغان خاتون کو بتوسط مسٹر فخرالدین،	ریشم کی کڑھائی پر
(۲) مسسز رضاءاللہ پشاور،	کلابتون کے کام پر
(۳) مسسز عزیزالدین آف کوئٹہ،	بلوچی کُرتہ کی کڑھائی پر

طلائی تمغے

(۴) زنانہ کوآپریٹیو اسٹور دہلی	بہت سے قابل قدر نمونوں پر
(۵) ارٹ اسکول آف ایمبرائڈری جام نگر،	کڑہائی و سوزن کاری کے نمونوں پر
(۶) مس سردار بشیر احمد خاں مقیم امرتسر،	نفیس سوزن کاری پر

نقرئی تمغے

(۱) مس نور محمد آف حیدر آباد سندہ،	ریشم کی کڑہائی پر
(۲) مسز ایم یوسف حیدر آباد سندہ	کلابتون کے کام پر
(۳) مس ایچ۔ ایس وائی آف حیدر آباد سندہ،	سفید کلابتون و سلمہ کے کام پر
(۴) ایک سندہی لیڈی بتوسط مسٹر محمد الیاس،	سفید کلابتوں کی کڑہائی پر
(۵) مس میاں عبد العزیز آف امرتسر	سوزنکاری کے مجموعہ پر
(۶) گرلز نارمل اسکول علی گڑہ	متعدد نمونوں پر۔
(۷) الیگزینڈرا گرلز ہائی اسکول امرتسر۔	" "
(۸) مینوسپل بورڈ گرلز اسکول "	" "
(۹) گرلز اسکول کپورتھلہ	" "
(۱۰) بہنڈ گرلز اسکول راجپورہ۔	" "
(۱۱) گرلز انڈسٹریل اسکول دہلی،	کامدار زنانہ کفش پر
(۱۲) مسیز محبوب عالم آف لاہور	فارسی تحریر دنباوش کے کام پر
(۱۳) مسیز ایچ۔ آر انجنیر امرتسر،	کڑہے ہوئے تکیے کے غلاف پر
(۱۴) مس ناتا بھائی آف لاہور،	کپڑے کی تصاویر و نقشہ جات پر
(۱۵) مس کرسٹیجی آف امرتسر،	
(۱۶) مس ایس۔ بی رضاء اللہ مقیم پشاور،	آبی رنگوں کی تصویروں پر

علاوہ مندرجہ بالا تمغہ جات کے پچاس سرٹیفکٹ قابل تعریف نمونے بھیجنے والیوں کو دیے گئے ہیں امید ہے کہ ان اسناد پانے والیوں کی فہرست ہم کسی آئندہ نمبر میں درج کرینگے۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

نمبر ۲	بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۰۹ع	جلد ۶

اڈیٹر شیخ محمد عبد اللہ بی اے۔ ایل ایل بی۔ سکرٹری تعلیم نسواں اسکشن

فہرست مضامین

محمد عبد السلام پرنٹر کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہو ا

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت ۱) روپے، اور ششماہی عہ/ ۱۲ ہے

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی، اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہوں گے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اُس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جاسئے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُنکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶۔ اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچے گا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جاسئے گا۔

۷۔ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیے۔

خاتون

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا بائیسواں اجلاس

شعبۂ تعلیم نسواں کا اجلاس اوّل

۲۷- دسمبر ۱۹۰۸ء کی شب کو شعبہ تعلیم نسواں کا اول اجلاس بصدارت جناب نواب محمد اسحاق خاں صاحب سیشن جج شروع ہوا اور نواب صاحب نے حسب ذیل افتتاحی تقریر فرمائی۔

حضرات! میں تمام صاحبان کا اس اعزاز پر تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جو آپ نے تعلیم نسواں کے اجلاس کا پریسیڈنٹ منتخب کر کے مجھے عطا فرمایا ہی۔ گو میں کسی طرح اس عزت کے قابل نہیں مگر ارشاد دوستاں مرگ مفاجات" بزرگوں اور دوستوں کے حکم پر میں سر دینے کو تیار ہوں مگر امید ہی کہ سر لینے میں بھی آپ نرمی و محبت کا برتاؤ کرینگے۔

کسی شہر میں ایک دولتمند شخص تھے۔ اُن کی صرف ایک صاحبزادی تھی جس سے وہ

بہت بڑی محبت رکھتے اور بہت ناز و نعم سے اُس کی پرورش کرتے تھے۔ جب صاحبزادی کی عمر چار پانچ سال کی ہوئی تو تعلیم کا خیال آیا اور بسم اللہ کی رسم ادا کرنی چاہی۔ آپ نے مُلاؤں اور سیانوں کے پاس جاکر فال کھلوائی۔ کسی نے کہا کہ اگر بسم اللہ کے موقع پر تم کسی انسان کی قربانی کرو گے تو اس سے بہت اچھے نتائج برآمد ہونگے۔ اُن کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ مگر قربانی کے لیے آدمی میسر آنا دشوار تھا۔ پس انہوں نے سوچا کہ اگر کوئی نووارد ملے تو اُسے دم دیکر لائیں۔ اتفاق سے ایک مسافر بیچارہ مل گیا۔ اُسے تملق و چاپلوسی سے اپنا مہمان بناکر گھر لائے اور بہت عمدہ عمدہ کھانے اُسے کھلائے اور ہر طرح خاطر مدارات کی۔ جب صاحبزادی کی بسم اللہ کا وقت آیا تو اُسے اصل مقصد سے آگاہ کیا اور کہا کہ بسم اللہ پڑھاؤ۔ اُس بیچارہ کا دم تو قربانی کا نام سُنکر ہی خشک ہو گیا مگر پھر بھی ہمت کرکے اُس نے پڑھانا شروع کردیا اور امین کہوائی۔ یہی کیفیت اسوقت میری ہے کہ صدارت کے اہم فرائض اور اپنی ناچیز لیاقت پر خیال کرکے ڈرتا ہوں۔ مگر دوستوں کی آزردگی کے خیال سے آمین آمین کرتا ہوں۔ امید ہے کہ اگر مجھ سے کسی قسم کی لغزش ہوگی تو آپ معاف فرمائیں گے۔

تو نیز اربدی بینی اندر سخن   بخلق جہاں آفریں کار کن

حضرات! تعلیم نسواں کا مسئلہ جس پر بزرگان قوم کی اب توجہ مبذول ہوئی ہے۔ سخت نازک ہے۔ فی زمانناً لفظ تعلیم بہت جلی حرفوں میں زندگی کے ہر شعبہ پر لکھا ہوا ہے۔ تعلیم دولت ہے تعلیم عزت ہے، تعلیم طاقت ہے۔ تعلیم قدرت ہے۔ غرض تعلیم سے کسی حالت میں کسی طرح چھٹکارا نہیں۔ انگلستان کے مشہور شاعر پوپ کی ایک نظم ہے جس میں وہ اپنے محبوب اور اُس کی محبت کو مایۂ کائنات قرار دیتا ہے۔ اور باقی دنیا و مافیہا کو ہیچ سمجھتا ہے۔ میں اُس میں قدرے تصرف کرکے کہہ سکتا ہوں۔

Life is education and nothing more

"زندگی تعلیم ہے اور باقی سب ہیچ ہے" کہتے ہیں۔ ـــ

زندگی زندہ دلی کا ہے نام ؎ مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں ؎

مگر میرے خیال میں یہ کہنا چاہیے۔

زندگی علم و ہُنر کا ہے نام بے ہنر خاک جیا کرتے ہیں

تعلیم کے مسئلہ پر بہت کچھ لکھا پڑھا جا چکا ہے۔ اور لکھا پڑھا جا رہا ہے مگر چند الفاظ جو مؤثر و دلنشیں ہوں وہ طومار سے کہیں زیادہ مفید ہیں۔ کسی شاعر کا شعر ہے ؎

طوفان نوح لانے سے اے چشم فائدہ دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

تعلیم کی عمارت جس قدر بلند ہو گئی ہے اُسکے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض خوش قسمت قومیں اُس کی چوٹی تک پہنچ گئی ہیں۔ بعض درمیانی حصہ تک چلی گئی ہیں۔ بعض چلنے کا ارادہ کر رہی ہیں۔ بعض کچھ دور چلکر بیچ میں رُک گئی ہیں۔ اُن کی حالت بڑی قابل افسوس ہے ؎

حسرت پہ اُس مسافر بیکس کی رویئے جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

وہ منزل تعلیم کی ہے۔ پہلے سب ملکوں کی حالت ہماری مانند تھی اور ہم اُنسے فائق تھے۔ مگر آج ہم تعلیم کی عمارت کو حسرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنی غفلت پر آنسو بہاتے ہیں۔ خیر! خوشی کا مقام ہے کہ اب ہمارے ہاں بھی کچھ تحریک شروع ہو گئی ہے اور دیگچی میں اُبال آ رہا ہے اگر ہم نے ہمت سے کام لیا تو وہ وقت بھی آجائیگا جبکہ ہماری امید پوری اور مراد حاصل ہو جائیگی ابتک ہمارے بزرگ جس راستہ پر چلے وہ چاہے بالکل صحیح ہو۔ مگر اس الزام سے وہ بری نہیں ہو سکتے کہ اُنھوں نے صرف ایک طرف توجہ کی اور دوسری سمت سے غافل رہے۔ یکطرفہ توجہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ لڑکوں کو تعلیم دے رہے ہیں اُنکے دماغوں کو علوم سے بھر رہے ہیں ہر قسم کی مفید ضروری باتیں سکھا رہے ہیں۔ مگر لڑکیوں کی طرف سے غافل ہیں۔ حالانکہ یہی لڑکیاں ہمارے لڑکوں کی ہم جلیس۔ ہمراز اور زندگی کی شریک ہونے والی ہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ بغیر تعلیم کے وہ کس طرح اپنے فرائض ہمرازی و مددگاری کے ادا کر سکینگی۔ کیونکہ ایک تعلیم یافتہ مرد اور جاہل عورت میں موانست و محبت ہوگی۔ اور غیر موانست کا ہمارے

تمدن پر کیسا ناگوار اثر پڑیگا۔ ع صحبت ناجنس عذاب الیم، کی برابر ہی۔ پس جبتک لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم ساتھ ساتھ نہو گی۔ ہرگز ہماری فلاح و ترقی کے عمدہ نتائج مترتب نہونگے۔ ہاں تعلیم میں مفید اور غیر مفید کا ضرور خیال رکھنا چاہیے۔ ایسی تعلیم نہو کہ لڑکیاں کرکٹ فیلڈ میں جاکر تالیاں بجائیں اور اپنے فرائض سے لاپرواہو جائیں۔ ایسی تعلیم کی صائب الرائے ضرور مخالفت کرینگے اور جہالت ہی کو اُسپر ترجیح دینگے۔ پس تعلیم سے میری مراد وہ تعلیم ہے جس کی شرع نے اجازت دی ہی۔ جسکو ہمارے پاک مذہب نے جائز کیا ہی۔ وہ تعلیم جو عورتوں کو اُنکے فرائض خانہ داری و مددگاری باحسن وجوہ ادا کرنے کے قابل بنائے۔ اور ہماری نئی پود کو جو اُنکے سایہ میں اپنی عمر کا ابتدائی حصہ گزارتی ہی نیک راہ دکھائے۔ بچہ کے خصائل پر اُس کی ماں کا بڑا اثر پڑتا ہی۔ اور یہ اثر بہت دیرپا ہوتا ہی۔ پس آپ کوشش کریں کہ ہماری عورتوں کا جو اثر بچوں پر پڑے وہ نہایت مفید ہو اور اُنکے عادات و اخلاق کی شروع سے اصلاح ہوتی جائے۔

حضرت غوث الاعظم علیہ الرحمتہ کے حالات میں لکھا ہی کہ آپ اپنی والدہ کے بہت فرمانبردار و اطاعت گزار تھے۔ ایک مرتبہ ابتدائی عمر میں آپ کو سفر درپیش ہوا۔ چلتے وقت والدہ صاحبہ نے نصیحت کی کہ بیٹا دروغگوئی سے احتراز کرنا۔ آپ نے اپنی عادت کے موافق والدہ کی نصیحت پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ اتفاق سے راہ میں آپ کو قزاق ملے۔ اور انہوں نے پوچھا کہ تمہارے پاس کیا ہی۔ آپ کو ماں کی نصیحت کا خیال تھا پس آپ نے قزاقوں کو بتادیا کہ میرے پاس اتنی اشرفیاں ہیں۔ قزاق اس صداقت پر حیران ہوگئے اور آپ سے کچھ نہ کہا اس طرح سے ماں کی نصیحت پر عمل کرنے سے فائدہ ظاہر ہوا۔ مگر افسوس ہی کہ آجکل ہمارے ہاں کی مائیں اپنے بچوں کو ایسی نصیحتیں کرنے اور نیک باتیں سکھانے کے قابل نہیں۔ بلکہ بچوں کو وہ خود جھوٹ بولنا سکھاتی ہیں۔ بچہ مکتب جانا نہیں چاہتا ماں نے محبت کے مارے کہدیا کہ آج اس کی طبیعت اچھی نہیں۔ بچہ کو معلوم ہوگیا کہ یہ خوب بہانہ ہی۔ پھر وہ خود ایسے

سے حیلے کرنے لگا۔ ماؤں کی یہ حالت صرف جہالت کی وجہ سے ہے وہ غور ہی نہیں کرسکتیں کہ کونسی بات بچوں کے حق میں مفید ہوگی۔ لیکن مسلمانوں میں عورتیں ہمیشہ جاہل نہیں رہیں بلکہ بڑی بڑی فاضل ہوئی ہیں اور ایسی متقی و پرہیزگار کہ بڑے بڑے مرد انکے زہد و اتقا و فہم و ذکا سے حیران رہتے تھے۔

حضرۃ رابعہ بصری کی ایک حکایت مشہور ہے کہ آپ سوت کاتا کرتی تھیں۔ ایک بار شب کو اندھیری میں بیٹھی چرخہ کات رہی تھیں۔ اتفاق سے ایک برات آپکے مکان کے سامنے سے گزری۔ اُسکے ساتھ مشعلیں وغیرہ تھیں۔ ان مشعلوں کی روشنی کچھ دیر تک آپکے گھر میں پہنچی۔ اور آپ نے اس روشنی میں کچھ سوت زیادہ اور باریک کات لیا۔ مگر پھر آپ کو خیال آیا اور صبح کو آپ نے اسکا مسئلہ اُس زمانہ کے سب سے بڑے فقیہہ سے دریافت کرایا۔ وہ اس احتیاط اور زہد و اتقا کو سنکر حیران رہگئے۔

آخری زمانہ میں بھی بڑی بڑی لائق اور دیندار عورتیں تھیں۔ سر سید مغفور اپنی والدہ ماجدہ کا ہمیشہ بڑے ادب سے ذکر کیا کرتے تھے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ اُن میں جو صداقت راستبازی قومی ہمدردی و دیگر صفات حسنہ تھیں اُنکے پیدا کرانے میں اُن کی والدہ ماجدہ کی تربیت کا بڑا حصہ تھا۔ اُن کی والدہ نے ایک مرتبہ سید صاحب کو کسی شخص سے انتقام لینے سے باز رکھا۔ اور سید صاحب مغفور کو اُس کی عمر بھر خوشی رہی۔

پہلے ہمارے شریف گھرانوں میں لڑکیوں کو پُرانے طریقہ کی تعلیم دیجاتی تھی اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا تھا اب غضب یہ ہے کہ مشرقی تعلیم کو بھی چھوڑ بیٹھے اور مغربی تعلیم کا بھی کچھ انتظام نہ کرسکے۔ دونوں طرح کی تعلیم سے غفلت ہوئی۔ ورنہ جوہر قابل اسی طرح موجود ہے۔ باغ میں سب قسم کی سر درختی لگی ہوئی ہے۔ مالی آئے اور اُسے درست کرے۔ پھر اُس میں پھول لگیں پھل آئیں۔ گوہر آبدار سمندر کی تہ میں نہاں ہیں غوطہ خور آئے اور موتیوں کو نکالے۔ پھر اُن کی ضیا سے قوم میں چمک اور روشنی پھیلے۔ انگریزی شاعر گرے اپنی مشہور و معروف ایلجی میں ایک بند

اسی مضمون کا لکھا ہی جسکا ترجمہ اُردو شاعر نے حسب ذیل کیا ہی ؎

موتی ہزار قعر سمندر میں ہوں نہاں
پر اُنکا ہاتھ آنا ہے غواص بن محال

ہیں پھول مرغزار میں لاکھوں کھلے ہوئے
گلدستہ سے دکھائیگا مالی مگر کمال

اسلام نے جو حقوق عورتوں کو بخشتے ہیں اُن پر میرے مخدوم و مکرم جناب مولانا شبلی صاحب اسوقت آپکے سامنے تقریر کرینگے۔ مگر میں اپنی عرضداشت کو یہ کہے بغیر ختم نہیں کرسکتا کہ جو کوشش میرے دوست شیخ عبداللہ صاحب۔ اور میں مسیز عبداللہ نہ کہونگا بلکہ اُن کی خاتون خاتون رسالہ نہیں جو ماہ بماہ شہر علیگڑہ سے شائع ہوتا ہی اور مستورات کی اچھی خدمت کر رہا ہے بلکہ اُن کی اہلیہ نے مقاصد تعلیم نسواں کی جو ترقی کی ہی وہ ساری قوم کی شکر گزاری و داد کے قابل ہی۔ میں شیخ عبداللہ صاحب کو مخاطب کر کے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ

گل بدست و گل بجیب و گل بداماں کردۂ
از سرت گردم کہ خود خود را گلستاں کردۂ

نواب محمد اسحاق خاں صاحب کی تقریر ختم ہونے کے بعد جناب شمس العلما مولانا شبلی صاحب مدظلہم پلیٹ فارم پر ایستادہ ہوئے اور سارے جلسہ نے نہایت عقیدت و گرمجوشی سے آپ کا خیر مقدم کیا۔ مولانا ممدوح کی تقریر شروع ہونے سے پہلے ملک محمد دین صاحب مہتمم صیغہ انہار و آبپاشی ریاست بہاولپور نے کلام مجید کے ایک رکوع کی نہایت خوشگوار و دلنشین قرأت میں تلاوت فرمائی۔ اور اسکے بعد مولانا شبلی نے آیۃ و انی ہدایۃ خلقنٰکم ازواجًا الخ عربی لہجہ میں پڑہکر اپنی تقریر حسب ذیل شروع کی۔

لیکچر مولانا شبلی مدظلہم

حضرات! جس آیت کی میں نے اسوقت تلاوت کی ہی اُسکے معنی اور اپنے لیکچر کے مفہوم کا اس سے تعلق میں بعد میں بیان کرونگا۔ پہلے بطور تمہید میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس تیرہ سو برس کے زمانہ میں مسلمانوں کو بڑے بڑے خطرناک واقعات، حوادث پیش آئے

ایک چنگیز خاں ہی کی ٹکر ایسی زبردست تھی کہ مسلمان اُسکے صدمہ سے کئی سو برس تک نہیں سنبھل سکے اور بعض لوگوں کا خیال ہی کہ آجتک نہیں سنبھلے۔ اسی طرح اور حادثات وصدمات تھے مگر آجکل جو ٹکر لگی ہی وہ ان تمام مشکلات سے باہر ہی کسی سلطنت کا جنگی حملہ کوئی بڑی چیز نہیں لیکن آجکل ایک ایسی قوم کی شایستگی تمدن وتہذیب سے ہمارا مقابلہ آپڑا ہی جو دنیا میں سب سے زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ ہے اور ممکن نہیں کہ کوئی قوم ترقی کرسکے جبتک ان امور میں وہ بالاتر نہو۔ ڈاکوؤں کی طرح کسی ملک کو فتح کرلینا۔ لوگوں کا مال چھین لینا ممکن ہی مگر اسکا اثر مستقل نہیں ہوتا۔ اور قبضہ دیرپا نہیں رہتا۔ مستقل اسی وقت ہوتا ہی جبکہ فاتح قوم کی ہر بات مفتوح قوم سے بڑھی ہوئی ہو اور وہ تہذیب وتمدن میں مفتوح قوم کو دبا سکے۔ اس کلیہ کا ہم پر یہ اثر ہوا ہی کہ یورپ کی تہذیب وشایستگی کے مقابلہ پر ہم دبے جاتے ہیں اور سر نہیں اُٹھا سکتے۔

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ خدانخواستہ ہمارا مذہب یا قومی تہذیب اہل یوروپ کے مذہب یا قومی تہذیب سے کمزور ہے بلکہ بات یہ ہی کہ ہم نے اپنے مذہب وتہذیب قومی کو چھوڑ دیا ہی۔ ہم اپنے دین اور اپنی ہسٹری سے ناواقف ہیں۔ سات آٹھ برس کی عمر سے لڑکا انگریزی تعلیم شروع کرتا ہی اور دس بارہ برس اس میں مشغول رہتا ہی۔ پھر کوئی ڈگری حاصل یا امتحان پاس کرکے کسی کاروبار میں پڑجاتا ہے۔ پس وہ اپنے مذہب وقوم کی تاریخ کا کب مطالعہ کرسکتا ہی۔ اور کہاں اُسپر غور وخوض کرنے کی فرصت پاتا ہی اگر وہ چاہے بھی تو اُسے اسکے متعلق کافی لٹریچر نہیں ملتا۔ اسلیے وہ انگریزی مصنفین کی طرف رجوع کرتا ہی اور دوسروں کی زبان وقلم سے اپنی حقیقت سنتا ہی ع

ولیکن قلم درکف دشمن است

پس ایسے مطالعہ وتحقیقات سے اُسے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہی۔ حالت موجودہ کے مطابق ہم اپنے مذہب اور اپنی تہذیب سے آگاہ نہیں اور آگاہ ہونے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ پس اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ یوروپ کی تہذیب وشایستگی ہم پر غالب آجائے گی۔

اور اپنی تہذیب و شایستگی کو ہم بالکل چھوڑ دینگے۔ حالانکہ وہ سب چھوڑنے کے قابل نہیں ہے اُس میں بڑی بڑی خوبیاں ہیں۔ بڑے بڑے خزانے ہیں مگر معلومات ہونی چاہیے۔ بغیر معلومات کے کوئی شخص صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا۔ خود حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معلومات کے متعلق کئی بار واقعات پیش آئے۔ جب آپ مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ لوگ کھجوروں کے درختوں میں باہم شادیاں کرتے ہیں۔ رسول اکرم نے اُن کو اس سے منع فرمایا۔ لوگوں نے آپکے ارشاد پر کھجوروں کی شادیاں موقوف رکھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کھجور کے درخت بارآور نہوئے۔ لوگوں نے حضرت سے فریاد کی۔ آپ نے سارا واقعہ سُنکر فرمایا کہ تم اپنے امور میں مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ مجھے جو کچھ شرف تم پر ہے وہ یہ ہے کہ مجھپر اللہ الواحد کی طرف سے وحی آتی ہے۔ ممکن ہے کہ دنیاوی باتوں میں تم مجھ سے زیادہ سمجھ سکتے ہو۔ پس واقفیت ضروری ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جب ہم مذہبی تعلیم سے واقف نہوئے۔ مذہبی تاریخ سے واقف نہوئے۔ تو تہذیب قومی و تہذیب مغربی میں تفریق کون کریگا۔ اور کیونکر ہم ایک دوسرے پر ترجیح دیسکیں گے۔ آجکل ہم یوروپ کی اندھا دُھند تقلید کر رہے ہیں مگر یوروپ پر کیا بھروسہ ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ اُسکے ذریعے سے جسکو ہم مذہب سمجھتے ہیں۔ وہ درحقیقت ہمارا مذہب نہو اور جسے ہم اپنی تاریخ قرار دیتے ہیں وہ ہماری تاریخ نہو۔ اب لیجیے عورتوں کے حقوق جو اسلام نے اُنہیں بخشے ہیں۔

حضرات! شاید آپ میں سے بعض اصحاب کو یاد ہو کہ اسی امرت سر میں اور شاید اسی احاطے میں مینے جلسہ ندوۃ العلماء کے موقع پر تقریر کی تھی کہ شریعت اسلام کو خاتم شریعت کیوں کہتے ہیں۔ اور حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الرسل کیوں مانتے ہیں؟ ہر چیز کا قاعدہ ہے کہ جب ترقی کرتے کرتے وہ درجۂ کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ اور کوئی درجہ ترقی کا باقی نہیں رہتا تو وہ ختم ہو جاتی ہے۔ دنیا عالم ہے دو متناقض چیزوں کا زوال و ترقی حسن و قبح۔ شریعت اسلام کے خاتم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جتنے اشیاء تعلق ... جتنے قانون

جتنے تمدن پہلے موجود تھے وہ ناکمل و ناتمام تھے۔ اسلام نے اُن کو کامل کر دیا، اسلیے وہ ختم ہو گئے۔ یہی دعوی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہوا ہی۔ اس آیہ شریفہ میں الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی " آج مینے کامل کر دیا تمہارے لیے تمہارے دین کو، اور پوری کر دی تمہارے اوپر اپنی نعمت" اسلام سے پہلے موسوی وعیسوی شریعتیں تھیں ان دونوں کے بعد شریعت اسلام قائم ہوئی جسنے اُن کی ساری کسرات پوری کر دی یہی صراط مستقیم ہی۔ اور اسی کے متعلق ہم ہر نماز میں دعا مانگتے ہیں کہ اھدنا الصراط المستقیم، اس امر کو مدنظر رکھکر اب دیکھیے کہ عورتوں کے کیا حقوق تھے جو پہلے ناقص تھے اور جنکو اسلام نے کامل کر دیا۔ کیا افراط تھی جسکو اعتدال حقیقی پر پہنچا دیا۔ آج جبکہ یورپ کی تہذیب کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ گیا ہی اسکے حقوق نسواں سے اسلامی حقوق نسواں کا مقابلہ کرکے دیکھیے تو یہ اُس سے کہیں افضل و اعلیٰ ہیں، بلکہ اسلام کے لیے موجب ننگ ہی کہ اسکا مقابلہ اس قسم کی تہذیبوں سے کیا جائے۔ خطۂ یونان کی علمی و فلسفی ترقیوں کا حال آپ کو معلوم ہی۔ ارسطو وغیرہ نے حکمت و فلسفہ میں کس قدر کمال پیدا کیا تھا، سلطنت رومۃ الکبریٰ۔ لا، (قانون) کے بنانے میں بے مثل مانی گئی ہی، قانوندان حضرات جانتے ہیں کہ یوروپ کے قانون کی بنیاد اسی رومن لا پر قائم ہی۔ زمانہ قدیم میں ہندوؤں کی فلاسفی بھی بے انتہا ترقی کر گئی تھی، تمدن کے بہت سے نازک مسائل یہاں حل ہو گئے تھے۔ باوجود اسکے یونانیوں، رومیوں، ہندوؤں کو عورتوں کے حقوق اور اُنکی ترقی کے متعلق جو درجات حاصل ہوئے تھے اُن کو دیکھیے کہ کیسے ادنیٰ ہیں، تاریخ موجود ہے۔ اور اُن اقوام کے دوستوں کی لکھی ہوئی ہی مخالفوں کی نہیں، مگر وہ تاریخ عورتوں کو ہر معاملہ میں مردوں کا پابند۔ دست نگر، غلام دکھاتی ہی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں لفظ wemen (ومن) کے تحت میں عورتوں کی بابت بہت کچھ لکھا ہی۔ اُسے دیکھیے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ یوروپ میں پہلے بھی عورتوں کو بہت ہی کم حقوق دیے گئے تھے اور اب بھی کچھ ایسے زیادہ نہیں دیے گئے ہیں، آجکل فرانس کے ایک نامور پروفیسر نے دنیا کی سولیزیشن پر ایک کتاب لکھی ہے

اُسکا جو حصہ عورتوں کے حقوق کے متعلق ہے وہ میں نے پڑھا۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانیوں رومیوں وغیرہ کے زمانہ میں یہ حالت تھی کہ عورتیں مردوں کی جائداد منقولہ خیال کیجاتی تھیں، جیسے اسباب لکڑی یا ایسی ہی کوئی اور چیز۔ ہمارے نکتہ چیں ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ پردۂ نسواں اسلام نے رائج کیا۔ اور یہ ایک بُری رسم ہے مگر اُن کو معلوم ہونا چاہیے کہ یونان میں عورتیں بالکل پردہ میں رکھی جاتی تھیں اور سواری وغیرہ میں بھی اُنکا نکلنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اسی فرانسیسی مصنف نے لکھا ہے کہ عورتوں کی قبر پر یہ کندہ کیا جاتا تھا کہ "یہ عورت تمام عمر گھر سے باہر نہیں نکلی" خیال کیجیے! پردۂ اسلامی کی اس قید و بند کے سامنے حقیقت کیا ہے۔ رومن لا میں عورتیں مثل دوسری جائداد کے منتقل ہوسکتی تھیں، اور خریدی جاسکتی تھیں، یہ اُن کی پوزیشن تھی۔ افلاطون کا قول ہے کہ شادی بیاہ ایک مجبوری کی وجہ سے کیا جاتا ہے کوئی خوشی کا مقام نہیں، ورنہ عورت ایسی چیز نہیں کہ مرد اس سے شادی کرے انگلستان میں صدیوں تک یہ خیال کیا جاتا تھا کہ عورتوں میں روح نہیں ہے۔ ۱۵۸۵ء میں ایک کمیٹی اس امر کی تحقیقات کے لیے بیٹھی تھی کہ عورتوں میں روح ہے یا نہیں، اس کمیٹی نے بعد غور وخوض یہ فیصلہ صادر کیا کہ عورتوں میں روح تو ہے مگر اسلیے ہے کہ وہ مردوں کی تابعداری کریں، ہندوستان میں باوجود اس قدر ترقی کے عورتوں کی جو وقعت تھی اُسکا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ بڑی بڑی عورتیں جوئے میں ہار دی گئیں، دختر کشی کا رواج اس ملک کے بعض حصوں میں تھوڑے عرصہ پہلے تک موجود تھا، اور اب بھی مقدمات ہوتے رہتے ہیں، عرب میں بھی دختر کشی کی رسم عام تھی، جسکے لیے اللہ پاک کو خاص طور پر ممانعت کرنی پڑی، عورتوں کو عرب لوگ اس قدر ذلیل وحقیر جانتے تھے کہ اگر کسی عرب سے یہ کہا جاتا تھا کہ تمہارے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو وہ شرم کے مارے چھپتا پھرتا تھا غرض ساری دنیا میں عورتوں کی ایسی ہی حالت تھی، خود انگلستان میں کچھ عرصہ پہلے تک یہ رسم تھی کہ شادی کے وقت بغیر عورت کی خواہش کے اُس کی ساری جائداد شوہر کے نام منتقل ہوسکتی تھی، بروے قانون وہ کوئی معاہدہ نہیں کرسکتی تھی، پارلیمنٹ انگلستان میں ایک ممبر نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ گویا عورت شادی نہیں کرتی بلکہ جرم کرتی ہے، دیگر معاملات میں بھی عورت کی پابندی

دنیا کی تمام قوموں کا یہی حال تھا اب کچھ حقوق عورتوں کو عطا ہوئے ہیں مگر غور کیا جائے تو اُن حقوق کے برابر نہیں جو دین اسلام نے عورتوں کو بخشے ہیں، اسلام ایک ریفارمیشن اور ایک تکمیل ہی، جسکا ثبوت اُسکے احکام سے ملتا ہی۔

اب دیکھیے! اسلام نے عورتوں کے لیے کیا کیا؟ مسلمانوں نے کیا کیا؟ میں اسکا ذمہ دار نہیں ہوں اور نہ اسکا ذمہ دار ہوں کہ مسلمان شعراء یا مسلمان مصنفوں سے اس کی پوزیشن دریافت کروں۔ وہ تو عورتوں کو اور ہی رنگ میں دیکھتے ہیں، مولانا جامیؒ فرماتے ہیں ؎

اگر نیک بودے سرانجام زن   زناں را مزن نام بودے نہ زن

غنی کشمیری کہتا ہے ؎

زن از پہلوے چپ شد آفریدہ   کس از چپ راستی ہرگز ندیدہ

غرض اسی قسم کے بہتیرے اقوال ہیں، مگر میں ان اشعار و خیالات کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ کیا اسلام میں بھی کچھ عورتوں کے حقوق ہیں؟ مینے کہا بہت سے اور اہم مذاہب و اقوام سے زیادہ۔ اُسنے تعجب سے کہا کہ پھر یہ انقلاب اور یہ بُری کیفیت کیوں ہے؟ مینے جواب دیا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ بلکہ تیسری صدی ہجری میں ایک نامور محدث کہتے تھے کہ اگر حضرت رسالتمآب دوبارہ زندہ ہوکر دنیا میں تشریف لائیں تو مسلمانوں کو دیکھکر دریافت فرمائینگے کہ یہ کونسی قوم ہی اور کس کی امت ہی؟ اُن محدث نے جب یہ لکھا تھا اسے ساڑھے گیارہ سو برس گزر چکے ہیں، پھر اسوقت جو نہو تھوڑا ہے، مسلمانوں کی حالت بالکل بدل گئی ہی وہ دین کی راہ سے بہت دور جا پڑے ہیں، دیکھیے شرک و بت پرستی کا مٹانا اسلام کا خاص مقصد تھا مگر کونسی قوم ہی جو اب مسلمانوں سے زیادہ شرک میں مبتلا ہو، اس سے بڑھکر شرک کیا ہوگا کہ ایک ایک ٹھیکری سے بیٹا مانگتے ہیں، معاذاللہ! پس مجھے مسلمانوں کے افعال و خیالات سے کچھ بحث نہیں، میں صحابہ کرام کے افعال، حدیث نبوی و قرآن شریف سے عورت کے حقوق پیش کروں گا،

میرا دعویٰ ہے کہ اگر دنیا کے تمام فلسفہ و مسائل حکمیہ کو لیا جاے اور عورتوں کی تعریف میں جو لٹریچر دنیا بھر کی زبانوں میں ہی وہ اس حکمت و فلسفہ کے ساتھ جمع کیا جاے، اور قرآن مجید کی اس آیت سے اسکا مقابلہ کیا جائے تو وہ سب کچھ اس آیت سے دب جائیگا، خدا تعالیٰ فرماتا ہی خلق لکم من انفسکم ازواجا شاعرانہ پیرایہ میں کہا گیا کہ حضرت حوا کو حضرت آدم کی بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا لتسکنوا الیھا اُس غرض سے کہ تم تسلی حاصل کرو اُس سے" وجعلنا فیکم مودۃ ورحمۃ "اور ڈالی گئی تم میں مودت و رحمت" یعنی آپس میں محبت و ہمدردی پیدا کی گئی، انسان کو اپنی اولاد یا کسی عزیز کے ساتھ جو تعلق ہی وہ رحمت کا تعلق ہی، اپنے گہرے دوست کے ساتھ جو تعلق ہی وہ محبت کا تعلق ہی، مگر یہاں دیکھیے کہ دونوں قسم کے تعلقات کا مجموعہ جب مودۃ و رحم ہے تو اُسکے بعد تمام نتائج پیدا ہو سکتے ہیں، مقدم ان کی موجودگی ہی، حدیث شریف میں عورتوں کو قواریر سے تشبیہ دی گئی، ساربان زنانہ سواری کا اونٹ تیز چلا رہا تھا رسول کریم نے فرمایا کہ شیشے ہیں اُن کو ٹھیس نہ لگ جائے، محبت کا تعلق جذبات سے ہے، اُسکو قانون نہیں کہہ سکتے، اب دیکھنا یہ ہی کہ قانون حقوق نسواں کی بابت کیا کہتا ہی وہ کہتا ہے لھن مثل الذی علیھن یہی آیہ عورتوں کے حقوق تمام باتوں میں مردوں کے برابر قرار دینے کو کافی ہی اور کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا، مگر قرآن پاک نے مزید تشریح کی ہی، دوسرے مذاہب میں عورتوں کے کوئی حقوق نہ تھے وہ مردوں کی پابند و دست نگر تھیں، کہا گیا مردوں کو وہ ملیگا جو وہ کمائیں مگر خدا نے فرمایا کہ مردوں کو اُس میں سے حصہ ملیگا جو اُن کی مائیں چھوڑ جائیں، اسیطرح عورتوں کو اس سے ثابت ہوا کہ عورت کسی مال و متاع کی مستقل وارث ہو سکتی ہی اور اُسے اپنی اولاد کے لیے چھوڑ سکتی ہی، اب لیجیے عورتوں کی پوزیشن، اس کی بابت فرمایا ھن لباس لکم وانتم لباس لھن "وہ لباس ہیں تمہارے لیے، اور تم لباس ہو اُنکے لیے"، یہاں بھی مردوں اور عورتوں کے حقوق مساوی ہیں، کسی کو کسی پر وجہ ترجیح نہیں، ایک اور آیت الرجال قوامون علے النساء الخ سے عورتوں کی پستی کا استدلال کیا جاتا ہی کہ اسلام نے

مردوں کو غالب کیا ہی عورتوں پر، مگر یہ ایک بدیہی بات ہی کہ عورتوں کی جسمانی قوت مردوں کی جسمانی قوت سے کم ہی یہ بات سب کو نظر آرہی ہی۔ اگر یورپ اسکا انکار کرتا ہی تو اندھا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ طاقت جسمانی میں دونوں برابر تھے۔ مگر پردے کی وجہ سے عورتوں میں ضعف آگیا۔ لیکن سوال یہ ہی کہ انسان کو چھوڑکر اور جانوروں کو دیکھیے اُن میں بھی یہی فرق موجود ہے مثلاً مرغ اور مرغی، بیل اور گائے، غرض حیوانات میں ہر جگہ نر مادہ سے طاقتور ہی، پھر کلام مجید میں الرجال قوامون علی النساء کیونکر غلط ہوسکتا ہی،

اس موقع پر کسی صاحب نے ایک پرچہ جناب مولانا شبلی صاحب کو دیا جسے پڑھکر مولانا نے فرمایا کہ کہا جاتا ہی کہ (۱) وراثت مردوں کو عورتوں سے دُگنی ملتی ہی (۲) شہادت کے معاملہ میں ایک مرد کی گواہی دو عورتوں کی برابر مانی جاتی ہی، انسے ظاہر ہوتا ہی کہ مردوں کے حقوق اسلام میں عورتوں سے زائد ہیں۔ لیکن درحقیقت عورت کی اس میں ذرا بھی حق تلفی نہیں ہوئی۔ اگر غور وانصاف سے دیکھا جائے تو عورت کو مرد کے برابر ورثہ ملتا ہی بلکہ وہ فائدہ میں رہتی ہی، کیونکہ نصف تو شرعی قاعدہ سے ملتا ہی۔ اور باقی زندگی بھر کا نان ونفقہ مرد پر فرض کیا گیا ہے، پھر نصف حصہ علیحدہ رہا اور مہر علیحدہ جس کی عورت مستحق ہوتی ہی، بمقابلہ اسکے مرد جو بظاہر دُگنا حصہ پاتا ہے وہ اپنے اور اپنے ساتھ ایک یا زیادہ عورتوں کے گزارہ کی فکر کرتا ہی، سوچیے! کون فائدہ میں رہا شہادت کا معاملہ اسکے متعلق فقہ میں لکھا ہوا ہے کہ جو معاملات ایسے ہیں جنکا تعلق عورتوں سے ہی اُن میں عورتوں کی شہادت مردوں سے زیادہ معتبر مانی جاتی ہی، البتہ سوسائٹی کے متعلق عورتوں کی شہادت کم معتبر و کم وزن رکھی گئی ہی جس کی وجہ یہ ہی کہ عورتیں اکثر گھروں میں رہتی ہیں اُن کو باہر کے معاملات کے دیکھنے اور سمجھنے کا وہ موقع نہیں ملتا جو مردوں کو ملتا ہی اسلیے اُن کی گواہی بمقابلہ مردوں کے یقیناً کم وزن مانی جائیگی، دیکھیے مجلسی امور میں مردوں کے درمیان امتیاز ہوتا ہی، بڑے بھائی کو چھوٹے بھائیوں پر ترجیح ہوتی ہی مگر قانونی حقوق میں ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں، یہ اسلامی قانون ہی کا شرف ہی کہ اُسنے تمام نقصوں کو مٹادیا ہی اور عورتوں کے

پورے حقوق قائم کر دیے ہیں، دوسری اقوام اپنے ہاں یہ بات نہیں دکھا سکتیں، عموماً چھوٹی باتوں سے بڑی باتوں کا پتہ لگتا ہے۔

دیکھیے! یورپ میں عورت کو مس و مسیز کہتے اور باپ یا شوہر کا نام اُسکے بعد لگاتے ہیں گویا عورتوں کا کوئی خاص نام اور جداگانہ حیثیت ہی نہیں رہی، یہ بھی اُسی زمانہ کی یادگار ہے جبکہ عورت مردوں کی جائداد سمجھی جاتی تھی، اسلام نے عورتوں کو یہ امتیاز بخشا ہے کہ مذہبی فرائض و مذہبی ارکان میں بعض فرائض و ارکان صرف عورتوں کی وجہ سے داخل ہیں، مثلاً طواف اور حج میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا یہ یادگار ہے حضرت ہاجرہ کی دوڑ دھوپ کی، جب وہ پانی کی تلاش میں پھرتی تھیں اور جب تک حضرت اسمٰعیل پر آپ کی نگاہ پڑتی رہتی تھی تو ذرا آہستہ چلتی تھیں، اور جب آپ نگاہ سے اوجھل ہو جاتے تھے تو بیتابانہ دوڑتی تھیں، اب یہ مسلمانوں کا ایک مذہبی شعار قرار پا گیا ہے، قرآن مجید میں سورہ نسا موجود ہے مگر سورہ رجال کوئی نہیں، ہاں انبیا کے نام پر متعدد سورتیں موجود ہیں مگر اُنکے بالمقابل ایک سورہ حضرت مریم کے نام پر بھی ہے، قرآن شریف میں دو قسم کی آیتیں موجود ہیں محکمات و متشابہات، ان میں محکمات زیادہ ضروری مانی جاتی ہیں اور اُنکو ام الکتاب کہا جاتا ہے ابو الکتاب نہیں، اسی طرح مکہ معظمہ کو ام القریٰ کہا جاتا ہے ابو القریٰ نہیں، اس سے ظاہر ہے کہ اسلام تعظیم و تکریم کو عورتوں سے کتنا منسوب کرتا ہے۔

اسلام کے قریب زمانہ میں جو عورتیں پیدا ہوئیں اُنکو ہر قسم کے حقوق عطا ہوئے وہ معاشرت و تمدن میں برابر کی شریک رہیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں اُنہوں نے کمال حاصل کیا، حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ پہلے قاتلان عثمانؓ کو پکڑنا اور اُن سے قصاص لینا چاہیے، [illegible] حضرت امیرؓ سے اُن کی خط و کتابت ہوتی رہی، اور جب مقصد حاصل نہ ہوا تو ارادہ [illegible] بیبیوں کے ساتھ اُنہوں نے لڑائی کی جسکو جنگ جمل کہتے ہیں، مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں کہ [illegible] لوگوں میں سے برحق تھا، بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ عورتیں لڑائیوں میں شریک ہوتی تھیں، حضرت [illegible] سینکڑوں صحابہ کرام اُنکے ساتھ تھے، مگر کسی نے اُنکو نہیں روکا،

اسوقت جو جماعت آپکے محافظ تھی اُنکے خاندان کو آجتک عرب میں عزت سے یاد کیا جاتا ہے، وہ لوگ حضرت عائشہ کو بیچ میں لیے ہوئے تھے اور یہ رجز پڑھتے تھے،

ہم ہیں اونٹ والے، موت ہمارے لیے شہد ہے

واپس دو ہمارے شیخ حضرت عثمان، کو پھر کوئی جھگڑا نہیں،،

اس سے ظاہر ہے کہ اُن کو حضرۃ عائشہ صدیقہ کے میدان جنگ میں تشریف لانے میں کوئی نرالی بات نہ معلوم ہوتی تھی، بلکہ وہ اُنکے محافظ ہونے کی عزت پر فخر کرتے تھے، اگر آغاز اسلام کی تاریخ کو غور سے پڑھا جائے اور تحقیق کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ صحابۂ کرام کی قابلیت ثمرہ تھی اُن حقوق کا جو اسلام نے دیئے تھے اور جنسے عورتوں نے بھی پورا حصہ پایا تھا، حضرت عائشہ صدیقہ نے حدیث کے متعلق نہایت باریک بحثیں کی ہیں، اور نازک معاملات میں معقول توجیہات کر دکھائی ہیں

تحقیق احادیث کے دو طریقے ہیں (۱) سلسلۂ روایات جس میں راویان حدیث کے کذب وصدق کا اُنکے حالات زندگی سے امتحان کیا جاتا ہے اور اُسکے مطابق حدیث کو معتبر یا غیر معتبر کر دیا جاتا ہے (۲) درایت جس میں عام حالات وامکان عقلی کے لحاظ سے حدیث پر غور کیا جاتا ہے، علامہ ابوالفرج ابن جوزی نے فن درایت پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ کو سب سے بڑا محقق تسلیم کیا گیا ہے، اور درحقیقت درایت کا ثبوت جیسا حضرت عائشہؓ کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے ایسا کسی سے نہیں ملتا، اکثر صحابہ آنحضرت سے روایت کیا کرتے تھے، اگر حضرت عائشہ صدیقہ انکار کر دیتی تھیں، اور اپنے انکار کی وجہ ایسی معقول بتاتی تھیں کہ اُن کو قائل ہو جانا پڑتا تھا،

جب حدیث ان المیت یعذب ببکاء اھلہ (میت پر عذاب ہوتا ہے اسکے رشتہ داروں کے رونے سے) بیان کی گئی تو حضرۃ عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا، قرآن شریف میں خدا سے تعالیٰ فرماتا ہے ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ رسول اکرم اسکے خلاف کس طرح کہہ سکتے تھے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آپ کا گزر یہودیوں کے محلے کی طرف ہوا تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ

کہ کسی کے ہاں میت ہوگئی تھی، اور یہودی رو رہے تھے، اسپر آپ نے فرمایا کہ یہ تو رو رہے ہیں اور مُردہ پر عذاب ہو رہا ہے،

اُس زمانہ میں عورتوں نے مختلف علوم وفنون میں جو ترقی کی تھی اسکا ایک ادنیٰ اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ "بلاغۃ النساء" نام ایک کتاب احمد ابن طاہر بغدادی نے جو ۲۰۴ھ میں پیدا ہوا تھا لکھی ہے جس میں صرف مسلمان عورتوں کے لیکچر درج ہیں، اہل اسلام میں عورتیں ایسی سپیکر تھیں کہ لوگوں کو اُن کی تقریروں کے فراہم کرنے کا بھی خیال ہوا، مگر یوروپ میں صرف عورتوں کی سپیچوں پر کوئی کتاب موجود نہیں ہے، اس موقع پر سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ امام غزالی، امام رازی علیہ الرحمۃ کا نام سنتے ہیں، مگر کسی عورت کا نام ان کاموں کے متعلق سُننے میں نہیں آیا، لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے کام دراصل عورتوں کے دائرہ اثر سے باہر تھے، اور یوروپ میں بھی آجتک ہیں،

ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ عورتوں میں عقل کم ہوتی ہے، میں نے جواب دیا کہ اگر دس برس تک تمہیں بھی پردہ میں بٹھا دیا جائے تو تمہاری عقل بھی گھٹ جائیگی۔ عورتوں کی مارل فورس داخلاقی قوۃ، جیسی بڑھی ہوئی تھی اور جس طرح وہ سچ بات کے کہنے میں دلیر ہوتی تھیں اُسکا ایک یہ واقعہ شاہد ہے کہ ہندہ جب قبول اسلام کے بعد رسول اکرم کی خدمت میں آئی اور اُس نے پوچھا کہ کیا اقرار مجھے کرنا چاہیے تو آپ نے اُسے احکام دین تعلیم فرمائے کہ بدچلنی نہ کرو، خیانت نہ کرو، اسی کے ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کر دیا کرو، اسپر فوراً اُس نے کہا کہ "ہم نے تو ان بچوں کو پالا تھا آپ نے اُن کو قتل کیا۔ اب وہ اور آپ سمجھ لیں" دیکھیے کس بیباکی سے اُس نے اپنے قبیلہ اور رسول اکرم کی سابق معرکہ آرائی کا حوالہ دیا، اور آپ نے کیسے ٹھنڈے دل سے سُنا،

حضرت عبد اللہ ابن زبیر جنہیں خلیفہ پنجم مانا جاتا ہے اور جو نہایت زاہد ومتقی اور احکام خدا و رسول کے پابند تھے، جب حجاج ابن یوسف نے مکہ کا محاصرہ کیا اور آپ کے رفقا کچھ لڑائی میں کام آئے اور بہت سے دشمن سے جا ملے، بہت ہی تھوڑی تعداد آپ کے پاس رہگئی اور

صورت دگرگوں ہوئی تو اپنی والدہ کے پاس گئے اور اُنسے پوچھا کہ میں عبد الملک کی بیعت قبول کرلوں یا لڑکر جان دوں، اُن کی والدہ نے محبت فرزندی سے بالکل قطع نظر کرکے جواب دیا کہ اگر تو حق پر تھا تو اب بھی حق کی پیروی کر اور اگر باطل پر تھا تو جس قدر جلد ممکن ہو اُسے چھوڑ دے حضرت عبد اللہ ابن زبیر نے فرمایا کہ جان دینے سے مجھے خوف نہیں مگر یہ ڈر ہے کہ حجاج میرا مثلہ کرائیگا، یعنی ناک کان وغیرہ کٹوا کر ہیئت بگاڑ دیگا، اُن کی والدہ نے کہا کہ جب بھیڑ ذبح ہو جاتی ہے تو اُسے کان وغیرہ کٹنے کی کیا پروا رہتی ہے، پس مرنے کے بعد مثلہ کا تجھپر کیا اثر پڑیگا، حضرت عبد اللہ ابن زبیر اپنی ماں کی نصیحت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اُنھوں نے قبول اطاعت کا خیال اپنے پاس نہ پھٹکنے دیا چلتے وقت جب والدہ نے اُن کو گلے لگایا تو اُنکے جسم پر کپڑوں کے نیچے کوئی سخت چیز معلوم ہوئی، پوچھا یہ کیا ہے، حضرت عبد اللہ ابن زبیر نے کہا کہ زرہ ہے، ان کی والدہ نے کہا جو مرنے کے لیے جاتا ہے وہ زرہ نہیں پہنتا، آپ نے فوراً زرہ اُتار ڈالی اور آخر تک اپنے دعوے پر ثابت قدم رہے، پھانسی کے بعد لاش ورثا کو دیدی جاتی ہے، مگر حجاج نے حکم دیا تھا کہ جب تک حضرت عبد اللہ ابن زبیر کی والدہ خود لاش نہ مانگیں وہ اسی طرح لٹکی رہے، چنانچہ اسماء بنت ابی بکر والدہ حضرت عبد اللہ نے لاش نہ مانگی، کئی روز کے بعد آپ کا اُدھر سے گزر ہوا جہاں سولی پر حضرت عبد اللہ کی لاش لٹکی تھی، آپ نے اُسے دیکھکر ایک موثر جملہ کہا جسکے یہ معنی ہیں "کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ یہ شہسوار اپنے گھوڑے سے اُتر آئے؟"

حضرات! یہ تھا اسلام کا تمدن، اور یہ تھا اُن حقوق کا اثر جو اسلام نے عورتوں کو دیے تھے، مسلمانوں کی حالت میں فرق اسلیے پڑا کہ خلفاے امویہ نے دمشق و شام کو اپنا صدر مقام بنالیا، جہاں ایرانی تمدن کا اسلام پر گہرا اثر پڑا، ورنہ ہمارا تمدن وہ ہے جو عربی تمدن تھا اور جس میں عورتوں اور مردوں کے حق برابر ہیں، عورتوں کو اسی حد تک تعلیم دیجاسکتی ہے جس حد تک مردوں کو اسلیے مجھے اس خیال سے اتفاق نہیں کہ لڑکیوں کے لیے الگ کورس ہو اور لڑکوں کے لیے الگ، میرے خیال میں دونوں کا نصاب تعلیم یکساں ہونا چاہیے،

جہاں میں اس بات کا زبردست حامی ہوں کہ عورتوں کو وسیع حقوق دیے جائیں اور آجکل
جو گھروں میں عورتیں مثل لونڈیوں کے ہوتی ہیں اس کی اصلاح کیجائے اور عورتوں سے بطریق
مساوات سلوک کیا جائے، وہاں میں اسکا سخت مخالف ہوں کہ عورتوں کی پردہ شکنی ہو ہرگز
ہرگز قرین مصلحت نہیں، اسلام کی تہذیب، اسلام کا تمدن اسکا موید ہے کہ عورتیں پردہ کریں
عورتوں کی فطرۃ میں یہ مادہ ودیعت کیا گیا ہے کہ وہ مردوں سے محجوب ہوں، اُن کو حجاب سے نکالنا
گویا اُن کی فطرۃ کو بدلنے کی کوشش کرنا ہے،

پردے عورتوں کے مختلف قسم کے ہوتے ہیں اور وہ خاوندوں اور بابوں سے بھی پردہ
کرتی ہیں، پردہ شکن لوگ عورتوں کی خلقت و فطرۃ پر غور نہیں کرتے۔ ورنہ ہرگز اسپر مصر نہوں
خصوصاً مسلمانوں میں جو لوگ عورتوں کے چہرہ دکھانے کی تائید کرتے ہیں وہ تاریخ اسلام اور
شرع کے منشا سے ناواقف ہیں، ہاں چار دیواری کے اندر ہر وقت محصور رکھنا بھی اچھا نہیں
اس بارہ میں ترکوں کی مثال قابل پیروی ہے، میںنے بڑے غور و خوض کے بعد یہ بات محسوس
کی ہے کہ اگر دنیا کی کسی قوم نے عورتوں کے متعلق اعتدال قائم کیا ہے تو وہ ترک ہیں، اگر شیخ عبداللہ
بھی پردہ کے معاملہ میں مجھ سے متفق ہوں تو میں اُن کی تائید کرتا ہوں ورنہ نہیں، مسلمانوں کو یاد
رکھنا چاہیے کہ پردہ نسواں کو توڑ کر وہ ہرگز کسی فلاح کو نہیں پہنچ سکتے،

از وکیل امرت سر

خاتونان اسلام کی شجاعت

نمبر ۲

ہم اس سے پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ فتوحات واقدی کی روایتیں اگر تسلیم کر لیجائیں تو یہ ماننا
پڑیگا کہ شام کی فتوحات میں عورتوں کا بہت بڑا حصہ ہے، خصوصاً ام حکیم، ہند، ام کثیر، اسما، ام ابان

ام عمارۃ، خولہ، لبنیٰ، عفیرہ، ان عورتوں نے بعض بعض موقعوں پر اس مردانگی سے جنگی خدمات انجام دی ہیں کہ مردوں سے بن نہیں آسکتیں

عتبہ بن غزوان حضرت عمرؓ کی طرف سے امیر تھا، ازدہ بنت حارث، جو طبیب عرب کلدہ کی پوتی تھی، عتبہ کی بیوی تھی، عتبہ جب اہل مدینۃ الفرات سے سرگرم مقابلہ تھا تو اُس کی بیوی ازدہ اپنی تقریر سے لوگوں کو اُبھارتی تھی اور جوش دلا رہی تھی[1]

دمشق کے حملہ میں جب ابان بن سعید توما حاکم دمشق کے ہاتھ سے شہید ہوئے تو انکی بیوی ام ابان بنت عتبہ اپنے مقتول شوہر کے سارے جنگی سلاح لگا کر قصاص لینے کو نکلیں، اور دیر تک دشمنوں کا مقابلہ کرتی رہیں، اہل دمشق گو محصور تھے لیکن شہر پناہ کے برجوں سے برابر مسلمانوں کا جواب دیتے تھے، سب کے آگے ایک مقدس شخص ہاتھ میں طلائی صلیب لیے ہوئے ارباب تثلیث سے دعا سے فتح مانگ رہا تھا، ام ابان کو تیر اندازی میں بڑی قدرت تھی ایسا تاک کر تیر مارا کہ صلیب اُسکے ہاتھ سے چھوٹ کر قلعہ کے نیچے گر پڑی، مسلمانوں نے دوڑ کر صلیب اُٹھا لی، عیسائیوں سے صلیب اعظم کی یہ تذلیل دیکھی نہ گئی: توما غصہ سے شہر کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اور پھر اس زور کا رن پڑا کہ مسلمان گھبرا اُٹھے۔ رومیوں نے صلیب کی واپسی کے لیے لاکھ لاکھ کوششیں کیں مگر ایک بھی کارگر نہوئی جسنے ادھر کا رخ کیا ام ابان نے اُسکو تیروں پر دھر لیا، توما جو کسی طرح پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتا تھا ام ابان نے اُس کی آنکھ میں ایسا دیکھکر تیر مارا کہ وہ چیختا ہوا بھاگا، اسوقت ام ابان رجز کے یہ شعر پڑھ رہی تھیں،

قد ضجّ جمع القوم من نبالٹ	صو لی علیہم صولۃ للثارٹ	ام ابان فاطلبی بثارٹ
ردی تیر سے تیروں سے چیخ اُٹھے	اور اُن پر پے در پے حملے کیے جا	ام ابان تو اپنا انتقام لے

یرموک کی سب سے خوفناک لڑائی یوم التعویر مسلمانوں عورتوں کی بہادری کی عجیب و غریب مثال تھی، مسلمانوں کو ہزیمت ہو چکی تھی، اگر عورتیں تلواریں کھینچکر رومیوں کے مونھ نہ پھیر دیتیں، ہند،

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۳۴۳۔ مطبوعہ یورپ

خولہ، ام حکیم اور بہت سی قریش کی عورتوں نے مردانہ حملے کیے اسماء بنت ابی بکر گھوڑے پر سوار اپنے شوہر حضرت زبیر کے ساتھ ساتھ تھیں، اور برابر حضرت زبیر کے دوش بدوش لڑتی جاتی تھیں۔[۱]

صفین میں بہت سی مسلمان عورتیں حضرت علی کی طرف سے شریک جنگ تھیں، لڑتی تھیں پرجوش تقریروں سے فوج کو ابھارتی تھیں، زرقا، عکرشہ، ام الخیر نے میدان کارزار میں وہ وہ تقریریں کی ہیں کہ فوج کی فوج میں ایک آگ لگ گئی ہے۔[۲]

۸۸ہجری میں ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے بخارا پر فوج کشی کی، قتیبہ اس فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا، عرب میں ازد کا قبیلہ بہادری اور شجاعت میں ضرب المثل ہے اسلامی فتوحات میں اسکے کارنامے نہایت روشن ہیں، بخارا کے ترک بھی بڑے سروسامان سے مسلمانوں کے مقابلے کو نکلے، قبیلہ ازد نے کہا پہلے تنہا ہمکو زور آزمائی کرنے دو، قتیبہ نے اُن کو آگے بڑھنے کی اجازت دی، ازدی بڑھے، اور نہایت بہادری سے حملے کیے لیکن مقابلہ معمولی لوگوں سے نہ تھا، ترکوں نے اس ثابت قدمی سے جواب دیے کہ ازدی ہٹتے ہٹتے قیام گاہ تک آگئے، ترکوں نے بڑھکر اور زور سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، عورتوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو شکست ہی ہونا چاہتی ہے، وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں اور مار مار کر گھوڑوں کے رخ میدان جنگ کی طرف پھیر دیے اور ایک عام شور برپا کر دیا، مسلمانوں کو ہمت بندھی اور سنبھل گئے اور پلٹ کر اس زور شور سے حملے کیے کہ ترک پھر نہ جم سکے، گو اس موقع پر عورتوں نے تلواریں نہیں اُٹھائیں، لیکن یہ فتح بالکل عورتوں کی کوشش سے ہوئی، اگر عورتیں ہمت نہ کرتیں تو مسلمان میدان چھوڑ چکے تھے۔[۳]

---

[۱] اس قسم کے اور بہت سے واقعات اُس فتوح الشام میں مذکور ہیں جو ابن عمر واقدی کی طرف منسوب ہے، مگر چونکہ فتوح الشام ازدی وغیرہ میں انکا مطلق ذکر نہیں ہے اسلیے ہم اُن کو قلم انداز کرتے ہیں،

[۲] عقد الفرید جلد اول از صفحہ (۱۲۱) تا (۱۲۴)،

[۳] کامل ابن اثیر جلد چوتھی صفحہ (۲۲۲)،

اسلام میں خوارج کا فرقہ اپنی تاریخی حیثیت سے نہایت شہرت رکھتا ہے جنکے کارنامے بعض اسلامی فرقوں کی طرح صرف خوفناک سازشیں نہیں ہیں بلکہ بارہا حکومتوں اور جابرانہ شخصیتوں کے مقابلہ میں اُسنے تلواریں علم کی ہیں، گو طلب مساوات، آزادی لہجہ اور تمنائے حریت کی بنا پر اُس کی گردن ہمیشہ تلوار کے نیچے رہی لیکن اُس کی اولوالعزمی اور شجاعت نے اُسکو بہت دنوں تک زندہ رکھا اور اب تک ہے، سلطنت کے متعلق اُسکے خیالات، بالکل آجکل کے نہلسٹ فرقوں کے مشابہ تھے،

۷۶ھ میں جب عبدالملک شام میں خلیفہ تھا اور حجاج ثقفی عراق کا گورنر تھا، شبیب خارجی نے موصل میں سلطنت کے خلاف سر اُٹھایا، غزالہ شبیب کی بیوی اور جہیزہ شبیب کی ماں بھی شریک جنگ رہتی تھی، حجاج نے شبیب کے دبانے کو یکے بعد دیگرے پانچ سردار بھیجے مگر ایک بھی میدان سے پھر کر نہ آیا، آخر عبدالملک نے شام سے فوجیں بھیجیں، اور حجاج خود اُنکو لیکر نکلا،

شبیب موصل سے کوفہ چلا، لیکن حجاج اس سے پہلے کوفہ پہنچکر قصر الامارۃ میں اُتر چکا تھا، غزالہ نے نذر مانی تھی کہ کوفہ کی جامع مسجد میں دو رکعت نفل پڑہونگی، کچھ دن چڑھے غزالہ اپنے شوہر کے ساتھ صرف ستر آدمی لیکر جامع مسجد آئی حالانکہ سارا شہر دشمن تھا، اور خود شامی فوجیں کوفہ میں بھری پڑی تھیں، شبیب تلوار کھینچکر مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوگیا، اور غزالہ نے اندر جاکر اطمینان سے دو رکعت نماز پڑہی اور پھر معمولی نماز نہیں، پہلی رکعت میں سورۂ بقر پڑہی اور دوسری رکعت میں آل عمران جنسے بڑی کوئی سورت قرآن مجید میں نہیں ہے دو دو اور ڈہائی ڈہائی پاروں میں تمام ہوئی ہیں، غزالہ نماز سے فارغ ہوکر اپنی فرودگاہ کو چلی گئی، اور حجاج کی ساری فوج دیکھتی کی دیکھتی رہگئی، جب لڑائی کی نوبت آئی تو حجاج کوفہ، بصرہ اور شام کی فوج لیکر نکلا، شبیب کی جمعیت گو اسکے مقابلہ میں نہایت مختصر تھی لیکن بہادری سے لڑی، حجاج اپنی فوج کے پیچھے خود جوش دلاتا تھا، اسکی فوج برابر بڑہتی گئی یہانتک کہ حجاج نے خوارج کی مسجد پر قبضہ کرلیا، غزالہ اور جہیزہ بھی لڑائی میں مشغول تھیں کہ حجاج نے چپکے چند آدمی بھیجے جنہوں نے پیچھے سے جاکر غزالہ کو مار کر گرادیا،

شبیب اپنی مقتولین کو چھوڑ کر ہواز کی طرف چلا گیا،

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ جہیزہ بھی اس لڑائی میں ماری گئی، لیکن ابن اثیر اور طبری نے لکھا ہے کہ اسکے کچھ دن کے بعد جب شبیب کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر پل سے دریاے دجلہ میں گر پڑا اور شبیب آہنی زرہ اور ہتیاروں کے بوجھ سے ڈوب کر مر گیا، تو کسی نے اُس کی ماں سے جا کر کہا کہ شبیب مارا گیا، اُس کی ماں نے کہا شبیب اور مارا جاے؟ یہ ہو نہیں سکتا، آخر جب دوسروں نے کہا کہ نہیں شبیب ڈوب کر مر گیا، تو اُسنے کہا یہ ممکن ہے، اس واقعہ سے اُس کی ماں کی بہادری کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُسوقت تک زندہ تھی،

بعض لڑائیوں میں حجاج اور غزالہ کا سامنا ہو گیا، حجاج مقابلہ نہ کر سکا اور بھاگ نکلا، حالانکہ یہ وہی حجاج تھا جس سے سارا عراق اور حجاز کانپتا تھا، ایک شاعر اسی واقعہ کو لکھکر حجاج کو عار دلاتا ہے[1]،

اسد علیّ وفی الحروب نعامة	فتخاء تصفر من صفير الصافر
حجاج مجھپر تو شیر ہے لیکن معرکوں میں شتر مرغ کی طرح بزدل ہو جاتا ہے	اور سست شتر مرغ کی طرح بزدل ہو جاتا ہے
هلا برزت الى غزالة فى الوغى	بل كان قلبك فى جناح الطائر
حجاج! تو لڑائی میں غزالہ کے مقابلہ پر کیوں نہ نکلا	اور نکلتا کیونکر؟ تیرا دل تو دھڑک رہا تھا

۱۹۳ہجری میں منصور کے ایام خلافت میں قیصر روم نے ملطیہ پر فوج کشی کر کے اُسکو بالکل ویران کر دیا، منصور نے قیصر کی تادیب کو فوجیں روانہ کیں، صالح بن علی اور عباس بن محمد سپہ سالار تھے، ان لوگوں نے جا کر پہلے ملطیہ کو از سر نو آباد کیا اور پھر قسطنطنیہ کی طرف فوجیں بڑہائیں اور قیصر کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا، ام عیسیٰ بنت علی اور لبابہ بنت علی صالح کی بہنیں اور خلیفہ منصور کی پھوپھیاں تھیں، اُنہوں نے یہ نذر مانی تہی کہ جب بنو امیہ کی حکومت برباد ہو جائیگی تو ہم جہاد کرینگے، چنانچہ ایفاے نذر کے لیے وہ بھی اس جہاد میں شریک تھیں[2]

[1] ابن خلکان جلد اول صفحہ (۲۲۳) تفصیل اور تاریخوں سے لیگئی ہے، [2] ابن اثیر جلد پانچ صفحہ (۱۹۷)

سنہ ۱۸۰ ہجری میں ہارون رشید کے زمانے میں ولید بن طریف خارجی نے خابور اور نصیبین میں علم بغاوت بلند کیا، دربار کا ایک مشہور سردار یزید شیبانی اس بغاوت کے فرو کرنے کو بھیجا گیا، چند مقابلوں کے بعد خوارج نے شکست کھائی اور ولید مارا گیا، ولید کی بہن فارعہ کو جب اپنے بھائی کا حال معلوم ہوا تو اُسنے زرہ پہنی، سارے ہتیار لگائے اور گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی فوج پر حملہ آور ہوئی، یزید دوسروں کو ہٹا کر خود اُسکے مقابلہ میں آیا اور فارعہ کے گھوڑے کو ایک نیزہ مارا اور فارعہ سے کہا تم کیوں اپنے خاوند کو بدنام کرتی ہو جاؤ اور واپس جاؤ، فارعہ میدان سے پھری لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور اُس کی زبان پر خود اُس کی تصنیف کے یہ دردناک اشعار تھے،

کانك لم تجزع علی ابن طریف	فیا شجر الخابور مالك مورقا
گویا تم ولید کی موت پر بیقرار ہی نہوے	اے خابور (نام مقام) کے درخت تم کیوں سرسبز ہو
ولا المال الا من قنا وسیوف	فتی لا یحب الزاد الا من التقی
اور تیغ و نیزہ کی دولت پسند کرتا تھا	ولید ایک ایسا جوان تھا جو صرف زاد تقوی
فدیناك من فتیاننا بالوف	فقد ناك فقدان الشباب ولیتنا
کو تی کھو دیا کاش ہم اپنے ہزار جوان تیری ایک ذات پر فدا کر	اے ولید ہمنے تجکو اس طرح کھو دیا ہی جسطرح جوانی کو
اری الموت وقاعا بکل شریف	علیه سلام الله وقفا فانني
ایک دن ہر شریف کو آنے والی ہے	ولید پر خدا کی رحمت ہو موت

یہ پورا مرثیہ اس قدر بلند اور پُر درد ہی کہ اکثر علماے ادب اسکو چشم ادب سے دیکھتے ہیں ابو علی قالی نے اسکو اپنی امالی میں نقل کیا ہی، ابن خلکان نے لکھا ہی کہ فارعہ کے مراثی خنساء کے ہم پلہ ہیں، اس مرثیہ کا پہلا شعر اس قدر مقبول ہی کہ عموماً علماے بدیع اسکو تجاہل عارفانہ کی مثال میں پیش کرتے ہیں،

ولید کی اس بہن کا نام ابن خلکان نے فارعہ اور فاطمہ لکھا ہی لیکن ابن اثیر نے اسکا نام لیلی

بتایا ہی، ابن خلدون نے اس واقعہ کا تو ذکر کیا ہی لیکن اسکا کچہ نام نہیں لکھا ہی، بہرحال ہمکو کام سے غرض نام کچہ ہی ہو،

قرون وسطی میں صلیبی جنگ کا نہ صرف عیسائی مردوں میں نشہ چھایا تہا، بلکہ عیسائی عورتیں تک جوش میں بھری ہوئی تہیں اور بقول عماد کاتب بیسیوں عیسائی عورتیں میدان جنگ میں شریک تھیں، گو تمام مسلمانوں میں صلیبی جنگ کے مقابلہ میں جوش نہیں پھیلا تہا، لیکن مسلمان عورتیں اس سے بے اثر نہ تھیں، اسامہ ایک مسلمان امیر تہا جب وہ صلیبی جنگ میں شریک ہونے کو آیا ہی تو اُس کی ماں اور بہن بھی اسکے ساتہ تہیں، دونوں برابر ہتیار لگا کر اُسامہ کے ساتہ رہتی تہیں اور عیسائیوں پر حملہ کرنے میں اسکو مدد دیتی تہیں[۱]،

مسلمان ماؤں کے یہی مذہبی جوش کا اثر تہا کہ بچہ بچہ تک اس سے متاثر تھا عیسائی ایک مدت سے عکا کا محاصرہ کیے ہوئے پڑے تھے، جب وہ تھک گئے اور ایک زمانے کی معیت کی وجہ سے مسلمانوں سے راہ و رسم پیدا ہو گئی تو اُنہوں نے یہ خواہش ظاہر کی، کہ عیسائی اور مسلمان بچوں میں آپس میں مقابلہ ہونا چاہیے، کچہ عیسائی بچے اُدہر سے اور کچہ مسلمان بچے ادہر سے نکلے، دیر تک مقابلہ رہا آخر اسلام کے ننھے ہاتھوں نے مسیحی بھیڑوں کے میمنوں کو رسیوں میں جکڑ کر باندہ دیا[۲]،

اسلام کے تاریخی محاسن کے ذکر میں عموماً ہندوستان کا نام نہیں آتا، لیکن اس خاص مضمون میں ایک جگہ نہیں بیسیوں جگہ ہندوستان کا نام آئیگا، ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں اکثر ایسی مسلمان عورتوں کے نام نظر آتے ہیں جنکی بہادری، شجاعت، اولوالعزمی، مردوں کے مقابلہ میں کسی قدر مرجح ثابت ہوتی ہی،

شاہ التمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ جسنے اسلامی خواتین میں گو کم سلطنت کی مگر سب سے

---

[۱] یہ واقعات احمد بک اجائف روسی کی کتاب حقوق المرأۃ والاسلام سے لے گئے ہیں

[۲] الفتح القسی فی الفتح القدسی

بہتر کی، ابن بطوطہ جو محمد تغلق کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا لکھتا ہے کہ "رضیہ مردانہ لباس میں تمام ہتیار لگاکر گھوڑے پر سوار باہر نکلتی تھی" شاہان ہند کا معمول تھا کہ جب وہ شکار کو جاتے تھے تو کل بیگمات اور کنیزیں بھی ساتھ ہوتی تھیں، ایک مرتبہ التمش شیر کے شکار کو گیا تھا، بیگمات پیچھے تھیں، ایک شیر نکلکر بادشاہ پر جھپٹا، اگر رضیہ نہ پہنچ گئی ہوتی تو بادشاہ بری طرح زخمی ہوگیا ہوتا لیکن شیر دل رضیہ نے جھپٹ کر تلوار کے ایسے توبر تو وار کیے کہ شیر نیمجاں ہوکر گر پڑا،

تخت حکومت پر بیٹھکر رضیہ نے وہ رعب قایم کیا کہ اعیان دولت تک کانپتے تھے، بعض امرا نے یہ دیکھکر کہ اب انکا کوئی زور نہیں چلتا مخالفت پر آمادہ ہوگئے، نظام الملک، وزیر سلطنت ملک اعز الدین، ملک سیف الدین، ملک علاء الدین وغیرہ جو سلطنت کے دست و بازو تھے مخالف ہوگئے، اور صرف لفظی مخالفت نہیں بلکہ فوجیں لیے ہوئے دہلی کے باہر پڑے تھے، رضیہ کی مدد کو جو باہر سے آتا تھا اسکو بھی توڑ کر ملاتے تھے، لیکن رضیہ نے تنہا اپنی تدبیر و دلیری سے ان کو ایسا پریشان کیا کہ وہ ادہر ادہر ٹھوکر کھاتے پھرتے تھے لیکن انکو پناہ نہیں ملتی تھی، ۶۳۶ہجری میں جب حاکم لاہور نے سر اٹھایا تو خود فوج لیکر گئی، اسکے بعد بھٹنڈہ کے گورنر نے جب سرکشی کی تو پھر خود فوج لیکر نکلی، لیکن اپنے نوکروں کی سازش سے رستہ میں گرفتار ہوگئی، اور اسکی جگہ پر دہلی میں اسکے بھائی معز الدین کو لوگوں نے بادشاہ بنایا، رضیہ قید سے چھوٹی تو نئے سر سے ایک لشکر ترتیب دیکر، دو تین مرتبہ تخت دہلی کے لیے لڑی، لیکن چونکہ رضیہ کی فوج بالکل نئی اور بھرتی کی تھی ہمیشہ شکست کھائی،[1]

اس سلسلہ میں سلطان علاء الدین کے عہد کا ایک عجیب و غریب واقعہ ہے جس سے اسلامی ہندوستان کی تاریخی عظمت کسی قدر بڑہجاتی ہے، شاہان ہند کے مرقع میں علاء الدین خلجی کی تصویر ایک خاص امتیاز رکھتی ہے جسکے چہرے سے اولوالعزمی، بلندی خیال، جلالت شان کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، سلطان نے جب سیل تاتار کو روک کر پیچھے ہٹادیا جسکو نہ بغداد و خوارزم کے مستحکم

---

[1] تاریخ اکبری قلمی از ملا نظام الدین ہروی ذکر سلطنت رضیہ،

قلعے ہٹا سکتے تھے اور نہ چین کی بلند دیواریں روک سکی تہیں اور نہ ایران وروس کی طاقتیں دبا سکی تہیں تو سلطان کو سکندر اعظم کی عالمگیر حکومت کا خیال پیدا ہوا، اُسنے ایک دن برسبیل تذکرہ کہا کہ اب ہندوستان میں کوئی ایسی ریاست نہیں ہے جو مجھ سے سرکشی کر سکے قلعہ جالور کا راجہ کانیر دیو دربار میں حاضر تھا اُسنے نہایت بددماغی سے متکبرانہ لہجہ میں کہا کہ جالور کا قلعہ کبھی مطیع نہیں ہو سکتا،

سلطان برہم تو ہوا لیکن اُسوقت اُسنے ایک لفظ بھی نہیں کہا، دو تین دن کے بعد راجہ کو دہلی سے رخصت کر دیا اور مہلت دی کہ راجہ جالور کو جسقدر محفوظ کر سکتا ہے کر لے، اور دو تین مہینے کے بعد سلطان نے اپنی ایک لونڈی کو جسکا نام گل بہشت تھا سپہ سالار بنا کر جالور کی مہم پر روانہ کیا گل بہشت اپنی فوج لیے ہوئے برق و باد کی طرح جالور پہنچی، راجہ مقابلہ نہ کر سکا اور قلعہ بند ہو گیا، گل بہشت نے راجہ کو محصور کر لیا، اور اس بہادری اور دلیری سے اُسنے قلعہ پر حملہ کرنا شروع کیا کہ راجہ کو اسکا گمان تک نہ تھا، قلعہ فتح ہونے میں کچھ ہی دیر تھی کہ یک بیک گل بہشت بیمار پڑی اور ایسی شدید بیمار پڑی کہ پھر نہ اُٹھی گل بہشت سب کچھ کر سکتی تھی لیکن موت کا حملہ نہیں روک سکتی تھی،

گل بہشت کے مرنے پر راجہ شیر ہو گیا اور قلعہ کھولکر شاہی فوج کو اُسنے بہت پیچھے ہٹا دیا، گل بہشت کا لخت جگر شاہین راجہ کے ہاتھ سے مارا گیا آخر دہلی سے ایک نئے سپہ سالار کمال الدین نے پہنچکر جالور فتح کر لیا[1]،

ساتویں صدی کے اختتام اور آٹھویں صدی کی ابتدا میں دنیا میں ایک عجیب انقلاب پیدا ہوا امیر تیمور کیا تھا؟ ایران کے حدود سے ایک آندھی اُٹھی تھی، جس سے ترکوں کی مضبوط سلطنت ہل گئی، دمشق و عرب متزلزل ہو گیا، تغلق خاندان کی شمع سحر بجھ گئی اور مغل اعظم کی اس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد قائم ہوئی جس سے بہتر کوئی حکومت ہندوستان میں قائم نہ ہوئی، گو اس فتح کا

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ (۱۲۸)

ثمرہ خود تیموری نسل کو، پورے سوا سو برس کے بعد حاصل ہوا لیکن درصل اس مدت میں سیدوں اور لودہیوں کا دورِ حکومت اُس تیموری تاریخ کی تمہید تھا جسکا سرنامہ ظہیر الدین شاہ بابر کے طغرے سے مزین ہے،

لیکن کیا ان فتوحات میں عورتوں کی کوئی کوشش شامل نہ تھی؟ امیر تیمور کی کشورستانی لشکر میں بہت سی عورتیں تھیں جو میدانوں میں لڑتی تھیں اور معرکوں میں گھستی تھیں، بہادروں سے مقابلہ کرتی تھیں، تلواریں چلاتی تھیں، نیزے لگاتی تھیں، تیر مارتی تھیں، غرض کسی بات میں وہ مردوں سے کم نہ تھیں، کیا تیموری کارناموں میں ان عورتوں کو کوئی حصہ نہ ملے گا؟[1]

تیموری نسل کا ہر ایک شاہزادہ شجاعت مجسم تھا، لیکن کیا تم یہ ناانصافی کر سکتے ہو کہ تیموری شاہزادیوں کو انکی وراثت سے الگ کر دو، بابرنامہ، ہمایوں نامہ، تزک جہانگیری دیکھو ہر ایک جگہ نظر آئیگا کہ تیموری خواتین برابر ہتیار لگاتی تھیں، گھوڑوں پر سوار ہوتی تھیں، شکار کھیلتی تھیں، شیر مارتی تھیں، چوگان کھیلتی تھیں، تیر چلاتی تھیں، غرض فن سپہگری سے خوب واقف تھیں، تزک بابری کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابر کو جو فتوحات کابل، سمرقند، فرغانہ وغیرہ حاصل ہوئیں اُن میں عورتوں کو بھی دخل تھا،

نور جہاں، تیمور و بابر کی بیٹی نہ تھی لیکن بہو تھی، اکثر نور جہاں ہاتھی پر سوار ہو کر سیر و شکار کو جنگل جاتی تھی، اور ایک ایک گولی میں شیر کو ٹھنڈا کر دیتی تھی، جہانگیر تزک جہانگیری میں نور جہاں کے شکاروں کا بڑی مسرت سے تذکرہ کرتا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے،

"ایک مرتبہ میں شکار کو نکلا، ایک ہاتھی پر رستم خاں اور میں تھا اور دوسرے ہاتھی پر نور جہاں تھی سامنے جھاڑی میں شیر تھا، ہاتھی شیر کی بو پاکر کانپنے لگا، اس اضطراب و جنبش میں نشانہ ٹھیک لگنا اور پھر عماری میں بیٹھکر نہایت مشکل ہے، قدراندازی میں میرے بعد رستم خاں کا کوئی ثانی نہیں ہے،

---

[1] عجائب المقدور ابن عرب شاہ صفحہ (۲۳۳)

مگر ہاتھی پر بیٹھکر اُسکے اکثر تین تین چار چار نشانے خطا کر جاتے ہیں لیکن نور جہاں نے عماری میں بیٹھے بیٹھے پہلے ہی آواز میں شیر کو ٹھنڈا کر دیا[۱]،

ایک مرتبہ نور جہاں، جہانگیر کے ساتھ شکار کھیلنے گئی ہاتھی پر سوار تھی، سامنے سے چار شیر نکلے، لیکن نور جہاں کی پیشانی پر بل تک نہ آیا اُسنے نہایت اطمینان سے بندوق چلائی اور دو شیروں کو ایک ایک گولی میں اور دو کو دو دو گولیوں میں ٹھنڈا کر دیا، جہانگیر نہایت خوش ہوا اور چند بیش قیمت زیور نور جہاں کو انعام دیے، اس موقع پر ایک شاعر نے برجستہ یہ شعر پڑہا،

نور جہاں گرچہ بصورت زن ست — درصف مرداں زن شیر افگن ست

نور جہاں چونکہ پہلے علی قلی خاں شیر افگن کی بیوی تھی اسلیے "زن شیر افگن" کی ترکیب نے اس شعر کو بامزہ کر دیا ہی،

جہانگیر کے اخیر عہد میں نور جہاں کے بھائی آصف خاں کے سبب سے نور جہاں ور جہانگیر دونوں کے دل مہابت خاں کی طرف سے صاف نتھے، آصف خاں کی کوشش تھی کہ مہابت خاں ذلیل ہو، جہانگیر دریاے بہٹ کے قریب خیمہ زن تھا، آصف خاں ایک دن پہلے ہی فوج سمیت دریا کے اُس پار چلا گیا تھا، مہابت خاں اس موقع کو غنیمت سمجھا اور جہانگیر کو گرفتار کر لیا، نور جہاں کو موقع ملا تو وہ دریا سے اُس پار جاکر فوج سے مل گئی اور وہاں اُسنے امرا و اعیان دولت کو بلا کر سخت ملامت کی کہ صرف تمھاری بے احتیاطی سے بادشاہ گرفتار ہو گیا، اُنھوں نے بالاتفاق یہ کہا کہ مناسب یہ ہی کہ کل حضور کی رکاب میں کل فوج شاہی دریا کے اُس پار جاکر جس طرح ہو بادشاہ کی قدمبوسی حاصل کرلے،

صبح کو کل فوج تیار ہوئی، مہابت خاں نے پُل تو پہلے ہی جلا دیا تھا، سواروں نے اپنے اپنے گھوڑے اور ہاتھی دریا میں ڈال دیے، نور جہاں بھی ایک ہاتھی پر سوار تھی، نور جہاں کے ساتھ شہزادہ شہریار کی بہن اور شاہ نواز خاں کی بیٹی بھی تھی، ابھی فوج دریا ہی میں تھی کہ مہابت خاں نے حملہ کر دیا، ایک تو فوج دریا میں منتشر تھی ہی اور منتشر ہو گئی عجیب ابتری پھیل گئی، نور جہاں نے خواجہ

[۱] تزک جہانگیر صفحہ ۱۸۲

ابوالحسن اور معتمد خاں کو کہلا بھیجا کہ دیکھتے کیا ہو تم بھی جواب دو، استنے میں مہابت خاں کے سواروں نے آکر نور جہاں کے ہاتھی کو گھیر لیا، نور جہاں کی عماری تیروں کا نشانہ بنگئی، یہانتک کہ ایک تیر عماری کے اندر بھی چلا آیا اور شہزادی کے بازو میں آکر لگا، تمام کپڑے خون میں تر بتر ہوگئے، نور جہاں نے اپنے ہاتھ سے تیر نکالکر باہر پھینک دیا، نور جہاں کے ساتھ جو خواجہ سرا تھے وہ بھی کام آئے، نور جہاں کا ہاتھی زخموں سے چور ہوکر بھاگ نکلا، آخر بڑی مشکل سے وہ اپنی فرودگاہ کو پہنچ سکی، اگر ہاتھی سنبھلا رہتا تو ممکن تھا کہ نور جہاں لڑنے میں بھی دریغ نہ کرتی،[۱]

مرزا ہادی نے تزک جہانگیری کے خاتمہ میں ایک عورت کی بہادری کا عجیب واقعہ لکھا ہی گو اُسکے اخلاق کی مذمت بھی کی ہی،

جہانگیر کے زمانے میں دولت آباد کا قلعہ نظام الملک سے تعلق رکھتا تھا، حمید خاں حبشی نظام الملک کے دربار کا وکیل تھا اور محل میں بالکل حمید خاں کی بیوی کا دخل تھا، گو یہ ایک معمولی عورت تھی، لیکن رفتہ رفتہ نظام الملک کے دربار میں اسکا اتنا رسوخ بڑھا کہ جب یہ سوار ہو کر نکلتی تھی، تو سرداران فوج و امراے دولت پیادہ پا اُس کی رکاب میں چلتے تھے، نظام الملک ان دونوں میاں بیوی کے ہاتھوں میں ایک کٹھ پتلی تھا،

اسی زمانے میں عادل خاں نے ایک بڑی فوج نظام الملک سے لڑنے کو بھیجی نظام الملک کو فکر ہوئی کہ اسکے مقابلہ میں کسکو بھیجا جائے، حمید بیگم نے کہا کہ میں خود جاؤنگی اگر جیتی اور اگر ہاری تو عورتوں کا اعتبار ہی کیا؟ چنانچہ نظام الملک کی رضامندی سے حمید بیگم فوج لیکر روانہ ہوئی راستہ بھر اپنے سپاہیوں کو انعام و اکرام سے خوش کرتی گئی، جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا تو حمید بیگم خود تمام ہتیار سے مسلح ہو کر میدان میں آئی اور پہاڑ کی طرح عرصۂ کارزار میں کھڑی رہی اور اس بہادری اور دلیری سے اپنی فوج کو لڑاتی رہی کہ تھوڑی ہی دیر میں عادل شاہی لشکر اس بے سروسامانی سے بھاگا کہ تمام ہاتھی اور توپخانے میدان میں چھوڑ گیا،،

---

[۱] تزک جہانگیری صفحہ (۴۰۴) و (۴۰۵)،

بسلمان عورتوں کی ہمت مردانہ کا ایک اور عجیب واقعہ یہ ہے کہ عادل شاہی خاندان جسکے دائرہ حکومت کا مرکز شہر بیجاپور تھا، پونجی خاتون اسکے سب سے پہلے بادشاہ یوسف عادل شاہ کی بیوی تھی، یوسف عادل شاہ نے ۹۱۶ ہجری میں وفات پائی، اُسکا نابالغ فرزند اسمٰعیل عادل شاہ تخت پر بیٹھا، کمال خاں دکنی نائب السلطنت مقرر ہوا، گو نام اسمٰعیل عادل شاہ کا تھا، لیکن سلطنت کمال خاں کرتا تھا، اُسکو ایک دن خیال ہوا کہ اس نام کو بھی کیوں نہ مٹا دیا جائے،

پونجی خاتون، کمال خاں کے اس ارادہ سے غافل نہ تھی، اُسنے کمال خاں کے برطرف کرنے کی کوشش شروع کی، لیکن وہ کیا کر سکتی تھی؟ تمام اعیان دربار و سرداران فوج کمال خاں کے قبضہ میں تھے، پونجی خاتون نے اسکے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ یا کمال خاں معدوم کر دیا جائے یا عادل شاہی خاندان معدوم ہو، اُسنے موقع دیکھکر یوسف ترک کو جو اسمٰعیل عادل شاہ کا کوکہ تھا، کل مراتب سمجھا بجھاکر، کمال خاں کے پاس بھیجا، یوسف نے چپ چاپ ایک ہی خنجر میں کمال خاں کا کام تمام کر دیا، یوسف گرفتار ہو گیا اور آخر وہ بھی وہیں ڈھیر کر دیا گیا،

کمال خاں کی ماں نے اُسی وقت کمال خاں کے بیٹے صفدر خاں کو بلا کر معاملہ سے خبردار کیا اور کہا ابھی اسمٰعیل عادل شاہ اور پونجی خاتون کو قتل کرکے تخت پر بیٹھ جاؤ، تمام فوج تمہارا ساتھ دیگی، صفدر خاں باپ کی لاش دیکھکر چاہتا تھا کہ ایک چیخ مارے، ماں نے کہا خبردار کمال خاں کے مرنے کی خبر نہ پھیلے، لوگوں سے جاکر کہہ کمال خاں کہتا ہے کہ "اسمٰعیل عادل شاہ کا سر چاہیے" پونجی خاتون پہلے سے سمجھی تھی کہ یہ آفت آنے والی ہے، قلعہ میں اُسوقت کمال خاں کی طرف سے تین سو مغل اور دو تین سو دکنی اور حبشی سپاہی تھے پونجی خاتون نے اُن کو بلا کر کہا کہ "تم جانتے ہو کہ یہ تخت عادل شاہ کا ہے" اسمٰعیل ابھی بچہ ہے، کمال خاں ہمکو الگ کرکے خود بادشاہ بننا چاہتا ہے تم میں سے جو عادل شاہی تخت کا وفادار ہو وہ ہمارے قلعہ میں رہے اور ہماری مدد کرے اور جسکو اپنی جان عزیز ہو وہ قلعہ سے نکل جائے تم دشمنوں کی کثرت سے نہ ڈرو، کمال خاں کو کفران نعمت کی سزا ضرور ملے گی، ظاہر ہے کہ ایسی مایوس حالت میں کمال خاں کو چھوڑ کر کون پونجی خاتون کا ساتھ

دیتا تین سو مغلوں میں سے ڈہائی سو اور دو تین سو حبشیوں اور دکنیوں میں سے صرف سترہ سپاہیوں نے پونجی خاتون کی معیت گوارا کی اور باقی قلعہ سے نکلکر صفدر خاں سے مل گئے پونجی خاتون نے یہ بھی بڑی عقلمندی کی کہ غداروں سے پہلے ہی قلعہ پاک کرلیا. عین موقع پر اگر یہ دشمنوں سے مجاتے تو کیا ہوتا؟

پونجی خاتون نے پہلے چاروں طرف سے قلعہ بند کرلیا اور انھیں دو تین سو سپاہیوں کو محل کی چھت پر کھڑا کردیا اور خود پونجی خاتون، دل شاد آغا، یوسف عادل شاہ کی بہن اور چند عورتیں اسمعیل عادل شاہ کے ساتھ تیر و کمان ہاتھ میں لیکر چھت پر کھڑی ہوگئیں، صفدر خاں ایک بڑی جمعیت سے قلعہ کی طرف آیا، پونجی خاتون، دلشاد آغا اور سپاہیوں نے صفدر خاں کو تیر اور پتھروں پر دھر لیا، اور اتفاق سے اسی وقت مصطفےٰ آقا، عادل شاہی خاندان کا ایک قدیم نمک خوار پچاس توپچیوں کو لیکر خاتون کی مدد کو آیا، ان توپچیوں نے اوپر پہنچکر گولے اڑانے شروع کردیے صفدر خاں اپنی ماں کے حکم سے پھر اکہ بڑی توپیں لگا کر ابھی قلعہ ریزہ ریزہ کردیا جائے، پونجی خاتون اور عورتوں نے کہا کہ اگر توپیں آگئیں تو پھر کچھ نہ ہوسکے گا، اس سے پہلے کوئی تدبیر بنجائے تو بنجائے، رائے یہ ہوئی کہ سپاہیوں کو چھپ جانا چاہیے اور تمام عورتیں ہیں کھڑی رہیں، دشمن سمجھینگے کہ سپاہی ان عورتوں کو قلعہ میں چھوڑ کر بھاگ گئے، چنانچہ ایسا ہی کیا، سپاہی سب ادہر ادہر چھپ گئے اور عورتیں کھڑی رہیں، غنیم کی جب نظر پڑی تو دیکھا کہ صرف عورتیں ہیں انکو ہمت ہوئی اور پلٹ کر انھوں نے دوبارہ حملہ کیا، قلعہ کا دروازہ توڑ ڈالا، عورتوں نے آنکھ تک نہ ہلائی اور کھڑی دیکھا کیں، صفدر خاں چاہتا تھا کہ پہلا دروازہ توڑ کر دوسرا دروازہ بھی توڑے کہ سپاہیوں نے نکلکر اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن پھر نہ تھم سکے[1]

دو تین سو آدمیوں سے فوج کی فوج کا مقابلہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے،

نظام شاہی خاندان جس نے دکن میں تقریباً سوا سو برس تک نہایت کامیابی سے حکومت کی

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد ۲، صفحہ ۱۶، و ۱۷،

اور جسکا دار الحکومت شہر احمد نگر تھا، اُس کی ایک شاہزادی نے جس دلیری اور استقلال کے ساتھ اکبر اعظم کی فوج کا مقابلہ کیا وہ قابل حیرت امر ہے، چاند خاتون نظام شاہی حکومت کی بیٹی اور عادل شاہی حکومت کی بیوی تھی، حسین نظام شاہ بحری (احمد نگر) اُسکا باپ تھا، اور علی عادل شاہ (بیجاپور) اسکا شوہر تھا، علی عادل شاہ کے مرنے پر بیجاپور سے احمد نگر چلی آئی تھی، اور یہیں رہتی تھی،

اکبر کو جب ہندوستان کی مہمات سے فرصت ملی تو اُسکو تسخیر دکن کی فکر ہوئی، شہزادہ مراد اور خانخاناں اس مہم پر بھیجے گئے، اُسوقت تخت احمد نگر پر برہان نظام شاہ جلوہ افروز تھا نظام شاہ نے صوبہ برار اکبر کے پیشکش کر دیا لیکن اس معاملہ کے اختتام سے پہلے برہان شاہ کا انتقال ہوگیا اور برار پر اکبر کا قبضہ نہو سکا، شہزادہ مراد اور خانخاناں موقع کی تاک میں گجرات میں فوج لیے ہوئے پڑے تھے، اسی اثنا میں برہان شاہ کا جانشین ابراہیم شاہ امرا، کے ہاتھ سے مارا گیا، منجھو خاں وکیل سلطنت اور آہنگ خاں اور اخلاص تینوں میں تخت نشینی کے لیے جھگڑا ہوا ہر ایک نے اپنا جدا جدا بادشاہ بنا لیا، آخر آپس کا نفاق بڑھا اور خونریزیوں تک نوبت پہنچی، منجھو خاں نے جلکر شہزادہ مراد کو لکھدیا کہ نظام شاہی قوت فنا ہو چکی، اب ادہر کا رخ کیجیے، میں بلا تامل احمد نگر کا قلعہ آپ کے حوالہ کر دونگا، مراد چل کھڑا ہوا، خانخاناں بھی شاہ رخ مرزا والی بدخشاں، شہباز خاں راجہ جگناتھ، راجہ درگا، راجہ رامچندر اور دیگر امرا کو لیکر روانہ ہوا، جب یہ لوگ احمد نگر کے قریب پہنچ گئے تو منجھو خاں کو اپنی عجلت کاری پر سخت ندامت ہوئی کیونکہ اس اثنا میں منجھو خاں تمام قوتوں کو دبا کر خود مختار ہو چکا تھا، ناچار قلعہ چھوڑ کر نکل گیا،

چاند خاتون نے دیکھا کہ ہماری آبائی حکومت معدوم ہونا چاہتی ہے اُسنے عزم کر لیا کہ جس طرح ہوگا میں سلطنت کو بچاؤں گی، اُسنے پہلے خود اپنے بعض مخالف امرا کو قلعہ سے علیحدہ کر دیا اور بعض کو توڑ جوڑ کر ملا لیا، قطب شاہ (گولکنڈہ) اور عادل شاہ (بیجاپور) سے امدادیں طلب کیں، اور قلعہ کو ہر طرف سے مضبوط کر کے، شہزادہ مراد اور خانخاناں کی منتظر رہی، شاہزادہ مراد نے

۲۳- ربیع الثانی سنہ ہجری کو اپنی فوج قلعہ کی طرف بڑہائی، چاند خاتون نے بھی حکم دیا کہ ہماری توپوں کے موُنھ کھول دیے جائیں، تمام دن مراد کوشش کرتا رہا کہ قلعہ تک پُہنچ جائے، مگر چاند خاتون نے ایک قدم بھی آگے بڑہنے نہ دیا، شام کو مراد تھک کر خود ہٹ گیا، دوسرے دن شاہزادۂ مراد، شاہرخ مرزا، خانخاناں، شہباز خاں، راجہ جگناتھ وغیرہ نے مورچہ ڈال کر چاروں طرف سے قلعہ کا محاصرہ کرلیا، بعض نظام شاہی امرا نے لڑ بھڑ کر چاند خاتون کی مدد کو قلعہ میں جانا چاہا مگر خانخاناں نے جانے ندیا، شاہزادۂ مراد اور خانخاناں مہینوں قلعہ کا محاصرہ کیے پڑے رہے مگر وہ قلعہ کو ٹھیس بھی نہ لگا سکے،

اُدہر چاند خاتون کی حسب درخواست عادل شاہ نے پچیس ہزار سوار چاند خاتون کی مدد کو بھیجے، قطب شاہ نے بھی پانچ چھ ہزار سوار اور کچھ پیادے روانہ کیے، منجھو خاں، اخلاص خاں آہنگ خاں امراے نظام شاہی بھی اسی فوج کے ساتھ ہوگئے، غرض اس طرح مل ملا کر ایک زبردست فوج تیار ہوگئی، شہزادہ مراد کو اس فوج کا جب حال معلوم ہوا تو گھبرا گیا، تمام فوج میں ایک کھلبلی مچ گئی، آخر راے یہ قرار پائی کہ اس فوج کے آنے سے پہلے پہلے قلعہ لے لینا چاہیے، یوں لڑ کر قلعہ میں گھُس جانا تو ممکن نہ تھا، تین مہینے میں یہاں سے لیکر قلعہ کے برج تک پانچ سُرنگیں کھودی گئیں اور اُن میں بارد بچھادی گئی، کہ آگ لگا کر قلعہ اُڑا دیا جائیگا،،

چاند خاتون کو ان سرنگوں کی خبر لگ گئی اُسنے اُسیوقت بارود نکالکر سرنگوں کو بھرنا شروع کر دیا، شہزادۂ مراد کو تو اُس کی جلدی تھی، کہ اس قلعہ کی فتح میرے نام لکھی جائے، خانخاناں کا اس میں ہاتھ بھی نہ لگنے پائے، دوپہر کو خانخاناں کے سوا تمام امرا اور فوج کو لیکر قلعہ کے رخ پر مستعد کھڑا ہوگیا، کہ ادہر بارود سے قلعہ اُڑا اور اِدھر پہنچا چاند خاتون اُسوقت تک دو سرنگیں بھروا چکی تھی، اور تیسری کھودی جارہی تہی کہ شاہزادہ نے سرنگوں میں آگ لگانے کا حکم دیا، اس زور کی ایک آواز ہوئی اور ایک دھماکا ہوا کہ لوگ سمجھے کہ آسمان پھٹ پڑا یا بجلی ٹوٹ پڑی، اور قلعہ کی پچاس گز دیوار تھم سے گر پڑی، سامنے شہزادہ اپنے خونخوار راجپوت اور مغلوں کے ساتھ کھڑا نظر آیا، قیامت

ہوگئی، لوگوں کے دل بجھ گئے، کام کرنے والوں نے کام چھوڑ دیا، سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، فوج کے سردار بھاگ کھڑے ہوئے، غرض سارے قلعہ میں عجیب سراسیمگی اور بدحواسی پھیل گئی،

چاند خاتون کی ہمت دیکھو! اُسیوقت گھوڑے پر سوار، مسلح، ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے سراپردہ سے باہر نکل آئی، شہزادہ اس فکر میں تھا کہ وہ باقی سرنگیں بھی اُڑیں تو حملہ کیا جائے لیکن وہ سرنگیں ہوں بھی، چاند خاتون نے اتنی ہی دیر میں جلدی جلدی کرکے بیسیوں آتش بار توپیں اس شگاف میں کھڑی کردیں، تمام فوج کو تسکین دیکر پھر لڑنے پر آمادہ کردیا، مغلوں اور راجپوتوں نے جان توڑ توڑ کر حملے کیے، شہزادہ مراد نے سر ٹپک ٹپک مارا مگر چاند خاتون نے ایک انچ بھی بڑھنے نہ دیا اور اس ہمت اور دلیری سے فوج کو لڑاتی رہی کہ قلعہ کی خندق شام تک مغلوں اور راجپوتوں کی لاشوں سے پٹ گئی، شام کو شہزادہ ناکام پلٹا، رات بھر میں چاند خاتون نے خود مسلح کھڑی ہوکر پچاس گز قلعہ کی دیوار تین گز بلند کردی، صبح کو مراد نے دیکھا تو پھر وہی پہلی دیوار حائل تھی، موافق اور مخالف دونوں کے مونھ سے چاند خاتون کی اس اولوالعزمی، استقلال، اور بہادری پر صدائے آفرین و تحسین بلند ہوگئی، اور اُسی وقت سے چاند خاتون کا لقب چاند سلطان ہوگیا،

اس ناکامیابی سے شہزادہ مراد کا دل چھوٹ گیا، امرائے اکبری میں مقابلہ کی قوت نہ رہی، ناچار صلح کرنی چاہی، اول تو چاند سلطان نے انکار کیا کہ غنیم بیدل ہو چکے ہیں تھوڑی کوشش سے انکو ہزیمت ہوسکتی ہے لیکن چونکہ قلعہ میں لوگ بند بند گھبرا گئے تھے اسلیے چاند سلطان نے بھی آخر صلح منظور کرلی اور حسب قرارداد برار کا صوبہ شہزادہ مراد کے حوالے کردیا،[۱]

غور کرو! کیا اس سے بھی زیادہ کسی عورت کی بہادری ہوسکتی ہے، سلطنت کی بنیاد کمزور، امرا میں نفاق اور خانہ جنگی، قلعہ میں فوج نہیں، سامان رسد نہیں، قلعہ کی دیوار شکستہ اور منہدم، پہلے سے حفاظت قلعہ کا خیال نہیں، اور پھر مقابلہ اکبر اعظم اور خانخاناں سے، ایسی حالت میں غنیم کو

---

[۱] تاریخ بسیدالدین خاں آ ... ۱۹۹،

ہٹاکر قلعہ کو بچالینا، مسلمان عورتوں کا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہی،

یمن کے زیدی خاندان کی دو شہزادیاں سیدہ اور آمنہ بھی بڑی بہادری سے اپنے دشمنوں سے ہنگامہ آرا ہوئی ہیں،

سید سلیمان

از الندوہ

زنانہ ورزشیں

عرصہ سے زنانہ ورزش پر بحث چھڑی ہوئی ہی، ہم نے اکثر اخبارات میں پڑھا ہی کہ خانگی کاموں سے مستورات کو اچھی خاصی ورزش ہو سکتی ہی. لیکن مستورات سُستی کی وجہ سے گھر کا کام کاج اپنے ہاتھ سے نہیں کرتیں ہلکر پانی پینا بھی اُنہیں دوبھر ہی اسلیے آئے دن مستورات بیماری کا شکار رہتی ہیں، بدہضمی، سُستی، قبض وغیرہ کی وجہ سے پھوڑا پھنسی وغیرہ میں مبتلا رہتی ہیں جسمانی طاقت کا یہ حال ہوتا ہی کہ اگر ایک دو مرتبہ کوٹھے پر چڑھیں تو سانس پھولنے لگتا ہی. یہ سب امراض ورزش کے نہونے سے ہوا کرتے ہیں اگر جاہل مستورات ہیں تو اُن کو اپاہج بنکر چارپائی پر بیٹھکر پان چبانے چھالیا کترنے کے سوا کوئی کام نہیں اگر کچھ لکھی پڑھی ہیں تو دن رات کتاب کا کیڑا بنی رہتی ہیں،

یہ مستورات کمی ورزش کی وجہ سے طرح طرح کے امراض میں مبتلا رہتی ہیں. بیشک ورزش انسان کے لیے ازبس ضروری شئے ہے، بغیر ورزش انسان کی صحت ہرگز قائم نہیں رہ سکتی، اب فرض کیجیے اگر ہم گھر کے کام کاج کرکے ورزش حاصل کرنے کا ارادہ بھی کریں تو بھلا ایسا کونسا کام نکلیگا جو ہمارے کرنے کا ہو، پکانا ریندھنا کوٹنا پیسنا، جھاڑو بہارو وغیرہ یہ کام تو ہمارے کرنے کے لیے نہیں اور نہ ہم اسکے خوگر ہیں، اسکے لیے، توباورچی، مامائیں اصیلیں لونڈی باندی وغیرہ ہوا کرتے ہیں. گھر کی صفائی کل اشیا کی صفائی اور دیکھ بھال

وغیرہ سواسکے لیے بھی نوکر مقرر ہوا کرتے ہیں البتہ یہ کام ہماری زیر نگرانی ہوا کرتا ہی اب رہا کھیلنا جھولا جھولنا وغیرہ سُنا ہی کہ ہندوستان پنجاب دکن وغیرہ میں اسکا رواج ہی لیکن ادہر تو اسکا مطلق رواج نہیں، رواج تو درکنار شاذ ونادر بھی نہیں، اور ہمارا کام صرف پڑہنا لکھنا سینا پرونا، دستکاری، سوزن کاری، کارچوبی، کشیدہ، چکن، جالی، زردوزی، مطالعہ اخبار بینی وغیرہ ہوا کرتا ہی، بدنی محنت تو کچھ نہیں ہوتی اور دن رات دماغی محنت کرنی پڑتی ہی۔ جتنے کام ہمارے کرنے کے اور ہمارے قابل ہیں سب دماغی جسکے باعث اکثر درد سر، آشوب چشم، کمزوری دماغ، آنکھوں کی جلن میں مبتلا رہتے ہیں، اور ورزش کے نہونے سے بدہضمی، قبض غرضکہ قسم قسم کے امراض میں گھرے رہتے ہیں۔ اب اگر ہم ورزش کرنا چاہیں تو سوائے نماز کے ہمارے لیے کوئی ورزش نظر نہیں آتی۔ بہت ہوا تھوڑی دیر ٹہلے، کیا نماز اور ٹہلنے سے اتنی ورزش حاصل ہوسکتی جتنی کہ ہونی چاہیے؟

گو کہ بہت سے مضامین پیشتر اسکے لایق نامہ نگاروں کے اخبارات میں درج ہو چکے ہیں اور اب بھی گشت کررہے ہیں لیکن سب کا خلاصہ یہ ہی ورزش انسان کے لیے ازبس ضروری ہی مستورات مطلق ورزش نہیں کرتیں۔ بدیں سبب اکثر امراض میں مبتلا رہتی ہیں اور دواؤں کے استعمال سے اُنکے مکانات اچھے خاصے ہاسپٹل بنے رہتے ہیں۔ اس بحث کو سُنتے سُنتے مستورات بھی ورزش کی ضرورت کو محسوس کرنے لگی ہیں۔ اب اگر ورزش کرنا چاہیں تو کونسی۔ کوئی بہن یہ نہیں لکھتیں کہ فلاں ورزش مستورات کے لیے مفید ہی اور مستورات کے موزوں ہی تاکہ اسپر عمل کریں اور فائدہ اُٹھائیں۔

پس میں اپنے معزز نامہ نگار حامیوں سے درخواست کرتی ہوں کہ از راہ کرم کوئی ایسی ترکیب بتائیں جس سے ہم کو بخوبی ورزش حاصل ہو اور ہم اُنکے حکم کی تعمیل کرکے فائدہ اُٹھائیں۔ میں منتظر ہوں امید کہ میری لایق بہنیں یا بھائی ضرور اس ضروری امر کی جانب متوجہ ہونگے اور کوئی عمدہ ورزش ہم کو بتائینگے تاکہ اُسکے طفیل سے ہم آئے دن کے

امراض سے نجات پائیں اور اُنکے حق میں دعاے خیر کرتے رہیں،

رقیمہ خاکسار رابعہ بیگم

مسز محمد علی صاحب

تعلیم نسواں اور ہندوستان

ایک عرصہ سے میں اس تفکرات میں مبتلا تھا کہ تمام دنیا میں ایک نیا انقلاب پیدا ہو گیا، ہر چیز اپنی جگہ سے حرکت کرتی ہے۔ ہر قوم میں بیداری کے آثار نمودار ہو چکے ہیں۔ مشرقی اقوام جنکو یورپ نے منجمد قوم کا خطاب دیا تھا اُن میں سے جاپان نے بھی روس سے ہاتھ ملا کر اپنے کو مہذب اور شایستہ قوم بنا ہی لیا۔ ٹرکی بھی گرتے پڑتے اپنے کو پانچویں سوار میں شمار کرنے کو جا ہی رہا۔ ایران بھی اپنے کو ترقی یافتہ بنانے کی جدوجہد کر رہا ہے۔ مسلمان جنکو مغربی علوم سے قطعی نفرت تھی یہ بھی اب دلچسپی سے اسکے حاصل کرنے میں ترقی کر رہے ہیں۔

اگر قابل رحم حالت کسی فرقہ کی ہے تو وہ بے زبان بیچاری عورتوں کا فرقہ ہے۔ مردوں کی طرف سے اُنکے لیڈر ہر طرح سے اُن کی اپیل کر رہے ہیں۔ آہ اگر کوئی اپیل کرنیوالا نہیں ہے تو وہ صرف فرقہ نسواں کی طرف سے۔ بھولے بھٹکے اگر کسی نے ان کی طرف سے ان کی ترقی کے لیے اپیل بھی کی تو آہ قوم کی عدالت سے نہایت مایوسی کے ساتھ واپس آنا پڑا۔ لطف یہ ہے کہ اسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ اسپر ایک اُلٹا الزام لگا کر اسی اپیل کرنے والے کو قومی عدالت سے نہایت بے کامی کے ساتھ واپس کر دیا جاتا ہے۔ اور بجاے اسکے کہ اُس کی اپیل کی کچھ قدر کیجائے۔ اُلٹا یہ الزام دیا جاتا ہے کہ تم تعلیم نسواں کے پردہ میں پردہ کا کایا پلٹ کرنا چاہتے ہو۔ افسوس کسقدر اُنکی عقل پر خدا نے پردہ ڈالدیا ہے کہ تعلیم کے معنی عدم حجاب کے لیتے ہیں۔ خدا جانے یہ کس ڈکشنری یا قاموس میں لکھا ہے۔ تاہم ہم اُن حضرات کا بغیر شکریہ ادا کیے بھی نہیں رہ سکتے جنھوں نے اسکے لیے اپنی کمر باندھ لی ہے خصوصاً

مولوی عبد اللہ صاحب اڈیٹر خاتون سب سے زیادہ شکریہ کے قابل ہیں جنھوں نے نہایت مستقل مزاجی سے اپنے ذمہ اس کام کو لیا اور نہایت ہی سرگرمی سے اسکو انجام دے رہے ہیں۔ خدا اُنکی کوشش اور ہمت و استقلال ہمیشہ قائم و دائم رکھے اور اُن کو اس مقصد میں کامیاب کرے۔ ہم اس مضمون پر مفصل طریقہ سے انشاء اللہ آیندہ بحث کرینگے۔

اسوقت ہمیں صرف یہ دکھلانا ہے کہ ہندوستان تعلیم نسواں میں غیر ملکوں سے کسقدر پیچھے ہے۔ اسوقت میرا خیال ہے (جہانتک میں نے کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ کیا ہے) کہ ایشیا میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ عورتیں ٹرکی میں ہیں اور سب سے کم ہندوستان میں۔ درحقیقت یہ کسقدر افسوسناک امر ہے کہ اگر ایک جاہل دیہاتی ایک کالج کا پروفیسر مقرر کیا جائے تو سب ہنس پڑینگے۔ لیکن جاہل بد دماغ جھگڑالو عورتیں جنکو ساس نند کے لڑنے سے کبھی فرصت نہیں ملتی، کے ہاتھوں میں پرورش کی عنان حکومت ایسے لڑکوں کی دیجاے جنکی آیندہ ترقی اور آیندہ بہبودی انہیں نا قابل ماؤں کی تعلیم اور تربیت پر موقوف ہو۔

اسوقت ہم ذیل میں ایک ٹرکی کی لائق خاتون کے مختصر حالات ناظرین خاتون کے لیے درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ ٹرکی خاتون میں تعلیم کا کسقدر شوق ہے جسکی آج ہندوستان میں چراغ لیکر ڈھونڈھنے سے بھی مثال نہیں مل سکتی۔

پیدائش اور نام و نسب فاطمہ علیہ نام، باپ کا نام جودت پاشا جو عدالت عثمانیہ کے پہلے افسر مقرر ہوئے پھر ۱۲۸۲ھ میں حلب کے والی مقرر ہوئے۔ دو برس کے بعد وہ آستانہ بلالیے گئے، پھر ۱۲۹۲ھ میں مانیہ کے والی مقرر ہوئے کچھ ہی دنوں کے بعد وہاں سے بھی آنا پڑا۔ پھر ۱۲۹۵ھ میں سوریہ کے والی مقرر کرکے بھیجے گئے۔ کچھ مدت کے بعد آستانہ واپس آئے۔ جہاں ابتک مقیم ہیں۔ فاطمہ علیہ آستانہ میں دوشنبہ کی رات کو، ۲۷ تاریخ ربیع الثانی کے مہینے ۱۲۷۹ھ (موافق ۱۹۔ اکتوبر ۱۸۶۲ء) میں پیدا ہوئی۔

ابتدائی حالات ۱۲۸۲ھ میں جب جودت پاشا حلب کے والی ہوکر گئے تو اسکی عمر صرف تین سال کی تھی۔ باوجود اس کمسنی کے یہ اسقدر عقیل، فہیم اور ذکی تھی کہ لوگوں کو حیرت زدہ بنادیتی تھی اسوجہ سے اسکے والد اسکو حد سے زیادہ مانتے تھے اور بیحد اس سے محبت رکھتے تھے اور اسکو نظروں سے بالکل علیحدہ نہیں کرتے تھے

یہی وجہ ہے کہ باوجود تین ہی برس کے ہونے کے بھی اسکو حلب اپنے ساتھ لیگئے اور آستانہ میں چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔

تعلیم جب ۱۲۸۴ھ میں آستانہ واپس آئے تو اُسکی عمر ۵ برس کی تھی۔ اور ماشاء اللہ تعلیم کی لیاقت قسام ازل نے ازل ہی میں سب سے زیادہ اس کو عطا کیا تھا۔ پھر دیر کس بات کی تھی۔ فوراً آستانہ پہنچتے ہی اُستاد اور اُستانیاں مہیا کر دئیں۔ لڑکی ایسے اسباب کے مہیا ہونے کی منتظر ہی تھی۔ فوراً اُس طرف متوجہ ہوئی اور کمال شوق سے تحصیل علم میں مشغول ہوئی۔ سب سے پہلے اُسنے علم قرأت اور ٹرکی کتابت سیکھا۔ پھر مختلف اُستادوں سے اُسنے عربی اور فارسی سیکھنا شروع کیا۔ اسی اثنا میں اسکو فرانسیسی زبان سیکھنے کے لیے عمدہ ذریعہ مہیا ہو گیا فوراً اُس کی طرف متوجہ ہوئی اور کمال اشتیاق سے اسکو پیرس کی ایک لیڈی سے حاصل کیا۔ پھر ۱۲۹۲ھ میں جبکہ اسکے والد یانینہ کے والی مقرر ہوئے مجبوراً اُسکو بھی ساتھ جانا پڑا اسوقت اُس کی عمر تیرہ برس کی تھی باوجودیکہ اسکو وہاں بہت کم موقع اطمینان سے تعلیم حاصل کرنے کا ملا کیونکہ فوراً ہی وہاں سے پھر واپس آنا پڑا۔ تاہم تحصیل علم سے بے پروا نہ تھی۔ جب کبھی اسکو موقع ملتا فوراً اُس کی طرف متوجہ ہوتی اُسکے ساتھ ہی کمال یہ ہے کہ جہاں جہاں جاتی عجیب کشش سے اہل کمال کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی۔ اور اُنسے مستفید ہوتی اور ایک منٹ کو بھی بیکار نہیں بیٹھتی۔ ہمیشہ تحصیل علم میں مشغول رہتی۔ اسکے بعد جب ۱۲۹۵ھ میں اسکے والد سوریہ کے والی مقرر ہوئے تو اُسوقت اُسکو بھی اپنے ساتھ لیجانا چاہا۔ اسوقت اس کی عمر ۱۶ برس کی تھی اپنے نفع اور نقصان کو خوب سمجھتی تھی۔ اسلیے بجائے اسکے کہ وہ سوریہ جاتی دمشق میں اقامت کرنا زیادہ پسند کیا پھر موسم سرما میں بیروت چلی گئی۔ بعد اسکے اپنے والد کے اصرار سے غالباً اسکو سوریہ جانا پڑا۔ میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ چونکہ اسکو فرانسیسی لٹریچر سیکھنے کے اسباب مہیا ہو گئے تھے اسلیے وہ اُس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ پس اسوقت تک وہ اسی میں مصروف تھی اور اسوقت اُسنے فرانسیسی لٹریچر بحسن و خوبی نہایت قابلیت کے ساتھ حاصل کر لیا تھا۔ پس اب اسی اثنائے اقامت (دمشق، بیروت سوریہ) میں اسکو عربی حاصل کرنے کا نہایت عمدہ موقع دستیاب ہوا۔ شوقین لڑکی بھلا کب ایسے موقعوں کو

ہاتھ سے جانے دیتی تھی۔ فوراً اس طرف متوجہ ہوئی اور کمال شوق سے عربی لٹریچر مع علم بیان ونحو و معانی و بدیع و عروض وغیرہ کے نہایت خوبی کے ساتھ حاصل کیا۔ تشنہ علم لڑکی نے اسی پر اکتفا نکیا بلکہ جب اسکو موقع دستیاب ہوتا اپنے والد سے مختلف علوم و فنون حاصل کرتی رہتی۔ چنانچہ اُسنے اپنے والد سے علم توحید، علم منطق، علم ریاضی اور ہندسہ نہایت خوبی اور کمال سے حاصل کیا۔ خدا نے اُسکو حُسن خلق کے ذہن مستقیم بھی عطا کیا تھا جسکی وجہ سے فطرۃً اُس کی طبیعت اُس کی طرف راغب ہوئی پھر کیا تھا فوراً متوجہ ہوئی نہایت اشتیاق سے اسکو ماہرین فن سے سیکھنا شروع کیا۔ چنانچہ زبان فارسی و عربی، ٹرکی، فرانسیسی میں نہایت کمال کے ساتھ حاصل کیا۔ اور چونکہ اُسنے اسکو ایک علم اور ایک فن کے طریقہ سے حاصل کیا تھا۔ اسوجہ سے اُسنے اسکے تمام فروع و اصول اور اُسکے تمام اسرار سے بخوبی واقفیت حاصل کرلی تھی۔ چنانچہ تھوڑے دنوں کی پریکٹس (مشق) کے بعد اسکا شمار ماہرین فن میں ہونے لگا اور لوگوں نے اسکو یکتائے روزگار تسلیم کرلیا۔ اور پھر یہ سُنکر آپ کو کمال التعجب ہوگا کہ تمام علم یہ لڑکی اسوقت حاصل کرتی تھی جب اُسکو اپنے خانہ داری کے کام اور دستکاری کے کام سے فراغت حاصل ہوتی۔[1]

اسی اثنا میں اُسنے چند مضامین لکھے جس کی وجہ سے اپنے ہمسنوں میں بہت مشہور و معروف ہوگئی۔ کیونکہ اُسکی عبارت بہت سلیس تھی اور مضامین کے ادا کرنیکا طریقہ اور اسلوب بالکل نیا اور جداگانہ تھا جو نہایت ہی پُر لطف و دلآویز تھا۔ باایں ہمہ اپنے جدید خیالات اور نئے مضامین کو بوجہ مشغولیت تربیت اولاد اور اپنے خانہ داری کے کاموں کے شائع نہ کرسکی لیکن جب سوریہ سے آستانہ واپس آئی اور اُسکے ہمجنسوں نے اپنے مضمون شائع کرانے شروع کئے اور کتابیں تصنیف کرنے لگیں تو یہ سب پر فوقیت لیگئی اور ایک کتاب دولانتہ فرانسیسی زبان سے ٹرکی میں نہایت فصاحت و بلاغت اور خوبی سے ترجمہ کیا جسکا نام (مرام) رکھا۔

لیکن چونکہ یہ اُس کی پہلی تصنیف تھی اسلیے اُسنے اپنا نام پوشیدہ رکھا۔ اور اس بات کی منتظر رہی کہ اس زمانہ کے فضلا اسپر کیا اظہار رائے کرتے ہیں۔ چنانچہ لوگوں نے اُسکی تعریف

[1] افسوس کہ ایسی مثال ہندوستان کیا خواتین میں بھی نہیں ملسکتی۔ خدا اس قوم پر رحم کرے۔

اُس کی توقع سے زیادہ کی جس کی خاص وجہ یہ ہی کہ اس طریقہ سے اور ان اسلوب پر اس سے پہلے کسی نے نہیں لکھا تھا۔ خصوصاً اڈیٹر ترجمان حقیقت (یہ ایک ترکی رسالہ ہی) نے تو اسکا نہایت خوشی سے خیر مقدم کیا۔ اور نہایت ہی پُرجوش الفاظ میں اُس کی ہمت افزائی کی۔ اڈیٹر کے ان الفاظ نے تو اور سونے پر سوہاگہ کا۔ کام کیا۔ تمام فضلاے ترک میں چرچا ہونے لگا۔ ہر شخص اسکے نام کے معلوم کرنے کا خواہاں تھا۔

پس اڈیٹر صاحب نے اسکا نام ظاہر کر دیا۔ جبکے بعد وہ اکثر عمدہ عمدہ مضامین اپنے نام سے شائع کرنے لگی۔ پھر اکثر فضلاے ترک سے تحریروں میں مقابلہ ہوتا رہتا۔ لیکن ہر گھوڑ دوڑ میں بازی اسی کے ہاتھ رہتی۔ رفتہ رفتہ اسنے اپنا سکہ تمام لوگوں پر بٹھادیا۔ یہانتک کہ یورپ کی اکثر لیڈیاں اسکے علم و فضل سے متحیر رہگئیں۔ خصوصاً اسوقت جبکہ لیڈیان یورپ اس سے ملاقات کرنے آئیں تو اس سے ہمکلام ہوکر اسکے فطنت و ذکاوت سے حیرت زدہ رہگئیں۔

یہانتک کہ اسکا نام نہایت ادب سے لیاجانے لگا اور اس کی شہرت کا دائرہ دن بدن وسیع ہوتا جاتا تھا۔ ۱۸۹۲ء میں جبکہ اس کی عمر ۳۰ سال کی تھی ایک کتاب لکھی جسکا نام "نسار الاسلام" رکھا۔ جسکا عربی میں (ثمرات الفنون (یہ ایک عربی رسالہ ہی) نے ترجمہ کیا۔ پھر فرانسیسی اور انگریزی زبان میں ترجمہ ہوا۔ نیز ایک کتاب بنام محاضرات بھی اسی کی تصنیف سے ہے۔ اور اور اسوقت اس کی عمر ۴۶ سال کی ہی اور یہ آستانہ میں موجود ہی۔

ہمارے ہندوستان کی عورتوں کو اس سے خصوصاً سبق حاصل کرنا چاہیے، خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ یہ علم سے بالکل بے بہرہ ہیں۔

راقم
ابوظفر بہاری
متعلم ندوہ

اڈیٹوریل

سال نو کے شروع ہونے کے بعد دنیا میں ایک سقدر بڑا حادثہ برپا ہوا ہی کہ جس کی مثال صدیوں کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی مسینا جزیرہ سسلی کا ایک مشہور اور خوشنما شہر تھا جسمیں کئی لاکھ آدمیوں کی آبادی تھی۔ اور سالانہ کروروں روپیوں کی تجارت ہوتی تھی۔ لیکن اسکے قرب میں ایک آتش فشاں پہاڑ تھا جس میں سے ہمیشہ دہوئیں ورآگ کے شعلے نکلتے رہتے تھے۔ مگر ادہر کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا تھا۔ وہ پہاڑ جنوری ۱۹۰۹ء کے وسط میں یکایک ہیجان میں آیا۔ اور اس کی وجہ سے ایک قیامت خیز زلزلہ برپا ہوا۔ اور شہر مسینا ۲۵ سکنڈ کے اندر صفحہ ہستی سے بالکل محو ہو گیا۔ اور دو لاکھ آدمی اس میں غارت ہوئے۔ بعض اسکے واقعات ایسے ہیں جنکو سنکر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں سینکڑوں آدمی بعد میں مسمار شدہ مکانوں اور بازاروں میں کئی کئی روز کے بعد زندہ نکلے گئے۔ ان سب واقعات میں ایک واقعہ بہت ہی عبرت انگیز ہی۔

ایک گھر میں چار چھوٹے چھوٹے بچے اور ایک ان کی ماں رہتے تھے۔ اس حادثہ سے اٹھارہ روز کے بعد جب پولیس کے آدمی اُدہر سے جارہے تھے تو اُنکو ایک لرزرہی آواز گرے ہوئے مکان کے نیچے سے سُنائی دی۔ وہ کچھ دیر کے لیے غور سے سننے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اور وہ آواز یہ تھی کہ ”بچالو۔ بچالو“ اتنے میں دوسری جانب سے ایک چھوٹا سا بچہ بالکل خاک آلود بہت ہی مضمحل انکی طرف آیا۔ اور آکر کہا کہ اسکے اندر میری بہن دبی ہوئی ہی اسکو نکالو۔ پولیس والوں نے یہ سمجھا کہ یہ دیوانہ لڑکا ہی۔ اب اٹھارہ روز کے بعد بھلا کوئی دبی ہوئی لڑکی زندہ رہ سکتی ہی۔ لیکن اُنھوں نے پھر غور سے سُنا تو واقعی آدمی کی آواز اندر سے آرہی ہی۔ اسکے بعد پولیس والوں نے کھود کر دیکھا تو ایک کونے میں ایک لڑکی پڑی تھی۔ اور اُسکے مُنہ سے ”بچالو۔ بچالو“ کی آواز نکل رہی تھی۔ اور وہ چھوٹا بچہ جو پہلے سے باہر نکل آیا تھا اپنی بہن سے لپٹ گیا۔ اور اسکے گرد دیکھا تو ایک عورت اور دو بچے اور مرے پڑے تھے۔ بچے کی زبانی معلوم ہوا کہ جب رات کو زلزلہ آیا تو ماں کے سر میں ایک چھت کی

گڑی اس زور سے لگی کہ اسکا سر پھٹ گیا لیکن وہ اپنے ہوش میں تھی اور اُسنے ایک محفوظ کونے میں اپنے سب بچوں کو جمع کرکے اپنے سے لپٹا لیا۔ اور اُن کو پیار کرتے کرتے اُس کی روح پرواز کرگئی۔ اب بچے کچھ نہیں سمجھتے تھے کہ وہ کیا کریں۔ انکو بھوک لگی چاروں طرف ڈھونڈھکر کھانے کی کوئی چیز ملی۔ جسپر اُنھوں نے کئی روز تک گزارہ کیا۔ دو بچے بعد میں مرگئے۔ ایک بچی جاں بلب تھی اور ایک جو سب سے بڑا تھا وہ کسی طرح باہر نکل آیا تھا۔ ان بچوں کو پولیس جہاز پر لیگئی اور وہ آپس میں لپٹ گئے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ہم اب کبھی علیحدہ نہونگے۔

دہلی میں جناب حاذق الملک حافظ حکیم محمد اجمل خانصاحب کی کوشش اور توجہ سے ایک مدرسہ دائیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کھلا ہے۔ اس مدرسہ کا افتتاح جناب لیڈی ڈین صاحبہ جو لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کی بیگم ہیں۔ مورخہ ۱۳ جنوری سنہ رواں کو کیا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ مدرسہ ہماری ایک بڑی ضرورت کو پورا کریگا۔ اسوقت ہندوستان کے ہر شہر اور ہر حصہ میں اور ہر قوم اور ہر مذہب میں زچوں کی قسمت جاہل دائیوں کے ہاتھ میں ہے اور انکی جہالت کی وجہ سے سینکڑوں جانیں ہر سال تلف ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں لیڈی ڈاکٹروں کا ابھی تک رواج ہے نہ وہ عوام کی مدد کے لیے کافی تعداد میں موجود ہیں، اور نہ لوگوں کو اُنپر پورا وثوق اور اعتبار ہے۔ چونکہ لوگ انکے قینچی اور نشتر سے ہمیشہ خائف رہتے ہیں اور لوگوں کا ایک عام خیال ہے کہ جب ان کو کوئی ذراسی بھی دقت پیش آتی ہے تو وہ فوراً کاٹنے کو تیار ہوجاتی ہیں اور ایک حد تک لوگوں کا یہ خیال صحیح بھی ہے۔ ایسی حالت میں ضرورت تھی اس بات کی کہ اس پُرانے طریقہ امداد کو ترقی دیکر اس سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ پس دائیونکے مدرسے سے بہتر اور کوئی صورت اس امداد میں ترقی دینے کی نہ تھی۔ ہمیں امید ہے کہ یہ مدرسہ بہت جلد کثیر التعداد دائیاں ملک کے عام فائدہ کے لیے پیدا کرنے میں کامیاب ہوگا۔

ہندو بیواؤں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اول تو خاوند کے مرجانے پر کوئی انکا محافظ نہیں رہتا۔ جسپر

گھر میں اُنہیں صدہا قسم کی تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ گھر بھر اُن کی موجودگی کو نحوست کی نشانی خیال کرتا ہی۔ غرض ان کی حالت کو خیال کرتے ہوئے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اسلیے اس زندہ درگور مخلوق کی حالت پر رحم کرنا اور اسکے بہتر بنانے کی کوشش کرنا ہر ایک نیکدل ہندوستانی کا فرض ہی۔ ہندو بیواؤں کی بہبودی کے لیے پنجاب برہمو سماج نے امرتسر میں ایک دو ہوا بہون قایم کرنے کا فیصلہ کرلیا ہی۔ ابتدائی تعلیم کے علاوہ سینے پرونے۔ گوٹہ وجراب بنانے ودیگر مفید کاموں کے سکھلانے کا بھی انتظام اسی میں کیا جاویگا بیواؤں کی ذات اور دیگر رسوم و رواج میں کسی قسم کی مداخلت نہو گی۔ کرپال سنگھ صاحب بی اے کوئٹہ نے اس کار خیر کے لیے پانچسو روپیہ پنجاب برہمو سماج کو عطا کیا ہی۔

مورخہ ۱۳ فروری کو چیف کمشنر صوبہ سرحدی آنریبل سر جارج روس کیپل کے سی۔ ایس آئی علی گڑھ کالج میں تشریف لائے۔ صاحب چیف کمشنر نے مع پارٹی کے کالج میں پہنچکر مختلف کلاسوں اور بورڈنگ ہاؤسوں کا معائنہ کیا اور کالج کی بڑی بڑی عمارتوں کو دیکھا۔ اسٹریچی ہال میں ٹرسٹیان کی جانب سے خیر مقدم کا اڈریس پیش کیا گیا۔ جسکا کمشنر صاحب نے ملطف آمیز جواب دیا۔ صوبہ سرحدی کے وہ لڑکے جو یہاں اسکول اور کالج میں تعلیم پاتے ہیں اُنھوں نے پشتو زبان میں اڈریس پیش کیا۔ جسکا صاحب چیف کمشنر نے اسی زبان میں جواب دیا۔ اور پھر اُنکے ساتھ فرداً فرداً گفتگو بھی کی۔ رات کے وقت تشریف لے گئے۔

ایک ہندو لیڈی کی فیاضانہ وصیت

مبارک ہیں وہ انسان جو دنیا میں پیدا ہوکر بنی نوع انسان میں علم کی روشنی پھیلانے کی عملی کارروائی کرتے ہیں۔ ہندو ہو یا مسلمان بیشک ہر شخص جو تعلیم پھیلانے کے لیے اپنا پیارا مال وجائداد وقف کردیتا ہی قابل تعریف ہی۔ ایسے ہی لوگ عاقبت کا سرمایہ ساتھ لیجاتے اور اپنی مغفرت

کا ذریعہ پیدا کر جاتے ہیں۔ حال ہیں لاہور کی ایک ہندو خاتون شریمتی لال دیوی بیوہ لالہ دینا ناتھ ہیڈ کلرک لوکو آفس لاہور نے مرنے سے پہلے اپنے مال و اسباب کو اس طرح وقف کرنے کی وصیت کی ہی کہ بے اختیار مرحبا اور جزاک اللہ کہنے کو جی چاہتا ہے (۱) دو کانات مالیت دس ہزار روپیہ دیانند اینگلو ویدک کالج لاہور کو (۲) دس ہزار نقد گورو کل ہر دوار کو (۳) چھ ہزار روپیہ پتری پاٹ شالہ کوچہ بابیاں لاہور کو (۴) ایک ہزار پانچسو ہندو یتیم خانہ لاہور کو (۵) تین سو روپیہ گرل سکول متعلق آریہ سماج وچھووالی کو۔ تمام جائداد و زیور و روپیہ کا اس خوبی سے انتظام کیا گیا ہے کہ کیا مجال کسی کو خورد برد کا موقع ملے۔ اگر اسی طرح مالدار ہندو و مسلمان اپنی قومی درسگاہوں میں فیاض دلی سے سلوک لیا کریں تو علم کا آفتاب جہالت کی روشنی کو بدقسمت ہندوستان سے دور کر دے۔

مورخہ ۲۲۔ فروری ۱۹۰۹ء کو سر جان ہیوٹ لفٹنٹ گورنر بہادر بالقابہم و ہزہائنس نواب صاحب رامپور علی گڑھ میں رونق افروز ہوئے۔ منٹو سرکل میں دو بورڈنگ ہاوسوں کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور ایک بورڈنگ ہاؤس کا افتتاح فرمایا۔ ٹرسٹیوں کی طرف سے سپاسنامہ پیش ہوا۔ جسکا جواب ہز آنر نے نہایت عنایت آمیز دیا۔ نواب صاحب رامپور نے بھی ایک نہایت پُراثر تقریر فرمائی جس میں طلبائے کالج کو بیش بہا نصائح فرمائے۔ بعد ازاں نواب محسن الملک مرحوم کی یادگار میں چندہ کی فہرست کھولی گئی۔ جس میں بروقت ایک لاکھ آٹھ ہزار سات سو پچیس روپیہ سے زیادہ چندہ ہوا۔ ہز ہائنس دن کو اور ہز آنر شام کو تشریف لیگئے۔

شاید ناظرات خاتون کے کانوں میں ان واقعات کی بھنک پہنچی ہو گی جو اسوقت بنگال میں ہو رہے ہیں۔ ہندو بنگالیوں میں حب الوطنی کا ایک بڑا جوش پیدا ہو گیا ہے۔ اور اُن میں سے ایک جماعت نے جنکو انارکسٹ کہتے ہیں اُنہوں نے یہ ارادہ کر لیا ہی جو انکے افعال سے

ظاہر ہوتا ہی کہ وہ اپنے حکام سے بغاوت اور مقابلہ کر کے اُن کو ہندوستان سے نکالدیں تا کہ اس ملک کی حکومت ہمارے ہاتھ آجائے۔ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے سرکار کی طرف سے ہی سخت قوانین بنے ہیں اور جتنے فہمیدہ ہندو اور مسلمان ہیں وہ قطعاً ان لوگوں کے مخالف ہیں اور ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور گورنمنٹ جو کچھ بھی انسے سختی کرتی ہی اس کی پوری تائید کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے بہت سے بیگناہ انگریزوں اور ہندوستانیوں کو اب تک قتل کیا ہی۔ اور ان کی شورہ پشتی یہانتک بڑھگئی ہی کہ جیلخانوں میں قتل کی حالت میں بھی اپنے ساتھی قیدیوں کو جو انکے مقصد کے خلاف چلتے ہیں قتل کر ڈالتے ہیں۔ بمب کے گولے چلاتے ہیں۔ گولیاں مارتے ہیں۔ جس طرح بھی ہو سکتا ہی یہ ظالم غارت گری اور سفاکی کرتے ہیں۔ حال میں ایک بنگالی بابو صاحب جو بڑے نامی وکیل تھے۔ اور جو سرکار کی طرف سے انارکسٹوں کے خلاف عدالت میں پیروی کرتے تھے۔ وہ جب مقدمہ میں بحث کر کے کچہری سے باہر نکلے اور اپنی گاڑی میں سوار ہونے کو ہی تھے کہ ایک نوجوان بنگالی لڑکے نے بڑھکر اُن پر تمنچہ کے تین فیر کیے۔ اور انکو وہیں مار ڈالا۔ اسکے بعد اس لڑکے کو پھانسی کی سزا کا حکم ہوا۔ تو وہ عدالت کے کمرے سے ہنستا اور خوشی مناتا ہوا باہر نکلا کہ میں نے اپنا فرض پورا کیا۔ ایسے لوگوں سے اللہ سب کو پناہ میں رکھے۔

آجکل انگلستان کی پارلیمنٹ یعنی کونسل کو ہندوستان کے موجودہ حالات دیکھنے کے بعد یہ خیال پیدا ہوا ہی کہ اب وہ وقت آگیا ہی کہ ہندوستانیوں کو بلحاظ انکی تعلیم و تربیت کے اور خواہش کے کچھہ حقوق دیے جائیں اور ہندوستان کی کونسلوں میں ہندوستانی ممبروں کی تعداد میں توسیع کیجائے۔ تاکہ ہندوستانیوں کو اپنے ملک کی حفاظت۔ حکومت اور ترقی میں رائے دینے کا موقع ملے۔ اسلیے اسوقت پارلیمنٹ کے سامنے ایک قانون پیش کیا گیا ہی۔ جو زیر بحث ہی۔ ہمارے سابق گورنر جنرل صاحب لارڈ کرزن جنکے نام سے سب واقف ہونگے وہ کہتے ہیں کہ ہندوستانیوں کو

کوئی اختیار نہ دیا جاوے۔ کیونکہ ابھی تک ان میں حکومت کرنے کی قابلیت پیدا نہیں ہوئی ہے۔ لیکن لارڈ مارلے صاحب جو انگلستان میں وزیر ہند کے عہدے پر مامور ہیں اور ہمارے موجودہ ویسرائے بہادر لارڈ منٹو صاحب دونوں کی رائے ہی کہ ہندوستانیوں کے حقوق میں ضرور توسیع کر دینی چاہیے۔ یقین ہوتا ہی کہ ان ہی دونوں صاحبان کی رائے مانی جائیگی اور اسی کے مطابق قانون پاس ہوگا۔

ہمارے ملک کی بی بیوں کے حامیوں کا گروہ بفضل خدا اپنی تعداد اور اہمیت میں روز بروز بڑھتا جاتا ہی۔ آج سے پانچ چھ سال پیشتر کے واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں کہ جب کبھی عورتوں کی ترقی۔ تعلیم اور حمایت کا ذکر بھی آتا تھا تو لوگ حمایت کرنے والوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ معلوم ہوتا ہی کہ اسپر اپنی بیوی کا بہت بڑا اثر ہے۔ عورت جب تک چہار دیواری کے اندر محصور اور جاہل ہی۔ اسی وقت تک اس کی عصمت عفت۔ شرم اور حیا قائم ہے۔ جہاں اسکو علم کی روشنی سے کچھ بھی بہرہ حاصل ہوا تو وہ مرد کے قابو کی نہ رہے گی۔ اور وہ اوصاف حمیدہ سے خالی ہو جاے گی۔

اکثر لوگوں کو دیکھا تھا کہ گو دل میں انکے حمایت تھی۔ لیکن سوسائٹی کے اثر سے اُنکے خیالات بالکل دبے ہوئے تھے۔ اس پانچ چھ سال کے عرصہ میں جو تحریک عورتوں کی تعلیم و تربیت و ترقی کی پیدا ہوئی اُس کے سب سے بڑا کام تو یہ کیا کہ حامیوں کے دبے ہوئے خیالات کو اُبھارا اور اُنکے قلب اور زبان میں جرأت پیدا کر دی کہ وہ اپنے خیالات کو آزادانہ ظاہر کریں۔ ہمارے مخدوم جناب شمس العلمار مولانا الطاف حسین صاحب حالی نے چار سال کا عرصہ ہوا کہ ایک نظم موسومہ چُپ کی داد میں ہزار ہا سال کی عورتوں کے حالت اور مظلومیت کا ایک نقشہ ناظرین کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس نظم سے صاف طور پر یہ ظاہر تھا کہ ایک بے زبان مظلوم کی حالت پر رحم کھا کر ایک منصف دل نے انکے تحمل بردباری

صبر و رضا۔ استقلال و محنت۔ وفاداری کے اوصاف کی داد دی۔ لیکن اس مخلوق کی طرف سے جس پر صدیوں سے ظلم و تعدی ہو رہا تھا اسوقت تک شکایت میں کسی نے زبان نہیں کھولی تھی۔ کیونکہ شاید ابھی شکایت اُس وقت تک مردوں کے خلاف سمجھی گئی۔ لیکن اب جوں جوں زمانہ اپنی رفتار میں آگے بڑھتا جاتا ہے اسی طرح اس مظلوم کو اپنی حالت زار کا احساس ہوتا جاتا ہے۔ اور وہ خاموشی سے اپنی مصیبتوں اور برداشت کی داد لینے کو تیار نہیں ہے بلکہ اب وہ اس فرقے کی شکایت بھی زبان پر لانے لگی ہے جنھنے کہ اسوقت تک اسپر ظلم برپا کر رکھے تھے۔

اسوقت کے اسکے خیالات جناب سید علی احسن صاحب مارہروی کے ذریعہ سے ایک چھوٹی سی نظم موسومہ حبیب کی فریاد کی شکل میں ظاہر ہوئے ہیں۔

آج سے چار سال پیشتر ایک رحیم منصف مزاج نیک طبع مرد عورتوں سے مخاطب ہوکر اور وہ کل مصائب جو ہمیشہ سے اُن پر پڑی ہیں اُن کو یاد دلانے کے بعد ان الفاظ میں داد دیتا ہے۔ ؎

کی تم نے اس ذالمحن میں جس تحمل سی بسر زیبا ہی گر کیجے تمہیں فخر بنی نوع بشر

لیکن آج چار سال گزرنے کے بعد اور اس بات کا پورا انتظار کرنے کے بعد کہ کُل مرد ہمارے مخدوم مولانا حالی کے ہمخیال ہوکر ہماری مصیبتوں اور ذلتوں اور جہالت کے رفع کرنے کی فکر کریں اور جب اس میں اُن کو مایوسی ہوئی تو آخر مونھ سے بولیں اور بولنے پر مجبور ہوئیں اور ان الفاظ میں اُنھوں نے اپنی گزشتہ تکلیفیں یاد دلانے کے بعد مردوں سے مخاطب ہوکر شکایت کی۔

مونھ سے نہ نکلی اُف ذرا۔ لب تک نہ آیا کچھ گلا ہو صبر کتنک مگر۔ پتھر نہیں اپنا جگر

ہم چاہتے ہیں کہ اپنے معمولی انسانی حقوق کے طلب کرنے میں عورتیں ضرور جرأت سے کام لیں اور محض اپنی محنت اور صبر و تحمل کی داد لیکر خاموش اور خوش نہ بیٹھیں۔

سید علی احسن صاحب مارہروی نے واقعی تحریک تعلیم نسواں کے متعلق یہ ایک بڑی خدمت کی ہے اور وہ ہماری بڑی شکرگزاری کے مستحق ہیں۔

چپ کی فریاد ایک چھوٹی سی نظم ہے جس میں اتنے ہی بند اور ہر ایک بند میں اُتنے ہی شعر ہیں جتنے چپ کی داد کے تھے۔ اور قافیہ۔ بحر وغیرہ بھی وہی ہے قیمت ۴ر ہے اور سید علی احسن صاحب سجادہ نشین مارہرہ ضلع ایٹہ سے ملسکتی ہے۔

عنبرینہ

ہمارے پاس پروفیسر ایچ متین نے اپنے بنائے ہوئے تیل کی ایک شیشی اس غرض سے بھیجی تھی کہ ہم تجربہ کے بعد اسپر ریویو کریں۔ یہ تیل مفید ثابت ہوا۔ خوشرنگ خوشبودار اور لطیف ہے۔ خشکی اور تکان کو رفع کرتا ہے۔ اور نیند لاتا ہے۔ قیمت بھی فائدہ کے لحاظ سے زیادہ نہیں۔ بڑی شیشی ۱۲ر کو جسمیں دو اونس تیل ہوتا ہے اور چھوٹی جسمیں ایک اونس ہوتا ہے ۸ر کو ملتی ہے۔

بک ڈپو۔ علی گڑہ کالج سے ملسکتا ہے

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۷۲

خاتون

جلد ۶	بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۹ء	نمبر ۳

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل ایل بی۔ سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عبد السلام پرنٹر کے اہتمام سے
مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا

خاتون

۱. یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی ۱۲؍ ہے

۲. اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑہی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳. مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی، اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں اُسکی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴. ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی اُنکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵. ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں،

۶. اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائے گا۔

۷. تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑہ ہونی چاہیے۔

خاتون

تقریر

حضرت بیدل کے ذریعہ سے ہم کو یہ دلچسپ تقریر سکینہ خاتون کی جو مرحوم جسٹس بدرالدین طیب جی کی صاحبزادی اور ڈاکٹر بدرالدین لقمانی کی بیگم ہیں۔ دستیاب ہوئی۔ ہم بیدل صاحب کے ممنون احساں ہیں۔

بمبئی کی نامور جماعت سیوہ سدن کے ایک اجلاس میں مسز لقمانی نے انگریزی میں یہ تقریر کی تھی جو مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوئی اور دلچسپی سے پڑہی گئی۔ ہم ناظرات خاتون کے لیے اسکو خاتون میں درج کرتے ہیں۔

اڈیٹر

میری معزز بہنو

آج یہ پہلا ہی موقع ہی کہ میں آپ لوگوں کے سامنے کسی مشکل امر اور اہم خیال پر کچھ کہنے کی جرأت کرتی ہوں

اور شروع کرنے سے پیشتر میں آپ لوگوں سے محبتانہ درخواست کرتی ہوں کہ اگر آپ میرے اس مضمون میں کچھ بھی قصور دیکھیں تو اُسے مرحمت کی نگاہ سے معاف کر دیں۔ حقیقت میں اس مجلس کے سامنے کوئی تقریر کرنا بڑی ہمت اور جرأت کا کام ہے۔ مجھے یہ ہمت محض اس خیال سے ہوتی ہے کہ مجھے یقین ہے کہ ہم سب یہاں ایک دوسری کی ہمدردی کے لیے اور مدد کرنے کیلیے جمع ہوئی ہیں نہ کہ عیب جوئی اور نکتہ چینی کے لیے،

میری تقریر کا عنوان یہ ہے کہ "انسان کو خدای تعالی نے زندگی بطور ایک امانت کے دی ہے،، اس غرض سے کہ اسکو جانفشانی سے، محبتانہ برتاؤ سے، اور بُرے وقت پر دستگیری کر کے مدداور ایک دوسرے کے خدمت کرنے میں صرف کریں۔ اب وہ وقت نہیں رہا کہ انسان اپنی زندگی عیش وعشرت اور لہو ولعب میں بسر کرے۔ اور باطمینان رہے۔ بلکہ سب کو یہ خیال پیدا ہو چلا ہے کہ کہ ہماری زندگی کچھ نہ کچھ مقصد رکھتی ہے۔ اور اس میں شک ہی نہیں کہ ایسا ہی ہے۔ جبکہ حقیقت حال یہ ہے تو ہم کو لازم ہے کہ ایک ایسا طریقہ اختیار کریں کہ جس سے یہ مقصد ہمیں حاصل ہو۔

بہت سے ایسے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں کہ اپنے شوق اور آسایش اور آرام کو چھوڑ چھاڑ کر اس طریقہ پر باوجود محنت اور مشقت کے چلنا پسند کرتے ہیں، ایسے ہر شخص کے دل میں یہی امنگ رہا کرتی ہے کہ کچھ نہ کچھ خدمت دنیا کے مخلوق کی عام طور سے کریں اور اپنی حیات کی کچھ نشانی دنیا میں چھوڑ جائیں۔ وہ بے سود زندگی بسر کرنا دریغ سمجھتے ہیں۔

آج آپ لوگوں کی حضوری اس بات کی دلیل واثق ہے کہ آپ سبھوں کا یہی خیال ہے۔

اس عنوان کا پہلا لفظ ٹرسٹ ہے۔

ہم سوچیں کہ اسکے کیا معنی ہیں، انگریزی میں ٹرسٹ کے یہ معنی ہیں کہ کسی شے، یا مال و دولت یا املاک کو اس طور سے برتنا کہ اصل قائم رہے اور اُس میں سے جو فائدہ حاصل ہوا کرے وہی ہمیشہ کام میں آتا رہے۔ یہی لفظ ٹرسٹ میرے عنوان کی سرخی ہے جسکے معنی امانت کے ہوتے ہیں، ہم دل میں ٹھان لیں کہ جان خدا نے اسوجہ سے پیدا کی ہے کہ اسکو

اچھے اور نیک کاموں میں بسر کریں۔

جب ہم اپنے اطراف میں نگاہ ڈالتے ہیں تو بے اختیار ہماری نگاہ اُن لوگوں پر جم جاتی ہے جنکے نام نامی مثل آفتاب کے دنیا کی تاریخ میں چمک رہے ہیں۔ جسوقت اُن کی زندگی کے حالات پڑھتے اور اُن پر غور کرتے ہیں تو اُن کی طرز زندگی میں ایک بڑی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ اور وہ اکثر یہ ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی گویا اوروں کی خدمت کرنے میں وقف کردی ہو۔ اور ذاتی خیال۔ اور نفس پرستی کو بالکل بالائے طاق رکھدیا ہو۔

ہمارے دلوں پر انکے نیک کام کا عجیب اثر پڑتا ہو۔ ہم سب اُن کو نیک تسلیم کرتے ہیں بلکہ انکے نام کے ساتھ گویا نیکی ضرب المثل ہوگئی ہو۔ ایک ہجوم ایسے نیک لوگوں کے نام کا اسوقت میرے دل اور خیال میں گزرتا ہو جو تاریخ میں نامور ہوگئے ہیں۔ لیکن میں اپنے آپکو روک کر اور آپ کے اوقات گرانمایہ کا خیال کرکے فقط اُن لوگوں کے ناموں کی تھوڑی مثالیں دیتی ہوں جنکو ہم بذات خود پہچانتے ہیں۔ اور جنکے کارناموں کے فائدے ہم اپنی زندگی میں دیکھ رہے ہیں بلکہ انسے مستفید ہی ہیں۔

یعنی مسلمانوں میں سرسید احمد خاں مرحوم۔ اور اگر کہوں کہ مسلمان بیبیوں میں مسز ممتاز علی تو غیر مناسب نہوگا۔ ہندوؤں میں مسٹر رانا ڈے پارسیوں میں مسٹر دادا بھائی نوروزجی، اور انگریزوں میں ہی ایک ایسی بی بی کا نام لیتی ہوں، جنہوں نے اپنی زندگی خاص اس کام میں صرف کی جو ہماری سیوہ سدن کے اغراض کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔ یعنی بیماروں کی خبر گیری۔

اس بی بی کا نام مس فلارنس نائٹنگل ہو! جنسے یقیناً آپ لوگوں کو محبت اور ہمدردی ہوگی۔ اور اُن کی زندگی سے بخوبی واقف ہونگے۔

سرسید نے وہ کام کیا ہو کہ ان کا نام عجب نہیں کہ ابدالآباد تک مسلمانوں کے دلوں پر نقش رہے۔ جہانتک علی گڈھ کالج کے کچھ نشان بلکہ وہاں کے طالب علموں کے علم کے نشان

باقی رہینگے۔ وہانتک سرسید کا نام صفحہ دنیا پر چمکتا اور لوگوں کے دلوں میں علم کا جوش اور قوم کی ہمدردی پیدا کرتا رہیگا۔

مسٹر اناڈے اگرچہ اتنے بڑے معزز عہدہ پر ممتاز تھے تاہم کیسے حلیم الطبع آدمی تھے اپنی تمام زندگی اور دولت انھوں نے ہندو لڑکوں کی تعلیم میں صرف کی۔ سیکڑوں بچوں نے انکی طرف سے تعلیم پائی۔ اور بہت سی بیوہ لیڈیوں کو انھوں نے خفیہ مدد دی۔ ان کی بیوی ان بیواؤں کی کیا کیا خدمت کرتی رہی ہیں اور ان کی بہبودی اور رفاہ کے لیے کس کس جانفشانی سے مدد کرتی رہیں۔ اُن کی یادگار میں ہندو لیڈیوں کا کلب قائم کرنا ایک کافی ثبوت ہی

ان دونوں کی بے غرضی نے انکو ہر دل عزیز کر رکھا ہی اور لوگ مسٹر اناڈے کے نام پر گویا عشق کرتے ہیں۔ مسٹر دادابھائی نے تو تمام ہندوستان کو اپنا گرویدہ بنا رکھا ہی ان کی زندگی کا حال محتاج بیان نہیں۔

جن لوگوں کے نام میں نے لیے، ان میں سے ایک کو تو ہم اتنی عزیز رکھتے ہیں کہ گویا ہماری حقیقی بہن تھیں یعنی مسس ممتاز علی اڈیٹر تہذیب نسواں۔ ہماری پیاری دوست اور خیرخواہ قوم اس بی بی نے یہ ثابت کر دکھایا کہ مسلمان بہنوں میں ابتک کیا جوہر باقی ہیں اور باوجود اس بے تعلیمی کے بھی انکے خمیر میں کیسی لیاقت بھری ہوئی ہی۔ جو ذرا موقع پانے پر چمک کر نکلتی ہی مسس ممتاز علی نے جو کچھ کیا رفاہ عام کے لیے کیا بلا تصنع اور بناوٹ کے کیا۔ ہزار آفریں ہے اُن پر کہ باوجود سخت پردہ میں ہونے کے انھوں نے اپنی ذاتی لیاقت اور محنت سے مسلمان مستورات کے لیے ایسا عمدہ رسالہ شائع کیا۔ ایسی حمیت و محنت و جانفشانی سے اسکا کل اہتمام کیا کہ کل ہندوستان کی مسلمان بیبیوں کو ایک دوسری کی بہن بنا رکھا۔ اور سبھوں میں محبت کا رشتہ قائم کردیا

جو کام انھوں نے تعلیم نسواں کے لیے کیے وہ فقط دولت کے ذریعہ سے نہیں کیے بلکہ ذاتی محنت و مشقت اور سچی قومی ہمدردی سے اور اپنی تمام آسایش و آرام کو خیرباد کہکر کیے۔

بیشک ان لوگوں نے اپنی زندگی ایک ٹرسٹ ثابت کر دکھائی۔ اور اس سے خلق اللہ کو بیحد فائدے پہنچاکر خدای تعالیٰ کو اُس کی امانت واپس کردی۔

اپنی زندگی کے بیج کو ایسی زمین میں بویا کہ اسکا درخت تمام ملک میں مانند بڑ کے پھیلتا رہیگا اس کی شاخیں پھیلتی جاوینگی اور نئی جڑیں پکڑتی جائینگی اور اسکے بعد بھی تمام ملک پر اسکا سایہ قائم رہیگا۔ کیسا سچا ٹرسٹ اور کیسا دوامی فائدہ۔ خدا اُن پر رحمت کرے۔

میرے عنوان کا دوسرا حصہ "محبت" ہی۔ میں خیال کرتی ہوں کہ انسان کا ایک بڑا فرض یہ ہی کہ آپس میں محبت اور اخلاص پیدا کرے۔ اگر محبت ہو تو پھر جانفشانی۔ مدد، خدمت کرنے کے لیے کوشش کی کوئی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہ فطرتاً پیدا ہوتی ہی۔ کوئی کام اگر محبت اور دلجوئی سے کیا جائے تو اُس میں ایسی خوشی اور ایسا لطف آپس میں ہوتا ہی کہ محبت کرنے والے کو اس سے دہ چند خوشی ہوتی ہی۔

اور صاحب احتیاج کو یہ معلوم ہوتا ہی کہ صرف محبت اور ہمدردی نے یہ کام اس سے کرایا احتیاج رفع ہونے پر اُسکے دل پر کسی طرح کی خلش نہیں آنے پاتی۔ ہمارے دسترخوانوں پر ایک شعر چھپا ہوا ہی۔ جب میں دیکھتی ہوں تو میرے دل پر عجیب اثر پیدا کرتا ہی اور خیال گزرتا ہی کہ کاش اپنی تمام حرکات اس بنا پر قائم کریں۔ وہ شعر یہ ہی۔

شکر خدا آر کہ مہمانِ تو روزی خود مے خورد از خوانِ تو

دیکھیے کس عالی حوصلگی اور بلند خیالی پر اس کی بنیاد ہی۔

اگر ہر شخص دوسرے کی احتیاج رفع کرتے وقت یہ خیال کرے کہ شکر خدای عزوجل کا کہ اُس نے مجھے اس لایق کیا کہ میں کسی کا کام کر سکتا ہوں تو کیسی نرمی اور دلجوئی کے ساتھ وہ اس محتاج سے پیش آئیگا۔ وہ احتیاج ہی دونوں میں ایک محبت کا وسیلہ ہوجائیگی۔ کیونکہ صاحب دولت کو صاحب احتیاج گویا اپنا فرض ادا کرنے میں مدد کرتا ہی وہ فرض جو اُسے ادا کرنا واجب ہے۔

ایسے وقت میں ہم خیال کریں اور دیکھیں تو پھر کون احسانمند اور کون محسن ہوا۔ اس موقع پر احسان کہاں رہا۔ اور فخر و غرور کی کونسی جلے باقی رہی۔ پس ہم کو حتی المقدور یہ یاد رکھنا چاہیے اور اس میں دل وجان سے کوشش کرنا چاہیے کہ اگر کسی کو مدد یا خدمت کی ضرورت ہو تو ہم اس کی مدد یا خدمت دلجوئی اور محبت کے ساتھ کریں۔ اس طور سے وہ بہت زیادہ خوشی سے قبول کیجائیگی۔ یہ کام بغیر شوق کے نہیں ہو سکتا۔ اگر جبر سے کسی نے کیا بھی تو اُس میں وہ لطف کہاں یہ کتنے شکر کی جا ہی کہ خدای تعالیٰ نے ہمیں اس قابل کیا کہ ہم اسکے بندوں کی دلجوئی کر سکتے ہیں اور اُن کی احتیاج رفع کرنے کے لیے توانا ہیں۔

میں نے آپ لوگوں کی بہت سمع خراشی کی۔ اب میں اس مضمون کو ختم کرتی ہوں کہ خدا تعالیٰ ہم کو ایسی توفیق دے کہ ہم بھی کچھ ایسے کام کر سکیں جس سے ہمارا دنیا میں آنا اور جانا بے سود اور بے فائدہ نہو۔

ہارون رشید

خلفاء عباسیہ میں جنکا دار الخلافہ بغداد تھا۔ مختلف حیثیتوں سے ہارون رشید بڑا نامور خلیفہ گزرا ہے الف لیلہ کی حکایتوں نے اسکو ہر ملک و قوم کے ادنی و اعلی میں اور بھی مشہور کر دیا۔ ناظرات خاتون کیلیے اس جلیل القدر خلیفہ اسلامی کے مختصر حالات جناب نفیس دلہن صاحبہ نے بھیجے ہیں۔ نفیس دلہن صاحبہ کو خاتون سے جو دلچسپی ہی وہ محتاج بیان نہیں ہی۔ انکے تاریخی مضامین میں ایک خاص دلچسپی ہوتی ہی اور وہ حالات کا انتخاب نہایت خوبی سے کرتی ہیں۔

اڈیٹر

یہ نامور خلیفہ خاندان عباسیہ کا پانچواں تاجدار تھا۔ ذی حجہ ۱۴۵ھ میں پیدا ہوا۔ اس کی تعلیم و تربیت خاص توجہ و اہتمام سے کی گئی تھی۔ ہر فن کے جُدا جُدا اُستاد مقرر تھے۔ اور عام

اخلاق و عادات کی دیکھ بھال یحیی برمکی کے سپرد تھی۔ چونکہ علم کا شوق بچپن ہی سے تھا اس لیے تھوڑے ہی عرصہ میں تمام علوم و فنون میں کامل دستگاہ حاصل کرلی۔ علمی کمالات، بے نظیر قابلیت۔ شان و عظمت۔ مدبری و ہوشیاری کے اعتبار سے ہارون تمام خلفاے عباسیہ سے بڑہ چڑہکر تھا۔ اولوالعزمی، شجاعت، فیاضی، بلند حوصلگی وغیرہ جو خوبیاں اس میں تھیں وہ اور خلفا میں نہ تھیں۔ خلیفہ ہادی (بڑے بھائی) کی رحلت پر سنیچر کی رات ۱۶ ربیع الاول ۱۷۰ھ میں ۲۴ سال کی عمر میں ہارون الرشید خلافت بغداد کے تخت پر بیٹھا۔ مصنف تاریخ الخلفا نے لکھا ہی کہ یہ رات بہی عجیب رات تھی جس میں ایک خلیفہ (ہادی) کی رحلت۔ دوسرے خلیفہ (ہارون الرشید) کی تخت نشینی۔ اور تیسرے (مامون الرشید) وارث خلافت کی ولادت ہوئی۔

خلیفہ ہوتے ہی ہارون نے سب سے پہلے اپنے محسن و مربی یحیی بن خالد برمکی کی مستقل وزارت کا فرمان دیکر کل سیاہ و سفید کا اسے مختار کردیا۔ اور اس طرح اُن بیش بہا خدمات کا پورا صلہ دیا جو کہ یحیی نے اُس کی تعلیم و تربیت، ولیعہدی اور تخت نشینی کے لیے کی تھیں۔ ہارون کے ملک کی وسعت اسپین کے خود مختار ہوجانے سے (جسپر بنی امیہ حکمراں تھے) گو اسقدر نرہی تھی جتنی کہ اُسکے بزرگوں کے وقت میں تھی تاہم اُس کی سلطنت اسوقت کی کل سلطنتوں سے وسیع اور سب سے طاقتور تھی۔ عرب، فلسطین، شام، ارمینا، طبرستان، مصر، فارس، خراسان، کابل، اذر، باسجان، ماوراءالنہر، سیستان، اناطولیا، جرجان، سجستان، ہندوستان، بغداد، واسط، موصل، کوفہ، عراق وغیرہ صوبجات اسکے زیر حکومت تھے، جن کی پیداوار کی آمدنی ۳۱ کرور ۵۰ لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔

ہارون الرشید کی فوج چونکہ اُس زمانہ میں ہر مسلمان سپاہی تھا اور ضرورت کے وقت سارا ملک فوجی خدمت انجام دیسکتا تھا اسلیے سوار اور پیادہ کی باقاعدہ فوج کم و بیش دو لاکھ ہمیشہ رہا کرتی تھی جو ملک کے انتظام و حفاظت کے لیے کافی تھی،

تقسیم سلطنت سنہ ۱۶۶ھ میں ہارون نے اپنی سلطنت تینوں بیٹوں پر اس طرح تقسیم کردی تھی کہ امین الرشید کو بغداد، عراق، واسط، کوفہ، عرب، مصر، فلسطین اور جبل الطارق کی انتہائے حدود تک کی حکومت دیدی۔

طبرستان، فارس، کرمان شاہ، خراسان، قم، نہاوند، کاشاں، زابلستان، کابل، ماوراالنہر، ترکستان کا گورنر مامون الرشید کو کردیا۔ تیسرے بیٹے قاسم کو ارمنیا۔ اناطولیا، جرجان سیرکشبیا وغیرہ صوبے دیدیے۔ اوران کی خلافت وتخت نشینی کی یہ ترتیب رکھی کہ پہلے خلافت امین الرشید کو ملیگی۔ دوسرے مامون الرشید کو۔ پھر یعنی مامون الرشید کے بعد قاسم کو۔

ہارون کا علم وشجاعت خلیفہ ہارون رشید اگر علمی مجالس میں ایک زبردست عالم تھا تو میدان جنگ میں ایک اولوالعزم وبہادر سپاہی تھا۔ اہل رومانیہ ویونان کے ساتھ جو معرکے اسکو پیش آئے اُن میں سے دو ایک قابل الذکر ہیں۔

رومانیہ کی ملکہ ابرینی نے شہزادہ قاسم سے (جسکو ہارون الرشید نے ملکہ کی سرکوبی کے لیے بڑی جمعیت کے ساتھ روما بھیجا تھا) مقابلہ کی قوت نہ پاکر، ۷ ہزار دینار سالانہ دینے پر صلح کرلی تھی،

سنہ ۱۸۶ھ ۸۰۲ء میں جب ملکہ تخت رومانیہ سے معزول کردی گئی اور فاسفورس تخت نشیں ہوا تو اُس نے ادائے خراج سے انکار کیا اور خلیفہ کو لکھا کہ ملکہ ابرینی سے جسقدر خراج ابتک وصول کیا گیا فوراً واپس کردیا جائے ورنہ تلوار کے زور سے لیا جائیگا۔

اس گستاخانہ تحریر کو پڑھکر ہارون ایسا غضبناک اور آپے سے باہر ہوگیا کہ فوجی تیاریاں کرکے اسی وقت کوچ کردیا۔ اور تیزی سے ہیرکلی (پایۂ تخت) کا جاکر محاصرہ کرلیا اور ایسا سخت محاصرہ کیا کہ فاسفورس نے خوف زدہ ہوکر معافی مانگی اور خراج دینے کا اقرار کیا۔

سنہ ۱۸۸ھ ۸۰۴ء میں فاسفورس نے معاہدہ توڑ دیا اور کثیر التعداد فوج لیکر حملہ آور ہوا مگر ۴۰ ہزار آدمیوں کے نقصان کے بعد شکست کھائی۔

سنہ ۱۹۰ھ ۸۰۶ء میں اس کی نیت پھر بگڑی اور خراج روک لیا۔ ہارون الرشید کو جب اطلاع ہوئی

تو ایک لاکھ ۳۵ ہزار فوج سے ہیرکلی پر چڑھائی کی گردوپیش بہت سے قلعے فتح کر لیے ہیرکلی کو مسمار اور برباد کرڈالا اور فائسفورس سے ہمیشہ خراج دیتے رہنے کا اقرار کرایا۔

ہارون کی فیاضی اور رعیت شناسی خلیفہ ہارون الرشید کی خوبیوں اور اعلیٰ قابلیتوں کو اُس کی شاہانہ فیاضی اور علوم وفضائل کی قدردانی وسرپرستی نے اور بھی چمکا دیا تھا۔ دنیا کے ہر گوشہ سے اہل کمال کھنچے آتے تھے۔ بے تعصبی اور سادہ مزاجی اسکا خاص جوہر تھے۔ مذہب کا نہایت پابند تھا۔ خزانہ شاہی سے خیرات کے علاوہ جیب خاص سے ایک ہزار درم روزانہ فقراء ومساکین کو دیا کرتا تھا۔ ملک کے ہر حصے میں امن وخوشحالی تھی۔ زراعت وتجارت روزافزوں ترقی پر تھی۔

اسکا دستور تھا کہ تبدیل لباس کرکے راتوں کو بغداد کی گلی کوچوں میں گشت لگاتا تھا اور رعایا کے حالات دریافت کیا کرتا تھا اور ضرورت کے وقت ملک کی حالت دیکھنے اور دور دراز رہنے والی رعایا کی تکالیف اپنے کانوں سے سننے کو بڑے بڑے صوبوں میں دورہ بھی کیا کرتا تھا۔

وفات۔ ۲۳ سال کی خلافت کے بعد ۲۳ جمادی الثانی سنہ ۱۹۳ھ مطابق ۱۴ مارچ سنہ ۸۰۹ء میں شام کے وقت داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور طوس میں جو اب مشہد مقدس کے نام سے مشہور ہے دفن ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رقیمہ
نفیس دلہن۔ مارٹن محل آگرہ

زوجہ داؤد خاں پنی

ہندوستان نے بھی زنانہ بہادری، شوہرپرستی اور وفاشعاری کے عنوان میں جو مثالیں قائم کی ہیں۔ وہ انگلستان بلکہ یورپ بھر سے کسی طرح گھٹی ہوئی نہیں ہیں، بلکہ اگر انصاف کی عینک لگا کر دیکھیں تو یہاں کی جانبازانہ دلیریاں کچھ عجب خاموش اور دلوں پر تلوار سے زیادہ کارگر ہونیوالے اثر سے بھری ہوئی ہیں۔ بلاشبہ کوئن ایلین کا چپ چاپ زہر چوس کر اپنے خاوند کی ناگہانی

موت کے موُنھ میں اپنے آپ کو دیدینا جان پر کھیل جانے کا انتہائیہ ٹکٹ ہی۔ جون آف آرک فرانس کی کنواری کا متعدد نبرد آزمائیاں کرکے اپنے وطن کو انگلستان کے پنجہ سے نجات دلانا مہتم بالشان تاریخی واقعہ ہے۔ لیڈی نتھس ڈیل کا بھیس بدل کر شاہی قیدخانے سے اپنے خاوند کو چھڑا کر نکال لانا بہت بڑی چالاکی۔ اور شہزادی مٹیلڈا کا بادشاہ سٹیون کو اپنی حق یابی کے لیے برسوں چین نہ لینے دینا، فرقہ نسواں کی علو ہمتی و جوانمردی وغیرہ کی اعلیٰ مثالیں ہیں جن پر یورپ جسقدر ناز کرے بجا ہی۔ لیکن ذیل میں جو واقعہ میں بیان کرنے والی ہوں، نوعیت میں وہ بھی اپنا آپ ہی نظیر ہے۔

افسوس یہ ہی کہ زنانہ کارگزاریوں کو ہمارے مورخین نے بہت ہی بے اعتنائی کی نظر سے دیکھا ہی۔ اس فرقہ کا کوئی فعل خواہ وہ اخلاقی ہو یا تمدنی۔ علمی ہو یا ملکی ہندوستان کیا تمام ایشیائی مورخین کے نزدیک چنداں قابل توجہ اور وقعت تھا ہی نہیں۔ اگر شاید کسی نے چلتے چلتے کچھ لکھدیا ہے تو وہ بالکل اوٹ پٹانگ اور ایسے ایجاز مخل کے ساتھ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہی کہ یہ لوگ تاریخی فلسفہ سے کماحقہ واقف نہ تھے۔ گویا وہ جانتے ہی نہ تھے کہ اس قسم کی مثالیں نسل انسانی پر کیا اثر ڈالتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ عظیم الشان مردانہ کارگزاریوں نے دنیا میں تغیرات عظیم پیدا کیے ہیں۔ لیکن اس میں بھی کلام نہیں کہ نازک دکمزور عورتوں کے دل و دماغ یا دست و بازو سے جو کچھ ہو گزرا اسکا فوری اثر خنجر خون ریز سے زیادہ گہرا اور جادو سے زیادہ زوردار ہی۔ بلکہ اگر ہم کو زندہ جادو کہیں تو بجا ہی۔ حق یہ ہی کہ اس گر کو اہل یورپ نے خوب پایا ہی۔ تاریخ کے زنانہ حصے سے اُنہوں نے یہانتک اعتنا کیا ہی کہ اگر کوئی واقعہ جھوٹا یا مشتبہ بھی ہی اور زبان زد خلائق ہوگیا ہے تو اُسکو بھی داخل تاریخ کرنے سے باز نہیں رہے ہیں۔ پھر وہ بھی اُسی شد و مد۔ دلچسپی اور اثر در الفاظ میں جیسے کہ کوئی سچا واقعہ لکھتے ہیں۔

مثلاً کوئن ایلین کے زہر چوسنے کا قصہ بالکل فرضی اور بے بنیاد ہی مگر چونکہ طبیعت میں مہر و وفا، ثابت قدمی و استقلال کے پیدا کرنے یا چمکانے کا ایک اچھا منتر ہی۔ اسلیے اُسکو بھی

ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ پھر بیان میں وہی زور شور جس سے خواہ مخواہ ایک عمدہ اشتعال پیدا ہو
واہ رے اہل یورپ! فلسفہ تاریخ کے اس باریک اور نازک نکتہ پر پہنچکر اس سے وہ فوائد حاصل کیے
جنکو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اُن کی عورتیں اور بچے تک ہمارے مردوں سے زیادہ
دلیر، ذہین، کارگزار اور زندہ دل ہیں۔ برخلاف اسکے ایک ہمارے مورخین ہیں کہ چاہے عورت
کیسے سے کیسا ہی مردانہ اور غیر معمولی کام کر گزرے نہ اُسکے نام سے غرض، نہ اس سے مطلب
کہ کب وہ پیدا ہوئی اور کب مری۔ اور دوسری باتیں تو درکنار گویا ایک عورت ہونا اُس کی ہزار
خطاؤں کی ایک خطا ہی جس کی سزا یہی اُسے گمنام ہی رہنا چاہیے۔ افسوس!

میر انشاں جو کوچۂ قاتل میں ڈھونڈھیے ۔۔۔ اک مشت خاک وہ بھی اُڑائی ہوئی سی ہی

جس واقعہ کی طرف میں نے اشارا کیا ہی وہ ایک فرخ سیری سردار داؤد خاں کی بیوی کا ہی۔
جب فرخ سیر اور اُسکے سپہ سالار اور امیر الامرا حسین علیخاں میں کھٹ پٹ ہوئی۔ اور حسین علیخاں
کی خیرہ سری اور جا و بیجا دباؤ نے بادشاہ کا ناک میں دم کیا تو بادشاہ نے اسکو داؤدخاں نبی صوبہ
احمد آباد گجرات کے مقابلہ کے لیے بھیجا کہ کہیں اسی بہانہ قصہ پاک ہو جو اس بلائے بے درماں سے
پیچھا چھوٹے۔

داؤد خاں قوم کا افغان اور دلیری و جانبازی میں سلطنت کے چیدہ سرداروں میں سے تھا۔
جب حسین علیخاں نے ایک بڑے لشکر کی سرکردگی میں داؤد خاں پر فوج کشی کی۔ اور قریب پہنچکر
کہلا بھیجا کہ حاضر ہو کر تجدید اطاعت کرے۔ تو اُسنے آنے سے انکار کیا۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ کے
اشارے سے ایسا کیا تھا۔ اُس کی رفاقت میں بھی بڑے بڑے جانباز سپاہی اور دلیران وقت
موجود تھے۔ چنانچہ دونوں طرف سے مقابلہ کی پوری تیاریاں ہونے لگیں۔

داؤد خاں کی بیوی ایک ہندو زمیندار کی بیٹی تھی۔ جس سے اُس کی باقاعدہ شادی ہوئی
تھی۔ یہ بیوی داؤد خاں کے عمدہ برتاؤ، شریفانہ سلوک اور خالص محبت کی وجہ سے مسلمان ہو گئی
تھی۔ اور اسکے ساتھ ایسی ہی وفادار تھی جیسی کہ ایک بیاہتا بیوی ہونی چاہیے۔ داؤد خاں ہی

اس کی عمدہ صفات کی وجہ سے اسکو جان سے زیادہ عزیز سمجھتا تھا۔ جب تیار ہو کر حسین علیخاں کے مقابلہ کے لیے چلا تو سب سے پہلے بیوی کے پاس رخصت ہونے کو آیا۔ اور نہایت اُلفت و عظمت بھرے الفاظ میں اُس سے میدان جنگ کی اجازت چاہی۔ بیوی نے آبدیدہ ہو کر کہا میرے لیے کیا حکم ہے؟

داؤد خاں نے کہا پیاری بیوی تم ایک معزز سردار کی بیٹی اور ایک بہادر سپاہی کی ننگ و ناموس کی مالک ہو۔ کسی ہدایت کی تم کو ضرورت نہیں، تم خود اپنے اور اپنے خاوند کے درجہ سے واقف ہو اور اُس کی عزت و حرمت کے محفوظ رکھنے کے طریقہ سے آگاہ ہو۔ میں نے تم کو خدا کے اور اپنے شوہری حقوق کو تمہارے سپرد کیا۔ داؤد خاں تو یہ کہکر بڑے اطمینان کے ساتھ میدان کارزار کی طرف روانہ ہوا۔ دانشمند اور دلیر بیوی نے اپنے محل سے میدان جنگ تک ہرکاروں کی ڈاک بٹھا دی۔ تاکہ دم دم کی خبریں اسے پہنچتی رہیں اور لڑائی کے آثار چڑھاؤ کو وہ خود جانچ سکے،

دونوں لشکروں میں مقابلہ شروع ہوا۔ افغانی سرداروں سے لگاکر سپاہیوں تک نے مردانگی کا حق ادا کر دیا۔ کئی دفعہ امیر الامرائی جمعیت کے پرخچے اڑا دیے۔ لیکن آخر میں حسن علیخاں کے لشکر کو غلبہ ہونا شروع ہو گیا۔ اب داؤد خاں خود مقابلہ کے لیے نکلا۔ اُسنے کئی بار کوشش کی حسین علیخاں کو قتل کر کے فرخ سیر کی مصیبت کا خاتمہ کر دے۔ مگر خدا کی مرضی اسکے برعکس تھی، داؤد خاں کی بہادر بیوی محل میں بیٹھی بذریعہ خبرداروں کے یہ ساری خبریں پا رہی تھی۔ جسوقت تک افغانوں کا پلہ بھاری رہا اُسے چنداں فکر نہوئی۔ مگر جب اُسنے سنا کہ تمام چیدہ چیدہ افغانی سردار کام آچکے۔ اور اب خود داؤد خاں کی باری آگئی تو وہ خود اپنی تدبیر میں سرگرم ہو گئی۔

اُسنے اپنی ایک خواص کو حکم دیا کہ میاں کی فلاں پیش قبض لاکر چپکے سے میرے پاس رکھدے۔ خواص کو حکم کی تعمیل بغیر چارہ نہ تھا۔ تمام محل پر ایک ہیبتناک سناٹا چھایا ہوا تھا، کیونکہ سب کے سب اپنے آقا کے انجام کی فکر کے علاوہ اپنی بیوی کی تہورانہ دلیری کی طرف سے دل ہی دل میں سہمے جاتے تھے جانبازرانی کے تیوروں سے لونڈی باندیاں، مامائیں، اصیلیں تاڑ چکی تھیں کہ ہیں ویسی خبر پاتے ہی

ضرور جان پر کھیل جائیگی۔

یہ لوگ زیادہ تر اسوجہ سے اور بھی خائف تھے کہ داؤدخاں کی بیوی حاملہ تھی۔ میدان نبرد کی خبریں ہر آن چلی آتی تھیں، آخر ہرکارے نے آکر خبر دی کہ داؤدخاں کا ہاتھی دشمنوں میں گھر گیا۔ اور آثار اچھے نظر نہیں آتے۔ بہادر بیوی فوراً سانوٹی ہوگئی۔ اپنی خاص معتمد خواص کو اپنے پاس بلاکر بٹھالیا اور آخری فیصلے کے انتظار میں ہمہ تن گوش ہوگئی۔ چند لمحے نہ گزرنے پائے تھے کہ حواس باختہ ہرکارے نے روکر سُنایا کہ افسوس دشمنوں نے ہماری امید کا اور تیر قضا نے داؤدخاں کا فیصلہ کردیا۔

اس قیامت خیز خبر نے تمام محل میں کہرام مچادیا۔ رانی جو اپنی قسمت کا فیصلہ کرچکی تھی، لوگوں کی گریہ وزاری اور شور وشیون میں ذرا شرکت نہ کی۔ بلکہ ان کی مصروفیت کو غنیمت سمجھکر اپنے انجام کی فکر میں لگ گئی۔ اُسنے باوقار خاموشی، وفادارانہ مایوسی اور دانشمندانہ عجلت کے ساتھ اپنے خاوند کی اس پیش قبض کو جو پہلے ہی سے مسند پر زانو کے پاس رکھی تھی، اُٹھائی اور بغیر گھبراہٹ کے آہستہ سے اپنے پیٹ کو چاک کرلیا۔ اور سات ماہ کے بچے کو الگ سے جدا کرکے اُس خواص کو دیا جو قریب حاضر تھی۔ گویا منشا یہ تھا کہ اس بے ماں باپ کے بچے کی پرورش تمہارے سپرد کیجاتی ہے۔ اگر اس کی عمر وفا کرے تو داؤدخاں کی نشانی کو مٹنے نہ دینا۔ بچے کو سپرد کرنے کے بعد اُسی پیش قبض سے اپنا رہا سہا کام تمام کرلیا۔ تمام محل میں دوہرا کہرام مچگیا۔

تھوڑی دیر میں حسین علیخاں کے آدمی داؤدخاں کے دارالامارت پر قبضہ کرنے آئے۔ تو سوائے حسرت ویاس کے اور کوئی منظر اُن کو نظر نہ آیا۔ رانی کی اس سانحہ انگیز حرکت سے سب پر سکتہ کا عالم طاری ہوگیا۔ کیا دوست کیا دشمن ہر ایک کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ حسین علیخاں خود سخت متاثر ہوا۔ اور ساری کیفیت لکھکر دارالخلافہ دہلی کو روانہ کی۔ چند روز میں زندہ جاوید کہانی تمام ہندوستان میں مشہور ہوگئی،

سچ یہ ہے کہ جب تک تاریخ ہند کے صفحے دنیا میں باقی رہیں گے اُسوقت تک زوجہ داؤدخاں کا نام شہیدان وفا عصمت مآب اور شوہر پرست بیویوں کی فہرست میں سُنہری

حرفوں کی طرح چمکتا رہیگا۔

راقمہ
بنت نصیرالدین حیدر

کوے خاموشاں

مسیز س۔ م۔ د صاحبہ جو اپنی بہنوں ناظرات خاتون کے لیے نہایت پر از معلومات اور نصیحت آمیز مضامین لکھتی ہیں اور جنکے پہلے مضامین نہایت دلچسپی سے پڑھے گئے ہیں۔ انہوں نے مندرجہ بالا عنوان پر ایک بہت ہی انوکھا اور واقعی دلچسپ مضمون لکھکر ہمارے پاس بھیجا ہی۔ جسکو ہم شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

کوئی اخلاقی تعلیم ہو جب تک اُسپر عمل نہ کیا جاے اسوقت تک محض اُسکے جاننے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اسلیے بڑے بڑے عقلمند ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ اخلاقی تعلیمات کو عملی جامہ پہنانے کی شکل اختیار کریں۔

خاموشی دنیا میں انسان کا بہترین وصف ہے۔ اور مشرق و مغرب کے تمام حکما، اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کو خاموش رہنا چاہیے۔ لیکن اس کوئے خموشاں میں جو شکل خاموشی سکھانے کے لیے اختیار کی گئی ہی وہ صرف اُس عیسائی رہبانیت کا شعبہ ہے جو مسیح کے پیروؤں میں پائی جاتی ہی۔ اور اسی لیے یہ ریاضت نہ دنیا کر سکتی ہی اور نہ دنیا میں پھیل سکتی ہی۔

بولو، ضرور بولو، لیکن صرف اسی قدر بولو جسقدر ضرورت ہو۔ ایک لفظ زائد نہ بولو۔ اور جو بولو سوچکر سمجھکر بولو نہ بولنے سے دنیا کے کاروبار بند ہو جائیں گے۔

اصلیت یہ ہی کہ ہر چیز میں اعتدال ہونا چاہیے۔ نہ بلا ضرورت بلا موقع بولنا اچھا ہی۔ اور نہ ضرورت اور موقع پر خاموشی بہتر ہے، اڈیٹر

عام طور پر کوی خموشاں سے قبرستان مراد لیجاتی ہی کیونکہ وہاں پر وہ لوگ جو ہمیشہ کے لیے دنیا کو خیرباد کہہ گئے ہیں، پڑے سوتے ہیں۔ لیکن اُن کی خاموشی اختیاری نہیں بلکہ مجبوری ہی مگر ہم اس مضمون میں ایک ایسے کوی خاموشاں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جہاں جیتے جاگتے لوگ بستے ہیں اور سدا مُہر خاموشی اُن کی زبان پر لگی رہتی ہی۔

مقننین و مدبرین نے اپنی دماغی کوشش سے انسان کے تنبہ و تعزیر کے لیے مختلف قسم کی سزائیں تجویز کی ہیں، ان میں سب سے زیادہ سخت و شدید قید تنہائی کو قرار دیا ہی۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہی کہ اس سزا میں دوسروں سے ملنے یا بات چیت کرنے کی روک ٹوک ہوتی ہی مگر شاباش و آفریں ہی ان لوگوں پر کہ محض مذہبی عقائد کی بنا پر دنیا و مافیہا سے ترک تعلق کر کے تجرد گزینی اختیار کرتے ہیں اس سے ثابت ہو سکتا ہی کہ انسان پر مذہب کیسا زبردست اثر ڈالتا ہی بلکہ میرے خیال میں اس سے زیادہ زبردست کوئی حکمراں اُس پر مسلط نہیں ہو سکتا ہی۔

ہم جس مقام کا ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ ایک چھوٹا سا گاؤں انگلٹ نامی ہی جو ملک سپین اور فرانس کی سرحد پر واقع ہی۔ یہ نام انگریزی معلوم ہوتا ہی اور اس کی وجہ تسمیہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ پینن سولر وار میں یہ مقام انگریزی فوج کا دار المجروحین قرار پایا تھا اور اس فوج کے زخمی لوگ اکثر یہاں پر علاج و مداوا کے لیے روانہ کیے جاتے تھے۔ اس باعث سے اسکا نام انگلش پڑگیا جو مرور زمانہ سے رفتہ رفتہ انگلٹ ہو گیا۔ اسوقت یہاں پر عورتوں کا ایک دار التائبین واقع ہی جسکے باعث اس گاؤں نے ایک خاص شہرت حاصل کی ہی اور دنیا کے عجائبات اور دلچسپ مقامات میں شمار ہونے لگا ہی

پادری ابی سٹک نے ۱۸۴۷ء میں اس کوی خاموشاں کی بنیاد ڈالی، اسکا خیال تھا کہ انسان زبان اور آنکھ کی تحریک و اغوا سے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہی اسلیے اگر وہ آنکھ سے عجیب و دل پسند چیزوں کا مشاہدہ اور انسان کی صورت کو دیکھنا ترک کرے اور زبان سے گویائی کا کام لینا چھوڑ دے تو وہ معاصی میں مبتلا نہوگا اور فرشتہ سیرت و ملک خصائل بنجائیگا۔ اگرچہ اس کے ابتدا ہی سے

ایسے خیالات تھے لیکن ابھی وہ ان کو اس دارالتائبین یا کوی خموشان کے ضروری قواعد میں شامل کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

اتفاقاً تھوڑے عرصہ بعد ایک کسان حالت نزع میں دعائے مغفرت کے لیے اس مقام میں لایا گیا۔ اُسنے مرتے مرتے اس امر کی درخوست کی کہ وفات کے بعد اُس کی مزروعہ زمین اس دارالتائبین کے رقبہ میں شامل کیجائے اور یہی عورات اُس کی کھیتی باڑی کیا کریں۔ اُس کی یہ آخری درخوست منظور کی گئی۔ اس کی وفات کے بعد اُس کی وصیت کے مطابق ان عورتوں نے اس زمین پر زراعت کرنی شروع کی۔ پادری سسٹک موان کو اس سنسان مقام پر مذہبی جوش میں خاموش و چپ چاپ کام کرتے ہوئے دیکھکر اسکے سابقہ خیال کو تقویت ہوئی اور اسکو زندگی کو باعث تزکیہ روح و تصفیہ قلب متصور کیا۔ اسلیے اسنے بلا تامل آنکھ اور زبان سے کام نہ لینے کو ضروری قواعد دارالتائبین میں شامل کیا۔ اس سے قبل بیان ہو چکا ہی کہ آنکھ سے کام نہ لینے سے مراد یہ ہی کہ دلچسپ و دلفریب اور نیز انسان کے چہرہ کے مشاہدہ سے احتراز کیا جائے۔

یہ دارالتائبین یا کوی خاموشاں یا تجردگاہ ابتدا میں ایک چھوٹا سا مکان تھا جس میں سولہ کمرے تھے اور ہر ایک کمرہ کا سولہ فیٹ عرض و طول تھا اور اس کی چھت گھانس سے پٹی ہوئی تھی۔ اب تو اسکے احاطہ میں متعدد عظیم الشان عمارات کھڑی ہوئی ہیں اور ایک عمدہ کلیسا بھی موجود ہی۔ جس سے ایک کثیر التعداد مذہبی جماعت کا قیام گاہ ظاہر ہوتا ہی۔ جو شخص اس کی ابتدائی حالت کو دیکھ چکا ہو وہ مشکل سے باور کریگا کہ یہ وہی مقام اور مکان ہی۔ اگرچہ ابتدائی مکان کا کہیں پتہ بھی نہیں ہی لیکن آنکھ اور زبان کی شرائط کی پابندی اُسی سختی کیساتھ جاری ہی جیسا کہ سابق میں تھی۔ اسکے اطراف میں زراعت ہوتی ہی اور اسکے حدود میں سوائے عورتوں کے کوئی نظر نہیں آتا۔ اور زیادہ عجیب بات یہ ہی کہ یہ اپنے تمام ضروریات کو بھی خود ہی مہیا کرتی ہیں۔ بعض کاشتکاری میں لگی رہتی ہیں اور بعض مویشیوں کی نگہبانی کرتی ہیں،

اوران میں ہر قسم کے صناع مثل معمار، لوہار، موچی وغیرہ موجود ہیں اسلیے اُن کو کسی کے دست نگر رہنے یا کسی غیر شخص سے امداد چاہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

یہاں شمالی مغربی ہوا اس زور سے چلتی تھی اور ریت کو اس طرح اُڑاتی تھی کہ آناً فاناً میں ایک مسطح زمین ریت کا ٹیلہ بنجاتی تھی۔ پھر جو کچھ اسکے تحت میں ہوتا وہ اُس کی بھینٹ چڑھ جاتا۔ ابھی جہاں سبزہ زار نظر آتا تھا ہوا کے چلتے ہی ریت کے ٹیلے سے مبدل ہوجاتا تھا۔ ایسی زبردست قوت سے مقابلہ کرنا کوئی آسان بات نہیں تھی لیکن پادری سٹک کو اپنی ہمت مردانہ پر پورا بھروسا تھا اور وہ ہر طرح اس سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا،

اسنے دار التائبین کی وسعت کو بڑہانے کی غرض سے اردگرد کی زمینوں کو جنپر ریت کے ٹیلے اپنے خوفناک چہرے دکھارہے تھے، خریدنا شروع کیا انکے مالک بھی اس تکلیف دہ ہوا کے نقصان سے بہ تنگ تھے اور جو کچھ ملے غنیمت جانکر کم داموں میں فروخت کرنے لگے۔ ان زمینوں کے شامل ہونے سے اسکا احاطہ بہت بڑھگیا اور تجرد گزیں عورتوں کی مشغولیت کے لیے کافی سامان مہیا ہوتا گیا۔ انہوں نے اپنے حدود پر چیڑہ کے درخت کثرت سے لگائے۔ ابتک انکے جھنڈ سرسبز و شاداب نظر آتے ہیں۔ ابتدا میں انہیں درختوں کے بیج بونے میں بہت ہی دقتوں اور مشکلات سے مقابلہ کرنا پڑا وہ معمول سے زیادہ کھود کر ان درختوں کے بیج بوتے اور پھر ٹہنیوں اور ڈالیوں سے اُن کو ڈہانک دیتے تھے تاکہ ہوا سے محفوظ رہیں۔ اسپر بھی ہوا اپنا زور قوت دکھائے بغیر نہیں رہتی تھی۔ چنانچہ بعض بیجوں کو دس بیس مرتبہ بونے کی نوبت آئی

آفریں ہے اُن کی ہمت و استقلال پر کہ باوجود ان تمام زحمتوں کے کبھی مایوس و بیدل نہیں ہوئے اور جبتک اپنی محنت و کوشش کا پھل نہیں پایا اپنے کام سے دست بردار نہوئے یہ قوی ہیکل و تنومند درخت جو اسوقت اس مقام کے احاطہ میں نظر آرہے ہیں، زبان حال سے ان عورات کی زنانہ ہمت کی شہادت دیتے ہیں اور کہتے ہیں، آفریں باد بریں ہمت نسوانی تو، اس طرح ان کی ہمت و استقلال نے ایک ریتلی زمین کو سبزہ زار سے بدل دیا۔ اوران کی خوش قسمتی

یا یوں کہو کہ اُن کی ڈھٹائی سے مقابلہ کرتے کرتے ہوا کی قوت ہی گھٹ گئی اور اب اسکا وہ زور شور باقی نہیں رہا۔

ماہ اگست ۱۸۵۸ء میں شہنشاہ فرانس مع ملکہ اُس مقام کی سیر و سیاحت کے لیے گئے تھے پادری سٹک نے ان دو معزز مہمانوں کو اس مقام کا معائنہ کرایا۔ لیکن شہنشاہ نے صرف باغ اور عمارت کا بیرونی حصہ دیکھنے پر قناعت نہیں کی بلکہ اسکے بانی سے کسی ایک کمرہ کے اندرونی حصہ کے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، پادری سٹک نے فوراً اُس کمرہ کے دروازہ کو جو اسوقت انکے روبرو تھا کھولدیا۔

دروازہ کے کھلتے ہی حاضرین کی نظر ایک لڑکی پر پڑی جسکی پشت دروازہ کی طرف تھی اور سر نیچے کیے ہوئے اپنے سینے میں محو تھی، پاؤں کی آہٹ یا کواڑ کے کھلنے کی آواز نے اُسپر کسی قسم کا اثر نہیں کیا وہ ٹس سے مس تک نہیں ہوئی۔ بادشاہ نے اُس کی صورت دیکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اسپر پادری سٹک نے اس سے مخاطب ہو کر کہا "بیٹا! شہنشاہ اور ملکہ اسوقت تمہارے در پر کھڑے ہیں اور تمہیں دیکھنے کا اشتیاق رکھتے ہیں، اپنے نقاب کو اُلٹ دو"۔ اسکے سنتے ہی اس اطاعت گزار لڑکی نے اپنے کام کو زمین پر رکھا اور دروازہ کی طرف رخ کر کے دو زانو بیٹھ گئی اور پھر اپنے نقاب کو ہٹادیا، حاضرین کی نظر ایک اٹھارہ برس کی لڑکی پر پڑی جسکے دلفریب حُسن نے اُن کو چند لمحے کے لیے محو حیرت بنادیا۔ بادشاہ و ملکہ پر اس نظارہ سے ایک رقت طاری ہوئی اور بے اختیار اس کی تجرد گزینی پر تاسف کرنے لگے۔ ایسے وقت میں بھی یہ لڑکی ان شرایط کو بھول نہیں گئی تھی جنکی پابندی کا وہ عہد کر چکی تھی وہ بت کے مانند بے حرکت و خاموش اور نیچے نظر کیے ہوئے بیٹھی تھی۔ اور اُس کی حالت ظاہری خود اس امر کی شہادت دے رہی تھی کہ اسکا دل دنیوی خواہشات و لذات سے متنفر تھا،

شہنشاہ نے پھر اس لڑکی کو اجازت دی کہ وہ اپنے کام میں مشغول ہو جائے، اسپر لڑکی نے زمین ادب کو بوسہ دیکر نقاب اُلٹ دی اور اپنے سینے میں مصروف ہوگئی۔

یہ لوگ ہفتہ میں ایک مرتبہ مقامی پادری کے روبرو اور سال میں ایک دن اسقف کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، ان موقعوں کے علاوہ انکو ایک مقررہ دن میں اپنے خویش و اقارب سے بات چیت کرنے کی اجازت ہے، علالت کی صورت میں وہ دُکھ درد کو حکیم سے بیان کر سکتے ہیں، لیکن ایسے وقت میں وہاں کی صدر عورت حاضر رہتی ہے۔ اس خیال سے کہ اس وتیرہ کی زندگی سے دلبستگی نہیں ہوسکتی اور طبیعت اُچاٹ ہوجاتی ہے اُن کو اپنی نماز راگ اور گانے کے ساتھ ادا کرنے کی اجازت ہے۔

تعجب نہیں کہ بعض ناظرات کو ہمارے مذکورہ بالا بیانات کی صداقت میں شبہ پیدا ہو یا اسکو مبالغہ آمیز تصور کریں۔ کیونکہ بادی النظر میں ایک کثیر جماعت کا ایک مقام اور ایک ہی مکان میں رہکر ایک دوسرے سے بات چیت کرنا ناممکن نہیں تو ایک اچنبھے کی بات تو ضرور ہے، بااینہمہ ہم بھی اسکو حیرت انگیز سمجھتے ہیں۔ لیکن اس امر کے واقعی ہونے میں کوئی شک کی گنجایش نہیں ہے کیونکہ متجسس و متشکی طبیعتوں نے کوئی دقیقہ اور تدبیر کاوش و تفحص میں باقی نہیں چھوڑا لیکن بالآخر انکو بھی سوائے اعتراف و تصدیق کرنے کے اور کوئی گزیر نہ تھا، ذیل کے واقعہ سے ظاہر ہوگا کہ کس تشدد سے ان شرائط کی پابندی کیجاتی ہے۔

دو بہنیں جو بچپن سے آپس میں بے انتہا محبت رکھتی تھیں جب اس کوے خاموشاں میں داخل ہوئیں تو ان کو ایک ہی کمرہ جو ایک پردہ کے ذریعہ سے دو حصوں میں منقسم تھا رہنے کے لیے دیا گیا۔ دونوں نے بلا اسکے کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھیں یا ایک لفظ بھی بولیں پانچ سال اسی کمرے میں گزار دیے، اتفاق سے بڑی بہن کا انتقال ہوگیا اور اُس کی نعش باہر رکھی گئی تاکہ جو عورتیں وہاں سے گزریں اُسکا آخری دیدار دیکھ لیں۔ جب اُس کی بہن کا گزر ہوا تو بے اختیار اسکا دل بھر آیا اور ایک چیخ مار کر گر پڑی۔ بس یہی اُسکی بے انتہا محبت کی علامت تھی جو اس سے ظاہر ہوئی۔

ان عورات کو اطراف و اکناف کے باشندے خواہران خموش کہتے ہیں، ان کی تعداد

قریب پچاس کے ہے اور ان کی غذا و پوشاک بالکل سادہ و صوفیانہ ہے جو تارک الدنیا لوگوں کے لیے مناسب ہے۔ ان میں بعض ایسی ہیں جو ترپن سال سے یہاں مقیم ہیں اور بعض معزز و متمول خواتین ہیں جنھوں نے اپنا تمام و کمال اثاثہ و جائدادیں اس تجردگاہ کے لیے وقف کر دیا ہے لیکن ان آمدنیوں میں سے بہت کم اسکے اخراجات میں صرف ہوتی ہے اور بقایا دوسرے خیراتی کاموں میں لگایا جاتا ہے

مثلاً اس سے تھوڑے فاصلہ پر ایک اور مقام ہے جو ان عورتوں کے لیے مختص ہے جو اول دنیادار رہی ہوں اور پھر تائب ہو کر اپنی بقیہ زندگی عبادت الٰہی میں گزارنا چاہیں، اسکے علاوہ ایک یتیم خانہ بھی اسی کی رقمی امداد سے قائم ہے۔ ہم آیندہ کسی وقت ناظرات خاتون کیلیے مردوں کی ایک گوشہ خاموشاں کا ذکر کرینگے۔

راقمہ

مسز س، م، و۔

سمجھدار بہو

صغریٰ اگرچہ بچپن میں نہایت شریر تھی لیکن حیا اور تمیز بھی قدرت نے اسکو بدرجہ اتم عطا فرمائی تھی اور اگر سچ پوچھا جاے تو یہی دو صفتیں اسکو کام دگئیں۔

ساس بہوؤں کے جھگڑے تو ہمیشہ سے چلے ہی آتے ہیں، کوئی نصیب ور بہو ہوگی جسکو اپنی ساس کی وجہ سے راحت و آرام کی صورت دیکھنی نصیب ہوتی ہو ورنہ وہی روز کی تھکا فضیحتی جوتی بیزار آئے دن رہتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ تالی دونوں ہاتوں سے بجتی ہے۔ اگر ایک بات ساس نے کہی تو دو بہو نے، بہو اگر ساس کی بات سنکر خاموش ہو جائے تو شان میں فرق آجائے پڑھی لکھی اور جاہل دونوں اس درجہ میں برابر تعلیم پائے ہوئے ہیں، فرق ہے تو صرف اسقدر کہ

بے سلیقہ اور تہذیب کی آڑ میں جوتیاں مارتی ہیں اور ان پڑھ بیوقوفی سے جواب دیتی ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساس بہو کی صورت سے بیزار ہوتی ہے۔ اور بہو ساس سے خار کھاتی ہے۔

شاباش ہے صغریٰ کو کہ اُسنے یہ تمام مصیبتیں جھیل لیں اُسی کا ثمرہ ہے کہ آج عیش و آرام کے گہوارے میں لیٹی ہوئی مسرت و اطمینان کے مزے لے رہی ہے۔ ہم کو وہ دن یاد ہے جب صغریٰ نئی نئی دلہن بنی تھی، اس زمانہ میں اسکے شوہر میاں عزیز احمد سب اورسیر تھے، والدہ اُن کی سارے محلہ میں غصہ ور مشہور تھیں، حتیٰ کہ محلے والے تک اُنکے غصہ سے ڈرتے تھے بھلا یہ کسے امید تھی کہ یہی عزیز احمد کی ماں ایک دن کان پکڑی بھیڑ ہو جائیگی۔

ہم تو پھر یہی کہینگے کہ یہ صغرے کے اُس علم کے پڑھنے کا ثمرہ تھا جو اُسنے اپنے پُرانے خیالات والے باپ سے چُھپا چُھپا کر پڑھ لیا تھا۔

دو تین مہینے تو جس طرح نئی دلہنوں کو اچھی طرح گزرتے ہیں گزرے، لیکن اسکے بعد اس بیچاری کو وہی مصیبتیں پیش آنے لگیں جو ہر بہو کو ساس کے ہاتھوں پہنچتی ہیں۔

میاں کی محبت پر اعتماد تھا ورنہ خدا معلوم اس بیچاری کا کیا حال ہوتا اور سچ پوچھو تو یہ محبت بھی اسکی خوش اخلاقی اور زیور علم سے مزین ہونے کی وجہ سے تھی۔

عزیز احمد اگرچہ گھر سے دور رہتے تھے لیکن جب کبھی آتے تو اُن کی ماں بہو کا رونا رویا کرتیں۔ آخر ایک دن صغریٰ سے انہیں سوال کرتے ہی بن پڑی کہ ان شکایات کی اصلیت کیا ہے۔

صغریٰ کہتی بھی تو کیا کہتی ہاں اور کوئی ہوتی تو میاں سے خوب شکایات کرتی، میاں بھی کون جو ہر طرح اسکو قابل اعتماد سمجھتا تھا اور جو اُس کی محبت کے پھندے میں جکڑا ہوا تھا، مگر واہ ری صغریٰ شرافت کے یہی معنی تھے جو تونے کیا، بولی کہ وہ بزرگ ہیں جو کچھ کہتی ہیں از راہ نصیحت کہتی ہیں خدانخواستہ اُن کو میرے ساتھ دشمنی تھوڑا ہی ہے۔ اگرچہ عزیز احمد نے ہر چند کہا کہ تم اپنا گھر بار علیحدہ کر لو لیکن صغرے نہ مانی اور یہی کہکر ٹال دیا کہ جبتک اماں زندہ ہیں یہ نہیں ہو سکتا۔

کہاں تک عزیز احمد کی والدہ آخر تو انسان تھیں جب ہر طرح ناکامی ہوئی اور کبھی کوئی جواب یا حرکت

صغریٰ نے انکے خلاف نہیں کی تو یہ بھی اسکو محبت کی نظر سے دیکھنے لگیں اور وہی صغریٰ جو ہر دم انکے شکایات کا مرکز تھی اب انکے گھر بار کی مالک بن بیٹھی۔

ہر بات صغرے کے مشورہ سے طے ہوتی اور ہر کام صغریٰ کی صلاح سے انجام پاتا۔ اگرچہ عزیز احمد کا دوسرا بھائی نیاز احمد اور اُس کی بیوی احمدی بھی موجود تھی لیکن وہ عزت اسکو کس طرح حاصل ہوتی اس بہو سے اگر ساس ایک بات کہتی تو وہ چار سُناتی۔ گھر بھی الگ، کھانا پینا بھی الگ، روز لڑائی روز کوسم کا ناگالی گلوج، اگرچہ صغریٰ اسکو بھی سمجھاتی مگر وہ اس کی نصیحت کو بھلا کیوں خاطر میں لانے لگی تھی۔

نانیاز احمد اسکو روٹی کپڑے سے تنگ رکھتے لیکن وہ عزت اور وقعت اُنکے دل میں تھی جو عزیز احمد کو صغرے کے ساتھ تھی۔ زندگی گزارنے کو تو کُتّے بلی بھی گزارتے ہیں لیکن کس کام کی،

اسی طرح نیاز احمد کی بیوی نے بھی سب سے الگ رہکر لڑجھگڑ کر زندگی گزاری، رفتہ رفتہ اسکی بدعادتوں کی وجہ سے میاں نے بھی کنارہ کرلیا۔ روٹی کپڑا اتنا خرچ اخراجات کافی تھے، نہ تھا تو عیش وآرام، نہ تھی تو بفکری اور بے غمی، آخر اسی جلن میں تپ دق کا عارضہ ہوا اور سال بھر کے ہی عرصہ میں چراغ زندگی گُل ہوگیا،

احمدی تو چل بسی لیکن نصیحت او رعبرت کا سبق اُن جاہل بہوؤں کو پڑھا گئی جنکو آئے دن مصیبتوں سے سابقہ پڑتا رہتا ہی، صغریٰ کے لیے وہی بین تھا۔ اس کی ساس کا انتقال ہوا، ساس نے مرتے دم جو کچھ تھا عزیز احمد کے نام کردیا، صغریٰ کی نیک نیتی بھلا یہ کب گوارا کرسکتی تھی کہ نیاز احمد اس ترکہ سے محروم رہے جو پوشیدہ طور سے عزیز احمد کی والدہ نے دیا تھا وہ اور جو ظاہر تھا وہ نصف نصف تقسیم کرلیا،

خدا نے دنیا میں ہی اُس کی نیک نیتی کا یہ ثمرہ دیا کہ زندگی بھر میاں بیوی نے محبت اور اتفاق کیساتھ گزار دی، اور اب حالت ضعیفی میں صغریٰ اس قصہ زندگی کو بڑی دلچسپی سے نئی دلہنوں کو سُنایا کرتی ہی،

مقبول احمد نظامی
سیہوہاروی

صحت جسمانی

(ترجمہ از انگریزی)

انسان کا جسم ایک ایسی کل یا نظام اعضا ہی جس کی ترکیب ایک چھوٹی گھڑی سے زیادہ نازک و دقیق اور ایک زبردست دخانی انجن سے زیادہ پیچیدہ اور حیرت انگیز ہی، اعضا اور رگیں جسم کے پُرزے ہیں جیسے دل، معدہ، پھیپھڑے، شریان، پٹھے، نسیں اور جلد وغیرہ جنسے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ مختلف و مخصوص فرائض ادا کرنے پڑتے ہیں، جسمانی کل کے تمام حصے جسوقت تک اپنی اپنی خدمتیں اچھی اچھی طرح بجا لانے کے قابل رہتے ہیں، جسم صحت و تندرستی کی حالت میں رہتا ہی، صحت و تندرستی صرف راحت و حرکت جسمانی ہی کے لیے ضروری نہیں ہی بلکہ دل کی راحت اور حرکت کے لیے بھی لازمی ہی، لہذا اس بات کی نہایت سخت ضرورت ہی کہ ہم صحت جسمانی کو ترقی اور تقویت دینے میں حتی الامکان کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کریں۔ جسم کو صحیح اور تندرست رکھنے کی اعلیٰ تدبیریں جو ہمارے امکان میں ہیں، یہ ہیں کہ غذا، صفائی، لباس، ہوا، روشنی، ورزش اور راحت و آرام پر بہت کافی توجہ کریں،

غذا

غذا جسم کو صحیح اور تندرست رکھتی ہی کیونکہ اس سے جسم میں گرمی پیدا ہوتی ہی اور انسانی قالب کے ہر حصہ کو تیار کرنے والا مصالحہ پیدا ہوتا ہی۔ ہماری غذا در اصل انسانی کل کا ویسا ہی ایندھن ہی جیسا دخانی انجن کا کوئلہ ہی، غذا کا انجام سوختگی اور حاصل حرارت غریزی ہی، غذا اسی واسطے گرمی پیدا کرنے کے لیے ضروری ہی، دوران سوختگی میں فرسودہ اجزا کے دور ہو جانے سے بدن تحلیل ہونے لگتا ہی، ایک انجن کے چولھے کا بھی یہی حال ہوتا ہی مگر ان دونوں میں یہ بڑا فرق ہی کہ انجن کے چولھے کو انسان مرمت اور درست کرتا ہی لیکن

بدن اپنی آپ مرمت کرتا اور خود بخود درست ہو جاتا ہی۔ مستعملہ اور از کار رفتہ نسوں کی فوراً انکے ضائع ہونے کے ساتھ ہی تجدید ہو جاتی ہی۔ ہڈیاں، پٹھے اور دماغ ہی رقیق حالت میں خون ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر چیز اپنی تازگی اور تجدید کے لیے اسی (خون) میں سے ضروری جوہر کو اخذ کرتی ہی۔ لہذا غذا جسم کی بناوٹ کے لیے از بس ضروری ہی۔

غذا مقوی اور جسم کو پرورش کرنے والی ہونی چاہیے یعنی اُسکا خون آور ہونا ضروری ہے، اگر جسم کو خون آور غذا کی ایک خاص مقدار نہ مل سکے تو پھر وہ باقی نہیں رہ سکتا۔ کسی بھٹی میں اگر صرف اینٹ اور لوہا رکھا جاسے تو آگ اس میں کبھی باقی نہیں رہ سکتی۔

مرکب غذا سب سے اچھی ہوتی ہی۔ خون کے مختلف اجزا ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض اجزا ترکاریوں ساگ پات پھل پھلاری وغیرہ میں بکثرت پیدا ہوتے ہیں اور بعض گوشت میں معمولی گوشتوں میں گاسے اور بکری کا گوشت سب سے زیادہ مقوی جسم کو پرورش کرنے والا اور زود ہضم ہوتا ہی۔ خواہ بکرے کا گوشت ہو یا گاسے کا زیادہ عمر کے جانور کا گوشت قابل ترجیح ہوتا ہی۔ روٹی، سالن، چانول اور اسی طرح کی نباتی غذا اُن اقسام کی اغذیہ میں شامل ہیں جو بہت اہم اور ضروری ہیں کیونکہ ان سے وہ اصل اجزا پیدا ہوتے ہیں جو انسانی ڈھانچے کو قائم رکھنے کیلیے ضروری ہیں، تازہ روٹی سے باسی روٹی زیادہ آسانی کے ساتھ ہضم ہو جاتی ہی اور سرخ روٹی سفید روٹی سے زیادہ شفا بخش اور صحت آور ہوتی ہی۔

جب غذا پکائی جاتی ہی تو اس میں سے اسکے نمکین اور معدنی اجزا زائل ہو جاتے ہیں، زندگی کے لیے ان اجزا کی ایسی ہی ضرورت ہی۔ جیسے غذا کے دوسرے اجزا کی۔ یہ اجزا بے پکی ہوئی خام غذا کی صورت میں مہیا ہونے چاہییں، مثلاً دودھ، میوے، وہ ترکاریاں جو بغیر پکاسے ہوئے خام کھائی جاتی ہیں۔ تازہ پانی اور نمک وغیرہ۔

نگلنے کے پہلے غذا کو اچھی طرح چبا لینا چاہیے۔ اس سے غذا بہ آسانی ہضم ہو جاتی ہے اور معدہ کی محنت میں ہی تخفیف ہو جاتی ہی۔ معدہ کی وہ مخصوص بے چینی اور بے کلی جسے

بدہضمی کہتے ہیں عموماً غذا کو ناکافی طور پر چبا کر نگلجانے سے پیدا ہوتی ہے۔ نرم غذا تک کو جسکے زیادہ چبانے کی چنداں ضرورت نہو مثلاً روٹی، چاول وغیرہ تھوڑی دیر تک موںھ میں ضرور رکھنا چاہیے تاکہ لعاب دہن اسکے ساتھ مل سکے جس سے غذا کے بعض اجزا شکر میں منتقل ہوسکیں اور معدہ کی محنت ومشقت میں تخفیف ہو۔

دن میں تین دفعہ کھانا بہت کافی ہے لیکن روزانہ کھانے کی تعداد سے بڑھکر ان میں ضروری وقفہ کا خیال رکھنا بہت زیادہ توجہ کا محتاج ہے۔ ہاضمہ کے عمل کے وقت سارے بدن کے ساکن رہنے کی ضرورت ہے اور خصوصاً آلات ہاضمہ کی اسکے فعل کے دوران میں مزاحمت نہونی چاہیے غذا معدہ میں پہنچکر ایک دوسرے نئے مادہ کی صورت میں منتقل ہوتی ہے۔ اسلیے اگر غذا کے آدہی حالت کے تبدیل ہونے میں نئی غذا اسکے ساتھ ملادی جاے تو معدہ میں ایک قسم کی برہمی اور بے ترتیبی پیدا ہونی لازمی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے نرم اور تیار گودے میں جو کاغذ بنائے جانیکے قابل ہوچکا ہو نئی دھجیاں اور چیتھڑے شامل کردیے جائیں، مختلف غذاوں کے پوری طرح ہضم ہوجانے میں مختلف اوقات صرف ہوتے ہیں۔ غذاوں کے اقسام کی مناسبت سے اسکے تحلیل ہونے میں دو سے چار گھنٹوں تک لگتے ہیں۔ کسی غذا کے بعد دو گھنٹے تک کسی قسم کی کوئی چیز نہ کھانی چاہیے۔ کھانے کے اوقات میں باہمی چار گھنٹوں کا تفاوت ہونا چاہیے۔ رات کا کھانا سونے کے دو گھنٹے پہلے کھالینا ضروری ہے تاکہ معدہ بھی جسم کے دوسرے اعضاء کے ساتھ نیند کے وقت ساکن رہے۔ اسی کے ساتھ زیادہ بھوکا رہنا بھی اچھا نہیں۔ کھانے کے اوقات کی پابندی بہت ضروری ہے۔

صفائی

صفائی یعنی جسم کی تمام جلد کو صاف وشفاف رکھنا صحت کا سرچشمہ اور منبع ہے۔ جلد کو بھی جسکے اندرونی اعضاء کی طرح کام کرنا پڑتا ہے اور اگر وہ صاف نہو تو کوئی کام کیا نہیں جاسکتا۔

جلد کے ذریعہ سے خون میں کا غلیظ اور بیکار مادہ خارج ہو جاتا ہی۔ اسی غرض سے جلد میں بیس تیس لاکھ چھوٹی چھوٹی نالیاں ہوتی ہیں جنکو مسامات کہتے ہیں۔ ان مسامات میں سے ناکارہ فضلہ اور غیر کارآمد رطوبت خارج ہوتی ہی۔ یہ مسام جسم کی گرمی اور سردی کی کیفیت کو درست کرتے اور اسکو باقاعدہ بناتے ہیں۔ شدید ورزش یا آگ کی قربت سے جب جسم میں حد اعتدال سے زیادہ گرمی پیدا ہوتی ہی تو ان مسامات میں سے پسینہ کا سیلاب نکلکر جسم کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

جلد کے اوپری حصہ میں ایک طرح کا روغنی مادہ ریزش پاکر چھوٹے چھوٹے خانوں میں جمع ہوتا ہی جس سے جلد نرم و ملایم اور مصفا رہتی ہی۔ اگر مسامات اور روغنی خانے میل وگرد وغیرہ سے بند ہو جاتے ہیں تو انکے فرائض انجام نہیں پا سکتے۔ ایسی حالت میں یا تو جلدی امراض پیدا ہو جاتے ہیں یا غلیظ مادہ کے خارج نہو سکنے کے باعث خون بگڑ جاتا ہی۔ یا اکثر اوقات جسم کے دوسرے اعضاء مثلاً گردے وغیرہ جلد کے کرنے کا کام بھی انجام دینے لگتے ہیں۔ جس سے شدید مہلک امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہذا جلد کو دھونا صحت کے لیے بے حد ضروری اور لازمی ہی۔ اس لیے ہر روز غسل کرنا یا کم از کم تمام جسم کو روزانہ اسفنج سے صاف کرنا چاہیے۔ چہرہ اور ہاتھ کو جو بہت زیادہ کھلے رہتے ہیں روزانہ تین چار دفعہ دھونا ضروری ہے۔

سمندر میں نہانا غسل کا بہترین طریقہ ہی کیونکہ اس سے تازہ ہوا اور طاقت آور ورزش کے علاوہ دوسرے متعدد فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ کھانے کے دو گھنٹے بعد تک غسل نہ کرنا بہت سلامت روی کا قاعدہ ہی۔ اگر پانی میں زیادہ سردی معلوم ہونے لگے تو اس میں عرصہ تک ٹھہرنا اچھا نہیں۔

لباس

جلد کو اسکے فرائض بجا لانے کیلیے صرف صاف رکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہی بلکہ سردی گرمی

سے محفوظ رکھنے کے لیے اسکو لباس کی بھی ضرورت ہی۔ لباس سے جسم کی اندرونی حرارت کی
حفاظت ہوتی اور جسم گرم رہتا ہی۔ جسم پر جس قدر کم لباس ہوگا اسی قدر جلد غذا تحلیل ہوجائیگی
اور زیادہ غذا کی ضرورت ہوگی۔ اسلیے گرم لباس غذا میں کفایت شعاری کرنے کا معاون ہی
جسم کی گرمی اور سردی کی قدرتی کیفیت کو قائم رکھنا ازبس ضروری ہی ورنہ خون اندرونی عضو
کی طرف رجوع ہوگا اور ان کو بے طرح وبا کر صحت کو خراب کرڈالیگا۔ اسی لیے ہم کو موسم سرما
شروع ہونے پر گرم لباس کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہی۔ گرم ترین لباس جسمانی حرارت
کی سب سے زیادہ حفاظت کرتا ہی اور اسکو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ بال کی نسبت پر۔ کتان یا سن سے
روئی۔ بھدّے موٹے کپڑے سے مہین اور نفیس کپڑا۔ پھیکے رنگ کے کپڑے سے گہرے اور
سیاہ رنگ کا کپڑا زیادہ گرم ہوتا ہی۔ ڈھیلا ڈھالا لباس چست کپڑوں سے زیادہ گرم ہوتا ہی۔
کیونکہ ڈھیلے لباس میں جو ہوا بند ہوجاتی ہی وہ جسم کی حرارت کو نکلنے نہیں دیتی۔

گرمیوں کے زمانہ میں لباس کی اسلیے ضرورت ہوتی ہی کہ آفتاب کی تمازت سے جلد
محفوظ رہے۔ اس غرض کے لیے وہی لباس بہترین ہوتا ہی جو بیرونی حرارت کو لوٹا دے۔
اسلیے گرمی کے موسم میں سفید یا ہلکے رنگ کا لباس پہننا چاہیے کیونکہ اس میں آفتاب کی حرارت
جذب نہیں ہوتی۔ اندرونی لباس رات کیوقت نکال دینا چاہیے اور ہفتہ میں ایک یا دو دفعہ تو
اسکا بدلا جانا نہایت ضروری ہی۔ لباس ایسا ہونا چاہیے کہ نہ تو اُس سے اعضار جسمانی کی حرکت
وافعال میں کسی قسم کی روک ٹوک پیدا ہو اور نہ ایسا کہ جسم کے حصے کھلے رہجائیں اور سردی وغیرہ
لگ جانے کا اندیشہ ہو۔ کمر کو کس دینے سے خواہ وہ تنگ چولی کے پہننے سے ہو یا کسی اور وجہ سے
سانس رُک جاتی ہی۔ جگر دبنے لگتا ہی اور خون دونوں جانب جمع ہوجاتا ہی۔ اسکے علاوہ جسم
بہت بھدا بے ڈول اور غیر معمولی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ بہت تنگ کالر اور نک ٹائی بھی
مردوں کے لیے اسی طرح مضرت رساں ہیں۔ انسے سر کی جانب خون کی روانی موقوف ہوجاتی ہے
جس سے سکتہ یا صرع کے پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہی۔

سر کا لباس ہلکا اور ہوادار ہونے کے علاوہ ایسا ہونا چاہیے کہ اُس سے سر کی گیس دب کر خون کی گردش پر اثر نہ پڑ سکے۔ مردوں میں عموماً جس طرح کا گنجہ پن پایا جاتا ہی وہ عموماً وزنی اور تنگ ٹوپیوں کے استعمال کا نتیجہ ہی۔ عورتوں میں پٹیاں جمانے یا سر پر زیورات لادنے کی جو رسم پھیلی ہوئی ہی یہ بہت سی صورتوں میں نقصان پہنچاتی ہی۔

چھوٹے اور زیادہ تر شیر خوار بچوں کے پیروں کو سردی میں ننگے رکھنے کی عادت مختلف امراض کو پیدا کرتی اور اکثر اوقات موت کا باعث ہوتی ہی۔ زیادہ عمر کے آدمیوں کو بھی سردی کے وقت یا سردی کے موسم میں سینہ یا بازوؤں کو کھلا رکھنا اسی طرح مضرت رساں ہی۔

ہوا اور روشنی

تازہ ہوا کی زندگی اور صحت کے لیے اسی قدر ضرورت ہی جس قدر مفید اور صحت آور شفابخش غذا کی۔ حقیقت میں ہوا بھی ایک غذا ہی۔ کیونکہ ہماری دوسری مادی غذا ہوا کے بغیر ناکارہ ہے۔ ہوا میں سے جس میں ہم سانس لیتے ہیں آکسیجن[1] ہمارے خون کے کاربن سے مل کر غذا کو ہمارے جسم کے گرم رکھنے اور قوت بخشنے کے قابل بناتا ہی۔ ہر دفعہ جب ہم سانس لیتے ہیں ہمارے پھیپھڑے ہوا میں سے آکسیجن کا ایک خاص حصہ نکال لیتے ہیں اور ہر دفعہ جب ہم سانس چھوڑتے ہیں ہمارے پھیپھڑوں میں سے کاربانک ایسڈ[2] کی اتنی ہی مقدار مہیا ہو جاتی ہی کاربانک ایسڈ ایک طرح کا زہر ہوتا ہی اور اس لیے سانس قریب قریب ایک قسم کی زہریلی ہوا ہی۔ تازہ ہوا کے عوض اگر باہر نکلی ہوئی سانس میں پھر سانس لیجائے تو اس سے نہ صرف خون میں کا آکسیجن نکل جاتا ہے۔ جو جسم کے گرم اور قائم رکھنے کے لیے ازبس ضروری ہی بلکہ خود خون بھی مسموم ہو جاتا ہی۔ اگر یہی طریقہ کچھ دیر جاری رکھا جائے تو بہت جلد بیماری اور موت کا واقع ہونا لازمی ہی۔

[1] وہ عنصر لطیف جو ہوا اور پانی میں ایک جزو بسیط ہی۔ ہوا جن غازوں سے مرکب ہوتی ہی انکو آکسیجن اور نائٹروجن کہتے ہیں۔ ان دونوں اجزا کے علاوہ ہوا میں کاربانک ایسڈ گاس۔ پانی کے بخارات، امونیا، نائٹرک ایسڈ اور اوزون بھی شامل ہوتے ہیں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مجلسوں وغیرہ میں کثیر التعداد آدمی عموماً کئی کئی گھنٹوں تک بند مقامات میں ان ہی کی سانس سے ہوا کے خراب اور ناکارہ ہوجانے کے بعد بھی بیٹھے رہتے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر اسی وقت گرم اور مسموم ہوا کے اثر سے بہت مضمحل اور سست ہوجاتے ہیں اگر انہیں زبردستی اور چند گھنٹوں تک روک رکھا جائے تو ان میں سے اکثر ضرور مرجائیں گے۔

اس طرح سے جو فوری اور صریحی نقصان پہنچتا ہے اسی طرح کا صریحی لیکن تدریجی نقصان ان لوگوں کو بھی پہنچتا ہے جو اپنی زندگانی کے دن کھچا کھچ لوگوں سے بھرے ہوئے گرم مقامات یا کارخانجات میں گزارتے ہیں اور راتیں نہایت تنگ و تاریک مسکنوں میں بسر کرتے ہیں۔ طبی تحقیقات ہے کہ تپ دق کنٹھ مالا وغیرہ اقسام کی بیماریاں بہت زیادہ اس زہریلی ہوا کا نتیجہ ہوتی ہیں جو مکانوں اور تنگ و تاریک مقاموں میں سانس لینے میں کام آتی ہے۔

ان تمام مقامات میں جہاں لوگ کثرت سے جمع ہوتے ہیں جیسے مدرسے، کارخانے، مسجدیں، انجمنیں وغیرہ ہوا کی آمد کا نہایت معقول انتظام ہونا چاہیے تاکہ مستعملہ ہوا باہر نکل سکے اور اس کی جگہ تازہ ہوا کی کافی مقدار اندر داخل ہوسکے۔ عموماً مسجدوں میں لوگوں کے اونگھنے یا مدرسوں میں لڑکوں کے مضمحل، غافل اور بے پروا ہوجانے کا اصل باعث ہوا کی آمد و رفت کے معقول انتظام کا ناکافی ہونا ہے۔

چھوٹے چھوٹے کمروں میں بھی ہوا کی آمد و رفت کا لحاظ بہت ضروری ہے اگر کسی ایک شخص کو ایک مختصر کمرہ میں جو بہت تنگ و تاریک ہو تھوڑی دیر تک روک دیا جائے تو خود اسپر اس کی سانس سے نکلی ہوئی زہریلی ہوا کا بُرا اثر ہونے لگے گا۔

دوسرے مقامات کے مقابلہ میں سونے کے کمروں میں ہوا کا کافی لحاظ نہ رکھنے کے باعث بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ اس قسم کے کمرے کئی گھنٹوں تک متواتر بند رہتے ہیں اور اسکے اندر والوں کو رات بھر اسی ہوا میں سانس لینا پڑتا ہے جو اسکے کمرہ میں داخل ہو کر اسکو بند کرتے وقت

انکے ساتھ اندر پہنچی تھی۔ صبح ہونے کے بہت پیشتر سے کمرہ والوں کو خود اپنی یا ایک دوسرے کی مستعملہ ہوا میں بار بار سانس لینی پڑتی ہی۔ ان کمروں میں صبح کے وقت عموماً ایک طرح کی ناگوار مضرت رساں بو پیدا ہو جاتی ہی۔ ان کمروں میں سونے والوں میں سے کوئی ایک پانچ منٹ کیواسطے باہر تازہ ہوا میں نکلے اور پھر اپنے کمرہ میں جہاں اُسنے رات بسر کی تھی داخل ہو تو اگر اس کی سانس نہ بند ہو جائے اور دم نہ رک جائے تو کم از کم اس ہوا کے اثر سے جس میں گھنٹوں تک اسنے سانس لی تھی کسی قدر تکلیف تو ضرور محسوس ہوگی۔

کاربانک ایسڈ کے علاوہ جو پھیپھڑوں میں سے نکلتی ہی ہوا اور طرح سے بھی مسموم ہوتی ہے سنگ تراش کی سانس میں نہایت چھوٹے چھوٹے ذرے پتھر کے آہن گر کی سانس میں فلزاتی ذرے اور روئی کاتنے والے کی سانس میں روئی کے ذرات داخل ہو جاتے ہیں اور پھیپھڑوں پر ان ذرات کے جم جانے سے بہت نقصان پہنچتا ہی بلکہ اکثر اوقات شدید امراض اور موت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

سڑنے والے حیوانی اور نباتی مادّوں کے زہریلے اجزا سے اس ہوا کو جس میں ہم سانس لیتے ہیں نہایت سخت نقصان پہنچتا ہی۔ انسے عموماً انتہا درجہ کی تباہی بخش اور بربادی آور امراض پیدا ہوتے ہیں، اسلیے اس قسم کے مادّوں کو رہائشی مقامات کے قریب بالکل نہ رہنے دینا چاہیے اگر انکا دفعیہ بدررو وغیرہ طریقوں سے کافی طور پر نہ ہو سکے جو بہترین صورت ہے تو کاربالک ایسڈ[۱] (Carbolic acid) اور کلورائڈ آف لائم[۲] (Chloride of lime) سے انکا قلع قمع کرنا چاہیے۔ ٹیی فائڈ فیور[۳] ان مقامات میں کبھی نہیں پیدا ہوتا جہاں مندرجہ بالا طریقہ سے اس کی روک تھام کیجاتی ہی اور ان ہی جگہوں میں بکثرت ہوتا ہی جہاں سڑنے والے حیوانی و نباتی مادّوں کے مسموم ذرے ہوا

---

[۱] و [۲] دوائیوں کے نام

[۳] ایک قسم کا شدید بخار جو بہت مہلک ہوتا ہی۔

کو خراب کرتے ہوں۔ چنانچہ اسی لیے اس قسم کے بخار کو ٹی فائڈ فیور
کے علاوہ ڈرین فیور (، بھی کہتے ہیں۔ ہوا بعض اوقات بیماریوں
کے اثر اور زہر کو بیمار اشخاص سے صحیح وتندرست۔ اچھے خاصے لوگوں تک پہنچانے کا ذریعہ
ہوجاتی ہے۔ اسی سبب سے اکثر دفعہ چیچک، لال بخار اور دوسرے متعدی امراض پورے شہر
میں پھیل جاتے ہیں۔ ان لوگوں کا جنکے سپرد اس قسم کے بیماروں کی نگرانی ہوتی ہے یا جن کا
ان مریضوں سے تعلق ہوتا ہے یہ فرض ہے کہ وہ ایسی صورتوں میں بیماری کے زہریلے اثر کو نہ پھیلنے
دینے میں بیحد کوشش کریں۔ ڈاکٹر لینکسٹر کا قول ہے کہ "یہ ایک نہایت برا طریقہ ہے کہ اُس
خاندان اور گھرانے میں سے جہاں چیچک یا لال بخار یا پرانی کھانسی وغیرہ خوب زوروں پر ہو، بچوں
کو مدرسہ بھجوایا جاتا ہے جس سے ان لوگوں میں بھی جو کبھی اسکے پہلے ان متعدی امراض کے شکار
نہ بن سکے تھے زہریلا مادہ منتقل ہوجاتا ہے۔

مکانات اس قسم کے بنانے چاہییں کہ کثرت سے روشنی اور ہوا کا ان میں گزر ہوسکے
جسمانی صحت کے لیے ہوا کی طرح روشنی کی بھی سخت ضرورت ہے۔ جس طرح روشنی کے بغیر پودے
سفید پڑجاتے اور اُنکے ڈنٹھل نکل آتے ہیں۔ اسی طرح انسان بھی تہ خانوں کی قسم کے مکانات یا
تنگ و تاریک مقامات میں رہکر زرد اور پژمردہ ہوجاتا ہے اور اس کی صحت بھی بگڑ جاتی ہے۔ روشنی
سے اعصاب میں بڑی قوت پہنچتی ہے۔ اور اس سے دل قوی ہوتا اور جسمانی حرکات میں تیزی و
ترقی ہوتی ہے۔ اسلیے اس سے بیماریاں بھی دفع ہوتی ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس قسم کے
حجروں میں رہنے سے جہاں سورج کی روشنی نہ پہنچ سکتی ہو اکثر و بیشتر دق پیدا ہوجاتی ہے۔

ورزش اور آرام و استراحت

اعصاب اور پٹھے انکے استعمال کیے جانے سے بڑھتے اور قوت حاصل کرتے ہیں۔
ان کو صحت کی حالت میں رکھنے کے لیے ورزش کی سخت ضرورت ہے۔ اعصاب اور پٹھوں

کی طرح تمام جسم کے جمیع اعضا ورزش کے محتاج ہیں۔ اعصابی ورزش خون کی روانی کو تیز بڑھاتی۔ دل کی صحیح حرکت کو قوی کرتی۔ پھیپھڑوں اور جلد کے افعال کو درست کرتی۔ نسوں میں قوت بخشتی۔ بھوک کو صاف کرتی۔ قوت ہاضمہ کو ترقی دیتی اور جہاں جہاں خون گردش کرتا ہے ایک طرح کی توانائی پیدا کرتی ہی۔

اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ جس قسم کی ورزش اختیار کی جائے وہ ایسی ہو کہ اس سے صرف کسی خاص عضو یا چند اعضاء کو فائدہ حاصل نہوتا ہو بلکہ سارے جسم پر اُس کا اثر پڑے۔ اس لحاظ سے تیرنا سب سے زیادہ صحت بخش اور اعلیٰ ورزش ہی۔ لیکن ہر کسی کو اس کا موقع نہیں مل سکتا۔ اس لیے اسی کی فکر میں پڑجانے کی ضرورت نہیں۔ لڑکوں کے لیے کرکٹ یا فٹ بال اور اگر یہ نہ کھیل سکیں تو ان کا اچکنا پھاندنا اور جوان آدمی کو گھوڑے کی سواری یا کشتی چلانے کی مشق کرنا اور اگر یہ نہ ہوسکے تو صرف چلنا بہت کافی ورزش ہی۔

باقاعدہ ورزش بہت مفید ہوتی ہی لیکن اس کی کثرت اس سے زیادہ مضرت رساں ہے اپنی طاقت اور اپنے بوتے سے کبھی بڑھکر کام نہ کرنا چاہیے۔ بچوں کے لیے اس بات کی سخت ضرورت ہی کہ ان پر نگرانی رکھی جائے اور ان کی طاقت کا اندازہ کرکے اسی کے مطابق انسے ورزش کرائی جائے۔ کھیل کود بہت مفید چیز ہے لیکن اسکے مقابلہ کا خیال بہت نقصان پہنچاتا ہی۔ کیونکہ اس میں اپنے امکان و طاقت سے زیادہ کوشش کیجاتی ہی اور اکثر صحت کو فوری نقصان پہنچتا ہی۔ ہمیشہ یہ قاعدہ رکھنا چاہیے کہ کسی کھیل میں بحد تھک جانے تک منہمک نہ ہوا کریں۔

فوجی قواعد سے زیادہ دلچسپ اور جسم و دل دونوں کو تیز و قوی کرنے والی کوئی ورزش نہیں ہی۔ اُستاد و شاگرد دونوں کے لیے ہفتہ میں دو تین دفعہ آدہ گھنٹہ کے لیے کتابوں سے الگ ہوکر کھلی ہوا میں بہ ماتحتی استاد قواعد کرنی بہت فائدہ مند ہی۔

اعصاب کو ورزش کی طرح آرام کی بھی ضرورت ہی۔ اس بارے میں اعصاب

حالت دل اور پھیپھڑوں سے بالکل جداگانہ ہی۔ دل اور پھیپھڑے تو ہمیشہ بلکہ نیند کے وقت بھی متحرک رہتے ہیں۔ لیکن اعصاب ہرگز کام نہیں کر سکتے جبتک کہ اُن کو وقت مقررہ پر آرام نہ ملے کیونکہ اسوقت ان کو اپنے افعال وحرکات کو تھوڑی دیر کے لیے ملتوی کرنا پڑتا ہے اسی آرام کو ہم نیند یا سونا کہتے ہیں۔ بیداری کی حالت میں اگرچہ ہم اپنے پٹھوں کو ایک خاص حد تک ساکن رکھ سکتے ہیں مگر جب تک کہ ہم جاگتے ہیں دماغ اور جسمانی نسیں جنکا منبع دماغ ہی کام کرتے رہتے ہیں۔ اُن کو اسوقت تک آرام نہیں ملسکتا جبتک کہ ہم اس غفلت کی حالت میں نہ ہو جائیں جسے نیند کہا جاتا ہی۔

ایک آدمی کو دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے آٹھ گھنٹے سونے کی ضرورت ہے جن لوگوں کو دماغی کاروبار یا سخت محنت ومشقت نہیں کرنی پڑتی ان کو اس سے کم بھی ہو تو مضائقہ نہیں۔ لیکن دیکھا یہ جاتا ہی کہ اسی قسم کے لوگ زیادہ دیر تک سوتے ہیں۔ بخلاف اسکے کہ وہ لوگ جو ہمیشہ دن دن بھر دماغی محنت کیا کرتے ہیں اور جنکو اسلیے زیادہ آرام کی ضرورت ہوتی ہی انہیں رات میں بہت کم وقت سونے کو ملتا ہی۔ مگر ایسے لوگ کبھی عمر طبعی کو نہیں پہنچ سکتے نوجوان آدمی کو عمر رسیدہ آدمی سے زیادہ نیند آتی ہی اور اسی طرح شیرخوار بچے اپنا آدھا وقت سونے میں گزارتے ہیں۔ یہ ایک قانون قدرت ہی۔

جس طرح ورزش کے بغیر انسان سست وکاہل ہو جاتا ہی اسی طرح بہت زیادہ سونے سے مضمحل۔ کند اور ناکارہ بنجاتا ہی۔ مگر بہت ہی تھوڑا اور ضرورت سے کم سونا اس سے بدرجہا زیادہ نقصان پہنچاتا ہی۔ اگر کسی شخص کو زبردستی بیدار رکھا جاے اور اُسے بہت ہی کم سونے دیا جاے تو وہ بہت جلد پاگل ہو جائیگا یا مرجاے گا۔

سید خورشید علی
حیدرآباد۔ دکن

ہندو عورتوں کی حالت

عورت کو ہندو سوسائٹی میں جو درجہ حاصل ہی وہ اُس کی حالت پر منحصر ہی جب تک وہ کنواری یعنی ناکتخدا ہی رہ دیوی سمجھی جاتی ہی اور اُس کی اسقدر عزت کیجاتی ہی کہ عورت یا مرد اس سے اپنے پاؤں نہیں چھُلا سکتا ہی۔ اور شادی کے وقت اُسکے پاؤں پوجکر شوہر کے حوالہ کردیتے ہیں۔ شادی ہوجانے کے بعد اُس کی حیثیت بدل جاتی ہی اور وہ ایک طرح کی داسی یعنی لونڈی ہوجاتی ہی۔ اس معنی میں نہیں کہ وہ لونڈی بنائی جاتی ہی بلکہ اس معنی میں کہ اسکا سب سے بڑا فرض پتی ورت دہرم یعنی شوہر پرستی ہی۔ خاوند کی، ساس کی، سُسر کی، نندوں کی سب کی سیوا یعنی خدمت کرنا اُسپر لازم ہی۔ جب اسکے بچے پیدا ہوجاتے ہیں تو ماں کی حیثیت حاصل ہوجانے سے پھر اُس کی حالت میں تغیر واقع ہوجاتا ہی اور پھر گھر کی دیوی سمجھی جانے لگتی ہی۔ مگر ماتا دیوی کی حیثیت سے نہ کہ کنواری دیوی کی حیثیت سے ہندوؤں میں ماں کی بہت بڑی عظمت رکھی گئی ہی۔ چنانچہ وشسٹ کا قول ہی کہ "کہ ایک آچاریہ یعنی استاد بہ نسبت اُپادہائی یعنی نائب استاد کے دہ گونہ زیادہ معزز ہی۔ باپ اُستاد سے سو گونہ زیادہ معزز ہی اور ماں باپ سے ہزار گونہ معزز ہی"۔ بیوی کی حیثیت سے عورت اپنے خاوند کی اردھانگی کہلاتی ہی جسکے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے خاوند کا آدھا جسم ہی مگر وامانگ یعنی بایاں آدھا جسم ہندوؤں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو عورت کو مرد پر فضیلت دیتے ہیں اور فرانس کے مشہور فلاسفر کانت دی پیرس کی طرح جو مذہب ہیومنٹی (انسان پرستی) کا بانی تھا وہ اُس کی پرستش بھی کرتے ہیں مگر اس فرقہ کے لوگ بُری نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ دراصل بموجب مذہب ہنود عورت خاوند کا بایاں جسم ہی سمجھی جاتی ہی مگر یہ ایسا بایاں جسم ہی کہ گویا مرد کے جسم میں داخل ہے اور اسلیے تمام مذہبی فرائض کی بجاآوری کے وقت اُسکا شریک رہنا لازمی ہی۔ اگنی ہوتر کے وقت جگ منی شرادہ میں اسکا شریک رہنا ضرور ہی گو وہ خود تنہا کوئی مذہبی رسم ادا نہیں کرسکتی

عورت کو بذات خود کوئی مذہبی حیثیت حاصل نہیں ہی وہ خود علیحدہ طور پر سندھیا وغیرہ نہیں کر سکتی اور چونکہ اُسکا اوپنی سنسکار نہیں ہوتا - یعنی جنیو کی رسم نہیں ہوتی - اسلیے وہ ویدوں کو نہیں پڑہ سکتی - اسکے لیے تو صرف یہ ہدایت ہی کہ وہ اپنے خاوند کی خدمت کرے - اور اُسکا خدا کہو دیوتا کہو خاوند ہی ہی اور اسی سے اُس کی نجات ہی اور جو کچھ پرستش وہ کرے یا برت یعنی روزہ رکھے وہ اپنے خاوند یا بیٹے یا بھائی کی درازی حیات کے لیے رکھے - جب تک وہ اپنے باپ کے گھر رہتی ہی وہ اپنے باپ یا بھائی کے زیر حفاظت ہی جب خاوند کے گھر آجاتی ہی تو اسکا محافظ اُسکا خاوند یا سُسر یا دیور ہی اور جب ان میں سے کوئی نہ رہے تو اُس کی محافظت بیٹے سے متعلق ہی - غرضکہ ہندو عورت کبھی خود مختار نہیں ہی - البتہ تمام امور خانہ داری عورت سے متعلق ہوتے ہیں - جب تک ساس موجود ہی - اُسکے آگے کسی کو دخل دینے کا حق نہیں - ساس کے بعد بہو مالک ہوتی ہی -

منو نے بیاہ یعنی نکاح کے آٹھ قسم لکھے ہیں جن میں سے پہلا یعنی برہمہ وواہ سب سے افضل ہے اُس میں دُلہن کے گھر لڑکی کا ہاتھ لڑکے کے ہاتھ میں دیکر کنیادان کی رسم پہلے ادا ہوتی ہی اور پھر آگ کے سامنے پھیرے ہوتے ہیں -

گندہرپ وواہ جس میں عورت اور مرد کی باہمی رضا سے شادی ہوتی ہی اور راکشش وواہ جس میں عورت زبردستی سے پکڑی جاکر یا لڑائی میں جیتی جاکر روتی چلاتی ہوئی مرد کے گھر لائی جاتی ہی - اور پھر وہاں اسکا بیاہ ہوتا ہی - یہ دونوں بیاہ مخصوص چھتریوں کے تھے - راجپوتوں میں اکثر شادیاں اسی طریقہ سے ہوتی تھیں - چنانچہ زبردستی کی ایسی شادیوں کے تذکرہ میں آلہا اودل کے قصص ہندوستان کے دیہات میں گائے جاتے ہیں - ایک طریقہ شادی کا سوئمبر تھا جس میں لڑکی خود ایک ایسی مجلس میں جس میں نزدیک و دور کے بہت سے راجا جمع ہوتے تھے اپنے خاوند کو پسند کرتی تھی اور ان سوئمبروں میں اکثر ایسا ہی ہوتا تھا کہ اس بات کے آزمانے کے لیے کہ کون سب سے بہادر یا سب سے ہوشیار تیر انداز ہی کوئی بھاری کمان کھینچنے یا کوئی مشکل نشانہ

لگانے کے لیے کہا جاتا تھا۔ چنانچہ سیتا جی دروپدی کا سوئمبر اسی طریق میں ہوا۔

زمانۂ قدیم میں لڑکی کی شادی کے متعلق خصوص چھتریوں میں عمر کی کوئی قید نہ تھی۔ لیکن شاستر میں یہ حکم ہی کہ شادی قبل از بلوغ ہو جانی چاہیے۔ البتہ اگر کوئی اچھا لڑکا نہ ملے تو تین سال تک انتظار کیا جا سکتا تھا اور اسکے بعد خود لڑکی کو اختیار تھا کہ اپنی شادی آپ کرلے۔ ہندوؤں میں بیوہ کی بہت بڑی عزت کی جاتی ہی۔ اور اگرچہ بعض لوگ وید شاستر دونوں سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ بیوہ کا نکاح ثانی جائز ہی لیکن منو نے زور اسی بات پر دیا ہی کہ پتی درتا یعنی شوہر پرست عورت کا کوئی دوسرا خاوند نہیں ہی۔ زمانہ قدیم میں جو کچھ ہو مگر زمانہ حال میں تو اب تینوں اعلیٰ قوموں میں بیوہ کی شادی رائج نہیں ہی۔

ہندو عورت کا یہ عقیدہ ہی کہ اس کی جو شادی کسی مرد سے ہوتی ہی تو وہ صرف اسی زندگی کے لیے نہیں ہی بلکہ دوام کے لیے ہی اور اسکا شوہر اُسکا دائمی شوہر ہی گو اُسکے کتنے ہی جنم کیوں نہ ہو جائیں اور اگرچہ اسکا شوہر مر گیا ہی مگر اُسکے نزدیک موجود ہی اور بہشت میں ہی۔ چنانچہ جسوقت پدماوتی اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ ستی ہونے کو چلی اسوقت کا سین کھینچتے وقت ہمارے شاعر ملک محمد جائسی نے یہ شعر لکھا ہی۔

چوپائی

اور جو گانٹھ کنت تم جوڑی
آد انت لوں جاے نہ چھوڑی

یعنی یہ کہ اے پیارے جو گانٹھ تم نے باندہی تھی وہ ازل سے چھوٹ نہیں سکتی۔ اصل ستی وہی ہی جو اپنے خاوند کے سچے عشق کے جذبہ میں آکر اُس کی لاش کے ساتھ جلجائے نہ کہ وہ جسکو کوئی زبردستی جلائے یا شرما شرمی خود ہی جلجائے اور یہ آخری فعل بلا شک داخل گناہ کبیرہ ہے۔

مارواڑ کی روٹھی رانی کا قصہ مشہور ہی جو حال ہی میں ”زمانہ“ میں چھپا ہی۔ ساری عمر خاوند کے جیتے جی رانڈاپے میں گزاری اُسنے ایسا کڑا مان[1] کیا مگر جسوقت راجہ کے مرنے کی خبر سُنی سارا مان ایکدم

---

[1] مان کے معنی روٹھنے کے ہیں۔

میں توڑ دیا۔ اور یہ باعفت رانی سچے عشق کے جذبہ سے کنچکر اپنے خاوند کی پگڑی کے ساتھ ہی آن کی آن میں ستی ہوگئی۔ وہ بڑی جگر کی عورتیں تھیں جنھوں نے اپنے خاوند کے عشق میں یا اپنی عزت وعفت کے لیے اس طرح ستی ہوکر اپنی جانیں دی ہیں لیسے عشق یا عفت و عصمت کا نمونہ کہیں دنیا میں نہ ملے گا۔ چنانچہ ایک فارسی شاعر کا قول ہی۔

ہیچو ہندو زن کسے در عاشقی مردانہ نیست　　سوختن بر شمع مردہ ہمت پروانہ نیست

اسی ہندوستان کا ایک زمانہ تھا جب ساوتری ایسی عورتیں یہاں تھیں۔ ساوتری کا یہ قصہ ہی کہ اشوپتی نامی کوئی راجہ تھا اور اسکے ایک لڑکی ساوتری تھی۔ جب وہ بالغ ہوئی تو باپ نے اس سے کہا کہ تو کسی لڑکے کو پسند کر جسکے ساتھ تیرا بیاہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ساوتری نے اپنے باپ کے کہنے سے ایک لڑکے کو پسند کیا جسکا باپ اپنے عیال کے ساتھ جنگل میں تپ یعنی ریاضت کر رہا تھا۔ ساوتری نے اس لڑکے کو پسند کر کے اپنے باپ سے سب حال کہہ سُنایا۔ مگر قبل اسکے کہ شادی کی رسم ادا ہو نارد منی نے ساوتری کے باپ سے کہا کہ یہ لڑکا جسکو ساوتری نے پسند کیا ہی ایک سال سے زیادہ نہ جیئے گا۔ اگرچہ ساوتری کے والدین نے اسکو اور کوئی لڑکا پسند کرنے کے لیے اصرار سے کہا مگر اُسنے یہی جواب دیا کہ میں ایکبار پسند کر کے دوسری بار پسند نہیں کر سکتی اس سے میری عفت میں فرق پڑتا ہی۔ میں نے جو اپنے من کے سنکلپ سے یعنی دلی نیت سے اسکو پسند کر لیا ہی وہ نیت اب بدل نہیں سکتی کیونکہ دنیا میں آدمی کسی کام کو سب سے پہلے من سے سوچتے ہیں پھر زبان پر لاتے ہیں اور پھر اسکو کرتے ہیں۔ چنانچہ ساوتری کی شادی اس لڑکے سے ہوگئی اور جب ایک سال کے بعد اُس کی موت کا وقت آیا ساوتری نے ایک نہایت سخت برت یعنی روزہ رکھنا شروع کیا۔ تین دن پہلے سے ہی اُسنے کھانا پینا مطلق ترک کر دیا۔ شاعر نے اسکا سین اس طرح کھینچا ہی کہ ایک گھنا جنگل ہی اور جیٹھ کی کڑی دھوپیں پڑ رہی ہیں۔ ستواں ساوتری کا شوہر ہوم کے لیے لکڑی کاٹنے کو کلہاڑا ہاتھ میں لیکر جنگل کو جاتا ہے۔ ساوتری باوجود منع کرنے کے اسکے پیچھے ہو لیتی ہی جوں ہی وہ لکڑی کاٹنا شروع کرتا ہے یکایک بے ہوش ہوکر گر جاتا ہے۔

ساوتری جو تین دن کے کڑے فاقوں سے نڈھال ہو رہی ہی اپنے پیارے خاوند کے سر کو اپنی گود میں رکھ لیتی ہی اور دیکھتی ہی کہ سامنے خود جم دیوتا۔ یعنی ملک الموت ستوان کی روح کو قبض کرنے کے لیے کھڑے ہیں اور روح کو قبض کر کے چل دیتے ہیں، وہ جم کے پیچھے ہو لیتی ہی اور اُس سے وہ گفتگو کرتی ہی جس سے جم ستوان کی روح کو چھوڑ دیتا ہی اور ستوان زندہ ہو جاتا ہی۔ اگرچہ یہ ایک قصہ ہی مگر قصہ کے نتیجہ کو دیکھنا چاہیے نہ کہ اس بات کو کہ ایسا ہونا ممکن ہی یا نہیں۔

جب ہندو عورتوں کا مناکحت کا یہ ائڈیل ہی تو پھر اُن میں طلاق کیسی۔ طلاق ہندوؤں میں نابود ہی بلکہ اسکے لیے کوئی لفظ ہی نہیں۔ کثرت ازدواج اگرچہ ممنوع نہیں ہی لیکن اسکے ساتھ یہ قیدیں لگائی گی ہیں کہ جب کسی زوجہ سے اولاد نرینہ پیدا ہوتی ہو یا وہ دائم المریض ہو تو اُس کی اجازت سے اسکا شوہر دوسری شادی کر سکتا ہی مگر پہلی بیوی کی پرورش اسکے ذمے ویسے ہی رہے گی۔

اب کچھ ذکر بھائی اور بہن کے باہمی تعلق کا کیا جاتا ہی۔ ہندوؤں میں بہن اپنے بھائی کو بیرن کہتی ہی جسکے معنی بہادر اور شجاع کے ہیں مگر اس سے مراد یہ ہی کہ وہ اُس کی عزت و عصمت کا محافظ ہی۔ سگے بہن اور بھائیوں کو چھوڑیے۔ جو بھائی نہوتے تھے اُنسے بھی بھائی کے رشتے جوڑے جاتے تھے اور وہ راکھی بند بھائی کہلاتے تھے۔ اگر کسی لڑکے یا عورت نے کسی کے پاس راکھی بھیج کر اسکو اپنا راکھی بند بھائی ایک دفعہ بنا لیا تو پھر اسپر فرض ہو جاتا تھا کہ وہ اپنی جان کو بھی خطرہ میں ڈالکر اُس کی عزت و عصمت کی حفاظت کرے۔ چنانچہ جب بہادر شاہ گجراتی نے میواڑ کا سخت محاصرہ کیا تھا اور اُس سے کسی طرح رہائی کی امید نہ رہی تو میواڑ کی رانی نے اسی طرح ایک راکھی ہمایوں بادشاہ کے پاس بھیجی تھی جسپر ہمایوں نے شیر شاہ کا مقابلہ چھوڑ کر چتوڑ کے راجہ کی حمایت کرنا اپنا فرض سمجھا تھا۔

عورتوں کے دل بہلاؤ کے مشغلے قدیم زمانہ میں بھی مثل حال کے گانے بجانے کے تھے

مگر مہابھارت اور قصص کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہی کہ شہروں میں نرتیہ شالائیں یعنی ناچ گھر ہوتے تھے جہاں اعلیٰ طبقہ کی عورتیں گانے بجانے کے لیے جمع ہوتی تھیں۔ مگر اس بات کی پوری احتیاط کیجاتی تھی کہ کوئی مرد وہاں نہ آئے۔ عورت کو غیر مرد سے دور رہنے کی سخت ہدایت شاستر میں ہی یہانتک حکم ہی کہ عورت پر کسی غیر مرد کا سایہ نہ پڑنا چاہیے اور عورت کے لباس کو بھی کسی غیر مرد کو نہ چھونا چاہیے۔ غیر مرد سے بحالت تنہائی گفتگو کی بھی ممانعت ہی۔ قدیم زمانے میں عورتیں پردہ کرتی تھیں یا نہیں اسکے متعلق کسی قدر بحث ہی۔

ہندوؤں میں جو پردہ کے مخالف ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہندوؤں میں پردہ نہیں تھا مسلمانوں سے لیا ہی۔ مسلمانوں میں جو پردہ کے مخالف ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جیسا پردہ یہاں کے مسلمانوں میں ہی ویسا عرب میں نہیں ہی اور اسلیے کچھ تو ضرور ہندوؤں کا اثر ہی۔ حقیقت امر یہ ہی کہ ہندوؤں میں سوائے چھتریوں کے اور کسی قوم میں عملاً پردہ نہ تھا۔ اس امر کا ثبوت کہ چھتریوں خصوص راجاؤں کی عورتیں پردہ کرتی تھیں راماین اور مہابھارت دونوں سے ملتا ہی۔ جسوقت سری کرشن چند۔ پانڈوں کے ایلچی بنکر ہستناپور میں داخل ہوے تو راجہ دھرتراشٹ نے حکم دیا کہ شہر کی شریف خاندانوں کی لڑکیاں بھی سری کرشن کی پیشوائی کے لیے ویسے ہی چلی جائیں یعنی یہ کہ انسے پردہ نہ کرنا چاہیے۔

جسوقت درو پدی کے بالوں کو کھینچتا ہوا دُریودھن کا بھائی دوساشن اسکو سبھا یعنی مجلس میں لایا اُسوقت دروپدی روتی ہوئی کہتی ہی "مجھکو صرف سوئمبر میں راجا لوگوں نے دیکھا تھا اُسکے پہلے یا پیچھے کسی مرد نے بھی مجھے کسی جگہہ نہیں دیکھا۔ مگر اب میں سبھا میں کھڑی ہوں اور سیکڑوں آدمی مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اس سے اور کیا بُری بات ہوگی کہ اس سبھا میں مجکو چاروں طرف سے سب آدمی دیکھ رہے ہیں۔ ہاے ان راجاؤں کا دھرم کہاں گیا،،

راماین میں بھی یہی لکھا ہی کہ بعد فتح لنکا جسوقت راجہ وبھیشن مہارانی سیتاجی کو پالکی میں

بٹھا کر سری راجہ رامچندر جی کے پاس لائے اسوقت انہوں نے سب لوگوں کو جو وہاں تھے ہٹ جانے کے لیے حکم دیا اور اس حکم پر سب لوگوں پر چھڑیاں پڑنے لگیں اور ہٹائے جانے لگے۔ جب رامچندر جی کو معلوم ہوا کہ ان کی فوج کے لوگ اس طرح چھڑیوں سے پیٹے جا رہے ہیں تو سخت ناراض ہو کر فرمایا کہ ایسے وقت میں جبکہ ہم مبتلائے مصیبت ہیں پردہ کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ شاستر کا حکم ہے کہ دُکھ میں مصیبت کے وقت سوئمبر میں جگ اور شہزادہ کے وقت عورت مردوں کے روبرو آسکتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کم سے کم چھتریوں میں تو ضرور پردہ تھا۔

اس زمانہ میں عورتیں عام طور پر پڑھی لکھی تھیں۔ یا اَن پڑھ یہ ایک ایسا سوال ہے جسکا جواب دینا بہت مشکل ہے: مگر جو خاص خاص عورتوں کے حالات مہابھارت وغیرہ کتابوں میں مندرج ہوئے ہیں۔ اُنسے یہ پایا جاتا ہے کہ برہمنوں اور چھتریوں کی عورتیں تو ضرور پڑھی لکھی ہونگی۔ پڑھی لکھی ہی نہیں بلکہ بعض ان میں سے عالمہ و فاضلہ بھی تھیں۔ ویدوں کی کئی رچائیں عورتوں کی طرف منسوب کی جاتی ہیں جن میں خدا کی حقیقت کے متعلق نہایت ہی اعلیٰ خیالات بھرے ہوئے ہیں۔

باگ ولک رشی کی دو بیویاں تھیں ایک میتری اور دوسری کاتیانی۔ ایک دفعہ رشی نے تارک الدنیا ہونے کے خیال سے اپنی بیویوں میں کل جائداد تقسیم کر دینے کی خواہش ظاہر کی۔ میتری نے جواب دیا "کیا دنیا کی دولت سے حیات ابدی مل سکتی ہے" رشی نے کہا "نہیں" میتری نے جواب دیا کہ "پھر ہم دولت لیکے کیا کرینگے" اسپر مسئلہ حیات و مسئلہ عالم کے متعلق خاوند اور بیوی کے درمیان وہ سلسلہ گفتگو کا چھڑا جسکو اب بھی نہایت حیرت کے ساتھ مہذب دنیا کے علما پڑھتے ہیں۔ میتری سے بڑھکر گارگی تھی جو ایک رشی کی بیٹی تھی۔

ایک مرتبہ راجہ جنک نے ایک بڑا جگ کر کے بڑے بڑے عالموں کو اپنے اس جگ میں آنے کی دعوت دی۔ اور اُسکے حکم سے ایک ہزار گائیں جنکے سینگوں میں دس دس

اشرفیاں بندہی ہوئی تھیں۔ جگ نشالار کے سامنے لاکر کھڑی کردی گئیں اور یہ اعلان کردیا گیا کہ جو شخص ثابت کریگا کہ مجھے علم حقانی میں سب سے زیادہ دخل ہے وہی اُن کو لے جا سکے گا۔ کسی کو ایسا دعوی کرنے کی ہمت نہوئی۔ آخر کار یاگ ولک نے جو راجہ کا پروہت بھی تھا گائیوں کو کھولنے کے لیے اپنے چیلوں کو اشارہ کیا۔ اسپر کل برہمن جو وہاں جمع تھے آزردہ ہوئے مگر اُس کی اس حرکت پر کسی کو اعتراض کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر گارگی نے جماعت سے اُٹھکر یاگ ولک سے یہ سوال کیا کہ کیا تم کو علم حقانی کے اسرار کو جاننے کا دعویٰ ہے۔ اس پر اُن دونوں میں جو گفتگو ہوئی وہ نہایت ہی بے بہا ہے اور اب بھی کتابوں میں محفوظ ہے

دروپدی راجہ جدہشٹر کی رانی ایک نہایت عقیل اور عالم و فاضل عورت تھی۔ جسوقت راجہ جدہشٹر جوے میں اپنی سلطنت ہارکر اپنے بھائیوں اور رانی کے ساتھ جنگل میں سکونت رکھتے تھے اسوقت رانی نے راجہ سے تدبیر و تقدیر اور انسان کے کاموں میں خدا کی مداخلت کے متعلق جو تقریر کی وہ نہایت ہی دلچسپ ہے مگر ہم بخوف طوالت اسکو یہاں درج نہیں کرسکتے۔

ہندوؤں میں کہیں کہیں عورتوں کی سلطنت بھی رہی ہے۔ چنانچہ ایک چینی زائر نے لکھا ہے کہ کوہستان ہمالہ میں برہمہ پوری ایک مقام ہے جہاں عورتوں کا راج ہے اور سوائے سپاہگری اور زراعت کے کل کام عورتیں کرتی ہیں۔

بھاسکر آچارج کی بیٹی لیلاوتی علم حساب میں بہت ہوشیار تھی اور اسی کے لیے اُس مشہور مہندس نے اپنی کتاب لیلاوتی لکھی تھی۔ اخیر زمانہ میں میران بائی ایک بہت بڑی مجذوبہ ہوئی جسکے گیت عشق حقیقی میں اس قدر جوش سے بھرے ہوئے تھے کہ وہ اب بھی وجد کی حالت پیدا کرتے ہیں۔ ہندوؤں کی بہادر عورتوں کے کئی واقعات تاریخ وکتب قصص میں درج ہیں جنکا ذکر یہاں بخوف طوالت نہیں کیا گیا۔

رائے پربھولال صاحب (از دکن ریویو)

اڈیٹوریل

تعلیم نسواں۔ تعلیم نسواں کی ضرورت محتاج بیان نہیں ہی۔ کوئی ملک طبقہ نسواں کے تعلیم یافتہ ہوئے بغیر ترقی نہیں کرسکتا۔ ہندوستان کی حالت اس لحاظ سے واقعی قابل افسوس ہے کہ یہاں کی آبادی کا تقریباً نصف حصہ وادی جہالت میں سرگرداں ہی۔ ماؤں، بیویوں، بہنوں اور بیٹیوں کے تعلیم یافتہ ہونے سے دیکھتے ہی دیکھتے ملک کی کایا پلٹ ہوسکتی ہی۔ بچے جنھیں آیندہ نسل سے تعبیر کیا جاسکتا ہی اُن کا پہلا مکتب آغوش مادری ہی۔ وہ اُنکے چال چلن کو جس قالب میں چاہیں ڈہال سکتی ہیں۔ رسومات قبیحہ کا انسداد اور سوشیل اصلاح اسوقت تک ممکن ہی نہیں ہی جبتک کہ عورتوں کے دماغ بھی علمی روشنی سے منور نہ ہوں۔ تاکہ وہ اُن کی مضرتوں سے آگاہ ہوکر اُنکے ترک کردینے پر آمادہ ہوجائیں۔ اور مردوں کے ساتھ ہمخیال ہوکر متفق ہوجائیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت۔ اصُول حفظان صحت کی نگہداشت اور گھر کا انتظام سب عورتوں کے فرائض ہیں۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود بھی تعلیم نسواں کی طرف ہندوستان میں اتنی توجہ نہیں کی گئی ہی جسقدر کہ ہونی چاہیے۔

سال گزشتہ میں ہندوستان کی لڑکیوں کی تعلیم کی نسبت جو اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہی کہ سنہ ۱۹۰۲ء میں ہندوستان میں زنانہ آرٹس کالجوں کی تعداد ۱۲ تھی سنہ ۱۹۰۵ء میں صرف ۸ رہگئی۔ پنجاب میں ایک کالج بھی نہ تھا۔ سنہ ۱۹۰۲-۳ء میں طلبہ کی تعداد ۱۴۵۱ لیکن اسکے دوسال بعد یہ تعداد ۲۰۳ تک پہونچگئی۔ سنہ ۱۹۰۴-۵ء میں ۱۰۶ اتک کم ہوگئی اور سنہ ۱۹۰۵-۶ء میں اور بھی کم ہوکر ۱۴۰ رہگئی۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں ۱۹۰ تھی۔

چونکہ پنجاب میں ایسا کالج نہ تھا۔ لہذا مندرجہ بالا اعداد میں صوبہ پنجاب کا کوئی طالبعلم داخل نہیں۔

سنہ ۱۹۰۲-۰۳ء میں تمام ہندوستان میں کوئی پروفیشنل کالج نہ تھا۔ لیکن سنہ ۱۹۰۴ء میں دو ایسے کالج کھلے دوسرے سال ایک کا اور اضافہ ہوا سنہ ۱۹۰۶ء میں تینوں کالجوں میں عورتوں کی تعداد ۱۱۳ تھی۔ پنجاب میں سنہ ۱۹۰۴-۰۵ء میں ٹریننگ اسکول قائم ہوا جس میں طلبا کی تعداد ۴۰ تھی۔ پھر سنہ ۱۹۰۶ء میں ۷۲ تک ترقی کر گئی۔ دیگر تمام اسپیشل زنانہ مدارس جو سنہ ۱۹۰۲-۰۳ء میں ۱۳ تھے سنہ ۱۹۰۶-۰۷ء میں ۵۰ ہو گئے۔ اور اُن میں طلباء کی تعداد ۱۴۴۹ سے ۳۰۶۷ تک ترقی کر گئی۔

سنہ ۱۹۰۲-۰۳ء میں صوبہ پنجاب میں ۴ خاص مدرسے تھے یہ سنہ ۱۹۰۶-۰۷ء میں ۱۳ ہو گئے۔ اور طلباء کی تعداد ۲۶۹ سے ۶۷۴ تک ہو گئی۔ اسی طرح ہندوستان کے ہر قسم کے زنانہ مدارس جو سنہ ۱۹۰۲-۰۳ء میں ۷۰۶۲ تھے سنہ ۱۹۰۶-۰۷ء میں ۱۰۶۹۱ ہو گئے۔ پنجاب میں انکی تعداد علی الترتیب ۲۸۹ اور ۵۹۷ تھی۔

تمام ہندوستان میں طلباء میں ۱۴۲۳۵۶ سے ۵۶۲۰۰۰ اور پنجاب میں ۱۶۶۰۱ سے ۲۴۰۴۲ تک اضافہ ہوا۔

زنانہ پرائیویٹ سکول سنہ ۱۹۰۴-۰۵ء میں ۳ اور سنہ ۱۹۰۶-۰۷ء میں ۱۱۳ تھے جن میں ۱۱۷۳ لڑکیاں پڑھتی تھیں۔ ابتدائی مدارس ہندوستان میں ۱۵۴۱ سے ۱۶۷۹ اور پنجاب میں ۶۷۴ سے ۶۸۸ تک ترقی کر گئے۔

ان میں سنہ ۱۹۰۵-۰۶ء میں ۶۵۱۹۲ لڑکیاں پڑھتی تھیں۔ جو سنہ ۱۹۰۶-۰۷ء میں ۵۹۲۱۷ ہو گئیں۔ بخلاف اسکے پنجاب کے ابتدائی مدارس میں ۱۰۴۶۸ سے ۱۳۰۷۳ تک ترقی ہوئی۔

ابتدائی اور دیگر پرائیویٹ مدارس کی کل تعداد ہندوستان میں ۱۵۴۱ سے ۱۶۷۹ تک اور پنجاب میں ۶۷۴ سے ۶۹۱ تک پہنچی۔ طلباء میں ۵۵۸۱۵ سے ۶۰۴۹۰ تک اور پنجاب میں ۱۰۴۶۸ سے ۱۳۲۴۱ تک ترقی ہوئی۔

ہندوستان کے سرکاری و پرائیویٹ زنانہ مدارس کے طلبار میں گزشتہ پانچ سالوں میں ۸۶۰۳۰ سے ۱۲۴۷۰۰ اور پنجاب میں ۱۰۶۴ سے ۱۲۰۸ تک اضافہ ہوا ان میں علی الترتیب یعنی ہندوستان میں ۴۷۲۱۷ سے ۶۲۲۴۹۰ تک اور پنجاب میں ۲۰۰۶۹ سے ۳۲۸۳۷ تک لڑکیوں کی تعداد میں ترقی ہوئی۔

ہندوستان جیسے وسیع اور آباد ملک میں چھوٹے بڑے ۱۲۴۷۰ مدارس اور تقریباً سوا چھ لاکھ لڑکیوں کا تعلیم پانا ہرگز قابل اطمینان نہیں ہے۔ گورنمنٹ کے علاوہ اہل ملک کو جہانتک ممکن ہو تعلیم نسواں کو ترقی دینے اور اہل ثروت ہندوستانیوں کو اس بارے میں اپنے فرائض کو بجالانے کی کوشش کرنی لازم ہے۔

حال میں لندن میں ایک ہندوستانی شادی کی رسم منائی گئی ہے۔ دولہا ایک لائق خاندانی مسلمان ہیں۔ انڈین میڈیکل سروس کا امتحان پاس کر چکے ہیں۔ ان کا نام لفٹیننٹ عبدالستار خاں ہے۔ انکے والد محمد حسن بھنڈارہ (ممالک متوسط) میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے، دلہن ڈاکٹر کیتھروت موہن آنجہانی کی سب سے چھوٹی دختر ہیں جو نہایت معزز بنگالی تھے لیکن مذہب دلہن کا عیسائی ہے۔ شادی کے رسوم اسلامی اور عیسائی دونوں طریق پر ادا کیے گئے۔ دولہا دلہن کے معزز اقارب اور جلیل القدر یورپین دوست اس رسم میں شریک تھے۔ دلہن کی والدہ کی طرف سے ویسٹ منسٹر پیلس ہوٹل میں۔ بڑے تکلف سے دعوت دی گئی تھی۔ بابو رمیش چندر دت صاحب نے دولہا دلہن کا جام صحت تجویز کیا۔ تحائف کی تعداد بہت تھی۔ اور نہایت بیش قیمت تحفے تھے

کلکتہ میں ۳ مارچ ۱۹۰۹ء کو مسز زاہد سہروردی نے مسلمان خواتین کی طرف سے وائسرائے بیگم صاحبہ کو ایک نہایت شاندار پردہ پارٹی دی۔ پردہ کا بہت معقول انتظام کیا گیا تھا۔ سبزہ زار کے بیچ میں نقرئی ستونوں پر طلاکار شامیانہ نصب تھا۔ چبوترے پر ایک تخت وائسرائے بیگم صاحبہ کے لیے بچھایا گیا تھا۔ اسکے دائیں بائیں لیڈی بیکر اور لیڈی ایلین ایلیٹ (دختر حضور وائسرائے) کے لیے دو نفیس کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ ایک سو مسلمان عورتوں کے علاوہ بہت سی یورپین اور دیگر ہندوستانی لیڈیاں بھی شریک جلسہ تھیں۔ وائسرائے بیگم صاحبہ نے اودھ کی سات اور شاہی خاندان میسور کی تین، اور نظامت مرشدآباد کی دو بیگمات سے ملاقات فرمائی۔ تین کمسن رئیس زادیوں نے لیڈی ایلین ایلیٹ اور لیڈی بیکر کو پھولوں کے گلدستے پیش کیے۔ اور وائسرائے بیگم کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔
جسکا خلاصہ یہ ہے۔

ہم مسلمان خواتین جو یہاں فراہم ہوئی ہیں اور اہل اسلام کی بالعموم اور کلکتہ کی ہر طبقہ اور فرقہ کی خواتین کی بالخصوص قائم مقام ہیں یور اکسیلنسی اور لیڈی ایلین ایلیٹ کی اس پارٹی میں رونق افروزی کا خلوص قلب اور صدق دل سے شکریہ ادا کرتی ہیں۔ یہ عزت افزائی اپنی نوعیت میں بے مثل اور بے نظیر ہے۔ اور تاریخ ہند میں یہ پہلا موقع ہے کہ ملک معظم کے جلیل القدر نائب سلطنت ہند کی زوجہ محترمہ و دختر بلند اختر نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مسلمان خواتین کے جلسہ کو اعزاز و افتخار بخشا۔

یور اکسیلنسی کے سامنے شہنشاہی اور شاہی نسل کی شہزادیاں جو مغلیہ شہنشاہان دہلی شاہان اودھ۔ سلاطین میسور۔ اور ناظم مرشدآباد کے رفیع الشان خاندانوں کی یادگار ہیں فراہم ہیں۔ اور نہ صرف دنیاوی جاہ و حشم۔ تاریخی اور علمی کارناموں کے لحاظ سے بلکہ سیادت و نجابت کی وجہ سے بھی مرجع انام ہیں۔ مزید براں نامور و سربرآوردہ ہندوستانی

ایرانی اور عربی مسلمان راجہ و سوداگروں کی بیویاں۔ لڑکیاں اور بہنیں موجود ہیں۔ نیز سرکاری عہدہ داروں اور قانون پیشہ اصحاب کی مستورات ہیں جو عزت میں کسی سے کم نہیں ہیں نیشنل انڈین ایسوسی ایشن (شاخ نسواں) جیسا کہ یور ایکسیلنسی جانتی ہیں ایک وقیع پولیٹکل انجمن ہے جو جانبین میں اعتماد اور باہمی انبساط کے خیالات کو ترقی دیتی ہے۔ ہندوستانی اور یورپین قوموں میں سوشیل میل جول کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ گورنمنٹ کی نسبت وفاداری اور جاں نثاری کے خیالات کو تقویت ہوگی۔ ارتباط مذکور ہندوستانیوں کے حق میں مفید اور اس تاریخی برعظم میں برٹش حکومت کے لیے بمنزلہ ریڑہ کی ہڈی کے ہوگا۔

اگر مشرق و مغرب کبھی انسانی ہمدردی کے خیال سے اپنی دھندلی روشنیوں کو باہم ملا کر روز روشن کا سماں پیدا کرنا چاہینگے تو یہ مغربی عورتوں کے اپنے مشرقی بہنوں سے آزادانہ طور پر ملنے جلنے سے وقوع میں آئیگا۔ اس طرح مصنوعی رکاوٹیں دور ہو جائینگی اور ہمدردی کے رشتہ کو جو عورتیں قدرتاً ایک دوسرے سے رکھتی ہیں استحکام حاصل ہوگا ممبران نیشنل انڈین ایسوسی ایشن کو ایک مرتبہ سے زیادہ یور ایکسیلنسی سے شرف نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمان خواتین پرانے دستور و مراسم کی سختی سے پابند ہونے کی وجہ سے باہمی میل جول کی اُن برکتوں سے مستفید نہیں ہو سکتیں۔ جو انڈین ایسوسی ایشن کے ممبروں کو حاصل ہیں۔

پس ہم یور ایکسیلنسی کے بدرجہ کمال مشکور ہیں کہ یور ایکسیلنسی ہماری استدعا قبول فرما کر پردہ پارٹی میں تشریف لائیں اور ہمیں اپنی ملاقات فرحت سمات سے بہرہ اندوز فرمایا۔ اور اس ہمدردی کا سچا شکریہ ادا کرنے کا ہم کو موقع دیا جو یور ایکسیلنسی ہندوستان کے طبقۂ نسواں کی بہبودی اور ترقی سے رکھتی ہیں۔ ہم عورتوں سے ہندوستان کے لڑکے وہ ابتدائی اثرات قبول کرتے ہیں جو انہیں زندگی کی دشوار گزار منزلوں میں کام دیتے ہیں

ہم یور اکسیلنسی کو یقین دلاتے ہیں کہ اس قوم کی عورتوں کا اثر جس میں سوتیری، ممتاز محل اور نور جہاں نے پیدا ہو کر اور نشو و نما پا کر دنیا کی تاریخ کو زینت دی، بچوں میں شکر گزاری محبت، احسانمندی، سچی حب الوطنی اور خالص وفاداری و خیر سگالی کے اوصاف پیدا کرنے کے کام آئیگا۔ خاتمہ پر ہم مسلمان مستورات ہندوستان کی نیکدل و اُسرائے بیگم کی نسبت اپنے شکر گزاری کے خیالات کو تازہ کرنے کی اجازت چاہتے ہیں اور کمال ادب سے ملتجی ہیں کہ ہر اکسیلنسی لارڈ منٹو کو ہماری سچی وفاداری کا یقین دلائیں، ہز اکسیلنسی کا دور حکومت ہندوستان کے لیے ترقی، اصلاحات اور امن و برکت کا موجب ثابت ہوا ہے۔ اور درخواست کریں کہ ہمارا یہ مودبانہ اظہار عقیدت حضور ملک معظم ایڈورڈ ہفتم اور ملکہ معظمہ الیگزینڈرا تک پہنچائیں۔"

ہر اکسیلنسی لیڈی منٹو نے اس اڈریس کا مندرجہ ذیل جواب دیا۔

"ہم آج اس مہتم بالشان نسوانی رشتہ کی بدولت جنسے ہم ایک دوسرے سے وابستہ ہیں یہاں فراہم ہوئے ہیں۔ تمام دنیا میں عورتوں کی یہی کیفیت ہے، بہ نسبت کسی اور شخص کے عالم نسواں ہی میں زیادہ تر یہ طاقت ہے کہ جس طرح چاہیں اپنے بچوں کا چال چلن بنائیں۔ کیرکٹر پر صرف انہیں کے زمانہ مستقبل کا مدار نہوگا بلکہ قوم کے زمانہ مستقبل کا بھی اسی پر حصر ہے۔ بچے اوائل عمر میں آپ ہی کے زیر اقتدار ہوتے ہیں، اور یہ اثر کبھی نہیں ضائع ہوتا۔ زمانہ بدل رہا ہے۔ میں آپ کے اڈریس سے یہ معلوم کر کے خوش ہوں کہ آپنے اس انقلاب عظیم کو معلوم کر کے یہ عزم کر لیا ہے کہ آپ کی طاقتیں اور مواقع اپنے وطن کی اعلیٰ اور خالص ترین بہبودی میں صرف ہوں۔

ہمیں یہ سنکر بہت خوشی ہوئی کہ کچھ عرصہ سے قصبہ بچھراؤں ضلع مرادآباد میں

ایک لیڈی کلب قائم ہی جسمیں وہاں کی اکثر شریف بیویاں شریک ہیں اور ہفتہ وار جلسے ہوتے ہیں۔ جسقدر زنانے رسالے اور اخبارات اسوقت ہندوستان میں جاری ہیں وہ سب اس کلب میں جاتے ہیں۔ بیویاں اکثر اخبارات اور رسالے پڑہتی ہیں۔ اور ایک دوسرے سے تبادلہ خیالات کرتی ہیں۔

اگر ہر مقام پر مسلمان بیویوں میں یہ خیال پیدا ہو اور وہ ایسی انجمن یا کلب قائم کریں تو اشاعت تعلیم نسواں کے اغراض کو بہت بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہی۔ ہمارے ملک میں اسوقت پارسی اور برہمو اور آریہ سماج کی لیڈیز نے اس قسم کا سلسلہ جہاں جہاں وہ ہتی ہیں قائم کر دیا ہی۔ پنجاب کے قریب قریب ہر ایک ضلع میں آریہ سماجوں کی مستورات کی انجمنیں قائم ہیں جنکو شاید وہ استری سماج کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور یہ بات سننے میں آئی ہی کہ جسقدر مستورات ان کلبوں کی ممبر ہوتی ہیں وہ بہت ہی روشنخیال ہو جاتی ہیں۔

۱۸۔ مارچ کو جناب بیگم صاحبہ نواب وقار الملک بہادر مع اپنی مہمان اہلیہ قیام الدین احمد صاحب رئیسہ بچھڑاؤں و رکن انجمن مستورات بچھڑاؤں بغرض دیکھنے زنانہ نارمل اسکول کے مدرسہ میں تشریف لائیں، مسیز عبد اللہ و سکندر جہاں بیگم صاحبہ و مدرسہ کی اُستانیوں نے انکا خیر مقدم کیا۔ ہر دو مہمان لیڈیز نے بعض بعض لڑکیوں سے خواندگی کے متعلق کچھ سوالات کیے اور اپنی خوشنودی ظاہر کی۔ اور جناب بیگم صاحبہ نواب وقار الملک نے ارادہ ظاہر کیا کہ وہ بہت جلد اپنی صاحبزادی کو اس مدرسہ میں تعلیم کے لیے بھیجیں گی۔ گو اس میں انکو بہت دقت اٹھانی پڑے گی۔ کیونکہ مدرسہ کے مکان سے اُن کی کوٹھی دو میل کے فاصلہ پر ہی تاہم وہ اپنی صاحبزادی

کو مدرسہ میں فوراً داخل کرانا بہت ضروری سمجھتی ہیں۔ ہم ان ہر دو لیڈیز کے تہ دل سے ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنی تشریف آوری ہی سے مدرسہ کے ساتھ اپنی دلچسپی ظاہر نہیں کی بلکہ جناب اہلیہ قیام الدین احمد صاحبہ نے مبلغ دس روپیہ اپنی جیب اور مبلغ پانچ روپیہ اہلیہ عبدالاحد کی طرف سے اور مبلغ پانچ روپیہ ممبران انجمن مستورات بچھڑاؤں کی طرف سے مدرسہ میں عطا فرمائے۔

ریاست ٹونک سے بابت ماہ جنوری و فروری ۱۹۰۹ء مبلغ سو روپیہ حسب معمول وصول ہو گئے، شکریہ کے ساتھ اعلان کیا جاتا ہی،

تحفہ جات کی فہرست میں بجاے ایس بی رضاء اللہ کے مس رضاء اللہ لکھا گیا ہے۔ ایس بی رضاء اللہ پڑہنا چاہیے۔

مسیز حشمت اللہ صاحبہ نے مبلغ ایک روپیہ اور بیگم صاحبہ نواب وقار الملک صاحب نے مبلغ دو روپیے غریب لڑکیوں کے وظائف کی امداد میں دیئے ہیں، شکریہ ادا کیا جاتا ہی۔

ادیب

ہمارے دوست سید خورشید علی صاحب رئیس حیدرآباد کی لیاقت اور قابلیت سے ناظرین بخوبی واقف ہیں، انہوں نے حیدرآباد میں ایک رسالہ ادیب کے نام سے جاری کیا ہی، اس رسالہ کا طوفان نمبر سید صاحب موصوف نے ہمارے پاس بھیجا ہی، اس نمبر میں شروع سے اخیر تک حیدرآباد کے مصائب خیز طوفان کا نہایت مفصل حال درج کیا گیا ہی۔ جسقدر حالات اس رسالہ سے معلوم ہوئے ہیں اور کسی کتاب یا مضمون سے معلوم نہیں ہوئے تھے، حضور انور جناب ہز ہائنس نظام کے

فرمان جو انتہا درجہ کی دلسوزی سے حضور معلی القاب نے اپنے مدار المہام کو وقتاً فوقتاً لکھے ہیں انکو پڑھکر دل پر ایک خاص اثر پیدا ہوتا ہی، حیدرآباد کے امرا و افسران سرکار و دیگر پبلک نے جس ہمت اور دلیری سے اس بلای ناگہانی کا مقابلہ کیا اُسکو پڑھکر دل سے بیساختہ آفریں نکلتی ہی، الاماں مصیبت سی مصیبت اور تباہی سی تباہی،

ناظرات خاتون کے لیے اس رسالہ میں بہت سے واقعات خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہیں، حیدرآباد کی بیبیوں نے اس مصیبت میں جسقدر خستہ حال او مصیبت زدگاں کی امداد کی اُس سے پورا اندازہ ہوسکتا ہی کہ عورت کی ہمدردی مرد سے بہت فائق ہی، وہ قدرتاً ایک نہایت ہمدرد دل رکھتی ہی اور جتنے کام ہمدردی و دلسوزی کے ہیں اُن میں مرد اُسکا مقابلہ نہیں کرسکتا، ہماری معزز نامہ نگار اور خریدار بہنوں نے نمایاں طور پر کارگزاری کی جسکے لیے وہ مستحق ہیں کہ دل سے اُنکو داد دی جائے، بنت نصیر الدین حیدر صاحبہ و مسز حیدری صاحبہ مسز کریم خاں صاحبہ وغیرہ بیبیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں،

اس رسالہ کے اخیر میں سید خورشید علی صاحب نے چیدہ چیدہ نظمیں جو شعراے وقت نے اس حادثہ پر لکھی ہیں، درج کی ہیں جنکی وجہ سے یہ رسالہ انتہا درجہ کا دلچسپ ہوگیا ہی،

بعض واقعات اس رسالہ میں ایسے درج ہوئے ہیں جنکو دیکھکر سخت رنج ہوتا ہی، باوجود اسکے کہ موت کا بازار گرم تھا، قیامت کا نمونہ آنکھوں کے سامنے موجود تھا، ہر دل صدمہ سے چور چور تھا، دماغ بالکل مختل تھے تاہم سپاہیوں نے اپنی بدی سے مظلوم اور معصوم عورتوں اور بچوں کو لوٹا اور بعض نالایقوں نے اُن کی عزت پر حملے کیے. رود موسیٰ کے طوفان سے اس قسم کے لوگوں کا رہائی پاجانا تاکہ وہ اپنی بدکرداریوں کو کچھ دنوں کے لیے اور قائم رکھیں خدای تعالی کی کسی خاص مصلحت پر مبنی ہوگا،

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۷۱

خاتون

جلد ۶	بابت ماہ اپریل ۱۹۰۹ء	نمبر ۴

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عبدالسلام پرنٹر کے اہتمام سے
مطبع فیض عام علی گڈھ میں طبع ہوا

خاتون

۱- یہ رسالہ [illegible] صفحے کا علی گڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی قیمت سالانہ [illegible] روپے اور ششماہی [illegible] ہے

۲- اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳- مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی چنانچہ اس خیال و ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے کے ذریعے سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے۔

۴- ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کیلئے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی انکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵- ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہاں تک ممکن ہو سلیس و بامحاورہ اردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶- اس رسالے کی مدد کرنیکے لیے اس کو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے۔ اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے طیار کیا جائیگا۔

۷- تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڈھ ہونی چاہیے۔

ختون

قرض کی خرابیاں

قرض ایک ایسی بلا ہی جو انسان کو تمام بیماریوں سے زیادہ تکلیف دیتی ہی۔ پہلے زمانہ میں قرض دینے والا مقروض کو اپنے قرضہ میں غلام بنا لیتا تھا اب بھی اگرچہ غلام نہیں بنا سکتا لیکن جیل میں بھجوا سکتا ہی۔ جائداد۔ مکان۔ اثاثہ۔ نیلام کرا سکتا ہی۔ ان سب کے بعد اگر آدمی زندہ رہا تو اسکی زندگی غلاموں سے بھی بدتر ہی۔

اس بلائے بے درماں میں عام طور پر مسلمان ہی زیادہ مبتلا ہیں۔ جسکی وجہ سے وہ نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنی قوم کو اور ساتھ ہی اپنے پاک مذہب کو بدنام کرتے ہیں۔ خود بھی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں اوروں کو بھی مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں۔

مسز س۔م۔د۔ صاحبہ نے جو نہایت لائق اور روشن خیال خاتون ہیں مندرجہ ذیل مضمون اس عنوان پر نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ لکھکر ہمارے پاس بھیجا ہی ہم اسکو درج کرکے

امید کرتے ہیں کہ ناظرین و ناظرات خاتون اسکو توجہ سے دیکھینگے اور قرض سے بچنے کی کوشش کرینگے ۔کیوں کہ کچھ دنوں مسلمانوں کی اگر قرض لینے کی یہی حالت اور رہی تو رہی سہی جائداد بھی ان کے ہاتوں سے نکل جائیگی اور پھر اسکا تدارک ناممکن ہوگا

اڈیٹر

دَین یعنی قرض انسان کی دین کو نقصان پہنچاتا ہے۔ حدیث شریف از "روح اسلام"

ایک مدت سے میرا ارادہ تھا کہ اس عنوان پر ایک مضمون لکھوں اور اسکی بھیانک صورت اور خوفناک چہرہ کی تصویر کو اپنے الفاظ میں کھینچکر پیش کروں لیکن چوں کہ اسکا زیادہ تر حصہ مردوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اسلیے خوف تھا کہ کہیں یہ لوگ (جو اپنے کو ہمارے حاکم ۔سرپرست ۔رزاق وغیرہ وغیرہ تصور کرتے ہیں اور عورتوں کے مقابلہ میں اپنے کو معصوم اور اپنے ہر فعل کو سزاوار تحسین اور ہر کام کو قابل آفریں سمجھتے ہیں) ناراض و مکدر نہو جائیں اور مجھے زباں درازی کا الزام نہ دیں غرض اسی شش و پنج میں تھی کہ فروری کا خاتون جس کے اشتیاق میں آنکھیں ترس رہی تہیں مارچ کے مہینہ میں وصول ہوا اور اسکے آخر میں اڈیٹر صاحب کی اس تحریر پر میری نظر پڑی کہ "ہم چاہتے ہیں کہ اپنے معمولی انسانی حقوق کے طلب کرنے میں عورتیں ضرور جرارت سے کام لیں اور محض اپنی محنت اور صبر و تحمل کی داد لیکر خاموش اور خوش نہ بیٹھیں" چوں کہ یہ جملہ جس کے لفظ لفظ میں ایک مظلوم گروہ کی سچی ہمدردی پائی جاتی تھی ایک سچے دل سے نکلا تھا اس لیے اثر کر گیا اور فوراً یہ ارادہ پھر میرے دل میں تازہ ہوا اور اس مضمون کے لکھنے کے لیے مستعد ہوئی ۔

اگر کسی جنٹلمین کو یہ مضمون ناگوار گذرے اور برافروختگی کا باعث ہو تو وہ اڈیٹر صاحب پر اپنا غصہ نکالے اور ان سے جواب لے کہ کیوں وہ اپنی تحریر سے ہمکو اس قسم کی جرارت دلاتے ہیں۔ میں تو ان کے حق میں دعاے خیر کروں گی اور سہ

عقل کو ان کی سلیم اور رائے کو ان کے صواب
ان کے غور و فکر کو دور از خطا کہنے کو ہوں

اب میں مضمون کو شروع کرتی ہوں۔ دنیا انسان کے لیے ایک مصیبت کدہ ہے جہاں وہ روزِ ولادت سے ایام وفات تک انواع اقسام کے مصائب کو جھیلتا اور گوناگوں تکلیف کو برداشت کرتا رہتا ہے۔ لیکن ان مصیبتوں کو ہم دو قسم میں تقسیم کرتے ہیں ایک وہ جو خدا کے منشاء اور اس کے قانون کے مطابق ہوتی ہیں (جیسے اولاد یا کسی عزیز کی موت) اس وجہ سے وہ اٹل اور لاعلاج ہوتی ہیں اور دوم وہ جو انسانی کرتوتوں یا بیوقوفیوں کے نتیجے ہوتی ہیں۔

عقل انسانی ایک ایسی عطیہ یزدانی ہے جس کی وجہ سے وہ اشرف المخلوقات کے خطاب پانے کا مستحق ہوا اور اسی کے وسیلہ سے وہ اپنی بھلائی برائی کو سوچتا ہے اور ان میں تمیز کرنے کی قابلیت رکھتا ہے عقل کے بھی مدارج قرار دیئے جا سکتے ہیں ورنہ بحیثیت انسانی احمق اور دانا دونوں برابر ہیں اور سوائے اس کے کوئی اور چیز ان کے یا بہ الامتیاز تفاوت کو نہیں بتلا سکتی ہے۔

دور اندیشی یا عاقبت بینی عقل کا ایک جزو اعظم ہے اور انسان اسی کے وسیلہ سے اپنی آئندہ بہبودی و بھلائی کی نسبت سوچتا ہے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ یہی صفت عقلی ہے جو مہذب و وحشی انسان کو ایک دوسرے سے متمیز کرتی بلکہ دوسرے الفاظ میں یہ ان کے درمیان ایک حد فاصل ہے جو ان کو ایک دوسرے سے بالکل الگ کرکے بتلاتی ہے۔

وحشی کو آئندہ کی فکر نہیں ہوتی ہے۔ اور اس کی روزانہ زندگی کا دار مدار اس پر ہوتا ہے کہ "آج تو کھا لیں کل دیکھا جائیگا" یا "کل کی فکر آج نہیں کرنی چاہیے" مگر مہذب و دانا آدمی آج سے کل کی اول فکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست"

اب میں ان مصیبتوں میں سے جو انسان کے لیے سخت و شدید تکلیف کے باعث اور جو اسکی نادانی و بے پروائی کے نتیجے ہوتی ہیں ایک مصیبت کا جو قرض ہے ذکر کرنا چاہتی ہوں قرض دیکھنے میں تو ایک سہ حرفی لفظ ہے مگر اس کمبخت کے ہمراہ تفکرات کی ایسی لاؤ لشکر ہوتی ہے اور اسکی فکر ایسی جاں گزا اور روح فرسا ہے اگر اسکو دوسرے تمام مصائب سے زیادہ تکلیف دہ قرار دیا جاسے تو بیجا نہ ہوگا۔ کیوں کہ دوسرے مصائب چند روزہ اور عارضی ہوتے

ہیں اور رفتہ رفتہ دل سے زائل و محو ہو جاتے ہیں مگر یہ منحوس ایسی چھچھوندر بلا ہی کہ جب ایک وقت وارد ہوتا ہی تو پھر دن رات وقت بیوقت خواب و بیداری ہر جگہ و ہر مقام پر ہمزاد کی طرح ساتھ لگا رہتا ہی اور گھن کی طرح ہمارے شاداب درخت زندگی کو اندر ہی اندر کھاتا رہتا ہی۔ اسی لیے ہمارے رسول اکرم نے ارشاد فرمایا ہی کہ "مسلمانوں قرض لینے سے بچو۔ کیوں کہ وہ رات کے وقت رنج و فکر پیدا کرتا ہی۔ اور دن کو ذلت و خواری میں مبتلا کرتا ہی۔" روح اسلام

مجھے اسپر بڑی حیرت ہوتی ہی کہ اکثر لوگ باوجود یکہ اسکی خرابیوں سے واقف ہیں اور اور اسکی برائیوں کو بخوبی جانتے ہیں مگر قرض لینے میں وہ ذرا پس و پیش نہیں کرتے اور دیدہ و دانستہ اس بلائے بے درماں کو مول لیتے ہیں۔

ہمارے ارد گرد بہت سے ایسے لوگ ملینگے جو ایک عام رسم کے (مثل پان، کھانے کے) پابند ہوں مگر یہ کسقدر افسوس کی بات ہی کہ شاذ و نادر ایسا کوئی شخص نظر آتا ہی جو مقروض نہو خصوصاً مسلمانوں میں تو یہ ایک عالمگیر مرض ہو گیا ہی اور اس کے وبال نے اُن کو تاراج و تباہ کر دیا ہی مگر یہ ہیں کہ غفلت کی نیند میں ایسے مدہوش پڑے سو رہے ہیں کہ ٹس سے مس تک نہیں ہوتے اور اس مرض میں تخفیف ہونیکی بجائے روز افزوں ترقی ہو رہی ہی۔ میرے خیال میں چند روز اور اگر یہی حالت رہی تو قرض مسلمانوں کے قومی خصائل میں شمار ہونے لگیگا۔ اور انکو برباد کر کے رہیگا

سرسید مرحوم نے اپنے ایک مضمون میں مسلمانوں کے افلاس پر سخت تاسف کیا ہی اور اس فدائی قوم کے دل پر ان کی اس حالت کو دیکھکر جو چوٹ لگی ہی وہ ان کی تحریر سے صاف مترشح ہوتی ہی اور ہم اس مضمون میں سے ایک حصہ جو ایک انگریزی اخبار سے لیا گیا ہی نقل کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہو گا کہ ہم اپنے بد اعمالی اور نا عاقبت اندیشی سے غیروں کو اپنے سچے مذہب پر کیسی نکتہ چینی کرنیکا موقع دیتے ہیں۔

"اس زمانہ میں مسلمانوں کو ضرور مفلس ہونا چاہیے مسلمانوں کے ساتھ ہی کا تبدیج مفلس

ہوتا ہے جس کو ہم اس ضلع میں زیادتی مقدمات کا ایک سبب قرار دے چکے ہیں۔ قابل لحاظ و غور ہے جو رپورٹیں اور حالات کہ اخبار میں چھپے ہیں ان سب سے پایا جاتا ہے کہ عام ہندوستان میں یہ افلاس ترقی پر ہے اس ضلع میں ۱۸۷۳ء میں جتنی نالشیں نقدی کی مہاجنان و دوکانداران کیں ان میں سے نصف نالشیں مسلمان کسانوں پر ہوئیں اور بمقابلہ کل مقدمات قسم مذکورہ کے بحساب اوسط فی صدی چونتیس مقدمہ ہوتے ہیں جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ منجملہ آٹھ شخصوں کے بحساب اوسط عدالت کی لڑائی میں مشغول رہتا ہے تو تعداد ان کسانوں کی خیال کرنی چاہیے کہ کتنے لوگ روپیہ پیسے کے معاملات میں مبتلا ہو کر عدالت کی لڑائی میں حیران و پریشان رہتے ہیں۔ رجسٹرار جنرل پنجاب کی اخیر رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرہ لاکھ اسی ہزار پاؤنڈ یعنی ایک کروڑ اڑتیس لاکھ روپیہ کی جائداد غیر منقولہ مسلمانوں کی ۱۸۷۳ء میں بیع و رہن ہوئی مسلمانوں کا مذہب صرف لڑائی اور لوٹ مار کے مناسب ہے تقدیر پر اندھا دھند اعتبار رو تکیہ کرنا جیسا یہ مذہب سکھلاتا ہے۔ اور اس کے معتقدوں کو خوش خوش ایسے موقع کی طرف لیجاتا ہے جس میں یقینی بربادی کا سامان ہوتا ہے اور کوئی مذہب نہیں سکھاتا مگر وہی خیال کہ تقدیر کبھی نہیں ٹلتی تمام جرأت اور ہمت کو کھو دیتا ہے اور ترقی و بہبودی کو پژمردہ کر ڈالتا ہے۔

اس تمہید کے بعد اب میں قرض کے چند خرابیوں کو جو شتے از خروارے ہیں چن چن کر (مگر مختصر طور پر) بتلاتی ہوں اور اس کی طرف ناظرین و ناظرات خاتون کو توجہ دلاتی ہوں

مذہب میں اس کی ممانعت۔ مذہب کا اصل اصول وحدانیت کی تعلیم اور اخلاق کی شائستگی ہے پس جو کام خلاف اخلاق ہے ضرور مذہب کے بھی خلاف ہونگے اور احکام مذہب کی خلاف ورزی خدا اور رسول کی نافرمانی ہے۔ علاوہ ان اخلاقی خرابیوں کے جنکی میں ذیل میں وضاحت کروں گی اور جو لازمی طور پر مذہب کے بھی خلاف ہوگا ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب اسلام میں خاص نفس مضمون یعنی قرض کی صاف و صریح الفاظ میں بلکہ تخویف کے ساتھ ممانعت اور بار بار اس سے بچنے کی ہدایت کیگئی ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ مسلمانوں قرض لیکر اپنی جانوں کو قرض خطرہ

میں نہ ڈالا کرو"۔ (۱) یہاں پر یہ بھی بیان کرنا ضروری ہی کہ انسان عمر دوام لیکر اس ناپائدار دنیا میں نہیں آتا ہی ایک نہ ایک دن اسے مرنا اور اللہ کے سامنے اپنے افعال دنیاوی کی جوابدہی کیلیے حاضر ہونا ہی اور رخدانخواستہ اگر وہ قرضدار مرجاے تو ضرور اس سے مواخذہ کیا جائیگا۔ چنانچہ ایسے اشخاص کی نسبت ارشاد ہوا ہی۔کہ "ہر مسلمان کی روح اسوقت تک معلق رہتی ہی جبتک کہ اس کا قرضہ ادا نہ کیا جائے (۱) " یا " بے شک شہادت فی سبیل اللہ سے سب گناہ دور ہو جاتے ہیں لیکن قرض ادا نہ کرنیکا گناہ دور نہیں ہوتا" (۲) چونکہ انسان کو یہ تو معلوم نہیں ہو سکتا ہی کہ وہ کب اس دنیا سے رخصت ہونیوالا ہی اور بقول کسی بزرگ کے موت ہماری آنکھ ناک سے زیادہ قریب ہی اس لیے ہمکو ہمیشہ یہ خیال رکھنا چاہیے کہ اگر اچانک موت آجاے تو ہم اس گناہ کے بار عظیم کو گردن پر لیکر نہ جائیں۔

روحانی تکلیف۔ انسان کے لیے سب سے زیادہ روحانی تکلیف فکر و ترددات سمجھے جاتے ہیں اور یہ ایک صحیح قول ہی کہ "لوہے کو زنگ کھاتا ہی اور دل کو فکر" مقروض بیچارہ کو تو ان سے ایک گھڑی بھی چھٹکارا نہیں ملتا اور اسوجہ سے دنیا کے تمام لذات و خوشگوار نعمتوں میں سے کوئی حظ و لطف نہیں اٹھا سکتا۔ اسکے دل و دماغ بس میں نہیں ہوتے اور پریشانی خاطر کی وجہ سے وہ کسی طرح احکام الٰہی اور فرائض انسانی کی ادائی کے قابل نہیں رہتا وہ اپنی زندگی کو دوبھر سمجھتا ہی اور اسکے حق میں یہ کہنا بالکل مبالغہ نہیں کہ وہ بیچارہ زندہ درگور ہی۔

مزید براں وہ اپنی ہجوم تفکرات کی وجہ سے اس قدرتی روحانی مسرت سے جو انسان کو اپنے کنبہ اور خصوصاً بچوں کے طفلانہ حرکات اور بھولی بھولی باتوں سے حاصل ہو سکتی ہی محروم رہتا ہی پس ایسے شخص کا (خواہ وہ کیسا ہی عالم و فاضل ہو اور گو اس کا دماغ کیسی ہی اعلیٰ قابلیت رکھتا ہو) عدم و وجود یکساں ہی اور اس سے اسکی قوم یا کنبہ بلکہ اس کی ذات تک کو کسی طرح کا فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہی۔

سلہ روح اسلام سلہ الحقوق والفرائض

نقصان مایہ۔ ایسے خداپرست اور ہمدرد آدمی تو بہت کم بلکہ نہیں ملینگے جو بے سود قرض دیتے ہوں پس سود و قرض لازم و ملزوم ہیں اور بے سود کے قرض ملنا دشوار تو کیا بلکہ ناممکن ہے یہ کہدینا تو آسان ہی کہ فی سینکڑا دو روپیہ سود کچھ زیادہ نہیں لیکن اگر حساب لگایا جاے تو معلوم ہوگا کہ ہم سال میں اصل کے ساتھ اس کے نصف رقم کے قریب سود میں ادا کرتے ہیں اگر سودا سلف یا دیگر ضروریات بھی اُدھار لیے جائیں تو بھی ضرور یہ نقصان عا ہوگا بلکہ بعض صورتوں میں اس سے زیادہ کیوں کہ اگر دوکاندار بھلا مانس ہی تو ادھار کا لحاظ رکھکر یا سودا کم دیگا یا سود کو دام میں بڑھائیگا اور اگر حریص و بدذات ہوا تو دونوں طرح اپنا الوسیدھا کریگا۔

شیخ گلاب دین صاحب ڈاکٹر اعنظر کی تحقیقات کو انہیں کی زبانی اسطرح لکھتے ہیں کہ " میں ہمیشہ ہندوستان میں یہ معلوم کرنیکی کوشش کرتا رہا رہوں کہ روپیہ سے کسقدر سود پیدا ہوسکتا ہی۔ معلوم ہوا ہی کہ اب کاشتکاروں سے ۱/۲ ۳۰ فی صدی سود لیا جاتا ہی غریب آدمی جو بلاکفایت قرض لیتے ہیں ایک آنہ فی روپیہ ماہوار یعنی ۷۵ فی صدی سود ادا کرتے ہیں مقروض ہر سال سود ادا کرنیکا ہی نقصان برداشت نہیں کرتے بلکہ کتنے ہی اور نقصان بھی انہیں اٹھانے پڑتے ہیں کوئی شخص بغیر سرمایہ کے منفعت بخش کام نہیں کرسکتا۔ اگر وہ دوکاندار سے سودا وغیرہ قرض لے تو نقد قیمت دینے کی نسبت اسے بہت گراں ملتا ہی۔ ترقی زراعت کیلیے یہی بڑی رکاوٹ ہی کاشتکاروں کے پاس روپیہ نہیں اگر عمدہ ہل اور مضبوط مویشی ہوں تو پیداوار میں بہت ترقی ہوسکتی ہی۔"

اس مضمون کو جسقدر مسلمانوں سے تعلق ہی وہ سرسید مرحوم کے اس حصہ مضمون سے واضح ہوسکتا ہی جسکو ہم نے ابتدا ے مضمون میں نقل کیا ہی۔

مذہب اسلام میں سود لینے اور دینے کی سخت روک ٹوک ہی لیکن مسلمان تو احکام شرع کو ایسے بھولے بسرے ہوے ہیں کہ کبھی بھولے سے بھی یاد نہیں کرتے اور یہ بالکل صحیح خیال ہی کہ ہر قوم کا تنزل اسوقت سے شروع ہوا جب سے کہ ان میں قومی مذہب کا

اثر کم ہونا شروع ہوا ہے۔

مولوی نذیر احمد صاحب نے اپنی اعلیٰ تصنیف "الحقوق والفرائض" میں متعدد آیتیں اور حدیثیں اس کی ممانعت میں درج فرمائی ہیں ان میں سے ہم یہاں پر صرف دو حکم پیش کرتے ہیں جن سے واضح ہوسکیگا کہ مذہب اسلام نے سود کو کیسا بڑا گناہ قرار دیا ہے۔

جو لوگ سود کھاتے ہیں (قیامت کے دن) کھڑے نہیں ہو سکینگے مگر اُس شخص کا سا کھڑا ہونا جس کو شیطان نے (اپنی) چپیٹ سے مخبوط الحواس کر دیا ہو یہ تو ان کے اس کہنے کی سزا ہے کہ جیسا معاملہ بیع ویسا ہی معاملہ سود حالانکہ بیع کو تو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام (تو سود کو بیع پر قیاس کرنا صریح غلط ہے) تو جس پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت کی بات پہونچی (اور وہ آئندہ کے لیے) باز آگیا تو جو پہلے (لے چکا) ہے وہ اس کا ہو چکا اور اس کا معاملہ خدا کے حوالے اور جو ممانعت کے بعد پھر سود لے تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں اور وہ ہمیشہ (ہمیشہ) دوزخ ہی میں رہیں گے اللہ سود کو گھٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے۔ اور جتنے ناشکر ہیں (اور) کہنا نہیں مانتے خدا ان سے راضی نہیں " (آیت)

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے اور دینے والے اور سود کی دستاویز لکھنے والے اور معاملہ سود کی گواہی دینے والے ان سب پر لعنت کی اور فرمایا کہ یہ سب (ارتکاب معصیت میں برابر ہیں۔

شماتت ہمسایہ دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جو دوست احباب رشتہ دار اور ہمسایہ نہ رکھتا ہو اور اُن سے ان کی کم و بیش محبت بھی ہوگی مگر جب کسی کو قرض لینے کی لت ہو جاتی ہے اور خصوصاً جب ان سے یا اُن کی وساطت سے قرض لیتا ہے تو سب اس سے ملنا ترک کرتے اور اُس کے سامنے آنے سے کتراتے ہیں صرف اسی پر قناعت نہیں کیجاتی بلکہ چن چن کر اس کے عیب نکالتے اور مذمت کرتے ہیں اور اس کے قرضخواہوں کے مطالبہ اور نادہندگی کی شکایتوں کے ذکر اذکار دلچسپ کہانی

کے طور پر بیان کرتے ہیں گو وہ بدچلن نہو مگر بری بات کے پرلگ جاتے ہیں اور وہ آوارہ اوباش و فضول خرچ مشہور ہوجاتا ہی مثل مشہور ہی کہ بدہو بدنام نہو، مگر یہ غریب بغیر بد ہونیکے ایسا بدنام ہوجاتا ہی کہ اس کے چال چلن پر تمام عمر کیلیے ایک کلنک کا ٹیکا لگجاتا ہی کیا یہی ایک عیب قرض سے بچا نیکے لیے کافی نہیں ہی۔

ذلت و خواری۔ دنیا میں عزت ایسی بے بہا اور قیمتی چیز ہی کہ اسپر جان و مال تصدق کیا جاتا ہی اور اس کا اجلا لباس اسقدر عزیز ہوتا ہی کہ اسپر ایک مکھی کے بیٹھنے سے دل کو چوٹ لگتی ہی ہر شخص اسکا طلبگار اور ہر کس و ناکس اسکی قدر و منزلت کرتا ہی۔ مگر افسوس کہ معروض (گو وہ کیسا ہی خواہشمند ہو) محروم رہتا ہی۔ وہ اپنے قرضخواہ سے چھپتا پھرتا ہی۔ تاکہ وہ اپنے قرض کا مطالبہ اور اسکو جھوٹے وعدوں پر سرزنش کرکے دوسروں کے سامنے ذلیل و خوار نکرے یا اسے خاموش اور خوش کرنیکی غرض سے اسکی خوشامد و چاپلوسی کرتا ہی۔ (گو وہ جانتا ہو کہ دہندہ رذیل و نیچ قوم کا ہی) تاکہ وہ سختی سے مطالبہ کرے یا قرض دینا چھوڑ دے کیونکہ اب وہ مہاجن کے پھندے میں ایسا پھنسا رہتا ہی کہ اگر وہ اسکی حالت پر رحم نہ کھائے اور قرض دینے سے انکار کرے تو یقینی طور پر مظلوم بیوی اور معصوم بچوں کی فاقہ کشی اسکا لازمی نتیجہ ہوگا۔

اگر قرض لینے کا عادی مہاجن سے قرض نہ لے تو ضرور اپنے خویش و اقربا یا دوست احباب سے قرض لیگا اسمیں بھی کئی قباحتیں ہیں اول یہ کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا اور اور کسی امر کا ملتجی ہونا بذات خود ایک ذلیل کام ہی دوم ان کے احسان کا بوجھ اس کے سر رہیگا اور سوم اگر وعدہ پر کسی وجہ سے ادائی نہ ہوسکے تو جو خجالت و شرمندگی ہوتی ہی وہ ظاہر ہی

بددیانتی۔۔ بددیانتی مذہباً و اخلاقاً ایک ذلیل صفت ہی اور مقروض آدمی مشکل سے راستباز ہوسکتا ہی کیونکہ اگر اسکو معلوم بھی ہو کہ قرضہ کی ادائگی اس سے ممکن نہیں پھر بھی قرض لینے سی نہ چوکیگا پس یہ بددیانتی نہیں تو اور کیا ہی۔ سوائے اس کے کہ جب اسپر شدید تقاضہ کیا جاتا

ہی اور ناشس کی دہمکی دیجاتی ہی تو اس کی نیت میں فتور اور ایمان میں لغزش پیدا ہوتی ہی اور ناجائز طریقہ یا خیانت یا جعلسازی سے اس کی ادائگی کیلیے روپیہ پیسہ پیدا کرنیکی کوشش کرتا ہی اور علاوہ اس سزا کے جو اس جرم کے پاداش میں بھگتنی پڑتی ہی۔ ہمیشہ کیلیے اپنی عزت اور اعتبار کو کھوتا ہی اور اپنے ساتھ اپنے متعلقین کو بھی فکر و غم میں مبتلا کرتا ہی۔

دروغگوئی۔ مذہبًا و اخلاقًا جھوٹ بولنے کی ممانعت ہی اور بچوں کو زمانہ طفولیت سے سچ بولنے اور جھوٹ سے بچنے کی تعلیم دیجاتی ہی مگر مثل مشہور ہی اور سچ بھی ہی کہ "قرضدار جھوٹے ہوتے ہیں" کیوں کہ قرض کا عادی جب ایک قرض دہندہ سے خوب قرض لے چکتا ہی اور آیندہ اس سے کسی طرح کے ملنے کی امید نہیں رہتی ہی۔ تو وہ دوسرے کے پاس پہنچتا ہی اور اُسے اطمینان دلانے اور اپنی مطلب براری کے لیے جھوٹ موٹ اپنے کو قرض سے پاک بتلاتا ہی یا قرض خواہوں کے مطالبوں سے بچنے یا اسے ٹالنے کے لیے وہ جھوٹ کا سہارا پکڑتا ہی اور جھوٹے وعدے کرکے اسے بھروسا دلانیکی کوشش کرتا ہی۔ اکثر اوقات جب قرض خواہ مطالبہ کے لیے گھر پر آتا ہی تو کوئی جھوٹا حیلہ حوالہ یا بہانہ کرکے اسے ٹالتا ہی۔ اور اس وقت دل میں خوش ہوتا ہی کہ بلا ٹل گئی مگر اس کا مطلق خیال نہیں رکھتا کہ اپنے کنبہ اور خصوصًا اپنی اولاد کے سامنے کیسی بری نظیر پیش کر رہا ہی اور انکو کیسی ذلیل عادت کا خوگر بنا رہا ہی۔ کیوں کہ یہ ایک ظاہر بات ہی کہ صحبت و مشاہدہ کا انسان اور خصوصًا بچوں پر ایسا زبردست اثر پڑتا ہی۔ کہ وہ پھر تمام عمر زائل نہیں ہو سکتا۔ اس بیان کے بعد اس امر کے اظہار کی حاجت نہیں کہ ایسے شخص کی اولاد کے اخلاق و عادات کیسے اور کس قسم کے ہوں گے

زر کی بیقدری۔ زر کی نسبت لوگوں کے مختلف خیال ہیں کوئی اُسے ہاتھ کا میل کہتا ہی اور کوئی اسے قاضی الحاجات بتلاتا ہی لیکن اسمیں کوئی شک نہیں کہ زر کی محبت کم و بیش سب کو ہوتی ہی تحقیقات کرنے پر معلوم ہوگا کہ جو لوگ اس سے نفرت ظاہر کرتے ہیں انمیں شاذ و نادر کوئی اپنے قول کا سچا نظر آئیگا اور واضح ہوگا کہ ان کا یہ تنفر محض

ظاہرداری اور دکھاوے پر مبنی ہے۔ ہاں البتہ میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ قرض کا لینے والا اسکی قدر نہیں کرتا اور کفران نعمت کا مرتکب ہوتا ہے۔ گو ظاہر میں میرا بیان لغو وبیہودہ معلوم ہو مگر میں اس مثال سے اسے ثابت کرتی ہوں۔

فرض کرو ایک شخص بازار میں سودا خرید رہا ہے اور اس کے جیب میں چند روپے موجود ہیں۔ جوں جوں وہ سامان خریدیگا اس رقم میں بھی کمی ہوتی جائے گی اور ہر دفعہ جب جیب میں ہاتھ جائیگا تو یہ کمی اس سے محسوس ہوگی۔ ہر وقت اندر سے روپے اسکے ہاتھ کو چٹکی لیکر اسے اپنی کمی سے آگاہ اور بس کرنے کی تاکید کرتے جائیں گے۔ گو اسکا جی اور سامان خریدنا چاہے مگر اسے دوسرے ضروریات بھی مدنظر ہونگے اس لئے وہ احتیاط اور دوربینی کے ساتھ اس رقم میں سے ضرور کچھ بچائے گا قرض لینے کی صورت میں اول تو رقم کچھ پیش نظر رہتی نہیں کہ وہ اس کی قدر کرے اور اس کی کمی اور گھٹاؤ سے متاثر ہوتا جائے اور دوم رقم موجود نہونے کے سبب سے اسکے پاس حال و آیندہ دونوں ایکساں ہے اسلئے وہ بے دریغی سے فضول خرچی کرتا ہے اور بے ضرورت چیزوں کا آرڈر دیتا ہے جسکا خمیازہ اسکے ساتھ اسکے اہل وعیال کو بھی بھگتنا پڑتا ہے۔

متعلقین کے مصائب مقروض کے مصائب خواہ مالی ہوں یا اخلاقی صرف اسی کے ذات تک محدود نہیں ہوتے ہیں بلکہ اسکے دائرہ اثر میں پھیل کر کم وبیش اسکے سب متعلقین پر بھی اثر کرتے ہیں۔ وہ اسکے رنج سے مغموم اور اسکے دکھ سے متاثر ہوتے ہیں۔ خصوصاً اسکی بیوی بیچاری پر جو اسکی دلی غمخوار اور سچی ہمدرد ہوتی ہے صدمہ کا پہاڑ ٹوٹتا ہے اور وہ یا تو اپنا تمام مال وزیور سب اسکے حوالہ کر دیتی ہے یا گھر جائداد مال واسباب کے ساتھ اسکے بھی زیور وسامان سب فروخت ہو جاتے ہیں اس ناکردہ گناہ بیچاری کے لیے سوائے اپنی قسمت پر رونے کے اور کیا علاج ہے۔ وہ اپنی لاچاری

تباہی اور بچوں کی بربادی دبے بسی کو دیکھتی اور اندر ہی اندر رنج وغم سے گھلتی جاتی ہے کہ افلاس یا قرض کی وجہ سے نہ بچوں کی تعلیم وتربیت ہوسکتی ہے اور نہ ان کی شادی بیاہ کا کچھ انتظام کیا جا سکتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ آخر یا تو دق ہوکر رخصت ہوتی یا دائم المریض رہتی ہی اگر خدانخواستہ مقروض ایسی حالت میں اجل کا شکار ہو جائے تو اسکے اہل وعیال پر جو مصیبت پڑیگی وہ ناگفتہ بہ ہے۔

نتیجہ بعد الموت میں اس سے قبل بیان کر چکا ہوں کہ اگر آدمی مقروض مرجائے تو اس کے لیے مذہب میں کیا حکم ہے اور اسکے ساتھ عقبیٰ میں کس طرح کا سلوک کیا جائیگا۔ یہاں پر صرف اتنا ایزاد کرنا مناسب ہے کہ ایک حدیث میں منافق کی تین علامتیں بتلائی گئی ہیں اور یہ تینوں قریب قریب ہر قرض کے عادی میں پائی جاتی ہیں اور وہ حدیث یہ ہی۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین علامتیں ہیں اگرچہ وہ روزہ رکھتا اور نماز پڑھتا اور اپنے تیئں مسلمان سمجھتا ہو۔ (۱) جب بات کہے جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے خلاف کرے (۳) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے خیانت کرے[1]۔

دنیاوی لحاظ سے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مقروض آدمی جب انتقال کرتا ہی تو اسکا مال و اثاثہ سب نیلام ہوجاتا ہے اور اس کے اہل وعیال سب محتاج ہوجاتے ہیں یا یہ کہ ان بیچاروں کو اپنی بدنامی اور اسکو عذاب الٰہی سے بچانے کے لئے جوں توں کرکے اسکے قرض کو ادا کرنا پڑتا ہی۔

اخلاقاً قرضدار آدمی جو مضر اثر اپنی زندگی میں دوسروں پر ڈالتا ہے وہ دوسرے نقصانات کے ضمن میں بیان کئے جاچکے ہیں۔ یہاں پر صرف ایک اور بات تبلاتا ہوں جو زیادہ قابل غور ہے۔

---

[1] الحقوق والفرائض

مولوی ذکاءاللہ صاحب ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ "تحقیقات جدیدہ کے روسے کسی چیز کو دنیا میں فنا نہیں ہے" اگر یہ مقولہ صحیح ہی اور ضرور صحیح ہے تو پھر اخلاق پر بھی (گو اسکا تعلق روحانی ہو) یہ حکم منطبق ہو سکتا ہی۔

آدمی دنیا میں اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے ایک ذی اثر رتبہ رکھتا ہے اور خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے اس کا ہر فعل ضرور نتیجہ بخش و اثر کرنے والا ہوتا ہے اور موت کے بعد بھی وہ اپنی عادات و اخلاق کا خواہ وہ برے ہوں یا بھلے اثر چھوڑ جاتا ہی اگر ہم غور کریں تو اپنی زبان مذہب۔ رسم رواج۔ قصہ کھانی۔ مثالیں۔ طرز معاشرت وغیرہ میں بین طور پر اس کی جھلک پائینگے۔ گو ہماری لاش کا نام ونشان تک باقی نرہے مگر ہمارے چال چلن۔ اخلاق۔ افعال کا اثر امٹ اور جلی حروف میں دنیا کے کارنامہ میں لکھا رہیگا اور یہی اثر کہیں خاندانی عزت و فخر ہوگا اور کہیں ننگ خاندان نظر آئیگا پس مقروض اپنا جو مضر اور مخرب اثر اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے وہ ہمارے مضمون سے واضح ہو سکتا ہے اسلیے ان کو یہاں پر دہرانا تضیع اوقات سمجھتی ہوں۔

قرض کے خرابیوں کو بیان کرنیکے بعد اب میں انکے اسباب و وجوہات پر نظر ڈالتی ہوں۔

وجوہات قرض

فضول رسومات | ہماری رسومات لغو و بیہودہ ہونیکے علاوہ بہت کچھ ہمکو گرانبار قرض کرتے ہیں ہم انکی پابندی اور ادائی کو خدا کے فرائض سے زیادہ سمجھتے ہیں انکے مضر نتائج اور خرابیاں ہمکو نظر نہیں آتیں تعصب نے ہمکو ناعاقبت اندیش اور جہالت نے ہمکو اندھا بنا دیا ہے۔ باوجودیکہ ہم سینکڑوں کو تباہ اور ہزاروں کو محتاج ہوتے ہوتے دیکھتے ہیں مگر ہمارا دہی مگرمچھ کا سا حال ہے کہ جسکو ایکبار پکڑ لیتے ہیں پھر چھوڑتے نہیں

دولت برباد ہوجائے۔ گھرلٹ جائے۔ مفلس ہوجائیں۔ نان شب کو محتاج ہوجائیں کیا مقدور کہ ان کو ترک یا ایک ذرہ برابر ان میں کمی کریں۔ پیسہ نہیں تو نہ سہی اسباب فروخت کرینگے۔ سرمایہ نہیں تو کچھ پروا نہیں زیور گرو رکھیں گے۔ روپیہ نہیں تو مہنواکرے قرض دام لینگے۔ مگر ان کی پابندی کرینگے پھر کرینگے۔ جب تک ہم اپنی فضول رسومات کو ترک نہ کریں اور ان فضول خرچیوں کو نہ روکیں ہمکو افلاس وادبار سے کسی طرح نجات نہیں مل سکیگی۔

ہمکو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہماری یہ فضول خرچیاں کفران نعمت اور اسراف میں داخل ہیں جسکو خدا نے اپنے کلام مقدس میں متعدد جگہ منع فرمایا ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے کہ "اے بنی آدم........ کھاؤ پیو اور فضول خرچیاں نہ کیا کرو کیونکہ خدا فضول خرچ کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا ہے" (۱)

میرا ارادہ تھا کہ انکے مصائب وخرابیوں کو زیادہ شرح وبسط کے ساتھ لکھوں لیکن چونکہ ان کا بیان قرض کے ضمن میں آگیا ہے اسلیے اس سے زیادہ لکھنا احاطہ مضمون سے خارج ہے اور نیز اڈیٹر صاحب کا خوف بھی مانع ہے کہ کہیں اسے فضول بکواس تصور کرکے ردی کاغذات میں نہ پھینکدیں۔ انشاءاللہ آئندہ کسی وقت خاص رسم ورواج پر ایک مضمون لکھکر ان کی خوب قلعی کہولونگی۔

میرے خیال میں انکا ترک یا اصلاح زیادہ تر ہمارے طبقہ سے تعلق رکھتا ہے اور جب تک ہم زیور تعلیم سے آراستہ اور شائستہ خیالات سے پیراستہ ہوکر مردوں کے ساتھ ہم آواز ہوکر کوشش نہ کریں یہ قومی خرابیاں کبھی دور نہو سکیں گی۔

خدا کا لاکھ لاکھ احسان وشکر ہے کہ تعلیم نسواں کی ضرورت قوم نے بخوبی محسوس کی ہے اور ہر جگہ پر اس کی روزافزوں ترقی نظر آرہی ہے اسلیے ہمکو خدا سے امید کرنی چاہیئے کہ عنقریب یہ خرابیاں ہم میں سے دور ہوجائیں گی اور ہماری ردی اور ابتر حالت رو

باصلاح ہوجائے گی۔

فیشن - فیشن رسم ورواج کا ایک شعبہ ہے اور اسکی پابندی بھی فرض کا ایک بڑا باعث ہے۔

دنیا میں کوئی چیز خواہ کیسی ہی اعلیٰ وعمدہ ہو عیب سے خالی نہیں نئی روشنی اور نئی تعلیم نے اپنے فوائد کے ساتھ چند خرابیاں اور عیوب بھی ہمارے طرز معاشرت میں داخل کئے ہیں از انجملہ ایک فیشن ہو اس سے مراد مروج طریقہ قطع وبرید واستعمال لباس وغیرہ ہی گویا یہ لباس کا بادشاہ ہے کہ جب چاہتا انکے وضع کو بدلدیتا اور ان میں نت نئے تراش وخراش پیدا کرتا ہے۔ اسکی ایسی زبردست حکمرانی ہو کہ سب اندھا دھند اسکے احکام کی تعمیل کرتے ہیں اور کسی کو چوں وچرا کی مجال نہیں رہتی۔ جب اسکا خیال ایکمرتبہ انسان کے دماغ پر مسلط ہوتا ہے تو وہ بتدریج ایک لاعلاج مرض یا جنون ہوجاتا ہے اس کی بنا زیادہ تر بااثر وذی رتبہ لوگوں سے ہوتی ہے۔ جب یہ لوگ کسی فعل کو اختیار کرتے ہیں (خواہ وہ اختیاری ہو یا مجبوری) تو دوسرے بلاسوچے سمجھے انکے پیچھے ہولیتے اور انکی تقلید کرنے لگتے ہیں۔

میں یہ نہیں کہتی کہ ہمکو تقلید نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ یہ تو ایک شرط زیست ہے اور اسکی پابندی پر انسان مجبور ہے۔ مگر ہر چیز کی افراط فائدہ کے عوض نقصان پہونچاتی ہو تل بڑہتے بڑہتے بدنما مسہ ہوجاتا ہے اسی طرح تقلید کی افراط بھی بہت سے نقصان کے باعث ہوتی ہے۔ ہمکو فیشن کی ہر فعل کی تقلید میں اپنی حیثیت اور اسکی ضرورت پر نظر ڈالکر اور عقل کی ترازو میں اسکے حسن وقبح کو تولنے کے بعد اسکو اختیار کرنا چاہیئے۔ جب انسان تقلید میں افراط کرتا ہے تو اسمیں سے ایجاد واختراع کا مادہ جو ترقی کا ایک جزو اعظم بلکہ اصل اصول ہی سلب ہوجاتا ہے۔ پس وای اس گروہ یا قوم پر جو اس نکتہ کو نہ سمجھے اور اپنی زندگی کا دارومدار محض تقلید پر رکھئے۔

یہاں پر ایک قصہ مجھے یاد آیا جو خالی از دلچسپی نہیں۔ ایک وقت کا ذکر ہے کہ ملکہ آسٹریا معہ چند ہمراہیوں کے جنگل کی ہوا کھانے کے لئے نکلی تھیں۔ جب زیادہ دیر ہوگئی تو ایک مسافر خانہ میں تھوڑی دیر سستانے کی غرض سے ٹھیر گئیں۔ بیٹھتے وقت اپنی زنانی ٹوپی اتار کر کرسی کے پیچھے لٹکا دی۔ اتفاق سے ایک شریر بچے نے سب کی آنکھ بچاکر اس ٹوپی کی چپ چاپ کترکتر کر دھجیاں کر دیں۔ روانگی کے وقت جب ملکہ کو بچہ کی یہ شرارت معلوم ہوئی تو بے اختیار ہنس دیں۔ ساتھیوں نے بہتیرا اپنی ٹوپیوں کو پیش کیا لیکن ملکہ نے قبول نہیں کیا اور ننگے سر محل شاہی کو واپس آگئیں۔

راستہ میں چند فیشنل خواتین ان کو اس حالت میں دیکھکر سمجھیں کہ ملکہ نے عمداً ہواخوری کا یہ نیا طرز اختیار کیا ہے۔ پھر کیا تھا دوسرے روز سے ننگے سر تفریح کو نکلنا فیشن میں داخل ہوگیا اس نئے روش سے زنانی ٹوپیوں کی مانگ میں کمی ہونے لگی اور ان کی تجارت میں ٹوٹا آنے لگا۔ جب خیاطوں اور ٹوپی کے سوداگروں کو اس کی وجہ معلوم ہوئی تو انہوں نے بالاتفاق ایک گذارش جس میں اس شکایت کی تصریح تھی ملکہ کی خدمت میں پیش کی ملکہ کو اس نئے فیشن کی وجہ کو سنکر بڑی حیرت ہوئی اور فوراً ایک اعلان شاہی کے ذریعے اصل واقعہ اور سر برہنگی کے سبب سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ اسطرح یہ فیشن دوسرے روز سے موقوف ہوگیا۔

یہ ہے فیشن اور یہ ہیں اسکے اندھے پیرو۔

جب فیشن بدل جاتا ہے تو سابق کے لباس ناکارہ ہوجاتے ہیں یعنی کسی محفل یا مجلس میں پہننے کے قابل نہیں سمجھے جاتے۔ غریب لوگ تو مفلسی کی وجہ سے اسکی پابندی کر نہیں سکتے مگر متوسط درجہ کے لوگوں پر اسکا سخت مضر اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ بلالحاظ اپنی حالت کے دوسروں کی دیکھا دیکھی پیروی کرتے ہیں اور مجبوراً یا تو تباہ ہوتے یا مقروض ہوجاتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ عورتوں میں پردہ کی وجہ سے اس مرض کا زیادہ اثر نہیں ہوا ہے ورنہ مسلمانوں میں جو ذرہ برابر جان باقی ہے کبھی کے رخصت ہوگئی ہوتی۔ یہاں پر میں

مس نصیر الدین حیدر صاحبہ کی اس تجویز کی تائید کرتی ہوں جو انہوں نے لباس کے متعلق جلد ۲ نمبر ۵ کے خاتون میں پیش کی تھی اور جو انکی اعلیٰ قابلیت وعقل سلیم کی شہادت دیتی ہے۔

لیکن اب سوال یہ ہے کہ مردوں کا کیا علاج جن میں یہ مرض روزافزوں ترقی کرتا جا رہا ہے۔ اڈیٹر صاحب مجھے معاف کریں اگر میں اسکو تھوڑی تفصیل کے ساتھ بیان کروں۔

جسطرح میں نے اپنے رشتہ داروں کو دیکھکر اور ہمجولیوں سے دریافت کرکے اپنے شہر کے (جو ہندوستان کے اوّل درجہ کے شہروں میں شمار ہوتا ہی) نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی حالات کی نسبت رائے قایم کی ہے اسی طرح اگر میں ہندوستان کے تمام نئے تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں کے حالات کو قیاس کروں تو غالباً ناجایز وغلط نہو گا۔

یہ لوگ توفیشن پر ایسے ریجھے ہوئے ہیں کہ کسی چیز کو اسپر قربان کرنے میں دریغ نہیں کرتے نہ مذہب کے احکام کو دیکھتے ہیں اور نہ انسانی فرائض کا خیال رکھتے ہیں۔ مذہب کا تو یہ حکم ہے کہ "مسلمانوں! اگر تم میں سے کوئی آدمی پیوند پر پیوند لگالے اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے رہے تو اس سے بہتر ہے کہ وہ قرض لے اور اسکی اداکرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو" مگر سنتا کون ہے! انسانیت کا یہ فرض ہے کہ خودغرضی کے بنا پر دوسروں کو رنج وتکلیف نہ دیجائے لیکن مانتا کون ہے! مفلس ہوجائیں۔ مقروض ہوجائیں۔ تباہ ہوجائیں لیکن کیا مقدور کہ فیشن کی پابندی میں ایک سرمو کمی واقع ہو۔ انکو نہ بیوی کے کڑھنے کا کچھ خیال اور نہ بچوں کی تکلیف کا کوئی لحاظ رہتا ہے۔ میاں بابر ہفت ہزاری گھر میں بیوی فقر کی ماری ہے
یہ نئی روشنی ہی اور یہ چمک اس کی ہی   نور کہتے ہیں جسے وہ یہ جھلک اسکی ہی

مسلمان شریف زادیاں اول تو فطرتاً کچھ بے زبان ہوتی ہیں اور پھر اسپر ہر ایک کو بچپن سے یہ تعلیم دیجاتی ہے کہ خدا کے بعد اپنے خاوند کو سمجھے اسکے ہر فعل کو جائز اور ہر کام کو درست تصور کرے اسکو شرافت کا تقاضا یہ بتلایا جاتا ہے کہ وہ اپنے خاوند کے بدسلوکیوں کو تحمل و برداشت کرے اور اُف تک زبان سے نہ نکالے ؎

افسوس دنیا میں بہت ہمپر ہوئے جور وجفا
حق تلخیاں ہمنے سہیں بے مہریاں جھیلیں سدا

پھر وہ شکایت کرے تو کیونکر ایک عرصہ ہوا کہ چند نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے مضامین مختلف میگزینوں میں میں نے دیکھی تھی جن میں وہ اپنے فرقہ کی طرف سے اس امر کے شاکی تھے کہ ان کو تعلیم یافتہ بیویاں نہیں ملتیں اور اسکے ساتھ انہوں نے قوم کو دھمکی دی تھی کہ "اگر تم اپنی لڑکیوں کو لایق وقابل نہ بناؤگے تو ہم باہر اور غیر اقوام میں سے اپنے لئے بیویاں تلاش کرکے لائینگے" گویا انہوں نے لڑکیوں کو ایک تجارتی مال قرار دیا تھا کہ جب انکا جی چاہے بائی کاٹ کردیں۔ اَن پڑھ لڑکیوں سے شادی نہ کرنے کی اصل وجہ یہ بتلائی تھی کہ یہ کبھی سلیقہ شعار اور خانہ داری اور تدبیر منزل سے واقف نہیں ہوسکتیں۔

میں فطرتاً اپنے صنف کی جنبہ داری کرنے پر مجبور ہوں اور نوجوانوں کی اس شکایت پر انکی طرف سے (اگر وہ مجھے معاف کریں) ایک تحقیقی نظر ڈالنا چاہتی ہوں۔

انکی یہ شکایت ایک حد تک مبالغہ آمیز ہی اور وہ اپنے بزرگوں پر بیجا الزام لگاتے ہیں جو کسی طرح قابل معافی وچشم پوشی نہیں ہوسکتا۔ میں یہ تسلیم کرتی ہوں کہ تعلیم یافتہ بیوی مرد کے لیے آرام دہ، مسرت بخش بلکہ نعمت غیر مترقبہ ہوتی ہے مگر انکا یہ قیاس بالکل غلط ہے کہ ہم میں ناخواندہ عورت امور خانہ داری اور تدبیر منزل سے ناواقف رہتی ہے کیونکہ جہاں تک میں نے دیکھا اور سنا ہے ہندوستان

کے شریف مسلمانوں میں یہ عام دستور ہے کہ لڑکیوں کو بچپن سے تدبیر منزل سکھاتے ہیں۔ جہاں لڑکی میں تھوڑی سی سمجھ آگئی کہ انکے بزرگوں نے اسکو اپنے ساتھ امور خانہ داری میں شریک کرکے ہر ایک امر اسکو بتلانا شروع کیا جب وہ بڑی ہوکر سمجھدار ہوجاتی ہے تو گھر کے تمام انتظام، کاروبار، لین دین، اناج غلہ کی دیکھ بھال، پخت و پز کا اہتمام، اسکے سپرد کردیا جاتا ہے۔ جن صاحب کو باور نہ آئے وہ اپنے خاندان کی ان پڑھ عورتوں پر نظر ڈالکر دیکھیں تو یقین ہے کہ وہ میری بات کی تصدیق کرینگے۔ میں یہ بھی تسلیم کرتی ہوں کہ تعلیم عورتوں کے لیے نہایت ضروری ہے اور یہ بھی مانتی ہوں کہ پڑھی لکھی بیوی بہ نسبت ایک ناخواندہ بیوی کے زیادہ سلیقہ سے انتظام کرسکتی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مؤخر الذکر محض بے شعور، بدسلیقہ اور امور خانہ داری کے نااہل ٹھیرائی جاوے۔

چونکہ بیان مذکورہ بالا کو آیندہ حصہ مضمون سے ایک گونہ تعلق ہے اسلئے اسکا ذکر کیا گیا ورنہ اب تو اس قسم کی بحث کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ خدا کے فضل اور ہمدردان قوم خصوصاً سکرٹری صاحب شعبہ تعلیم نسواں کی کوشش سے عورتوں میں تعلیم عام ہو رہی ہے اور ہر شخص اسکی ضرورت کو محسوس کر رہا ہے۔

اس جملہ معترضہ کے بعد پھر میں سلسلہ مضمون کی طرف متوجہ ہوتی ہوں۔

نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ان بیجا شکایتوں اور ناجائز الزامات کو ہم بہ تمام و کمال سہنے کو (جیساکہ ابتک سہتے آئے ہیں) تیار ہیں بشرطیکہ وہ اسی حد تک اکتفا کریں اور اپنی نسبت یہ سوچیں کہ

جو ہوجائے خطا کوئی کہ آخر آدمی ہو تم
تو جتنا جلد ممکن ہو کرو اسکا بدل اچھا

لیکن جب وہ ہماری ناخواندگی سے خواہ مخواہ بھونڈےپن کا نتیجہ نکال کے اپنی قرضداری

کا الزام ہمارے سر تھوپتے ہیں تو جگر شق اور دل کباب ہو جاتا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ ان کی آمدنی کا زیادہ تر حصہ فیشن کے بھینٹ چڑھ جاتا ہے؟ کیا انکو نہیں معلوم کہ وہ اس کے ہاتھوں تباہ ہو رہے ہیں اور اپنے اہل و عیال کو مصیبت میں گرفتار کر رہے ہیں؟ کیا وہ واقف نہیں ہیں کہ اپنی بیوی پر پھوڑپن کا بیجا الزام لگا کے انصاف کا خون کر رہے ہیں؟ بیشک جانتے اور خوب جانتے ہیں مگر تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں ہماری ناخواندگی سے وہ خود غرضانہ فائدہ اُٹھاتے اور خوب فیشن کے مزے اُڑاتے ہیں۔ ان کو اپنے فضول خرچیوں کو چھپانے کے لیے یہ ایک خوب حیلہ ملگیا ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ ؎

چھپتی نہیں ہے بات بنائی ہوئی کبھی
آخر کو ہو کے رہتی ہے اصلیت آشکار

کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ بزرگان قوم اس موذی مرض کی طرف توجہ کر کے اسکے اندفاع کے لیے کوئی نسخہ تجویز کریں؟ کیا اب بھی وہ زمانہ نہیں آیا کہ ہم اپنی شکایتوں کو پیش کر کے انصاف چاہیں؟ مولانا حالی تو ہمکو امید دلاکر فرماتے ہیں ؎

نوبت تمہاری حق رسی کی بعد مدت آئی ہے
انصاف نے دھندلی سی ایک اپنی جھلک کھلائی ہے

خیر اگر یہاں انصاف نہوگا تو ہم اس منصف حقیقی کے عدالت کی کچہری میں اپنا مقدمہ پیش کرینگے جو اپنے تمام بندوں کو ایک نظر سے دیکھتا اور سب پر یکساں شفقت رکھتا ہے لیکن ہم جتلائے دیتے ہیں کہ یہ بالکل سچ ہے کہ چپ کی داد آخر بلے ملے رہتی نہیں۔

تفاخر بیجا۔ اگرچہ دونوں اسباب مذکورہ بالا اس عنوان کے ضمن میں شریک ہوسکتے ہیں اور ان کی پابندی میں جو فضول خرچیاں ہوتی ہیں ان کی اصلی غایت بھی یہی ہوتی ہے لیکن زیادہ وضاحت کے لیئے ان کو تین علیحدہ عنوانوں میں تقسیم کرنا مجھے زیادہ

مناسب معلوم ہوا۔

اکثر لوگوں کو یہ خبط ہوتا ہے کہ اپنی اصلیت سے زیادہ دوسروں پر اپنی ثروت کا جھوٹا اثر ڈالیں اور اپنے کو ان کی نظر میں اپنی اصلی حیثیت سے زیادہ ظاہر کریں۔اسی خیال کو ہم یہاں پر تفاخر بیجا سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ لوگ ظاہری ٹیپ ٹاپ کے ایسے دلدادہ و فریفتہ ہوتے ہیں کہ نہ اپنی آمدنی کو دیکھتے اور نہ اس خیال کی بیہودگی کو سوچتے ہیں۔اسی کو عزت کا ذریعہ اور اسی کو ناموری کا وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ وہ اس بیہودہ شوق و ہوس کی پیروی میں عقل کے اندھے ہو جاتے ہیں نہ اپنی مقدرت اور نہ چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانے کے مصائب پر غور کرتے ہیں۔

مثلاً اگر سو روپیہ آمدنی والا پانچسو روپیہ والے کی ریس کرنی چاہیئے اور اسی طرح کا تکلف اختیار کرے تو اسکا لازمی نتیجہ قرض ہوگا۔میں نے تو بعض بیویوں کو اس شوق میں اسحد تک مبالغہ کرتے دیکھا ہے کہ وہ کسی خوشی کی تقریب میں بے زیور جانا ننگ و عار سمجھتے ہیں اور اگر خود کے پاس نہو تو دوسروں سے مانگ مونگ کر پہن جاتی ہیں

بس انکو ہے ٹیپ ٹاپ کی دُھن +
شیخی کے سوا نہیں کوئی گُن +

میں یہاں پر پھر مس نصیر الدین حیدر صاحبہ کی دور اندیشی اور مصلحت بینی کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ انکے مجوزہ لباس میں علاوہ اور خوبیوں کے ایک اور خوبی یہ ہیکہ .... اسمیں زیور کی چندان ضرورت نہیں رہتی۔

میری پیاری بہنو۔ تم اس لغو شوق کے فریب میں نہ آؤ اور ظاہری نمائش کا دھوکا نہ کھاؤ یہ وحشیانہ خیالات کے رہے سہے آثار ہیں جو عنقریب مٹنے والے ہیں۔ میں

یہ نہیں کہتی کہ تم اچھے لباس اور عمدہ پوشاک زیب تن نہ کرو۔ کرو اور شوق سے کرو لیکن اسی حد تک جو تمہاری استطاعت و مقدور تمکو اجازت دے۔ کبھی اسکی خاطر سے تم اپنی چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلاؤ اور دوسری کی دیکھا دیکھی اپنے کو قرض کی بلا میں مبتلا نہ کرو۔ تم کبھی اس امر کے اظہار کرنے میں شرماؤ نہیں کہ تم مالدار نہیں ہو بشرطیکہ تمہاری بدانتظامی اسکا سبب نہو۔ تم دوسروں کی نظر کی خاطر اپنے کو مصیبت میں گرفتار نہ کرو۔ ایسے شخص کی عزت کے بجائے تحقیر و تضحیک ہوتی ہے جو اپنی استطاعت سے زیادہ زرق برق دکھلاتا ہے۔ مزید براں دیکھو یہ ایک اخلاقی کمزوری۔ بزدلی۔ بلکہ فریب دہی و مکاری ہے۔ جسے کوئی شریف آدمی پسند نہیں کریگا ایسا شخص خدا کے پاس جو اس کی حالت سے واقف ہے گنہگار اور بندوں کے پاس شرمسار رہتا ہے۔

یہ ظاہری ٹیپ ٹاپ ظاہر ہیں اور جاہلوں کے خوشی کے سامان ہیں تمہاری خوشی کا مقصد اور درجہ ان ظاہری نمائشوں سے بہت کچھ اعلیٰ اور اونچا ہونا چاہیے تم زیور علم کو تلاش کرو جس سے اصلی خوشی، سچی عزت اور روحانی مسرت حاصل ہوسکتی ہے مدتوں بعد ہماری قسمت کا ستارہ چمکا ہے اور خدا نے مردوں کو ہماری تعلیم کی طرف متوجہ کیا ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ اسکے شکریہ کو اس کی مہربانی کی قدردانی میں ظاہر کریں اور علم کی تحصیل کرکے جہانتک جلد ممکن ہو ان جاہلانہ خیالات کو اپنے میں سے دور کریں۔ سلیقہ کی سادگی میں جب علم چھپا ہوا ہوتا ہے تو اس حسن کی چمک دمک کے سامنے یہ سب سامان ظاہری ماند ہوجاتے ہیں اور ان کی لغویت ثابت ہوجاتی ہے۔

انکے علاوہ اور بہت سے اسباب قرض مثل قماربازی وغیرہ کے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کو مردوں سے خاص تعلق ہے اسلئے میں ان کو قلم انداز کرتی ہوں۔

مضمون بہت طویل ہوگیا ہے ورنہ میرا ارادہ تھا کہ قرض داروں کو اس موذی بلا سے رہائی پانے کی چند تجاویز اور تدابیر بھی بتلاؤں۔ انشاء اللہ بشرطیکہ یہ مضمون

پسند آئے پھر کبھی ان کو میں پیش کرونگی۔

راقمہ۔ مسز۔ س۔ م۔ د

افیون

افیوں دماغ کو سست کردیتی ہے۔ اور اسکے نظام کو بگاڑ دیتی ہے۔ خاصکر بچپن میں جب اسکا استعمال کیاجاتا ہی تو اسکا نہایت تیز اثر بچے کے دماغ پر پڑتا ہے اور ایسے لڑکے ہمیشہ کے لیے سست اور کمزور ہوجاتے ہیں۔ جو لوگ اسکو مفید بتاتے ہیں وہ نہایت درجہ غلطی پر ہیں۔ تمام دنیا کے اطبّا اور ڈاکٹر اسکے نقصان پر متفق ہیں۔ مائیں اکثر بچہ کے رونے سے عاجز ہوکر اسکو تھوڑی سی افیوں پلا دیتی ہیں۔ لیکن اسکے نقصان کا خیال نہیں کرتیں راقمہ بیگم صاحبہ کے اس مضمون کو بہت توجہ کے ساتھ پڑھنا چاہیئے۔

(اڈیٹر)

افیوں کی مضرت تو اظہر من الشمس ہی لیکن افسوس ہی کہ اسکا استعمال روز بروز ترقی پر ہے اور جگہ کی تو میں نہیں کہہ سکتی اس مدراس کے ضلع میں تو ایسی کوئی ماں نہیں جو اپنے پیارے بچہ کو اپنے ہاتھوں زہر نہ کھلاتی ہو خواہ تعلیم یافتہ ہو خواہ جاہل سب مبتلا ہیں۔ کیونکہ اس نواح کے مرد خود اسکے قائل ہیں اور اس کے نقصانات کو مبدل بہ فوائد کرکے بیان کرتے ہیں چنانچہ ادہر کے لوگوں میں افیون کی نسبت ایک مثل مشہور ہے کہ جوان کو تیر بچوں کو شیر بڈہے کو عصا یعنی جس طرح کہ بچہ بغیر شیر کے زندہ نہیں رہ سکتا اسیطرح بغیر افیوں کے بچہ کی پرورش محال ہی اور بڈہے کو جیسی مدد عصا سے ملتی ہے ویسے ہی افیوں سے۔ میں اپنا ایک چشم دید

حال لکھتی ہوں۔ایک بی بی کو کسی خاص باعث سے بہت کم عمری میں اپنا دودھ چھڑانا پڑا اور بچّہ انا کا دودھ مطلق نہ پیتا تھا مجبور ہو کر اس کو گائے کا دودھ دینا پڑا اماں کی کچھ بے احتیاطی کے باعث بچّہ کو بدہضمی سے دست آنے لگے۔ ایک صاحب نے (جو پچیس ۲۵ تیس سال سرکاری نوکری کر چکے ہیں) دیکھکر پوچھا کہ بچّہ کو افیون کھلائی جاتی ہے یا نہیں ماں نے کہا کہ بچہ کے مرحوم والد کی تاکید تھی کہ بچہ کو ہرگز افیون نہ کھلائی جائے اُنھوں نے کہا کہ اے واہ بھلا کون کہتا ہے کہ بچوں کے لیے افیون مضر ہے افیون بچوں کے حق میں بیحد مفید ہے اُنکے اعضا کو قوی اُنکے دماغ کو درست ان کو چست و چالاک کر دیتی ہے اور بچّہ بہتیرے روگوں سے بچ جاتا ہے نہ کھانسی ہوتی ہے نہ زکام جس وقت افیون چڑھتی ہے بچّہ وہ وہ کلکاریاں مارتا ہے کہ جس سے دل خوش ہو جاتا ہی صاحب موصوف سے سوال کیا گیا کہ جناب بھلا جب افیون ایسی مفید شے ہے تو پھر ساری دنیا کیوں اسکی مضرت کو ثابت کرتی ہے اور کیا وجہ ہے کہ امریکہ یورپ کے بڑے بڑے تجربہ کار ڈاکٹر اور وہ بھی جسکو ذرہ برابر بھی علم طب میں دخل ہوا اسکو سم قاتل قرار دیتے ہیں کہا کہ ہاں ٹھیک ہے بیشک امریکہ یورپ کے ڈاکٹر اس کو مضر ثابت کرتے ہیں تم لوگ یہ بھی جانتے ہو کہ مختلف ملکوں کی آب و ہو مختلف ہوا کرتی ہے دیگر ملکوں کی آب وہوا کو افیون مضر ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اس ملک کے باشندوں یعنی ہندوستانیوں کو ضرور ہے کہ بچوں کو افیون استعمال کریں بغیر اسکے بچوں کی صحت ہرگز قائم نہیں رہ سکتی اور افیون بچوں کی غذا میں شامل ہے۔ اِن کا یہ جواب سُنکر مجھکو بہت ہنسی آئی اور خاموش رہ گئی۔

بھلا جب ایسے تجربہ کار افیون کی بابت اپنی رائے ایسی رکھتے ہیں تو عوام کا کیا کہنا وہ تو اس کالی بلا کو آب حیات تصور کرتے ہیں۔

مردوں کو چاہیئے کہ وہ خود اس بات کا پورا پورا خیال رکھیں اور تا وقتیکہ مستورات

بچوں کی پرورش کے قابل نہ ہوں بچوں کی پرورش کانو دنگہداشت کریں کیونکہ قوم کی ترقی وتنزل آیندہ بچوں کے ہاتھ ہے میں نے جا تک دیکھا سُنا ہے یہاں کوئی بچہ بغیر افیوں کے نہیں پلتا اور کوئی مرد اس موذی بلا کو مضر ثابت نہیں کرتا اور اپنے مستورات کو اس سے نہیں روکتا اور بلا شبہ اس بلائے عظیم کو خاندانی رواج خیال کرکے بچوں کو کھلاتے ہیں کسقدر افسوس کی بات ہے ۔

جناب مولوی سید احمد صاحب افیوں کی بابت تحریر فرماتے ہیں کہ سارے روگوں کا گھر یہ افیم ہے چیچک کو اس سے مدد ملتی ہے دماغی بیماریاں جیسے مرگی صرع وغیرہ اس سے ہوتی ہیں پسلی کے خلل اور آزار کا سبب یہ ہے توانائی کو یہ روکتی ہے کاہلی کو بڑھاتی ہے دماغ میں خشکی بدن میں خارشت یہ کرتی ہے۔ قبض کی جڑ یہ ہے اور اعصابی بیماریوں کا گھر یہ ہے۔ غرض ہزاروں مرض ہیں جو اس چینی بیگم کے دم سے پیدا ہوتے ہیں سلے بچوں کی ماؤ۔ تم بچوں کو افیوں نہیں دیتی ہو بلکہ نہیں ایسا دیر پا زہر پلاتی ہو جو رفتہ رفتہ انکی روح کو تحلیل کر دیتا ہے کیا تمہیں رحم نہیں آتا کہ تم اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں قبر کی گود میں سلا دیتی ہو تمہاری غرض تو انہیں آرام دینے سے ہوتی ہے مگر وہ دنیا ہی کی تکلیف سے چھوٹ جاتے ہیں بہتیری مائیں افیوں کھلا کر کہتی ہیں کہ واہ کیا عمدہ دوا ہے جس سے میرا بچہ آرام سے سو رہا ہے نہیں نہیں اسے اچھی دوا نہ کہو بلکہ موت کی گولی سمجھو۔ کہ اس نے بچہ کے قوی کو کمزور اور سست کرتے کرتے اس قابل نہ رکھا کہ وہ جاگے یا ہاتھ پاؤں مارے کیونکہ یہ بچہ کے دماغ کو جا کر پکڑ لیتی اور بالکل بے حس کر دیتی ہے جس کے سبب وہ پہروں غنودگی کے عالم میں پڑا رہتا ہے اور دانت نکلتے وقت اس تکلیف کا خوف اور احتمال ہے جس سے اکثر بچے ہاتھ سے کیل جایا کرتے ہیں یہاں تک تو وہ باتیں ہوئیں جو بچپن میں معصوم بچوں کو تکلیف دیتی یا انکے مر جانے سے ماؤں کو صدمہ پہونچاتی ہیں اب ہم دو چار قباحتیں بیان کرتے ہیں جو افیوں کی اس رسم کی وجہ سے

ملک اور قوم دونوں کو تباہ و برباد کئے دیتی ہیں یہ تو معلوم ہو گیا کہ افیون بچپن ہی سے ہمارے پٹھوں دماغ اور اعضا بلکہ اندرونی قوی کو مضمحل اور کمزور کر دیتی ہے افیون کے کھلانے سے انسان کے دماغ کی مفید قوت نکل جاتی ہے اور اسکے سبب سے قومی جرائت قومی بہادری ملکی حفاظت ملکی ترقی میں بہت بڑا حرج واقع ہوتا ہے۔ طبیعتیں آرام طلب دل شکستہ اور حیلہ جو ہو جاتے ہیں جسموں کا انس نکلجاتا ہے عقل میں تیرگی دلوں میں نامردی آجاتی ہے بے غیرتی اور بیحیائی چھا جاتی ہے نہ کمائی کی ہمت رہتی ہے نہ علم و ہنر حاصل کرنے کی جرات بھیک کو ہنر اور خوشامد کو علم مجلس خیال کرنے لگتے ہیں ہندوستانی مرد جو زندگی کی حالت میں مردوں کی شکل بنائے کاغذ کے پتلے باز بنے پھرتے ہیں یہ اس افیون ہی کا طفیل ہے یہاں کی عورتیں جو اکثر دکھڑوں میں گھری رہتی ہیں ان کا سبب بھی اس افیون کا اثر ہے جو حالت شیرخوارگی میں ماں کی محبت نے دن میں تین چار دفعہ کھلائی تھی اس رسم کے چھڑانے میں ہندوستانی مردوں کو ضرور کوشش کرنی چاہیئے ورنہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ اپنے ہاتھ سے منہ کی مکھی بھی نہیں اڑا سکیں گے بازو سے کمانا اور محنت کرکے لانا تو کیسا۔ جنہیں ہم لوگ گنوار عقل کا دشمن کہتے ہیں اس رسم کی احتیاط کرنے سے دیکھو وہ کیسے توانا جناکس جسیم بنے پھرتے ہیں آخر پر ہم پھر اتنا کہتے ہیں کہ اس کالی بلا سے بچو بچو بچو۔

راقمہ خاکسار

رابعہ بیگم

اصول تہذیب کا سبق

عزیز محترم بہنو! مجھ ہیچمدان، اگمنام کو آپ سے رسم تعارف خاتون کی علمی بزم میں حاضری کی تقریب میں حاصل ہوئی۔ باوجود عدیم الفرصتی حمیت کا تقاضا شدید ہوتا ہے کہ پھر اُس لطیف روحانی ملاقات کی یاد تازہ کیجائے اور سچ پوچھئے تو اس کی اصلی تحریک میرے پیارے عزیز منشی جواد علیخاں عالی محمد پوری کے اُن نتیجات قلم نے کی جو نومبر ۱۹۰۸ء میں حیدرآباد کے نامور رسالہ دکن ریویو میں "بیکاری کے چند گھنٹے" کے عنوان سے شائع ہوئی ہے۔

عزیز موصوف الصدر کے پاکیزہ خیالات نے مجھے سوتے سے جگایا، اور میرے مُردہ خیالات کے لیے روحِ رواں ثابت ہوئے، آپ کے اصلاحی اصول کو جب میں نے غور سے پڑھا مجھے عملی تجربہ کی ہوس دامنگیر ہوئی، اور درحقیقت اُن کا حوصلہ افزا دلکش اثر اپنی ضعیف، کاہل، اور وقتِ فرصت کو غنیمت نہ سمجھنی والی بد مذاق طبیعت میں محسوس کیا۔ میرا خیال ہے کہ اگر اُسے میری اور بہنیں بھی مطالعہ کرینگی تو ضرور اصلاحِ خیالات حاصل کرسکیں گی۔ جس اثر سے میں متاثر ہوئی اور میرے خیالات مائل بہ ترقی ہوئے بڑی بے انصافی ہوگی۔ اگر میں اپنی اُن بہنوں کو جو میری ہی طرح بیکاری کے وقت کو بیکاری میں گذارتی ہونگی اور وقت کا غلط مصرف تجویز کرتی ہوں گی، کارگذاری کے حق میں اکسیر کا سبق نہ دوں جس سے میں مستفید ہوئی۔

اس دوسری ملاقات میں میرا مخلصانہ مشورہ اگر نظر قبول سے دیکھا گیا تو مجھے پھر بھی یہ اخلاقی جرأت ہوگی جس مضمون کی طرف میں نے ناظرات خاتون کو متوجہ کیا ہے اُسکی تمام و کمال پیش کرنا بحث کیجا طول دینا ہے، ایسے اُسکے مفید اور نتیجہ [illegible]

اقتباسات درج ذیل کرتی ہوں امید ہے کہ یہ چند اصولی فقرات نہایت غور وتعمق سے پڑھے جائینگے۔ مضمون کا ماحصل یہ ہے کہ بیکار نہ رہو کیونکہ بیکاری تمام اخلاقی بُرائیوں کی جڑ ہے۔ صاحب مضمون یوں رقم طراز ہیں۔

"بے شغلی کیوقت انسانی وحیوانی جذبات میں مقابلہ کی ٹھیرتی ہے اور انہیں سے کوئی غالب آتا ہی، پھر وہی ملکہ غالب ایک خیالی واعظ کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہی، اور ترقی کی مادی یا روحانی تلقینات کا واعظ کرتا ہی اور رفتہ رفتہ انسان ان دونوں درجوں میں سے کسی پر پہونچ جاتا ہی یعنی عالم ترقی میں یا تو صدیق کا معزز وگرامی خطاب حاصل کرتا ہی۔ یا زندیق کہلاتا ہی"

اسی سلسلہ میں قابل لحاظ فقرہ ہی۔

"انجمن بے شغلی کے ممبر اگر عقل سلیم کو اپنا صدر انجمن بنالیا کریں تو اُن کو اپنے مفاد کی عمدہ تدابیر کے انتخاب میں اس سے بیش بہا مدد ملے، اور بیکاری میں جن خطرات کا اندیشہ رہا کرتا ہے اُن سے اطمینان حاصل ہوجائے"

غور سے دیکھا جائے تو مضمون نگار کے قول کی صداقت کا درجہ یقینی ٹھرتا ہے اور اصلاح خیال کی اہمیت جو درستی اخلاق کا ابتدائی مرحلہ ہی ثابت ہوتی ہی ایک مشغول انسان کے لیے وہ وقت نہایت کٹھن ہوتا ہی جبکہ وہ اپنے فرائض منصبی سے سبکدوشی حاصل کر چکتا ہی، اور عام خیال کے مطابق آرام لینے کے لیے اپنے کو معطل محض بنا دیتا ہے اسکے متعلق موصوف الصدر مضمون نگار صاحب لکھتے ہیں۔

تم یا تو اسکو آرام سمجھتے ہو کہ کام کرکے انسان پلنگ یا آرام کرسی پر سیدھا سیدھا لیٹ جائے۔ اور جسم کو ساکن مطلق بنادے، یا یہ کہ کسی لہو ولعب میں مشغول ہوجائے۔ لیکن متذکرہ بالا اصول بہ بطلان خلاء کے مطابق ہر دو صورت میں تمہارے کارخانہ فکر کے کل پرزے ساکن نہیں رہ سکتے، بمصداق

اس قول کے کہ "واہمہ خلاق ہے" پہلی صورت میں تمہارا شہبازِ فکر فضاء تخیل میں منڈلاتا پھریگا، اور دوسری صورت میں تمہیں یارانِ قدح خوار کے جگھٹے، شاعری کی بھری محفل، یا بساطِ شطرنج و گنجفہ پر لا بٹھا ئیگا۔ یا اور مزخرفات میں منہمک کر دیگا۔ الغرض راحت کی تعبیر سکونِ مطلق سے کسیطرح ٹھیک نہ ہوگی۔ بلکہ راحت کا اصلی ذائقہ انتقال ذہنی یا تنوعِ خیالات اور تبدیل کار سے حاصل ہوتا ہے

پھر اسی روزمرہ کی دو چار مثالوں سے سمجھایا ہے۔ اور آگے چلکر اس عامیانہ مفہوم تفریح کی دلنشین قباحتیں بتلائی ہیں جنہیں عقل سلیم تسلیم کرنے میں ذرا تامل نہیں کرتی۔ لکھتے ہیں۔

"بخیالِ تفریح اعضاء سے انقطاعِ حرکت اعضاء کے لیے سکون ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ اسلوبِ حرکت کو بدلدینا اس کی حقیقی تفریح ہوسکتی ہے اب فیصلہ طلب امر یہ رہا کہ جسوقت انسان اپنے وہ معمولی فرائض منصبی انجام دے چکتا ہے جس کے بعد تفریح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ آیا؟ یہ تفریحی گھنٹے تفریحی اشغال میں گذارنے مستحسن ہیں یا کسی نتیجہ خیز شغلہ میں، اس خاص بحث میں تجربہ و عقل ہم آہنگ ہو کر یہ مشورہ دیتے ہیں کہ غیر مفید امور میں اسوقت کو کھپا دینا محض بنظر افادہ ہی غیر مستحسن نہیں بلکہ یہ شاغلِ تفریح مزید برآں اس لحاظ سے بھی قابلِ اجتناب ہیں کہ روز بروز انہیں انہماک اور رجحانِ طبیعت رو بہ ترقی ہوتا ہے، جو کسی نہ کسی دن ایک ثقہ، پاکباز اور بے نفس انسان کو افعال شنیعہ کے ارتکاب کے لیے طیار کر دیتے ہیں کیونکہ یہ متعدد جسرائیں اُسکے ملکہ اقتباب اور اخلاقی رعب کا استیصال کر ڈالتی ہیں، جس سے انسان اپنی اخلاقی داد بی حکمت عملیوں سے بے بہرہ ہو جاتا ہے"

اس بحث کا خاتمہ چند ایسے اولوالعزم وجفاکش تاریخی بزرگوں کے نام پر ہوا ہے جن کی

نسبت یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ لوگ ابتداً باوجود حقیر اور نہایت معمولی حیثیت رکھنے کے اس پارس کی بدولت مٹی سے سونا یا ذرہ سے آفتاب بنگئے، کسی جگہ ایک معمار کو مہندسی کا درجہ حاصل کرایا ہے، اور کہیں ایک نجار ماٰئی وقت بنا ہے، گو ہماری پستی حوصلہ دالخطاط فکرنے یہ مثالیں ہمارے لیے اسبابِ حیرت قرار دی ہیں، جنہیں ہم ناممکن الوقوع یا موجود لحاظ سے خرقِ عادت قرار دیں، تو کچھ بعید نہیں۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنی کوتاہ بینی سے تاریخی کارناموں کو جو الوالعزمی و سرگرمی کا سبق دیتے ہیں اپنے خیال کے مطابق اُن کی تاویل کرکے اُن کا جوہر زائل کردیں۔ لیکن جب ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس تنگ خیالی و پست ہمتی کا اثر زیادہ تر بنی آدم کے اُس جنس لطیف و نازک پر ہی جو طبقہ نسواں سے یاد کیا جاتا ہے۔ تو ہمارا خون خشک ہوجاتا ہی اور سراپا عرق انفعال میں ہم ڈوب جاتے ہیں۔ اس انسانی غیرت سے درگذر کیا جاے اور محض اقتضاء وقت پر اعتماد کیا جاے۔ تب بھی ہم اپنی حالت پر افسوس کرتے ہیں۔ اصولِ ارتقاء کے لحاظ سے جو معیار ہماری علمی یا عملی استعداد کا بالفعل ہونا چاہئے۔ اُس سے بدرجہا گھٹا ہوا ہے فرائض کی تکمیل تو ایک بڑی بات ہی اگر اُن ذمہ داریوں کی جانب ہمارا انتقال ذہنی بھی ہو جاوے تو ہمیں اسے بھی بحالت موجودہ اپنی دماغی ترقی کا دیباچہ زرین سمجھنا چاہیئے۔

ہمارے اجزاء ترکیبی کی اگر مادّی و غیر مادّی تحلیل کیجاے تو آرام پسندی کاہل الوجودی پست ہمتی، بدمذاقی کے عناصر غالب نکلینگے۔ ہمارا مذاق بجاے علمی و عملی مشغلہ سے دلچسپی لینے کے اسکا طلب گار رہتا ہے کہ روز بروز ہم نئی پوشاک بدلیں۔ دو چار ہنس مکھ ہمجولیاں ملجائیں اور سارے جہان کا قصہ بکھانا جاے۔ جو عورات عقل و تمیز اور کفایت شعاری سے کوئی کام کریں اور رسوم ناروا کی پابندی سے اقرار کریں اُن کی بات بات کی پھبتیاں اڑائی جائیں۔ ہمیں خانہ داری میں حسنِ انتظام سے واسطہ، نہ بچوں کی صاف و سادہ

تربیت سے غرض، ہر بات میں پھوہڑپن نہ کوئی ہنر نہ گن - یہ تو اُن کا حال ہی جو ہماشما سے ہیں، رہیں امیرزادیاں، اُن کے تو باوا آدم ہی نرالے ہیں اُنکا ہاتھ میکے سے بنایا جاتا ہے - اور سسرال آکر بھی نہیں ہِل چلتا، نہ کسی کام کی نہ کاج کی، ماما دھوم دھام بنی ہوئی چارپائی کے بادہ توڑنے کے لیے گویا خدا نے اُنہیں اُتارا ہے اور اسی پر اُنہوں نے قناعت کی۔

جس طبقہ کا یہ حال ہو اُس سے بیکاری میں کام کی امید رکھنا بڑی بات ہی۔ صد رحمت اُن پر اگر کام کے وقت وہ کام کرلیں اور کام نکریں تو جو اُن کا کام ہو اُسکا خیال ہی کرلیں۔ جسکے بعد رفتہ رفتہ اُنہیں غیرت آئیگی جو اُن سے شاید کام کرائے

محترم ناظرات ! میری بیکاری بی (وہی بیکاری جو اپنے خانہ داری کے دہندوں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد بغرض آرام ہر شخص کے لیے ہوتی ہی) بیکار گذرتی تھی لیکن جب سے میں نے یہ مفید سبق پڑھا تو اسی بیکاری کی میری نگاہ میں بڑی وقعت پیدا ہوئی اور اُس روحانی تفریح کا ذائقہ مجھے حاصل ہونے لگا جو انسانیت کے لیے نہایت مفید اور قابل اعتنا رہی، جو شغل میں نے ان اوقات کے لیے تجویز کیا ہے۔ قسمت سے اُسکے لیے مجھے مشیر بھی ایسا ملا ہے جسکی روشن خیالی سے مجھے فائدہ اُٹھانے کا ہر طرح موقع حاصل ہی اور جو نہایت خلوص وایثار نفسی سے اسپر آمادہ ہے، اور جس سے امید پڑتی ہے کہ میں کچھ نہ کچھ علمی مذاق پیدا کرلونگی،

میں بہت خوش ہونگی اگر ان فقرات سے کسی میری بہن میں نیا شوق پیدا ہو گیا، اور میری ہی طرح باوجود علمی کم مایگی کے اپنی جسارت سے کچھ ترقی کی کہ مشق کرنے لگیں۔

ما قصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

راقمہ قیصر دلہن

ہر اکسیلنسی حضور لیڈی منٹو صاحبہ کی تشریف آوری وکٹوریہ مے گرلز سکول میں

ناظرین خاتون کو معلوم ہوگا کہ ہر ہائنس حضور شہزادی وکٹوریہ صاحبہ کے آنے پر ان کی ایک یادگار قایم کرنے کے لئے لاہور میں ایک سکول کی تجویز کی گئی تھی چنانچہ اُنہیں کے نام پر یہ سکول دس دسمبر کو کھولا گیا تھا۔ یہ سکول لاہور میں لڑکیوں کے لیے بہت ہی مفید ثابت ہوا ہے اور اس قلیل عرصہ میں کوئی چالیس کے قریب لڑکیاں اس میں آگئی ہیں۔ اسمیں پردے کا بہت ہی اچھا انتظام ہے۔

میں نہایت ہی خوشی کے ساتھ لکھتی ہوں۔ کہ ہر اکسیلنسی حضور لیڈی منٹو صاحبہ نے ۳ اپریل بروز ہفتہ پونے سات بجے شام کے وقت اپنی تشریف آوری سے سکول کو سرفراز فرمایا۔ ہم سب لڑکیوں کو انکے تشریف لانے کی خبر ۳۰ مارچ کو ملی۔ اور ہم بے صبری سے اُس دن کا انتظار کرنے لگیں اسکول رنگا رنگ جھنڈیوں اور دیگر خوبصورت اشیا سے نہایت سلیقہ سے سجایا گیا۔

آخرکار وہ مبارک ساعت آپہونچی۔

اس دن کے لیے ہر ایک لڑکی کی والدہ اور بہت سی دیسی اور یورپین بیگمات مدعو کی گئی تھیں۔ تقریباً ساڑھے پانچ بجے تک سب لیڈیاں سکول کے احاطے میں جہاں کہ شامیانہ نصب کیا گیا تھا۔ جمع ہوگئیں۔ لیکن حضور لیڈی صاحبہ وقت مقررہ پر تشریف نہ لاسکیں۔ کیونکہ وہ یونیورسٹی ہال میں کسی اور جلسہ میں تشریف فرما تھیں۔

حضور لیڈی صاحبہ کی موٹر کار کی آواز سنتے ہی سب حاضرین سروقد کھڑے

ہو گئے۔ جس وقت حضور لیڈی صاحبہ نے احاطے کے اندر قدم رکھا۔ سب لڑکیوں نے جھک کر خوش آمدید کہا۔ ایک ہندو لڑکی نے ہارمونیم بجایا اور خاکسار نے ایک نظم سنائی۔ جو کہ ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

نظم

دل ڈھونڈتا تھا جسکو وہ غمگسار آئی ‖ کلیوں کی انجمن میں بادِ بہار آئی
اللہ رے کرشمہ ہے آج لیڈی تمنو ‖ آنکھوں میں نور دل میں بنکر قرار آئی
کیونکر نہ عہد باندھیں الفت کا اس سے ہم بھی ‖ کرنے ہمارے دلکو جو استوار آئی
ملکو نکی جسنے عظمت قوموں کی جسنے عزت ‖ ہے جسپہ ناز ان کو وہ تاجدار آئی
کیا جانفزا خبر تھی تشریف آوری کی ‖ بجلی کی دوش پر یہ جیسے دم سوار آئی
عزت بڑھائی گویا ہندوستان کی تو نے ‖ عظمت بڑھائی تخت نورجہاں کی تو نے
آنا ترا مبارک پنجاب کے چمن میں ‖ چرچے رہینگے تیرے نسرین و نسترن میں
جی چاہتا ہے تجھپر لاکر نثار کردیں ‖ چھوڑیں نہ ہاتھ اپنے موتی کوئی عدن میں
زیور عروس کا اب تعلیم ہو گئی ہے ‖ مغرب سے حکمت آئی نادانوں کے وطن میں
مثل نسیم ہے کیا تیری ہوائے دامن ‖ ہے شان ہی نرالی کلیوں کے بانکپن میں
ہمدردیوں سے ہمکو شیدا بنالیا اپنا ‖ ہے وہ کمال تجھکو تسخیر دل کے فن میں
لیڈی! ترا گھرانا بستا رہے ہمیشہ ‖ تیرے کرم کا ہم پر سایا رہے ہمیشہ

حضور لیڈی صاحبہ کے ساتھ ان کی صاحبزادی صاحبہ اور مس ڈین صاحبہ بھی تھیں جب حضور لیڈی صاحبہ کرسی پر تشریف فرما ہو چکیں۔ تو دو دو لڑکیوں نے جا کر ان کو جھککر سلام کیا اور بغیر ان کی طرف پشت کئے اپنی جگہ پر واپس آگئیں۔ اسکے بعد شاہ بیگم

بنت سید محمد شاہ صاحب وکیل نے ایک چھوٹی سی نظم خوش الحانی سے سُنائی۔ پھر سکول کی پرنسپل مس ایجلی صاحبہ نے رپورٹ سُنائی۔

اسکے بعد مسز عمر حیات صاحبہ نے اردو میں حسب ذیل اڈریس پڑھا

اڈریس

حضور عالی نے اس سکول میں تشریف لاکر جو اعجاز و افتخار ہم سب کو بخشا ہے اس سے ہم کو بے انتہا مسرت ہوئی۔ حضور کی اس ذرہ نوازی کا ہم سب تہ دل سے حضور کی خدمت میں شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ہر شخص جو سمجھدار ہے۔ اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ ہندوستان کی بہبودی کے لئے تعلیم نسواں سے زیادہ کوئی اہم امر نہیں۔

سب سے بڑا ذریعہ ملک کی حالت بدلنے کا عورتوں کی تعلیم ہے۔ بجز اسکے کہ بچپن سے اچھی تربیت ہو۔ اور طبیعت میں صحیح عادات و خیالات ڈالے جائیں۔ قوم کی درستی کی امید نہیں ہوسکتی۔ اور یہ صرف ماؤں کے ذریعہ ہی سے ہوسکتی ہے۔ مستورات کی عظمت کو تسلیم کرنے اور ان کو تعلیم دینے کا خیال سرکار عالیہ انگریزی کی بدولت پیدا ہوا ہے۔ اور انگریز لیڈیوں کی ہمدردی اور کوشش سے دن بدن پھیلتا جاتا ہے۔ اور ہمیں قوی امید ہے کہ بہت جلد اس ذریعہ سے ہماری قوم کے خیالات سیدھا راستہ اختیار کرینگے۔ تجربہ سے ثابت ہوگیا ہے کہ مقررہ امتحانات سے تعلیم کا اصلی مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ اور ہم مستورات بھی اس سے واقف ہوگئی ہیں۔ اس لیے ہم مستورات کا یہ خیال ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم میں امتحانات کا دخل نہ ہو۔ جو لڑکوں کے لیئے مقرر ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم و تربیت ایسے طریق سے ہو۔ کہ وہ روزانہ زندگی میں مفید ہوں۔ اور بچوں کے عادات اور طرز خیالات کی صحیح بنیاد

ڈال سکیں۔

امید ہے۔ کہ یہ مدرسہ ان مقاصد کے حاصل کرنے میں مددگار ہوگا۔ اس سکول کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ حضور عالیہ جنابہ شاہزادی ویلز صاحبہ کے منشا سے جاری ہونے کا اس کو فخر حاصل ہے۔ اور اس کے کھلنے کی ایسی جلدی بعد حضور نے رونق افروز ہو کر اس کو عزت بخشی۔ حضور کے تشریف لانے سے ہماری بہت حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔

ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اتنے قلیل عرصہ قیام اور اسقدر مصروفیت میں یہاں تشریف لانے کے لئے وقت نکالنے سے حضور کو بہت دقت ہوئی ہوگی۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ممدوحہ کو ہمارے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔ ہمارے پاس کافی الفاظ نہیں کہ حضور ممدوحہ کی تشریف آوری کا پورے طور پر شکریہ ادا کر سکیں۔ لیکن ہم بڑے ادب سے یقین دلاتے ہیں کہ ہم کبھی حضور کی اس مہربانی و شفقت کو نہیں بھولیں گے۔

اسکے بعد ہز اکسیلنسی جناب لیڈی منٹو صاحبہ نے انگریزی میں تقریر فرمائی جسکا ترجمہ یہ ہے۔

لیڈیز۔ میں نہایت خوش ہوں کہ مجھے یہ موقع آپ سے ملنے اور اس بات کے ظاہر کرنیکا ملا ہے کہ میں ان ہندوستانی خواتین کی تعلیم سے صدق دل سے ہمدردی رکھتی ہوں جو عام اسکولوں میں داخل نہیں ہو سکتیں مجھے یقین ہے کہ اب آپ اس امر کو محسوس کرینگی کہ شرفائے پنجاب کے لڑکے اور لڑکیوں کے واسطے تعلیم نہایت ضروری ہے اگر وہ چاہتے ہیں کہ وہ نہ صرف اپنے دیگر ملکوں کے ہم پلہ رہیں بلکہ اپنے وطن کی ترقی میں وہ حصہ لیں جسکی اُن کے رتبہ اور نسبی شرافت کے لحاظ سے ان سے توقع کی جاتی ہے سرداران اور روسائے پنجاب اس تعلیم سے پورا فائدہ اُٹھا رہے ہیں جو ایچیسن کالج و دیگر اعلیٰ درسگاہیں مہیا کرتی ہیں۔ اسلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اُنکی

آیندہ بیویاں اس قابل ہوں کہ اُن کی خواہشات و آرزوؤں کو پورے طور سے سمجھ
سکیں اور اُن میں دلچسپی لے سکیں۔ مگر یہ تب ہی ممکن ہے کہ وہ خود تعلیم حاصل کریں
ایک خوش خاندان یا گھرانا خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہ نعمت تب حاصل ہو سکتی ہے
کہ خاوند اور بیوی کے مذاقوں میں کوئی بین تفاوت نہ ہو یہ سچ ہے کہ تعلیم گھروں
میں بھی دیجا سکتی ہے مگر اسپر بہت زیادہ خرچ ہوتا ہے اور ہندوستان میں قابل
استانیوں کی تعداد تا حال بہت کم ہے اور کچھ مدت تک کم رہیگی۔ علاوہ ازیں ایک
اچھے سکول میں جو تعلیم دیجاتی ہے وہ اس تعلیم سے بدرجہا بہتر ہوتی ہے جو گھر میں
کوئی اتالیقہ یا استانی دے سکتی ہے سکول میں جو رشتہ محبت یا اتحاد ہم سبقوں میں
قائم ہو جاتا ہے وہ اکثر مدت العمر تک باقی رہتا ہے اور ہندوستان میں خواتین کی تنہائی
کو ایک حد تک یہ رشتہ مٹا یگا اُن شرفا کے لیے جو اپنی لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے
خواہاں ہیں یہ سکول نہایت اعلیٰ درجے کا موقع ہے۔ یہ سکول حضور پرنس آف ویلز
کی تشریف آوری پنجاب کی یادگار میں قائم کیا گیا ہے۔ سکھ ریاستوں کی فیاضی
سے اسکی ابتدا ہوئی ہے اور جو کاغذات مجھے دیئے گئے ہیں۔ ان سے یہ معلوم کرکے
میں نہایت خوش ہوئی ہوں کہ پنجاب کے دیگر مشاہیر و شرفا نے بھی اس کی مدد کی ہے
یہ مکان جس میں اب سکول جاری ہے اس عظیم الشان یادگار کے شایاں نہیں۔ اگرچہ
اس میں ہر قسم کا آرام کا سامان موجود ہے مگر میں سمجھتی ہوں کہ یہ اچھا کیا گیا ہے کہ آغاز
چھوٹے پیمانہ پر کیا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جس قسم کی تعلیم دینی مقصود ہے اسکی
مانگ کس حد تک ہے نتائج سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں اس قسم کی تعلیم کی مانگ موجود
ہے۔ امید ہے کہ صوبہ پنجاب کے امراؤ شرفا اس درسگاہ کے لیے دل سے امداد
کرینگے تاکہ ایک ایسا سکول یا کالج لڑکیوں کے واسطے تیار ہو سکے جیسا کہ لڑکوں کے واسطے
ایچیسن کالج ہے آپکے پاس تعلیم دینے والیوں کا ایک اچھا گروہ موجود ہے اور مس ولیسٹرن

صاحبہ آپکے شکریہ کی مستحق ہیں کہ اُنھوں نے بلا کسی قسم کے معاوضہ کے سکول کو
عدم سے وجود میں لانے کے لیے وہی کام کیا ہے جو ایک دایہ ایک بچے کیواسطے کرتی ہے
مجھے معلوم ہی کہ لیڈی ڈین صاحبہ کی ہمدردی آپکے ساتھ ہے اور یہ کہ گورنمنٹ
پنجاب پورا اسٹاف دینے کے لیے تیار ہے۔ جبکہ سکول ایک دفعہ مستحکم بنیاد پر قایم ہوجائے
میں اس بات سے متفق ہوں کہ جیسا ایچیسن کالج میں کیا گیا ہے نصاب تعلیم اس سکول
میں بھی ایسا ہونا چاہیئے جو آپکی خاص ضروریات کے موافق ہو۔ مجھے یقین ہی کہ آپ
اس بات کا خیال رکھیں گے کہ یہ قومی یادگار کسی ایک خاص فرقہ کے متعلق نہو جائے
بلکہ ہر مذہب وملت کی لڑکیوں کے واسطے اسکے دروازے ہمیشہ کھُلے رہیں۔ بشرطیکہ لڑکیاں
ان گھرانوں کی ہوں جنکے واسطے یہ اسکول جاری کیا گیا ہے صرف اسی طرح اس سکول
کی ترقی ممکن ہے سکول کی عمارت تعمیر کرنے اور اس کے واسطے ضروری سامان
مہیا کرنے کے واسطے روپیہ کی ضرورت ہے۔ میں آپسے اپیل کرتی ہوں کہ آپ
اس سکول کے واسطے روپیہ مہیا کیجئے۔ تاکہ میں ہر رائل ہائی نس پرنسیں اوف ویلز
کی خدمت میں عرض کرسکوں کہ آپ کی تشریف آوری کی یادگار نہایت کامیابی
کے ساتھ پنجاب میں قائم ہوگئی ہی اور آپکے نام نامی کے شایاں ہے اور اس ہمدردی
کی بھی شایاں ہی جس نے انہیں اسبات کی طرف متوجہ کیا کہ انکی یادگار ایسی ہو
جس سے پردہ نشین خواتین پنجاب کو فائدہ پہونچے ایک ایسے طریق سے کہ نہ صرف
اُن کی اپنی زندگی پہلے سے زیادہ خوش گزرے بلکہ وہ پہلے سے بہترین بیویاں اور
مائیں ان سرکردگان پنجاب کی ہوں جنکی شجاعت اور وفاداری کو ہم سب تسلیم
کرتے ہیں۔ اور جن کا اثر اور رعب ہم چاہتے ہیں کہ آیندہ قایم رہے اور ترقی کرے
جبکہ زمانۂ ماضی میں ہمیشہ رہا ہے میں نہایت مسرت سے ہر رائل ہائی نس پرنسیس اوف ویلز
کی خدمت میں آج کے جلسے کا حال بیان کرونگی جو کہ وکٹوریا مے گرلز ہائی سکول میں

ہوا ہے اب میں حضور پرنس اور پرنسیس اوف ویلز کی تصاویر کے افتتاح کا دل خوش کن فرض ادا کرتی ہوں۔

یہ تصاویر ممدوحاں نے اپنے ذاتی دلچسپی کی نشانی کے طور پر بھیجی ہیں جو اُن کو اس سکول سے ہے اور یہ امر وکٹوریا مے گرلز سکول کے واسطے ہمیشہ ایک خاص عزت کا باعث رہیگا۔

. . . .

جب حضور لیڈی صاحبہ اڈریس کا جواب ختم کر چکیں تو سب نے چیرز دیے۔ حضور لیڈی صاحبہ تقریر کو ختم کرتے ہی ہال میں تشریف لے گئیں اور سب حاضرین بھی ان کے ساتھ تشریف لے گئے۔

ہال میں جاکر اُنہوں نے حضور پرنس آف ویلز اور پرنسیس صاحبہ کی تصویروں کو بے نقاب کیا۔ اور پھر حاضرین نے تالیاں بجائیں۔ بعد ازاں حضور لیڈی صاحبہ نے سکول کا معائنہ کیا۔ جب وہ پھر ہال میں تشریف لائیں۔ جہانکہ ہم سب لڑکیوں کی دو قطاریں بناکر کھڑی کی ہوئی تھیں۔ تو ہم سب لڑکیوں کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا لڑکیو! میں تم سب کو دیکھکر بہت خوش ہوئی ہوں۔ خداحافظ اب میں جاتی ہوں ہم سب لڑکیوں نے پھر جھک کر سلام کیا۔ اس کے بعد حضور لیڈی صاحبہ موٹر کار میں سوار ہوکر تشریف لے گئیں۔ اور سب حاضرین بھی اپنے اپنے گھروں کو تشریف لے گئیں فقط

راقمہ۔ بنتِ میاں محمد شفیع
بیرسٹر ایٹ لا۔ لاہور

مسلمان لڑکیونکی تعلیم مدراس میں

ذیل میں ہم ایک انگریز لیڈی کے لکھے ہوئے مضمون کا ترجمہ شائع کرتے ہیں اصلی مضمون انڈین لیڈیز میگزین میں شائع ہوا ہی معلوم ہوتا ہی کہ نامہ نگار نے مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے متعلق خاص واقفیت حاصل کی ہی۔ اور ہم اس غرض کے لیے شائع کرتے ہیں تاکہ علاوہ عام واقفیت کے مسلمانوں کو بہت سی ایسی خاص باتوں سے واقفیت ہو جاوے کہ تعلیم نسواں کے متعلق جنکا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہی۔ مدراس میں مسلمان لڑکیوں کی تعلیم بہت ہی دھیمی مگر مستقل رفتار سے ترقی کر رہی ہے۔ ایک عرصہ دراز تک مسلمان مردوں کے ذہن میں یہ بات سمائی رہی کہ ہماری بیبیاں اور لڑکیاں جسقدر جاہل رکھی جاویں اُتنا ہی بہتر ہے یہ ہی وجہ ہی کہ اکثر اسکولوں میں مسلمان لڑکیاں بہ نسبت اپنی ہندو بہنوں کے کم ذہن معلوم ہوتی ہیں باینہمہ استقلال سے تعلیم بڑھتی جاتی ہی ان مسلمان چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے چہروں سے کوئی ذہانت کے آثار معلوم نہیں ہوتے۔ چند روز ہوئے کہ ایک چھوٹی سی برہمن قوم کی اسکول کی لڑکی نے مجھسے کہا کہ مسلمان لڑکیاں جتنی بھی ہیں سب غبی ہیں یہ ممکن ہے کہ یہ نوجوان لڑکی کسیقدر تیز ذہن ہو اسوجہ سے اسکو مسلمان لڑکیوں کے بارے میں یہ خیال پیدا ہوا ہو لیکن اسوقت مدراس میں مسلمان لڑکیاں ترقی ضرور کر رہی ہیں۔ مسلمان لڑکیاں عام طور پر حساب میں کند ذہن ہوتی ہیں اور برخلاف اسکے ہندو لڑکیاں خصوصیت کے ساتھ حساب میں تیز ہوتی ہیں۔ بعض مسلمان لڑکیاں ایسی بھی ہیں کہ وہ سالہا سال تک اسکول میں پڑھنے کے بعد جب گھر جاتی ہیں تو انکو اس بات کا علم بھی نہیں ہوتا کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں سلائی کے کام میں مسلمان لڑکی ہندو لڑکی پر فوقیت

رکھتی ہی اور وہ نظم پڑھنے کی بہت شائق ہی۔ ڈرل (ورزش) سے وہ کنارہ کشی کرتی ہی
لیکن جہاں وہ ایک دفعہ ڈرل شروع کر دیتی ہی تو وہ ان میں سے نولڑکیوں کے لیے ڈرل
تعلیم کا ضروری حصہ ہو جاتا ہی۔ سب سے زیادہ جو بات اسکو مرغوب ہے وہ یہ ہی کہ وہ پودے
لگائے اور اُنکی پرورش کرے اور نیز جانوروں پرندوں۔ حشرات الارض وغیرہ کے
متعلق معلومات حاصل کرے اپنے گھر میں سوائے گھر کی دیواروں اور چھت کے اور کوئی
چیز اسکی نگاہ کے سامنے نہیں آتی۔ ایسی حالت میں جب وہ آلووں کے پودے اُگتے
ہوئے بیلوں سے پھلیاں نکلتی ہوئیں بیجوں میں سے اکوئے پھوٹتے ہوئے دیکھتی ہے
تو اسکے احساس کے اوپر ایک خاص اثر پڑتا ہی۔

مسلمان لڑکیاں جسمانی طور پر اپنی ہندو بہنوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔ شاید
اسکی وجہ یہ ہو کہ وہ مچھلی اور گوشت کھاتی ہیں۔ انمیں سے بہت سی انتہا درجہ کی حسین ہوتی
ہیں وہ شوخ رنگ بہت پسند کرتی ہیں اور ان کا لباس ہمیشہ بہت خوشنما اور خوبصورت
ہوتا ہے۔ ایک مسلمان عورت خواہ وہ مفلس ہی کیوں نہ ہو بازار سے سفید ململ کا ٹکڑا
خرید لیتی ہی اور شوخ رنگ بھی ساتھ ہی لیتی ہے اور اسنے سرخ۔ پیلے اور بنفشئی رنگ میں
اپنے اور اپنے بچوں کے لباس رنگتی ہی۔

بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور لانبے لانبے خوبصورت سیاہ بال اسپر کانوں اور
ہاتھ پاؤں میں زیور ایک چھوٹی سی مسلمان لڑکی کو بھی پوری نسوانی شکل میں دکھاتے
ہیں۔ اگر کوئی غیر شخص کمرے میں گھس آئے تو وہ شرمیلے پن سے اپنی نگاہ کو نیچا کر کے
زمین کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔ اور کھیلوں کے وقت میں بھی اگر کوئی غیر شخص موجود ہو تو
وہ بہت کم ہنستی ہے۔ اُن چھوٹی سی بیگمات کو بڑے مجمعوں میں بھی شناخت کر لینا
آسان ہے۔ مشنری اور گورنمنٹ کے اسکولوں میں جو مسلمانوں کے لیے مخصوص ہیں
اکثر لڑکیاں غربا کی ہیں۔ لیکن جارج ٹاؤن میں جو مسلمانوں کا مدرسہ ہے اور جسکا انتظام مسلمانوں

ہاتھ میں ہی اسمیں مسلمان سوداگروں کی لڑکیاں پڑہتی ہیں۔ مدراس کے تین قسم کے اسکولوں کی حالت بیان کرنا چاہتی ہوں اور اس سے میں یہ دکھانا چاہتی ہوں کہ گورنمنٹ کے اسکولوں اور مشنری اسکولوں اور جو اسکول مسلمانوں کے زیر انتظام ہیں ان میں کیا فرق ہی۔

مجھسے یہ بیان کیا گیا کہ پانچ سال کا عرصہ ہوا کہ مسلمانوں کو یکایک ایک سخت خدشہ ہوا کہ مشنری انکی لڑکیوں کو مذہب اسلام سے منحرف کر دینگے۔ میں نے اسکے متعلق تفتیش کی تو یہ وجہ معلوم ہوئی کہ مشنریوں کے مدرسہ میں سے مسلمان اُستانیوں کو موقوف کرکے انکی جگہ عیسائی اُستانیاں ملازم رکھی گئی تہیں۔ کیونکہ مسلمان اُستانیاں مشنری اسکولوں میں کھُلم کھُلا یا خفیہ طور پر لڑکیوں کو قرآن پڑہاتی تہیں۔ اسوقت مدراس میں بہت سے اسکول مسلمان لڑکیوں کے لیے جاری کیے گئے جنمیں قرآن پڑہایا جاتا تہا اور مشنری اسکولوں سے لڑکیاں اُٹھالی گئی تہیں۔ گو ان میں سے بعض پھر جاکر داخل ہوگئیں۔ مشنری اسکول پچیس سال سے جاری ہیں لیکن آجتک ایک لڑکی بھی عیسائی نہیں ہوئی۔ غالباً مشنری لوگ دنیوی تعلیم کے نتائج پر ہی قانع ہیں۔ ان مشنری اسکولوں میں گو لڑکیوں کو مذہب عیسائی کی تعلیم دیجاتی ہے لیکن مسلمان لڑکیاں محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) ہی کو اپنا ہادی اور شفیع سمجھتی ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کے لیے وہ یہ کہتی ہیں کہ وہ عیسائیوں کے ہادی اور شفیع ہیں۔ اور انکا یہ خیال ہے کہ بجز اس اختلاف کے ان کے مذہب میں اور عیسائی مذہب میں اور کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اب جو مسلمانوں کے جاری کئے ہوئے اسکول ہیں انمیں سے دو اسوقت تک چل رہے ہیں۔ ان میں سے جو سب سے بڑا ہے اسمیں گورنمنٹ اسکول انسپکٹرس امتحان لیتی ہے اور گورنمنٹ سے اسکو امداد ملتی ہے۔ اور دوسرا اسکول جسمیں خصوصیت کے ساتھ قرآن شریف پڑہایا جاتا ہے غالباً بہت جلد وہ بھی گورنمنٹ کے معائنہ کے تحت میں رکھدیا جائیگا۔ کیونکہ محمد عبدالقدوس بادشاہ صاحب جو اسکے بڑے بانی ہیں انہوں نے مجھسے کہا کہ گورنمنٹ کسی کے مذہب میں کوئی دخل اندازی نہیں کرتی ہے اور معائنہ ہونے سے

استانیاں اپنے فرائض کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتی ہیں - یہاں پر میں اس بات کا اظہار کرنا چاہتی
ہوں کہ وہ وقت آگیا ہے کہ مدراس میں مسلمان لڑکیوں کے اسکولوں کی نگرانی اور معائنہ کے لیے
گورنمنٹ کو کوئی خاص انسپکٹریس مقرر کرنا چاہیے کیوں کہ ان اسکولوں کے معائنہ کے
لیے اردو زبان کا جاننا ضروری ہے - اس لیے کہ طالب علم یا استانیاں انگریزی نہیں سمجھتی
لگائے اور انکی پرورس کر
ہیں [illegible] صرف اردو سمجھ سکتی ہیں ایک آدمی پردہ کے پیچھے کھڑا
بچے اپنے گھر میں ہو.
ہیں اور بعض حالتوں میں لڑکیاں
کیا جاتا ہے جو کہ بولیوں کو انسپکٹریس کے لیے ترجمہ کرتا ہے جب آجاتا ہے اور یہ طریقہ نہایت برا
ہے - [illegible] بالکل موزوں وہ انسپکٹریس کو اسقدر زیادہ کام رہتا ہے کہ اس غرض کے
لیے وہ اردو زبان نہیں سیکھ سکتی -

گورنمنٹ اسکول جسکو میں نے جاکر دیکھا وہ ایک بڑے احاطہ میں واقع ہے جسکی زمین
وغیرہ بہت درستی کی حالت میں ہے - اکثر اس احاطہ کا پردہ کیا جاتا ہے یعنی مالی وغیرہ
نکالدیے جاتے ہیں جبکہ لڑکیاں علم نباتات کے تجربہ دیکھنے کے لیے باہر آتی ہیں انمیں
بہت سی غریبوں یعنی چوڑی والوں کی لڑکیاں ہیں - ہیڈ معلمہ نے مجھسے کہا بعض ان میں سے
منشیوں - ڈاکٹروں اور پروفیسروں کی لڑکیاں بھی ہیں اس مدرسہ میں انگریزی نہیں پڑھائی
جاتی ہے اور نہ کوئی مذہبی تعلیم ہوتی ہے - لڑکیاں سوئی کے کام اور نقاشی میں بہت شائق
ہیں اور سب سے بڑھکر جس چیز سے انکو مسرت ہوتی ہے وہ قدرتی اشیاء کے حالات کے
مطالعہ سے مجھکو فلالین کے ٹکڑوں پر بیج اگائے ہوئے اور بوتلوں میں سے بیجوں کے
اکوے نکلتے ہوئے اور گملوں میں سے آلو پھوٹتے ہوئے دکھائے گئے - مجھسے یہ
کہا گیا تھا کہ لڑکیوں کو ان سے بہت دلچسپی ہے کیونکہ یہ چیزیں کبھی انھوں نے اپنے گھروں میں
نہیں دیکھی ہیں باغات اگتے ہوئے پودے اور پھول وغیرہ ان کو دیکھنا نصیب نہیں
ہوتا جبتک کہ ان کو ہیڈ معلمہ باغ میں لیجاکر نہ دکھائے اور جس روز پیپلز پارک (ایک باغ کا نام
ہے) میں لیجاکر ہیڈ معلمہ ان کو چیزیں دکھاتی ہے وہ روز ان کے لیے ایک جشن کا دن ہوتا ہے

اس پارک میں سال میں ایک دفعہ مسٹر لائڈ پردہ نشین عورتوں کے فائدہ کی غرض سے پردہ کرا دیتے ہیں تاکہ وہ چڑیا گھر کے جنگلی جانوروں کو دیکھ سکیں۔

اس مدرسہ میں دو سو کے قریب لڑکیاں ہیں۔ صبح چھ بجے سے گاڑیاں انکو ڈھونا شروع کرتی ہیں اور دس بجے تک کل لڑکیاں مدرسہ میں آجاتی ہیں۔ ورزش وغیرہ کے لئے کھیل کود کے میدان میں صرف کرتی ہیں جو عورتیں گاڑیاں [illegible] لڑکیوں کو لیکر گھروں سے لاتے ہیں ان کا صرف گورنمنٹ کے ذمہ ہے کھیل تماشے کے میدان کے پاس کھانے کا کمرہ بھی ہے۔ وہیں دوپہر کے وقت لڑکیاں کھانا کھاتی ہیں۔ پینے کا پانی بافراط موجود ہے۔ اور چھٹی کے گھنٹوں میں لڑکیاں آرام سے ٹھنڈے ٹھنڈے کمروں میں بیٹھتی ہیں۔ چار بجے شام سے پھر انکو واپس لیجانا شروع کرتی ہیں اور آٹھ بجے شام تک سب لڑکیاں اپنے ماں باپ کے گھروں پر بحفاظت پہنچ جاتی ہیں۔ جو عورتیں کہ ان لڑکیوں کو ان کے گھروں سے لاتی ہیں اور پھر واپس پہنچاتی ہیں وہ نگران کہلاتی ہیں اسکول کے وقت کے علاوہ اور جس قدر وقت گزرتا ہے کل لڑکیاں انہیں کی زیر نگرانی رہتی ہیں گورنمنٹ اسکول تیس سال کے عرصہ سے جاری ہے۔ اور اس اثنا میں سو سے زیادہ استانیاں مدرسے سے پڑھکر نکلی ہیں۔ ان میں سے اکثر بیوائیں ہیں انہیں سے جو خاص مدراس کی رہنے والی ہیں انکو سات روپیہ ماہوار وظیفہ اور جو باہر کی رہنے والیاں ہیں ان کو بارہ روپیہ ماہوار۔ ان لوگوں کو کتابیں اپنی خریدنی پڑتی ہیں جنکی قیمت سالانہ سات روپیہ کے قریب ہیں۔ معمولی طالب علموں کو بھی دو سے چار تک اور اگر انہیں سے کوئی بیوہ ہو تو اسکو چار سے چھ تک وظیفہ ملتا ہے۔ ان وظائف کے ذریعہ سے گورنمنٹ نے اس اسکول کو قائم رکھا ہے۔ اگر یہ وظائف نہ دیئے جائیں تو لڑکیاں آٹھ یا نو سال کی عمر کے بعد مدرسہ میں نہ آئیں۔ کل تعلیم مفت دیجاتی ہے۔ صرف لڑکیوں کو کتابیں خریدنی پڑتی ہیں۔ لیکن بعض بعض لڑکیوں کے ماں باپ کو یہ بھی ناگوار گزرتا ہے

کہ کتابیں اپنے پاس سے خریدیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جہاں گورنمنٹ سب کچھ کرتی ہے وہاں کتابیں بھی کیوں نہیں خریدتی۔

میں نے دریافت کیا کہ ان لڑکیوں کی مائیں بھی اسکول میں کبھی آتی ہیں کہ نہیں تو معلوم ہوا کہ تقسیم انعام کے موقع پر آتی ہیں اور دوسرے موقعوں پر آکے خاوند مدرسہ میں انکے آنیکو ناپسند کرتے ہیں۔

میں نے یہ بھی دریافت کیا کہ اس تیس سال کی تعلیم نے مدراس کی مسلمان عورتوں میں کوئی تغیر پیدا کیا ہے یا نہیں۔ تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ انگریزی لیڈی ڈاکٹر جو مسلمانوں کے گھروں میں اکثر جاتی ہیں انکا بیان ہے کہ مدرسہ کی پڑھی ہوئی لڑکیوں میں بہ نسبت اور مسلمان عورتوں کے خوداعتمادی زیادہ پائی جاتی ہے اور یہ بھی ہے کہ اب تعلیمی دور کی تیسری پشت میں آکر جیسی کہ موجودہ طالب علم مدرسے کے شامل ہیں لڑکیاں بہت آسانی اور جلدی سے تعلیم حاصل کرتی ہیں اور یہ نسبت اپنی ماسبق دو پشتوں کے زیادہ مستعد اور ہوشیار ہیں۔

لڑکیاں چار سال کی عمر سے مدرسہ میں داخل ہوتی ہیں اینٹ گارے اور کاغذ وغیرہ سے کنڈرگارٹن سیکھنا شروع کرتی ہیں۔ پھر وہ کھیلوں میں شامل ہوتی ہیں اور ڈرل کرتی ہیں ڈرل اس مدرسہ میں ایسی اچھی نہیں ہوتی ہے جیسی کہ ہندو لڑکیوں کے مدرسہ میں ہوتی ہے مسلمان لڑکیوں کے اوضاع میں او نسبت ہندو لڑکیوں کے لچک کم ہوتی ہے اور وہ ڈرل کرتی ہوئی خوبصورت نہیں معلوم ہوتیں پشتہا پشت سے اور قوم ہمیشہ سے مسلمان گھروں میں ناچ سے کنارہ کشی کی گئی ہے۔ اسکے علاوہ مسلمان عورتیں ہمیشہ سے اپنے گھروں میں بیٹھنے کی عادی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انکے ہاتھ پاؤں آسانی اور مستعدی کے ساتھ حرکت کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتے۔

ایک مسلمان لڑکی کے کان میں کبھی یہ بات نہیں ڈالی گئی تاکہ وہ بطور ایک مقصد کے اسکو اپنے پیش نظر رکھے کہ ایک لڑکی کو مثل تیر کے کشیدہ قامت اور مثل سانپ

کے لچک دار اور مثل ٹائگر للی (ایک خوشنا پھول) کے حیا دار ہونا چاہیئے۔

دوسرا اسکول جسکا میں نے معائنہ کیا وہ پچیس ۲۵ سال سے جاری ہے اور چرچ آف انگلینڈ کے زنانہ مشن کے متعلق ہی۔ عمارت بہت بڑی ہے اسکا بہت کرایہ دیا جاتا ہے اور کھیل کود کے میدان کے گرد باورچی خانے اور کھانونکے کمرے ہیں۔ بہت سی لڑکیاں نہایت غریب ہیں اور اگر مشنری انکو دن کا کھانا [illegible] وہ دن بھر بھوکی ہی رہا کرتیں اسکول کو گورنمنٹ سے امداد ملتی ہے اور مشنریوں کا یہ خیال ہے کہ اگر دن میں لڑکیوں کو کھانا نہ ملے تو وہ گورنمنٹ کے اسکول کا مقابلہ نہ کرسکیں گے۔ اس غرض کے لیے اُنھوں نے اسکول کے پاس ایک کارخانہ کھولا ہے جسمیں عورتیں خوبصورت اشیاء تیار کرتی ہیں اور مرد جاکر بازار میں بیچ آتے ہیں اس کارخانہ میں عورتوں کو بہ نسبت اور جگہ کے بہت اچھی مزدوری ملتی ہے۔ عورتیں گاڑیوں میں آتی ہیں اور اپنی اپنی قابلیت کے موافق انکو اُجرت ملتی ہے۔ چند لڑکیاں اسکول کی دولتمند دیکھی ہیں۔ اور وہ انگریزی پڑھنے کی غرض سے آتی ہیں۔ گذشتہ دسمبر میں تقسیم انعام کے موقع پر میں بھی گئی تھی۔ یہ ایک بڑا دلچسپ جلسہ تھا کہ عیسائی مذہب کے گیت بچیاں اُردو میں گارہی تھیں بہت سی لڑکیونکے مائیں اور بہنیں اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی موجود تھے جو ان لڑکیوں کو ڈرل کرتے ہوئے دیکھکر خوش ہوتے تھے۔

اس مدرسہ میں ڈرل بہت اچھی ہے۔ اور لڑکیاں جب دوڑتی ہیں گاتی ہیں اور سلام کرتی ہیں تو بھلی معلوم ہوتی ہیں اُردو کے شکل حروف بھی مشنریوں نے چھوٹے بچیونکے لیے بیجوں اور سیپیونکے ذریعہ سے آسان کرلیئے ہیں۔ وہ فرش پر بیٹھ جاتی ہیں اور ان بیجوں سے حروف بناتی ہیں اور اس طریقے سے اُردو کے خوبصورت مگر پیچیدہ حروف کو اچھی طرح سے اپنے ذہن نشین کرلیتی ہیں۔ لڑکیاں دستکاری کے کام میں بہت ہوشیار ہیں بیت کی ٹوکریاں اور طوطونکے پنجڑے خوب بناتی ہیں۔ بڑی لڑکیاں نظم

کو سمجھتی ہیں اور پسند کرتی ہیں اور وہ گاتی یا ایک سریلی آواز میں جو گانے کے مشابہ ہی اسکو
اسکو دہراتی ہیں ایک چھوٹا سا مدرسہ جو ایک مسلمان بیوہ نے کھول رکھا تھا اس کو دیکھکر
مجھے بہت حظ حاصل ہوا کیونکہ گورنمنٹ سے جو کچھ اسے امداد ملتی ہی اس سے وہ اپنے
چھوٹے بچوں اور ماں کی پرورش کرتی ہے اسکی شاگرد لڑکیاں بہت ہی کم فیس دیتی ہیں
جو دیتی بھی ہیں وہ نہ دینے کے برابر ہے لڑکیوں کے لئے کھیل وغیرہ تو کچھ نہیں ہی لیکن قرآن
شریف بہت پڑھایا جاتا ہی پردہ کے پیچھے ایک نگراں رہتی تھی میں نے اس سے پوچھا کہ
مذہبی کیا تعلیم دیجاتی ہی اس نے کہا کہ قرآن پڑھا دیا جاتا ہی۔ قرآن شریف کے الفاظ پاک ہیں اور
انکے پڑھنے میں ثواب ہی۔ باقی لڑکیوں کو نماز پڑھنے کپڑا سینے کھانا کھانے کے طریقے سکھائے
جاتے ہیں ان سب باتوں کو وہ مذہبی ہی تعلیم سمجھتا تھا۔

سب سے اخیر میں میں نے زبیدہ زنانہ اسکول دیکھا جسکی بہت بڑی امداد محمد عبد القدیر
بادشاہ صاحب کرتے ہیں اسمیں سو کے قریب لڑکیاں ہیں جو سب کی سب دولتمندوں کی
ہیں اور وہ اپنی شکل و شباہت و لباس میں بہت خوشنما معلوم ہوتی ہیں بعض پرانی لڑکیاں شمل
اٹلی کے لوگوں کے سفید رنگ کی تھیں یہ لڑکیاں خوبصورت زیور پہنے ہوئے تھیں اور ریشم
اور ساٹن کا لباس تھا۔

اس مدرسہ میں انگریزی نہیں پڑھائی جاتی ہی اور اگر کوئی مرد یہاں آتا ہی تو سب لڑکیاں پردہ
کے پیچھے چھپ جاتی ہیں ایک بڑھیا عورت نے کہا کہ پردہ [illegible] دو۔ سب کی سب لڑکیاں
پردہ کے پیچھے چلی گئیں نگراں صاحبہ پس پردہ کھڑے ہو کر مجھے اسکول کی تعلیم اور کام
وغیرہ کا حال بیان کیا بعض استانیاں تامل زبان بول سکتی تھیں انسپکٹرس نے
اسی زبان میں انکے ساتھ اچھی طرح سے گفتگو کی۔

اس مدرسہ میں تین بیوائیں تھیں جن میں سے ایک کو گورنمنٹ کی طرف سے وظیفہ
ملتا ہی اور دو کو ملنے کی توقع تھی اور انسپکٹرس صاحبہ سے انکے لئے سفارش کرینگی

درخواست کی گئی تھی - ان لڑکیوں کو میری موجودگی میں مختلف اشیار کے متعلق سبق دیئے گئے - جنسے مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی ایک استانی نے لڑکیونکو ایک تول کے اندر گیہوں کے اگتے ہوے پودے دکھاے اور پھر ان کے سامنے آٹا لاکر رکھا کہ گیہوں جب بڑا ہوگا تو اوس میں سے آٹا پیدا ہوگا اور پھر سوئیاں تیار کردیں - اوس کے بعد دودھ اوٹایا گیا اور سوئیوں میں ڈالکر ہر ایک لڑکی نے ذرا ذرا سا چکھا ایک دوسری استانی نے گاے پر لیکچر دیا اور دودھ میں سے مکھن نکالکر دکھایا یہاں کی استانیاں مجھکو بہت ہی قابل معلوم ہوئیں اور یہ معلوم ہوا کہ ہر استانی اپنے کام میں نہایت دلچسپی کے ساتھ دل لگاتی تھی اس مدرسے میں قرآن شریف بھی پڑھایا جاتا ہے ایک گھنٹہ روزانہ دینیات کی تعلیم ہوتی ہے اور دیواروں کے اوپر قرآن شریف کی آیتوں کے کتبے لکھے ہوے ہیں سلائی کا کام لڑکیاں بہت اچھی طرح کرتی تھیں اور جاکٹ وغیرہ خوب اچھی طرح تیار کرسکتی ہیں میں نے محمد عبد القدوس بادشاہ صاحب سے دریافت کیا کہ مسلمان اپنی لڑکیوں کی تعلیم کے لیے فیس کیوں نہیں دیتے تو انھوں نے کہا کہ یہ دولتمند مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ تعلیم دلوائیں مدراس میں ہر ایک شخص اس بات کو جانتا ہے کہ عبد القدوس بادشاہ اور انکے خاندان نے لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم میں کسقدر خرچ کوشش اور دلچسپی سے کام کیا ہے -

میں یہاں پر انگریزی پبلک کی توجہ اس مضمون کی طرف مبذول کرانا چاہتی ہوں جو کتاب موسومہ مشورین ہسٹری آف دی ورلڈ مین مذہب اسلام پر ڈاکٹر گولڈزنے لکھا ہے - جو بوڈاپسٹ کی یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں - انگریز قرآن کے انگریزی ترجمہ سے مذہب اسلام کے متعلق ایک فوری راے قائم کرنیکے عادی ہیں لیکن وہ نہیں جانتے کہ مذہب اسلام ہیں ایک بہت وسیع معلومات کا ذخیرہ احادیث میں موجود ہے جنکے پڑھے بغیر مذہب اسلام کو نہیں سمجھ سکتا -

اڈیٹوریل

قسطنطنیہ میں عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام

قسطنطنیہ میں عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے ایک کالج کھولنے کا انتظام کیا گیا ہے اور اسکے لئے سلطان المعظم نے کاندیلی کا وہ عالیشان محل مرحمت فرمایا ہی جو ایک زمانہ میں عادلہ سلطانہ (دختر سلطان المعظم کا مسکن تھا) مگر اس تعلیمگاہ کے اخراجات کی کفالت کے لیے کافی روپیہ بہم پہونچانا آسان نہ ہوگا۔ وزارت سررشتہ تعلیم جسکے زیر انتظام یہ کالج غالباً رکھا جائیگا بلاشبہ اخراجات کا ایک حصہ برداشت کریگی لیکن تعلیم کا اعلیٰ معیار قایم کرنے کے لیے اس سے کہیں زیادہ رقم بہم پہونچانی پڑیگی جو وزارت سررشتہ تعلیم نہیں کرسکتی ہے جو کمیشن اس اسکیم کو عمل میں لانے کے لیے مقرر ہوئی ہے اور آجکل قسطنطنیہ میں اجلاس کر رہی ہی اُس نے مطلوبہ آمدنی بہم پہونچانے کے لیے کئی تدبیریں سوچی ہیں احمد رضا بے (پریسیڈنٹ کمیشن) نے علانیہ بیان کردیا ہی کہ میں نے کسی شخص سے مدت العمر کبھی روپیہ نہیں مانگا۔ اگرچہ جابرانہ حکومت کے زمانہ میں مجھے بطور پولیٹیکل پناہ گزیں کے برسوں تک غریبانہ حیثیت میں باہر رہنا پڑا۔ لیکن اس عظیم الشان تعلیمی مقصد کے لیے سرمایہ جمع کرنے کی خاطر میں شہر کے ہر حصہ میں پھرونگا اور گھر گھر سے چندہ فراہم کرونگا قسطنطنیہ کے تمام اخبارات اس اسکیم کے موید ہیں اور رضا بے اور اُن کے رفقاء نے جو گرمجوشی دکھائی ہے اسکی تعریف کر رہے ہیں۔

جنابہ اہلیہ صاحبہ عبدالاحد صاحب انسپکٹر آبکاری جو گذشتہ مہینے میں زنانہ نارمل اسکول علی گڑہ دیکھنے کے لیے آئی تہیں۔ اُنہوں نے اپنے معائنہ کی حسب ذیل کیفیت بھیجی ہے۔

۱۵ مارچ ۱۹۰۹ء کو میں اور میری ممانی صاحبہ یعنی اہلیہ مولوی قیام الدین احمد صاحب

رئیسہ بچھراون ضلع مرادآباد علیگڈھ پہونچے اور نواب وقار الملک بہادر کے یہاں مہمان ہوئے جناب بیگم صاحبہ نواب وقار الملک بہادر سے زنانہ نارمل اسکول دیکھنے کی خواہش ظاہر کی جسکو بیگم صاحبہ نے بخوشی منظور فرمایا اور ۱۰ مارچ کو ہم دونوں کو ساتھ لیکر مدرسہ گئیں مسز عبداللہ صاحبہ وسکندر جہاں بیگم صاحبہ ہمیں لینے کے واسطے مدرسہ کے دروازہ تک تشریف لائیں۔ اور ہمیں اندر مکان میں لے گئیں۔ مکان میں چبوترہ کے اوپر تین دالانوں میں فرش تکلف کے ساتھ بچھا ہوا تھا۔ ایک دالان میں پہلی جماعت ایک میں دوسری جماعت ایک میں تیسری تھی اول ہم پہلی جماعت تک گذرے سب چھوٹی لڑکیاں صف بستہ کھڑی تھیں ہمیں دیکھکر تعظیم بجالائیں۔ اسکے بعد دوسری اور تیسری جماعت نے بھی ایسا ہی کیا۔

جس سہ دری میں تیسری جماعت تھی اسکے دو درجہ تھے۔ اندر لڑکیاں تھیں باہر کے درجہ میں ہم جاکر بیٹھے۔ مسز عبداللہ صاحبہ نے دستور العمل دکھایا جس سے معلوم ہوا کہ ایک گھنٹہ سلائی کا بھی ہے حساب اور قرآن شریف اردو فارسی نقشہ جغرافیہ کی بھی تعلیم دیجاتی ہے۔ لکھائی بھی اچھی ہے۔ انتظام مدرسہ کا بہت اچھا ہے۔ پردہ کا بندوبست جیسا کہ مدرسہ میں ہے۔ اس سے زیادہ لڑکیونکی والدین اپنے گھر میں بھی پردہ کا انتظام نہیں کر سکتے ہیں۔

چھٹی ہونے کے بعد لڑکیاں جانی شروع ہوتی ہیں اور استانیاں خود اپنی سامنے انکو ڈولیوں میں سوار کراتی ہیں جب ایک ایک ہوکر لڑکیاں چلی جاتی ہیں تب استانیاں جاتی ہیں۔

ہم نے سنا تھا کہ مدرسہ میں پردہ کا انتظام ٹھیک نہیں ہے لیکن یہ خبر غلط ہے اور جو ناپسندیدہ روایتیں لوگوں نے اس کے متعلق مشہور کر رکھی ہیں سب غلط ہیں۔

مدرسہ نہایت سرگرمی کے ساتھ اپنا کام انجام دے رہا ہے۔ میرے خیال میں تو کسی شریف آدمی کو ہمیں اپنی لڑکی بھیجنے میں تامل نہیں چاہیے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں سبکو مدرسہ کی تعلیم اور استانیوں کی صحبت کا اثر معلوم ہو جائیگا۔

بہت دنوں سے ہمارا ارادہ تھا کہ مدرسہ کو بچشم خود دیکھکر اسکی بھلائی برائی سے ذاتی واقفیت حاصل کریں تاکہ اعتراض کرنیوالوں کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ تم بلا دیکھے مدرسہ کی حمایت کیوں کرتی ہو - اور دوسروں کو اپنی چشم دید حالات سنا کر انکا شک وشبہ رفع کرسکیں -

مدرسہ سے اطمینان کرنیکے بعد ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ مدرسہ کی کچھ مدد کریں چنانچہ دس روپیہ ممانی صاحبہ نے یعنی اہلیہ مولوی قیام الدین صاحب رئیسہ بچھرایوں ضلع مرادآباد اپنی جانب سے اور پانچ روپیہ لیڈیز کلب بچھرایوں کے ممبران کی طرف سے دیئے اور پانچ روپیہ میں نے دیئے -

آئندہ بھی حتی المقدور مدرسہ کی مدد کرتے رہینگے -

اعلان چندہ - ریاست خیرپور سندہ سے مبلغ چھ سو روپیہ بابت سنہ ۱۹۰۹ء وصول ہوگئے حضور ہز ہائنس والی ریاست کی فیاضی کا تمام قوم کو شکریہ ادا کرنا چاہیئے کیونکہ یہ فیاضی چمن علم کی آبیاری ہے - اس سے قوم میں علمی ترقی کی بنیاد قائم ہوتی ہے -

---

عـ۲ ریاست ٹونک سے مبلغ صـ روپیہ بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۹ء وصول ہوگئے شکریہ کے ساتھ اعلان کیا جاتا ہے -

---

عـ۳ مسز حشمت اللہ صاحبہ نے مبلغ ایک روپیہ غریب لڑکیوں کے وظائف فنڈ میں دیا ہے ہم مسز موصوفہ کی ہمدردی جو ان کو اپنی قومی بہنوں کی تعلیم سے ہے - دل سے عزت کرتے ہیں

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

نمبر ۵	بابت ماہ مئی ۱۹۰۹ء	جلد ۶

اڈیٹر شیخ محمد عبد اللہ بی اے۔ ایل ایل بی۔ سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عبد السلام پرنٹر کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا

طابع محمد عبد اللہ بی۔ اے پبلشر

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی ۱۲/ ہے

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا،

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی، اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں، اُس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے،

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہوتا کہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں،

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں،

۶۔ اس رسالہ کی مدد کرنیکے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا،

۷۔ تمام خط وکتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیے،

خاتون

نپولین کی والدہ

بعض دلوں میں قومی خدمت اور ایثار نفسی کا ایسا سچا جوش ہوتا ہے کہ وہ اسکی دھن میں اپنی راحت اور آرام کا خیال چھوڑ دیتے ہیں اور ہر وقت اسی کی فکر میں لگے رہتے ہیں،

خاتون کی معزز نامہ نگار مسز س، م د صاحبہ بھی اپنے پہلو میں ایسا ہی پُرجوش اور ہمدرد دل رکھتی ہیں اُنہوں نے خاتون کی خدمت کے لیے اس محنت اور جانفشانی سے مضمون نگاری کا سلسلہ شروع کیا کہ اب ہم کو خبر ملی ہے کہ اُن کی صحت خراب ہوگئی، اور باوجود اسکے کہ کم وبیش ایک مہینہ سے اُن کا بخار نہیں اُترا ہی لیکن اسی حالت میں اُنہوں نے اس مضمون کو نقل کرواکے خاتون کے لیے بھجوایا ہے،

ہم خداوند عالم سے دعا کرتے ہیں کہ وہ جلد شفاء کامل عطا فرمائے، کیونکہ ایسی بیگمات کی ذات بمنزلہ اکسیر کے ہے جس سے لوگوں کو فائدے اور وہ بھی علمی فائدے پہنچتے

ہیں، مگر اسکے ساتھ ہی ہم اپنی مخدومہ بیگم صاحبہ سے بھی گذارش کرتے ہیں کہ
خواہ خاتون ہی کے لیے سہی لیکن اس قدر محنت وہ نہ کریں کہ جس سے اُن کی
صحت پر مضر اثر پڑے،

ایڈیٹر

ہم اسوقت ایک ایسے شخص کی والدہ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو اپنی خداداد ذہانت
اور عالی دماغی کے وسیلہ سے ایک معمولی درجہ سے نکلکر مسند آرای سلطنت ہوا اور
اپنے کارناموں کو دنیا کی تاریخ میں امٹ اور جلی حروف میں چھوڑ گیا، یہ شخص نہ صرف اپنے
زمانہ کا بلکہ فخر روزگار اور یورپ کا ہیرو سمجھے جانے کے لائق ہے، اسے صفحات تاریخ
میں وہ جلیل القدر اور عظیم الشان رتبہ حاصل ہوا ہے کہ شاید ہی کسی کو نصیب ہو سکے،
اس کی دہاک نے قریب قریب تمام سلاطین یورپ کے خواب و خور کو حرام اور اسکی جنگجو
طبیعت اور اولوالعزمی نے ان کی سلطنتوں کی بنیاد کو متزلزل کر دیا تھا، یہ عجیب و غریب
شخص نپولین بوناپارٹ ہے، جس کی والدہ کے حالات ہم اسوقت نذر ناظرات خاتون
کرنا چاہتے ہیں،

کسی کا یہ مقولہ بالکل سچ ہے" کہ ہر بچے کے عادات و خصائل پر غور کرنے سے اُسکی
والدہ کے اخلاق و عادات کا سراغ لگا سکتے ہیں" پس نپولین بوناپارٹ بھی اس عام کلیہ
سے مستثنےٰ نہیں ہو سکتا، اور ضرور ہے کہ اس کی والدہ کے عادات کا اثر کیا بلحاظ وراثت
طبعی اور کیا بلحاظ تربیت اس میں منتقل ہوا ہوگا، اگر ہم ان دونوں کے حالات کا مقابلہ کرکے
دیکھیں تو ہم کو یہ اثرات بیّن طور پر نظر آئینگے،

اس خاتون کا نام لیٹشیا رمولینی تھا اور وہ ۲۴ - اگست ۱۷۵۰ء میں شہر جیسیو
میں جو جزیرہ کارسیکا کا دارالحکومت ہے پیدا ہوئی۔ اس نے اپنے خداداد حسن کی
سے اس جزیرہ میں ایک خاص شہرت حاصل کی تھی، اور علمی لیاقت میں بھی اچھی خاصی

دستگاہ رکھتی تھی۔ قسام ازل سے اسکو حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت، خاندان کی شرافت۔ اور خوبی خصائل کی فضیلت بھی عطا ہوئی تھی، جمال ظاہری کو کمال اوصاف نے اور بھی چمکا دیا،

وہ ایک عالی ہمت، نیک طینت، عاقلہ، باوفا، دوراندیش، مستقل مزاج اور صائب الرای عورت تھی، خدا نے اسکو مضبوط قویٰ کے ساتھ ایک نڈر دل بھی عنایت کیا تھا۔ اسکے نیک عادات و اخلاق صرف اُس کی ذات تک محدود نہیں تھے بلکہ اسمیں یہ ایک عجیب قابلیت تھی کہ وہ اپنے اردگرد کے لوگوں پر ان کا ایسا زبردست اثر ڈالتی تھی کہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی شخص اس کی صحبت میں (گو ایک قلیل مدت کے لیے کیوں نہو) رہکر اسنسے متاثر نہو سکے،

غرض سولھویں سال کے سن میں چارلز بونا پارٹ سے اس کی شادی ہوئی اسکا خاوند ایک وکیل تھا اور بعدہ اس جزیرہ کی منصفی پر اسکا تقرر ہوا تھا،

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ اس جزیرہ میں ہر سو بدامنی و شورش پھیلی ہوئی تھی اور اس کے باشندے اہل جنوا کے جو اسوقت اس جزیرہ پر قابض تھے جور و تعدی سے تنگ آکر ان کی حکومت کے جوئے کو اپنے کندھے سے اُتارنے کے ساعی تھے اور پاولی نامی ایک شخص کو اپنا سردار منتخب کر کے کھُلم کھُلا علم بغاوت بلند کیا تھا چارلز بونا پارٹ نے بھی بلحاظ ملکی ہمدردی پاولی کے قبیلہ داروں اور حمایتوں میں شامل ہو کر نمایاں کام کیے اور اپنے کو خیرخواہ ملک و وطن پرست ثابت کیا،

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس جزیرہ کے لیے یہ ایک ہولناک اور اسکے باشندوں کے لیے نفسا نفسی کا زمانہ تھا اور ہر شخص کی زندگی بے اطمینانی کی تھی، خصوصاً ایسے لوگوں کے جان و مال تو ہر گھڑی معرض خطر میں تھی جو اس عام شورش و معاملات ملکی میں کسیطرح کا حصہ لیتے تھے کیونکہ یہ ایک ضروری بات ہے کہ ایسے اوقات میں ہر طرف لوٹ مار

بچ جاتی ہے اور خود غرض و بدمعاش لوگ خود سر ہو کر اپنے فائدہ کا موقع تکتے اور لوگوں کے مال کو ہضم کرنے کا بہانہ ڈھونڈھتے پھرتے ہیں، لیکن آفریں ہے اس خاتون کی ہمت و دلیری پر کہ ایسے خوفناک زمانہ میں اُسنے اپنے خاوند سے ایک لمحہ کے لیے جدا ہونا گوارا نہیں کیا اور رات دن وقت بیوقت اسکے ساتھ رہکر اپنی سچی محبت سے اسکی تکالیف و مصائب میں اُس کی ہمدردی و غمخواری کرتی رہی،

حکومت جنوا اس جزیرہ سے بلا ہاتھ پاؤں ہلائے دست بردار ہونے والی نہیں تھی، اس نے باغیوں کی سرکوبی و ملک پر تسلط رکھنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا لیکن جب ہر طرح عاجز ہو گئی اور اپنے میں پاولی کے مقابلہ اور مجادلہ کا بل بوتا نہ پایا تو اپنی بہبودی اور بہتری اسی میں سمجھی کہ اپنا استحقاق ملکی فرانس کے ہاتھ فروخت کر ڈالے فرانس نے فوراً ایک زبردست فوج باغیوں کی سرکوبی کے لیے بھیجی اور ملک پر قبضہ کرنے کی غرض سے ایک اور زبردست فوج روانہ کی۔ فرانس کے مطیع و منقاد کرنیکے جابرانہ طریقہ نے بہت سے معزز خاندانوں کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا ازانجملہ ایک چارلز بوناپارٹ تھا جو عیال و اطفال کے ساتھ ماونٹ روٹوندو کے (جو اس جزیرہ کا سب سے اونچا پہاڑ ہے) دامن میں روپوش ہو گیا تھا۔ اثنائے راہ اور اس عارضی قیامگاہ میں اُن کو جیسی کچھ تکلیف ہوئی ہوگی وہ واقعات کے لحاظ سے بیان کی محتاج نہیں ہے۔

فرانس کا اس جزیرہ پر پورا تسلط ہونے کے دو ماہ بعد نپولین بوناپارٹ پیدا ہوا۔ اس عجیب و غریب شخص کی پیدایش کا ذکر بھی خالی از دلچسپی نہیں ہے۔ جب لیٹیشیا یعنی اس کی والدہ نماز سے فراغت پاکر کلیسا سے مکان کو آرہی تھی تو راستہ میں اسکو دردِ زہ معلوم ہوا، اتنی مہلت نہیں ملی کہ زچگی کا کوئی خاص انتظام کیا جائے اور گھر پہنچتے ہی ایک میلے کچیلے کمبل پر جو اس جلدی میں ہاتھ لگا یہ اولوالعزم و عالی دماغ شخص پیدا ہوا۔

خاوند بیوی میں بے انتہا محبت تھی اور ان کو کبھی ایک دوسرے سے گلہ شکایت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ ایک دوسرے کے قدردان اور ایک دوسرے کے غمخوار تھے۔ اگرچہ زمانہ کی نیرنگیوں سے محفوظ نہیں رہے تھے اور ان پر گوناگوں مصیبتیں وارد ہوئیں مگر صبر و تحمل کے ساتھ ان کو جھیلتے اور ایک دوسرے کی غمخواری و ہمدردی سے اپنے شدائد کو گھٹاتے رہتے تھے۔

غرض اُنیس سال تک ایک جان دو قالب کی طرح زندگی بسر کی۔ ایک دوسرے کی صحبت سے محظوظ اور آپس کی محبت و الفت سے مسرت اندوز ہوتے تھے، لیکن افسوس کہ انقلاب روزگار نے بہت جلد اس مسرتناک زندگی کو اندوہ و کلفت سے بدل دیا۔ اور ۳۵ سال کے سن میں اس خاتون کو عزیز و مہربان شوہر کی دائمی مفارقت کا داغ دیا۔

بیوگی کی مصیبت کچھ ایسی ویسی نہیں ہے کہ ایک شریف عورت اسکو دل سے بھلادے اور نہ خاوند کی محبت و الفت ایک وفاشعار بیوی کے دل سے مٹ سکتی ہے۔ آئے دن اسکا خیال تازہ اور اسکا صدمہ زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ باوفا بلند حوصلہ خاتون جانتی تھی کہ اب اسکے فرائض کی اہمیت بہ نسبت سابق کے بہت کچھ بڑھگئی ہے اور اس کے بچوں کی تعلیم و تربیت صرف اسی کی ذات پر موقوف ہے اسلیے نہایت استقلال و صبر کے ساتھ اسنے اس مصیبت عظمی کو برداشت کیا بلکہ اس خیال نے اس کی ثابت قدمی میں ایک گونہ تقویت پیدا کر دی تھی۔

اسکے بطن سے تیرہ اولاد پیدا ہوئیں پانچ تو اپنے والد کے سامنے ہی عدم کو راہی ہوئے تھے اور اب پانچ لڑکے اور تین لڑکیوں کی پرورش اسکے ذمہ رہگئی تھی،

گو خاوند کی زندگی میں بھی بچوں کی تعلیم و تربیت اور اُن کی ہر بات کی نگرانی اسی کے

ذمہ تھی کیونکہ چارلز بونا پارٹ گو دانا و تعلیم یافتہ شخص تھا لیکن اُس کی طبیعت آسودہ منش واقع ہوئی تھی۔ وہ امورِ خانہ داری کے جنجال اور بچوں کے بکھیڑوں میں مداخلت کرنے کو پسند نہیں کرتا تھا مگر پھر بھی اُس کی موجودگی سے دل کو ایک قسم کا اطمینان حاصل تھا اب تو یہ خاتون بالکل بے یار و مددگار انقلاباتِ زمانہ کے تھپیڑوں سے مقابلہ کرنیکے لیے یکہ و تنہا رہگئی۔

نپولین بیان کرتا ہی کہ "میں بچپن میں شریر اور لڑاکا تھا۔ اور مجھے آئے دن کے تکرار و جھگڑوں میں بہت ہشیار رہنا پڑتا تھا کہیں میری والدہ کو اس کی خبر نہو جائے کیونکہ وہ میری جنگجو طبیعت کو پسند نہیں کرتی تھیں اور مجھے ان حرکات پر سرزنش و ملامت کرتی رہتی تھیں۔ وہ ہماری نگرانی ایسی فکر کے ساتھ کرتی رہتی تھیں کہ جس کی نظیر ملنی مشکل ہی۔ ہمارے ہر ذلیل فعل اور بُری حرکت کی فوراً اس طرح روک ٹوک کرتی تھیں، کہ پھر ہم کو اُسکے اعادہ کی جُرأت نہوتی، اُن کو جھوٹ سے چڑھ اور نافرمانی سے نفرت تھی۔ وہ شفقتِ مادری کے ساتھ درشتی و سختی کے استعمال میں بھی کبھی کوتاہی نہیں کرتی تھیں۔ ہم کو ہر اچھے کام کی جزا اور بُرے فعل کی سزا ضرور دیتیں اور وہ ہماری کسی خطا کو قابلِ چشم پوشی نہیں سمجھتی تھیں"۔

وہ اپنے ماموں کی رجسکی سرپرستی اور امداد پر ان کا ایک حدتک گزارہ تھا کیفیتِ وفات کی ضمن میں بیان کرتا ہی کہ انھوں نے نزع کی حالت میں ہم کو قریب بلاکر ہمارے حق میں دعاے خیر کی اور پھر میرے بڑے بھائی جوزف کی طرف دیکھکر کہا کہ تو اگرچہ سن کے لحاظ سے خاندان کا بڑا ہی لیکن یاد رکھ نپولین اسکا سردار ہے خبردار میری اس نصیحت کی خلاف ورزی نہ کرنا کیونکہ تمہاری آیندہ فلاح و بہبودی اسی میں متصور ہی، یہ کہکر وہ ہمیشہ کے لیے ہم سے رخصت ہوئے اور ہم کو اپنی دائمی مفارقت کے رنج و الم میں مبتلا کر گئے۔ ان کی موت سے میری والدہ کو بہت بڑا صدمہ

ہوا اور انکے نازک دل کو سخت چوٹ لگی لیکن وہ اپنے استقلال اور ثابت قدمی میں کسی طرح سراسیمہ نہیں ہوئیں۔ اب وہ مجبوراً خاندان کی مالکہ و مختار بنگئیں اور کلی وجزئی امور کا انتظام صرف انہیں کی ذات سے وابستہ ہو گیا تھا۔ ان کی ہمت و انتظامی مادہ کی حیثیت سے یہ کوئی گرانبار امر نہ تھا اور وہ اس خوبی اور خوش اسلوبی سے ہر کام کو انجام و ہر عقدہ کو حل کرنے لگیں کہ جس کی کبھی اس صنف سے توقع نہیں ہو سکتی"

اس خاتون کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دائرہ حکومت میں کسی کی مداخلت کو پسند نہیں کرتی تھی اور مزید براں اسکے احکام کی تعمیل میں کوئی عذر حجت سماعت کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ہم اس صفت کے اثر کو نپولین کے حالات کے عادات و اطوار میں بھی پاتے ہیں۔

ایک مصنف اس مکان کو جہاں یہ خاتون موسم گرما میں رہتی تھی اس طرح بیان کرتا ہے "شہر اجیسو کے ایک میل کے فاصلہ پر اب تک دو پتھر کے ستون نظر آتے ہیں جو اس مکان کے دروازہ کے باقیات الصالحات ہیں جہاں اس خاتون کا بھائی (جسے نپولین نے اپنے عروج اقبال کے زمانہ میں کارڈنل فنش کے خطاب سے ممتاز کیا تھا) رہتا تھا۔ باوجودیکہ اسوقت یہ مکان منہدمہ حالت میں ہے مگر وہ اپنے باغ وغیرہ سے اسی سابقہ دلکشائی اور نظر فریبی کی شہادت دیتا ہے۔ موسم گرما میں یہ خاتون معہ اپنے متعلقین کے اسی مکان میں آکر رہتی تھی اسکے احاطہ میں ایک پتھریلا غار ہے جو غار نپولین کے نام سے موسوم ہے اور اسکے اندر ایک چھوٹے سردخانہ کا سراغ ملتا ہے جہاں نپولین زمانہ طفولیت میں گھنٹوں بیٹھکر اپنے منصوبوں کو سوچا کرتا تھا۔

۱۷۹۳ء میں جب پاولی نے جزیرہ کارسیکا کو سلطنت برطانیہ کے حوالہ کرنے کا ارادہ کیا تھا تو خاندان بوناپارٹ نے اس کی مخالفت کی اور فرانسیسیوں کا طرفدار ہو گیا۔ ان کی یہ حرکت شہر جیسیو اور اسکے مضافات کے باشندوں کی

برافروختگی و ناراضی کا باعث ہوئی اور وہ ان کو اس مخالفت کا مزا چکھانے۔ اور ان کی ایذا رسانی کے درپے ہوئے۔ رفتہ رفتہ جب مخاصمت کی آگ ان کے دلوں میں زیادہ زور سے بھڑکنے لگی تو سبھوں نے ملکر بالاتفاق اسکے مکان کا احاطہ کیا۔ اور اسے خوب لوٹا کھسوٹا۔ جب اس سے بھی ان کی کینہ وری کی تسلی و تسکین نہ ہوئی تو اس خاتون کو معہ اسکے بچوں کے شہر سے نکالدیا۔ یہ بیچاری بچوں کو لیے ہوئے اول نائس اور بعدہ مارسلے میں آئی اور سکونت اختیار کی۔

یہ بالکل سچا مقولہ ہے کہ مصیبت تنہا نہیں آتی،، اس بیچاری خاتون کو اس زمانہ میں طرح طرح کے مصائب و آفات برداشت کرنے پڑے گھر کی تباہی۔ مال و اثاثہ کی بربادی بیکسی۔ مصیبت۔ غربت کی تکلیف اور سب سے زیادہ افلاس و ناداری کی آفت کیسے ہی مستقل مزاج آدمی کو ہراساں و پریشاں کرنے اور اُسکے استقلال میں لغزش پیدا کرنے کے لیے کافی اسباب تھے لیکن آفریں ہے اس والا ہمت اور ذی حوصلہ خاتون کو کہ جس طرح سونا آگ میں رنگ نہیں بدلتا اسی طرح نہایت ثابت قدمی سے ان آفات کو جھیلتی اور زمانہ کی مخالفتوں سے مقابلہ کرتی رہی۔

نپولین کی طبیعت کچھ فطرتاً جنگجو واقع ہوئی تھی اسپر ان شورشوں اور بغاوتوں نے اس کی طبیعت کے رجحان کو اس طرف زیادہ مائل کیا اور ان صعوبتوں اور تکالیف نے اسکو محنت و سختی برداشت کرنے کا عادی کردیا۔ غالباً اگر اس کی ابتدائی حالت آسودگی و آسایش میں گزرتی اور اسے ایسی دشواریوں کا تجربہ نہوتا تو اس میں یہ خوبو پیدا نہیں ہوتی جو اسے شہرہ آفاق بنانے کی زیادہ تر باعث ہوئی۔

اس خاتون کو اپنے فرزند نپولین سے بے انتہا محبت تھی۔ اور اس خاتون کے عادات ایسے شایستہ اور خصائل ایسے شریفانہ تھے کہ نپولین بلالحاظ فرزندی اس خاتون کی قدر و منزلت کرنے پر مجبور تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ اگرچہ میری والدہ عورت

لیکن مردوں کا سا عقل و دماغ رکھتی ہی۔ زمانہ کے مساعدات اور اقبال کے عروج کیساتھ ہی نپولین نے اپنی والدہ کا خیال رکھکر ایک معتد بہ حصہ اپنی کمائی کا اسکے نذر کیا، ۱۷۹۹ء کے انقلاب کے بعد جب نپولین حکومت جمہوری کا صدر مقرر کیا گیا تو اُسکی والدہ نے معہ اپنے فرزندوں کے پیرس میں بود و باش اختیار کی۔ ۱۸۰۴ء میں جب نپولین سریرآرای سلطنت ہوا تو لوگوں کا خیال اس خاتون کی طرف رجوع ہوا اسکو میڈم میری کا خطاب دیا گیا اور اسکے اخراجات کے لیے دس لاکھ فرانک کی آمدنی مقرر کی گئی اس امتیاز شاہی سے پولیٹکل دائرہ میں اسکو ایک گونہ رتبہ و اعزاز حاصل ہوا اور اسکے بعد ہی وہ محکمہ جات خیرات کی نگراں مقرر کی گئی جو اس خاتون کی طبیعت کے لحاظ سے اور نیز شہنشاہ کی والدہ ہونے کے خیال سے نہایت موزوں خدمت تھی۔

اس زمانہ میں اس خاتون کے مزاج میں کفایت شعاری اس انتہا کی پیدا ہو گئی تھی جو بخل اور خساست کے درجہ تک پہنچ گئی تھی۔ اگر کوئی باریک بیں نکتہ چینی کی عینک لگا کر اس خاتون پر ہر ہر پہلو سے نظر ڈالے تو سوائے اس ایک عیب کے اور کوئی نقص اس میں نظر نہ آئیگا۔

لیکن ہم تو اسکو معذور سمجھتے ہیں کیونکہ انسان جب زمانہ کے انقلابات اور نیرنگیوں کا مشاہدہ اور اسکے نشیب و فراز کا تجربہ کرتا ہی تو وہ اسکو چرخ کج رفتار۔ جفا کار ستم شعار وغیرہ وغیرہ کے القاب سے یاد کرتا ہی اور اس کی خوشی کو قابل اعتبار اور اپنی مرفہ الحالی کو محض عارضی و نالایق اعتماد تصور کرتا ہی۔ اسکے مزاج میں دوراندیشی اور عاقبت بینی کی صفات بدرجہ اتم پیدا ہو جاتی ہیں، اور وہ حد سے زیادہ محتاط ہو جاتا ہے۔ اس خاتون کے اس عیب کا جو بعد میں اس میں پیدا ہوا تھا، اصلی سبب یہی تھا۔ عیب جو۔ خردہ گیر کی تو یہ صفت ہی کہ خوبیوں کے کمال کو نہیں دیکھتے مگر نقائص اور عیوب پر اُن کی نظر جلد پڑ جاتی ہی اور وہ ان کے اظہار میں اپنے لطف بیان و زور تقریر دکھلانے کی کوشش

کرتے ہیں۔ یہ خاتون بھی ایسے لوگوں کی زبان سے محفوظ نہیں رہ سکی اور اسکے اس عیب کا ذکر اذکار خوش باش لوگوں کے لیے نقل محفل تھا اور اسکے اس قسم کے کام جو خساست پر دلالت کرتے تھے بطور دل لگی اور تمسخر کے بیان کیے جاتے تھے کہتے ہیں کہ نپولین پر بھی اس کی والدہ کی اس صفت کی بنا پر طعن و تشنیع کی جاتی تھی، لیکن اس مستقل مزاج خاتون نے کبھی ان لوگوں کی زبان درازی کی پروانہ کی اور جو اصول اسنے احتیاط کا اپنے روزمرہ کی زندگی کے لیے اختیار کیا تھا اسپر ہمیشہ کاربند رہی اور نپولین بھی گو اسکو اپنی والدہ کی خصلت پسند نہ تھی لیکن وہ کبھی اپنی والدہ سے آزردہ خاطر نہوا۔ اور نہ کسی وقت اس سے اسکا ذکر کیا۔

ہم نے جو عذر اس خاتون کی بے انتہا کفایت شعاری یا خساست کے بارہ میں پیش کیا ہے اس کی تصدیق خود اس بیان سے ہو سکتی ہے، کہ جب ایک مرتبہ کسی نے اسکے روبرو اس کی اس خصلت پر طنز کیا تھا تو اسنے جواب میں کہا کہ کوئی شخص غیب داں اور آیندہ حالت کا جاننے والا نہیں ہو سکتا ہے۔ کیا جانے کہ کل کیا ہونے والا ہے اور شاید آیندہ مجھے شہنشاہوں کی کفیل بننا پڑے۔ اس کی یہ پیشین گوئی جو اُسکے خرم و دور اندیشی پر دلالت کرتی ہے بالکل صحیح ہوئی اور اسکے فرزند (جو شہنشاہ و بادشاہی کے رتبہ تک پہنچ گئے تھے، اس کی روٹی کے محتاج ہو گئے۔

اگر ہم اس عیب سے (بشرطیکہ یہ عیب کہا جا سکے) چشم پوشی کریں تو ہم کو یہ خاتون ایک مجمع الکمالات عورت نظر آئیگی۔ اسکو ہمیشہ اپنے اعزاز و وقار کا خیال رہتا تھا، اور گو اسکا فرزند شہنشاہ اور فخر روزگار تھا لیکن وہ اس سے اپنی تعظیم و تکریم کرا کر ہی چھوڑتی تھی اور کبھی اسکے شاہانہ اعزاز و ادب کا لحاظ نہیں رکھتی تھی۔ چنانچہ ایک وقت کا ذکر ہے کہ نپولین تخت سلطنت پر جلوس کرنے کے بعد ایک روز اپنے حوالی موالی کے ساتھ سینٹ کلاوڈ کے باغ میں سیر و تفریح کے لیے نکلا تھا۔ اتفاق سے اسوقت

یہ خاتون بھی وہاں موجود تھی۔ وہ اپنی والدہ کو دیکھتے ہی اس کی جانب بڑھا اور اپنے ہاتھ کو کچھ مذاقاً اور کچھ سنجیدگی سے اُس کی طرف بڑھایا تاکہ وہ اُسے بوسہ دیکر شہنشاہ کے اعزاز کا اظہار کرے۔ بھلا اس عالی حوصلہ اور بلند خیال خاتون کو یہ کب گوارا ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کے سامنے اپنے آپ کو حقیر کرے۔ فوراً اُسکے ہاتھ کو غصہ سے پرے ہٹا کر اپنے ہاتھ کو بڑھایا اور کہا کہ تمہیں اسکے ہاتھ کو چومنا چاہیے جسکے پیٹ سے تم پیدا ہوئے ہو۔

جب اسکے تمام لڑکے باستثناے لوسین کے مختلف ممالک کے بادشاہ ہو گئے تھے تو وہ نپولین کو اس ایک کے لیے تنگ کرتی اور اس سے ہمیشہ اپنی یہی خواہش ظاہر کرتی کہ اسکو بھی کوئی ملک حوالہ کیا جائے۔ آخر ایک روز نپولین نے تنگ ہو کر کہا معلوم ہوتا ہی کہ لوسین ہم سب سے زیادہ آپ کو عزیز ہی۔ اس خاتون نے اسکا جواب ایسے الفاظ میں دیا جن سے ایک قسم کی پیشین گوئی بھی پائی جاتی تھی اُسنے کہا جس بچے کو میں سب سے زیادہ چاہتی ہوں وہ سب سے زیادہ بدنصیب رہتا ہی۔ چند سال بعد جب نپولین قید کر دیا گیا تو اس بیان کی بخوبی تصدیق ہو گئی۔

اس کی نیک طینتی اور احسانمندی کی بہت سی حکایات مشہور ہیں۔ ایک وقت جب اسکو جوزفین کی زبانی معلوم ہوا کہ شہزادہ ڈی انگین گرفتار کیا گیا ہی تو فوراً اپنے بیٹے کے پاس پہنچکر اسکے لیے بہت کچھ سفارش کی اور اول جسقدر ایک ماں اپنے حکومتانہ طرز سے اپنے فرزند پر اثر ڈال کر کام نکال سکتی ہی اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی لیکن جب اسپر ثابت ہوا کہ یہ طرز سفارش موثر نہیں ہو سکتی ہی تو عاجزی و انکساری کو کام میں لائی۔ اور جب اس سے بھی کوئی امید بر نہ آئی تو اس کار خیر کے لیے اپنے وقار و تمکنت کو بالای طاق رکھکر بیٹے کے پاؤں پر تک گر گئی۔ اس سے اس کی نیک دلی اور ہمدردی بیّن طور پر ثابت ہو سکتی ہی۔

نپولین فانٹین بلو میں جس طرح پوپ کے ساتھ پیش آیا وہ اسکو ایک آنکھ نہیں بھایا اور اپنے بھائی کارڈنل فشر سے اس کی نسبت بیان کیا کہ تمہارے بھانجے نے جو طریقہ اختیار کیا ہی وہ ایک روز اُس کی تباہی کا باعث ہوگا اور ضرور ہی کہ اُسکے ساتھ ہم بھی تباہ ہوجائینگے۔ اُسے جو کچھ اسوقت میسر ہی اسپر قناعت کرنی چاہیے ورنہ وہ سارے کی طمع میں آدھے کو بھی کھو بیٹھے گا۔ اس سے اس خاتون کی عقلمندی اور دوراندیشی کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہی۔

جب نپولین ملک بدر ہوکر ایلبا کو چلا گیا تو اُس کی والدہ نے بھی معہ چند ہمراہیوں کے اسکے بعد میں وہیں جاکر سکونت اختیار کی۔ جب اسکو اس سے مخلصی و نجات ملی اور پھر فرانس میں آکر سلطنت پر قبضہ کیا تو یہ خاتون روم کو چلی گئی اور ایام وفات تک وہیں مقیم رہی۔

جب سے کہ نپولین کا ستارہ گردش میں آگیا اور ادبار و نحوست اسپر چھا گئی۔ اسکا دل اسی کی طرف لگا ہوا تھا۔ خوش اقبالی کے زمانہ میں وہ نپولین کو حرص و تکبر پر ملامت اور ان خصائل کے ترک کرنے کے لیے نصیحت کیا کرتی تھی۔ جنگ واٹرلو کی شکست کے بعد ہمیشہ اسکو نپولین کا خیال دامنگیر تھا اور اسکا دل اسی کی طرف لگا رہتا تھا وہ اسکے لیے بہت متفکر رہتی تھی۔ وہ نپولین کو اپنی تمام اولاد سے زیادہ چاہتی تھی۔ اس کی فلاح و بہبودی کے لیے وہ اپنی جان کو قربان کرنے سے مضائقہ نہ کرتی۔ اسنے متعدد بار نپولین سے کہا کہ اگر تمہیں میری جمع کی ہوئی پونجی اور دولت و ثروت سے کسی طرح کا فائدہ ہوسکتا ہی تو تم ضرور اسکو اپنے صرف میں لاؤ اور اسکے توسط سے اپنی بہتری و بہبودی کی کوئی صورت نکالو۔

نپولین نے ایک مرتبہ اپنی آخری قید میں بیان کیا تھا کہ "میری والدہ میرے لیے جوار کی روٹی پر گذران کرنے پر خوشی سے راضی ہوگی"

کاونٹ لاسکس جب یورپ کو واپس آیا تو اس خاتون نے اُسکے پاس ایک شخص کو نپولین کے حالات دریافت کرنے کی غرض سے بھیجا۔ اس قاصد کے سامنے کاونٹ مذکور نے نپولین کی اس راے کو جو وہ اپنی والدہ کی نسبت رکھتا تھا اور جسکا ذکر اوپر ہو چکا دُہرایا۔ اُسنے کہا بیشک اسکا خیال بالکل صحیح ہی کیونکہ اس کی والدہ نے مجھسے کہا ہی کہ اگر مال و دولت سے اسکے جگر گوشہ کی کسی طرح بہتری ہو سکے تو وہ ایک منٹ کے لیے بھی اُسپر سے قربان کرنے میں تامل نہیں کریگی۔

۱۸۱۸ء میں اسنے ایک پُر درد حسرتناک رقعہ سلاطین متفقہ کی خدمت میں جو ایکسلاشیل میں جمع ہوئے تھے روانہ کیا تھا جس میں اپنے فرزند دلبند کی طرف سے معذرت کی تھی اور اُس کی رہائی کی خواستگار ہوئی تھی۔ اس میں وہ لکھتی ہی۔

"بزرگو! شاہنشاہو! میں نپولین کی ماں ہوں اور مجھے اپنا جگر گوشہ اپنی جان سے زیادہ عزیز ہی۔ اُس ذات پاک کے نام پر جسنے آپ کو بادشاہت وحکومت دی ہی اور جو محض نیکی ہی نیکی ہی آپ لوگوں کی خدمت میں التجا کرتی ہون کہ میرے بچے کو مصیبت وقید سے آزاد کرو۔ میں خدا سے التماس اور آپ لوگوں سے جو رحمت یزدانی کہلاتے ہو درخوست کرتی ہوں کہ اس کی حالت پر رحم کرو اور مجھ بیوہ پر ترس کھاؤ۔ صلاح مملکت اور امور سلطنت کی بنا پر جو سزا دیجاتی ہی آخر اُس کی کوئی حد و میعاد ضرور ہونی چاہیے۔ زمانہ آیندہ جو انسان کی نیکیوں اور بُرائیوں کا ایک کارنامہ اور زبردست گواہ ہوتا ہی وہ فاتحوں کی دریادلی وخطابخشی کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتا اور اُن کی ثنا و ستایش میں رطب اللسان رہتا ہی۔

جب ۱۸۱۹ء میں نپولین بیمار ہوگیا تو اسکو جو نفرت اپنی شکست کے باعث انگلش سے ہوئی تھی وہ اس موقع پر ظہور میں آئی، یعنی اُسنے انگریزی ڈاکٹر سے علاج معالجہ کرانے سے صاف انکار کیا۔ اُسکی یہ بھی خواہش تھی کہ اسوقت اُسکے پاس

ایک پادری موجود رہے تاکہ خطرناک حالت میں وہ اپنے مذہب کے مطابق اسکے روبرو اپنے گناہوں کا اعتراف کرکے ان کو بخشوا لے۔ جب اس کی ان خواہشوں کی خبر اس کی والدہ کو ہوئی تو اسنے کارڈنل فشر کے انتخاب اور پوپ کی راے سے ایک حاذق حکیم اور ایک پادری اپنے ذاتی اخراجات سے اُسکے پاس روانہ کیا۔ یہ بزرگ منش، عالی ہمت۔ مجمع الکمالات خاتون اسی سال کے سن تک اس دنیای فانی میں زندہ رہی۔ اس پیرانہ سالی میں بھی اسکے چہرہ کے خط و خال سے اسکے بے نظیر حسن اور عالی دماغی کا پتہ لگ سکتا تھا۔ جن لوگوں نے اسکے بت کو جو کارٹوا کے بے نظیر بت تراشی اور صفائی کی شہادت دیتا ہی۔ دیکھا ہی وہ خود اسکے حسن و سیرت کا قیاس کر سکتے ہیں جو اسکے چہرہ پر قدرت کے قلم نے جلی حروف میں لکھا ہی اور قیافہ شناس جو جزئیات و عادات انسانی کو صرف چہرہ کی وضع و ترکیب سے معلوم کر سکتے ہیں اس اعلیٰ صفت کے مشاہدہ سے خود بخود ہمارے تمام بیانات مذکورہ بالا کی تصدیق کرینگے۔

رقمہ

مسنر س۔ م۔ د

گھوڑا

اعز مکان فی الدنیا سرج سابح ÷ وخیر جلیس فی الزمان کتاب

سب سے معزز گھر لڑائی میں تیز رفتار گھوڑے کی زین ہے، اور سب سے بہتر ہمنشیں زمانہ میں کتاب ہے

(متنبی)

انسان جس طرح بوجہ اپنی عقل و تمیز کے تمام مخلوقات میں اشرف ہی اسی طرح طبقہ

حیوانات میں گھوڑا بھی ممتاز ہی، گھوڑا تقریباً دنیا کے ہر حصہ میں پایا جاتا ہی۔ اور ہر ملک کے گھوڑے عادات و خصائل میں کم و بیش ملتے جلتے ہیں، البتہ مختلف ملکوں کی آب و ہوا کا اثر ان کی رنگ رفتار اور خواص پر جداگانہ ہوتا ہی۔ گھوڑے کو انسان کے بس میں آئے اتنا عرصہ ہوا کہ اب اس کے مطیع ہونے کی تاریخ کا تعین کرنا محال ہی،

مسٹر دت تاریخ ہند میں لکھتے ہیں کہ عہد ویدیعنی حضرت عیسیٰ سے ۱۰۰۰ برس پہلے ہندوستان میں گھوڑوں سے ہل چلواتے تھے، امریکہ اور فرنگستان کے اکثر ممالک میں ابتک گھوڑوں ہی سے ہل چلواتے ہیں، انگلستان میں گھوڑوں کے ہل اول اول ولیم فاتح کے زمانہ سے چلنے شروع ہوئے،

عادات و خصائل

گھوڑا نہایت سمجھدار تیز فہم اور سریع الحس جانور ہی۔ اسکے عادات پسندیدہ ہوتے ہیں، ہلانے سے جلدی ہل جاتا ہی۔ شفقت اور محبت کی قدر کرتا ہی درشتی اور سختی سے برانگیختہ ہوجاتا ہی۔

مسٹر ریرے جو گھوڑوں کے خواص کے خاص ماہر ہیں، لکھتے ہیں کہ اگر گھوڑے کو غصہ سے دھمکائیں تو اس کی نبضوں کی حرکت معمول سے دس گنی زیادہ ہوجاتی، چونکہ گھوڑے کے احساس قوی ہوتے ہیں اسلیے سختی اور درشتی سے اس کی تمام خوبیاں جو فطرت نے ودیعت کی ہیں رفتہ رفتہ زائل ہوجاتی ہیں۔ اس کی ہمت اور محبت اڑاور بے وفائی سے بدلجاتی ہی، اس خاصیت میں یہ بالکل انسان کے مشابہ ہی کہ جتنا غیور طبیعت والے بچوں سے بدزبانی اور بدسلوکی سے پیش آؤ وہ اتنے ہی بگڑتے ہیں۔ اگر بخلاف اسکے گھوڑے سے محبت اور مروت کا سلوک کریں تو وہ بھی اپنے آقا کا عاشق ہوجاتا ہے۔

بدمزاج اور اوچھی طبیعت کے آدمیوں کے گھوڑے عموماً دیکھا گیا ہی کہ اڑ کرنے والے ہوتے ہیں۔ یوں تو گھوڑے کی محبت اور مروت کی بیحد داستانیں

ہیں، مگر ذیل کا واقعہ نہایت پُر اثر ہی۔

پشاور میں ہمارے ایک بھائی کا ایک گھوڑا تھا، اُنہیں اُس سے بیحد محبت تھی اور گھوڑا بھی اُنکے دم کا دیوانہ تھا، اتفاق ایسا ہوا کہ انہیں کچھ عرصہ کے لیے گھر سے باہر رہنا پڑا، گھوڑے نے اپنی آقا کی مفارقت کا ایسا اثر کیا کہ دانہ نہ کھاتا تھا اُنکے بعد اُس کی کچھ بے قدری بھی ہوگئی۔ جب یہ سفر سے واپس آئے تو یہ وفادار گھوڑا تھان سے ہہناتا ہوا ان سے ملنے آیا اور ان کے شانے پر موہنہ رکھکر آنسو بہانے لگا گویا کہ زبان حال سے اپنا درد کہتا تھا۔

عرب کے گھوڑے ملک عرب کے گھوڑے اپنی خوبی اور خوبصورتی کے لیے تمام دنیا میں مشہور ہیں، ان کا چہرہ نہایت خوبصورت لمبوترا ہوتا ہی گردن معمول سے زیادہ لمبی قد میانہ دُم لمبی اوپر کو اُٹھی ہوئی۔ عرب کے گھوڑے نہایت غیرتمند مضبوط صابر اور وفادار ہوتے ہیں۔ اگر کوئی گھوڑا اُنکے آگے نکلجاے تو تلملا جاتے ہیں، چنانچہ حضرت مولوی الطاف حسین صاحب حالی مدظلہ العالی فرماتے ہیں،

اسپ تازی کی طرح تھی قوم تازی بھی غیور
جب کوی بڑہتا تھا آگے تلملا جاتے تھے ہم

یہ گھوڑے بڑی بڑی منزلیں چلکر بھی نہیں تھکتے۔ بخلاف اور ملکوں کے گھوڑوں کے یہ گھوڑے بھوک اور پیاس کی برداشت کر سکتے ہیں۔ اہل عرب اپنے گھوڑوں سے بڑی محبت رکھتے ہیں یہ اُن کی اہل وعیال کے ساتھ خیمہ میں رہتے ہیں۔ عربوں کو اپنے گھوڑوں کی رفتار اور اُن کی مواِنست پر ناز ہی۔ یہ لوگ انکے نسب نامے بڑی احتیاط سے محفوظ رکھتے ہیں۔

چنانچہ عرب میں اب بھی ایسے قبائل موجود ہیں، جنکے پاس اپنے گھوڑوں کے نسب نامے پانچ پانچسو برس سے مسلسل محفوظ چلے آتے ہیں۔ جب بچھڑا پیدا ہوتا ہے

تو قبیلے کے سردار سے اُس کے صحیح النسب ہونے کی سند لیجاتی ہی۔ اگر کسی بچھڑے کی سند نہ ہو اور خواہ وہ کیسا ہی عمدہ کیوں نہو مگر لوگ اُسے بے وقعتی سے دیکھیں گے گھوڑے کی نسل ماں سے شمار کی جاتی ہے،

عرب میں بڑی عمر میں سواری سیکھنا اور بچپن سے اسکا عادی نہونا بڑا عیب خیال کیا جاتا ہی، مخالف قبائل اسپر طعن اور تشنیع کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر ایک قبیلہ کی ہجو کرتا ہوا کہتا ہی

لم یرکبوا الا بعد ما کبروا   فھم ثقال علی اکتافھم میل

نہیں چڑہتے وہ گھوڑے پر مگر بڑے ہونیکے بعد   انکے جسم بوجھل ہیں وہ سیدھے نہیں بیٹھ سکتے

عربوں کو ہمیشہ اپنے گھوڑوں پر ناز رہا ہی اور ملک عرب میں آجتک سواری کا وہ ہی شوق ہی جو پہلے زمانہ میں تھا،

حضور سرور عالم کو گھوڑے سے خاص محبت تھی آپ اپنی چادر مبارک سے گھوڑے کو صاف کرتے اور پیشانی پر بوسہ دیتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث میں گھوڑا رکھنے کی تاکید اور اُس کی خدمت کرنے کا حکم دیا ہی۔

وہ مائیں جنکی رگوں میں حجاز اور تہامہ کے خون کا اثر باقی ہی ان کا فرض ہی کہ اپنے بچوں کو سواری کا شوق دلائیں، اور ابتدا سے ہی گھوڑے پر چڑہنے کا عادی بنائیں تاکہ ان میں اپنے حجازی باپوں کی اولوالعزمیاں پیدا ہوں،

گھوڑے کی سواری سے مردانگی اور ہمت پیدا ہوتی ہی اور معدہ جگر قلب اور گُردہ کے امراض کے لیے زین سواری اکسیر کا حکم رکھتی ہی۔

یوں تو ملک عرب کے ہر حصہ کے گھوڑے خوبصورت اور عمدہ ہوتے ہیں مگر شمالی عرب نجد اور مسقط کے گھوڑے سارے عرب میں مشہور ہیں، انکے قد عام گھوڑوں سے نکلتے ہوئے ہوتے ہیں، عرب کے گھوڑے وفاداری میں ضرب المثل ہیں چنانچہ

جنگوں میں یہ اپنے مالک کے ساتھ گولیوں کی بارش اور توپ کی آتش فشانی کی مطلق پروا نہیں کرتے۔ لڑائی میں اگر آقا مارا جاتا ہے تو اسکا وفادار گھوڑا افسردگی کی حالت میں اسکے سرہانے کھڑا رہتا ہے اور جب تک اُس کی لاش لینے کوئی نہ آئے یہ اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر آقا میدان میں زخمی ہو کر گر پڑے تو گھوڑا ثابت قدمی سے پاس کھڑا رہتا ہے بھوک اور پیاس کی پروا نہیں کرتا جب کوئی درندہ یا دشمن آتا ہے تو اپنے آقا کو بیخودی سے بیدار کر دیتا ہے۔ اور جب تک اُس کی مدد کو اپنے آدمیوں میں سے کوئی نہ آئے اُسکے پاس سے یہ وفادار جانور جنبش تک نہیں کرتا۔

ترکی گھوڑے ترکوں کو اپنے گھوڑوں پر عربوں سے بھی زیادہ ناز ہے۔ اگرچہ ہم اُنکے گھوڑوں کو تازی گھوڑوں پر کبھی ترجیح نہیں دیسکتے مگر اس میں شک نہیں کہ ترکی گھوڑے عرب کے بعد تمام دنیا کے گھوڑوں سے اچھے ہوتے ہیں۔ ترک جو نہایت کریم النفس ہیں اور جانوروں پر اُن کی شفقت ضرب المثل ہے گھوڑوں کو حد سے زیادہ چاہتے ہیں گھوڑوں کو کرتب سکھانے میں یہ لوگ ید طولیٰ رکھتے ہیں، ایشائی روم میں ہر سال گھوڑوں کی بازیاں ہوا کرتی تھیں۔ مگر بعض اوقات ان میں ایسی بدتہذیبی ہوتی تھی کہ بہت سے خون ہو جایا کرتے تھے اس لیے اب حکومت انہیں بنظر استحسان نہیں دیکھتی۔

ترکی گھوڑا نہایت تیز رفتار اور خوبصورت ہوتا ہے۔ اسکا قد عربی گھوڑے سے بڑا ہوتا ہے۔ ترک بھی بچپن ہی سے سواری سیکھتے ہیں اور ننگی پیٹھ پر بڑے اطمینان سے بیٹھتے ہیں۔ جمال الدین بے حسن چرکس کی شہسواری کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے

”وہ ایسا قدر انداز اور شہسوار تھا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر دائیں بائیں دونوں ہاتھوں میں بندوقیں لیتا اور سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑے پر سے ہوا میں اچھلے ہوئے دو انڈوں پر نشانہ مارتا تھا۔“

ایشیا میں گھوڑوں کے عیب وصواب بھی دیکھے جاتے ہیں اگر کسی گھوڑے کے چاروں پیر اور پیشانی پر سفید داغ ہوں تو اُسے پنج کلی کہتے ہیں اور ایسا گھوڑا منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ اگر کسی گھوڑے کے دو پچھلے پیر اور ایک بایاں ہاتھ سفید ہو اور پیشانی پر بھی سفید داغ ہو تو ایسے گھوڑے کو نہایت مبارک کہتے ہیں، اسی طرح گھوڑوں کی مبارک اور منحوس ہونے کی صدہا علامات ہیں،

تھوڑا عرصہ ہوا کہ کسی نے اعلیحضرت سلطان ٹرکی سے عرض کیا کہ حضور مسجد جامع میں گھوڑے پر تشریف لیجایا کریں تاکہ رعایا دیدار فیض آثار سے مستفید ہو سکے، آپنے فرمایا کہ اگر ایسا گھوڑا ہو کہ اُسکے دو پچھلے پیر اور ایک بایاں ہاتھ سفید ہو اور پیشانی پر بھی سفید نشان ہو اور دُم زمین تک لٹکتی ہو تو ہم اُسپر سوار ہو کر جایا کریں، اس کی اطلاع ہز مجسٹی قیصر ہند کو بھی ملی اُنھوں نے ۱۰۰ تار مختلف اکناف واطراف ملک میں مندرجہ بالا حُلیے کے گھوڑے کی خرید کے لیے روانہ کیے۔ چنانچہ ڈبلن میں ایسا گھوڑا دستیاب ہو گیا۔ اب یہ گھوڑا قیصر کے قصر ونڈسر میں تعلیم پا رہا ہے۔ سدہ جانے کے بعد بحضور سلطان المعظم پیش کیا جائیگا۔ اسپر راقم الحروف کو بادی النظر میں تعجب ہوا مگر پھر یہ شعر یاد آگیا۔

دو پای سفید و یکے دست چپ سزاوار شاہان عالی نسب

جنوبی امریکہ کے گھوڑے

جنوبی امریکہ کے گھوڑے اچھے ہوتے ہیں اور بڑی عمر میں بھی مانوس ہو سکتے ہیں۔ اس سے علمانے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان گھوڑوں کے دماغ زیادہ ترقی پائے ہوئے ہیں۔

اس ملک میں گھوڑے بڑی کثرت سے ہوتے اور یہاں کے باشندے گھوڑے کا گوشت بڑی خوشی سے کھاتے ہیں۔ جنگلوں میں دس دس ہزار کے گلّے چرتے پھرتے ہیں ان میں آپس میں بڑی محبت اور موانست ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ اس ملک کے مسافر سفر میں پھندا ڈالکر ان گھوڑوں میں سے ایک آدہ کو گرفتار کر لیتے ہیں اور ان پر اپنا اسباب لاد دیتے ہیں جب ایک گھوڑا تھک جاتا ہی تو اُسے چھوڑ دیتے ہیں اور دوسرے کو اسی طرح پکڑ لیتے ہیں، لیکن اگر رستے میں کبھی گھوڑوں کا گلہ ملجاتا ہی تو یہ نو گرفتار گھوڑا بالکل بے قابو ہوجاتا ہے اسوقت بڑی پھرتی اور اطمینان قلب کی ضرورت ہی۔ بسا اوقات یہ گھوڑے سواروں کو زخمی کرجاتے ہیں اور اسباب کو پھینک دیتے ہیں۔

فرنگستاں کے گھوڑے فرنگستان میں سب سے اچھے گھوڑے جزیرہ برطانیہ کے ہوتے ہیں، ان گھوڑوں کے باپ تو عربی ہیں مگر مائیں انگریزی ہیں۔ اگرچہ پہلا عرب گھوڑا انگلستان میں جیمس اول کے عہد میں آیا اسکو سکندر شاہ سکاٹ لینڈ نے ایک گرجا پر چڑہایا تھا۔ مگر کسی تاریخ سے اس امر کا ثبوت نہیں ملتا کہ اس کی کبھی نسل بھی لی گئی ہو۔ اگرچہ قدیم زمانہ سے ہسپانیہ کے گھوڑے انگلستان میں آتے رہے اور اس ملک کے گھوڑے عربی اور بربری گھوڑوں کی نسل سے تھے مگر پہلے پہل جیمس اوّل نے ایک عرب کا گھوڑا ۵۰۰ پونڈ کو خریدا اور اسکے بعد مشرقی گھوڑوں کی نسلیں لینے کا شوق انگلستان میں ترقی کرتا گیا، چارلس اول، کرامول، چارلس ثانی جیمس ثانی وغیرہ بادشاہوں نے عربی نسل کو انگلستان میں بہت ترقی دی، انگلستان کے گھوڑے گھوڑ دوڑ کے لیے نہایت موزوں ہیں، خوشنما بھی ہوتے ہیں اور انکی اطوار اپنے عربی باپوں سے بہت ملتے ہیں،

یورپ میں اندلس یعنی اسپین کے گھوڑے نہایت عمدہ ہوتے ہیں مگر یہ عربی اور بربری گھوڑوں کے بچے ہیں۔ اور مسلمانوں کی فتح کی یہ بھی ایک اچھی یادگار ہیں یورپ کے دیگر ممالک کے گھوڑے اچھے نہیں ہوتے یہ عموماً بھدے اور بدنما ہوتے ہیں، ملک ڈنمارک کے گھوڑے اپنے بھدے پن کے لیے عام طور پر

مشہور ہیں۔

چنانچہ ایک گھوڑے کا واقعہ لکھا ہے کہ شاہ فریڈرک رابع کے زمانے میں کسی امیر کے پاس ایک گھوڑا تھا جو اپنی تیز رفتاری کے لیے اہل ڈنمارک میں ایک عجوبہ خیال کیا جاتا تھا، بادشاہ نے اس امیر سے شرط باندھی کہ دیکھیں تیرا گھوڑا آگے جاتا ہے یا میرا نوکر۔ بیس میل کی دوڑ تھی، بادشاہ کا نوکر گھوڑے سے ایک منٹ آگے آیا، مگر سلام بجالاتے ہی مرگیا،

گھوڑوں کے کھیل نیزہ بازی، چوگاں شکار گھوڑوں پر کھیلے جاتے ہیں اور ایشیا میں ان کا رواج قدیم الایام سے چلا آرہا ہے، نیزہ بازی میں عربوں کو کمال حاصل ہے۔ چوگان ترکمانوں کا قومی کھیل ہے، چوگان کھیلنے کا شوق مسلمان سلاطین کو ہمیشہ رہا، چنانچہ حضرت سلطان صلاح الدین انار اللہ برہانہ چوگان میں ایسے مشاق تھے کہ گیند کو زمین سے نہ لگنے دیتے تھے۔ اکبر بھی اس فن کا بڑا استاد تھا، ۴۰، ۵۰ میل بے تکان گھوڑے پر چلا جاتا تھا، چوگان کھیلتے ہوئے متعدد گھوڑوں کو تھکا دیتا تھا،

اگرچہ چوگاں ترکوں کا قومی کھیل ہے مگر یورپ میں جاکر یہ اس کھیل کو بھول گئے تھے مگر اب انگریزوں نے انہیں بھی یاد دلایا ہے، انگریز سلطنت مغلیہ کے وارث ہوئے تو ان کے کھیل کود کو بھی اپنے ملک میں لیتے گئے، انگریزوں کی بدولت پولو وغیرہ بھی کھیلتے جاتے ہیں،

خاکسار
محمد فضل امین

ورزش جسمانی

دو مہینہ کا عرصہ ہوا جب رابعہ بیگم صاحبہ نے عورتوں کی ورزش کے متعلق

ناظرین و ناظرات خاتون سے کوئی مفید مشورہ طلب کیا تھا، اگرچہ اس سے پہلے خاتون میں متعدد مضامین عورتوں کی ورزش کے متعلق شائع ہو چکے ہیں لیکن ہم نے اس خیال سے کہ یہ مسئلہ جس قدر زیادہ بحث میں آئے بہتر ہی پھر اس سلسلہ کو چھیڑنا مناسب سمجھا،

ہمارے پاس متعدد مضامین اسکے متعلق آ گئے ہیں جنکو ہم رفتہ رفتہ شائع کرینگے۔ مندرجۂ ذیل مضمون چونکہ اس عنوان پر نہایت لبسیط اور مفصل ہے اسلیے ہم سب سے پہلے اسی سے ابتدا کرتے ہیں،

امید ہی کہ پردہ دار خواتین اسکو غور سے مطالعہ کرینگی اور جو طریقہ ورزش کا اس میں بتایا گیا ہی اسپر عمل کرنے کی کوشش کرینگی، اس سے نہ صرف انہی کی صحت اور تندرستی اچھی رہیگی بلکہ آیندہ نسلوں پر بھی اسکا نہایت مفید اثر پڑے گا،

اڈیٹر

ورزش مایۂ حیات ہی صحت جسمانی اور ذہنی اسی پر موقوف ہی جسم کے عضلات یعنی پٹھے بغیر کافی ورزش کے سست اور کمزور ہو جاتے ہیں، اور جسم کے ہر حصہ میں جو نالیاں خون کی یعنی شریان اور ورید پھیلی ہوئی ہیں بیکار اور سست ہو جاتی ہیں، جسم کا نقصان تو برابر جاری رہتا ہی لیکن جسم میں وہ تندی اور تیزی نہیں ہوتی ہی جو اس نقصان کے مادہ کو جسم سے خارج کرکے تازہ غذائی مادہ جسم میں پھیلائے اور پھر اسکو معلوم طریقے سے اخراج کرے۔

یہ ایک پرانی مثل ہی (استعمال سے کسی چیز کا گھس جانا اس سے بہتر ہی کہ اسکو زنگ کھا جائے) جو لوگ کلوں کے کام سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ کلوں کا چلتا رہنا انکے بیکار رہنے سے بہتر ہی کیونکہ بیکار رہنے سے زنگ انکو جلد تر کھا جاتا ہی،

گھڑی فروشوں کی دکانوں میں ہزاروں گھڑیاں موجود ہیں اور وہ سب کو کوک کر رکھتے ہیں تاکہ چلتی رہیں ورنہ زنگ لگ جانے کا اندیشہ ہی،

یہی حال انسانی مشین کا ہی۔ اگر انسانی مشین سے کام نہ لیا جائے تو وہ جلد بیکار ہوجائیگی بہ نسبت اسکے کہ اس سے جسمانی یا ذہنی اور دماغی ورزش ہیجائے۔ شرط یہ ہے کہ یہ ورزش کسی شخص کی جسمانی یا ذہنی قوت سے زیادہ نہو یعنی عضلات (پٹھوں) اور دماغ پر اُن کی طاقت سے زیادہ دباؤ نہ ڈالا جائے،

ورزش اور اُسکے ساتھ جسم کی مالش جسکو ایران میں مشت ومال کہتے ہیں امراض کے منع اور علاج کے دو بڑے رکن ہیں، اگر صحت کامل کے آلات کو ہمیشہ کام کے لیے مستعد رکھنا چاہتے ہو تو چاہیے کہ اُسکے ہر جزو کو صحت اور تندرستی میں رکھو،

جیسے کہ معدہ کی صفائی لازمی ہی اُسی طرح مناسب وموافق غذا کا استعمال بھی لازمی ہی، اگرچہ معدہ صاف ہو اور غذا بھی مناسب ہو مگر بغیر ورزش کے ہماری صحت ہرگز درست نہیں رہ سکتی ہی۔

ان سب چیزوں کے علاوہ تازی ہوا صحت کا جزاعظم ہی اور بغیر تازی ہوا کے صحت کامل کی امید نہیں رکھنی چاہیے، فطرت کے ستار کے سب تاروں کو برابر کوک دینا چاہیے تاکہ سب تار ہم آواز وہم آہنگ ہوں، صحت کامل ایسی ہی حالت میں قائم رہ سکتی ہی، لہذا ہم اس مختصر مضمون میں چند سادہ اور عام فہم قواعد ورزش کے بیان کرینگے جو ہدایت کے لیے کافی ہیں،

طریقہ ورزش کیسا ہونا چاہیے

جسوقت ہم کسی عضلہ (پٹھے) کو منقبض کرتے ہیں یعنی بھینچتے ہیں تو اُس کی رگوں میں سے خون ہی نکلجاتا ہی اور جسم کے فضلات کو اپنے ہمراہ لیجاتا ہی، اسکے بعد جب پٹھوں

کو ڈھیلا چھوڑتے ہیں اور وہ اپنی اصلی حالت پر آجاتے ہیں تو شریانوں میں سے تازہ خون تازہ مادۂ غذا کو لیے ہوئے اُن میں داخل ہوتا ہے اور جو نقصان ہوا ہے اسکا معاوضہ کرتا ہے اور جب ہم کسی عضلہ کو کام میں لائیں تو یہی بات واقع ہوتی ہے، خداوند عالم نے اپنی حکمت بالغہ سے کچھ ایسا انتظام رکھا ہے کہ تازہ مادہ کی مقدار بہ نسبت نقصان کے زیادہ ہے تاکہ اگر کسی عضلہ کی دائمی حرکت یا عمل سے اُس میں زیادہ نقصان ہو تو اس ذخیرہ سے اسکا مکافات عمل میں آسکے، لوہار اور پتھر پھوڑنے والوں کے دست و بازو سے ظاہر ہوگا کہ وہ جن پٹھوں سے زیادہ کام لیتے ہیں ذخیرہ غذا کا انہی مواقع میں کام آتا ہے،

اگر ہم ہمیشہ ایک ہی سلسلۂ عضلات سے کام لیا کریں جیسا کہ اکثر پیشوں میں ہوا کرتا ہے، اور دوسرے عضلات کو بیکار رکھیں یا اُنسے ناکافی مقدار میں کام لیں تو بعض عضلات قوی ہوجاتے ہیں اور دوسرے ضعیف رہجاتے ہیں جس سے انسان کا جسم سڈول اور موزوں نہیں رہ سکتا ہے، بعض لوگوں کے کندھے خم ہوجاتے ہیں یا بعضوں کی رفتار ناہموار ہوجاتی ہے، جن پٹھوں سے برابر کام نہیں لیا جاتا ہے وہ ضعیف اور سخت ہوجاتے ہیں اور جو غذا ان کو پہنچنی چاہیے وہ دوسرے عضلات کو نصیب ہوتی ہے اور یہ محروم رہجاتے ہیں،

جسمانی ورزش کا بہترین اصول وہ ہونا چاہیے جس سے جسم کے ہر حصہ کی کافی ورزش ہو اور اُس میں برابر ترقی ہوتی جائے، بعض پیشہ کے لوگ اس سے محروم رہتے ہیں کیونکہ اُنکے پیشوں کی وجہ سے وہ مجبور ہیں کہ بعض عضلات سے زیادہ کام لیں، کندھوں کا خم ہوجانا یا دوسرے ناہموار نتائج کی اصلاح اس طرح ہوسکتی ہے کہ ہر روز تھوڑی دیر کے لیے دوسرے عضلات سے بھی کام لیا جائے جو اُنکے پیشہ میں بیکار رہتے ہیں، جو لوگ جُھک کر کام کرتے ہیں، جیسے درزی یا گاڑیوالے یا منشی و محرر

اُنکے شانوں میں ضرور خمیدگی آجاتی ہی۔

عضلات کے عمل کا اثر فوراً ہماری اشتہا اور ہضمہ اور قوت تغذیہ پر ہوتا ہی اور جب ہم کسی عضلہ کو حرکت دیتے ہیں یا فکر کرتے ہیں تو اُسکا نتیجہ یہ ہی کہ عضلات و دماغ کا مادہ اس عمل میں صرف ہوتا ہی،

پس جو کچھ جسم میں سے صرف ہوا ہی اسکا معاوضہ بذریعہ غذا کے ہونا لازمی ہی جسکو بدل ما یتحلل کہتے ہیں، جسم کی حرکات سے تمام افعال بدن تیز ہوتے ہیں، جسم کی اندرونی کیمیاوی آگ زیادہ تیزی کے ساتھ جلتی ہی تاکہ غذا کو قابل ہضم اور جذب کرے اور خون کی گردش تیز ہو، جس سے تیار شدہ غذائی مادہ جہاں اُس کی ضرورت ہو پہنچایا جاسکے، اور جو کچھ نقصان جسم میں ہوا ہے اُسکو پورا کرے، آکسیجن جو ہوا کا ایک جزو قابل ہے اندرونی آگ کو تیز کرتا ہے، جس سے سانس بھی تیز چلتی ہے،

ہمنے اسکے آگے بیان کیا کہ نعمت خدا میں کمی نہیں ہے اور ضرورت سے زیادہ غذائی مادہ جسم میں معاوضہ نقصان کے لیے موجود رہتا ہی۔ جسوقت جسمانی ورزش احتیاط کے ساتھ تمام اعضا میں تقسیم پاتی ہی تو جسم کی تمام ساخت جسکو عربی میں بُنیہ کہتے ہیں تعمیر پاکر قوی ہوتی ہی۔ جسم چست و چالاک اور سیدھا رہتا ہی، آنکھیں روشن اور دماغ صاف رہتا ہی اور خون کی گردش تیز اور منتظم رہتی ہی، زندگی کا پورا لطف حاصل ہوتا ہی، ہمارے ہاتھ پیر آزاد و چست و چالاک رہتے ہیں، اور اپنے اعضا کے کام میں لانے سے ہم کو پوری لذت حاصل ہوتی ہی،

شُش یعنی پھیپڑے کی اصلاح

ورزش جسمانی کا اعلیٰ مقصد شُش کی اصلاح اور ترقی ہی، ہمارا سب سے قوی دشمن مرض دق ہی، اگر ہم اپنے شُش کی اصلاح اور ترقی میں کوشش کریں تو اس قوی دشمن

کے حملوں کو نہ صرف روک سکتے ہیں بلکہ اسکو صفحہ عالم سے نیست و نابود کر سکتے ہیں، دق کے کیڑے اصلاح شدہ یا صحیح شش میں قدم نہیں جما سکتے ہیں، وہی لوگ اس مرض کا شکار ہو جاتے ہیں جنکا پھیپھڑا ضعیف اور سینہ تنگ ہو۔ اگر ہم کو معلوم ہو کہ ہم میں یہ صفات موجود ہیں تو ہمکو فوراً اس کی اصلاح کی جانب توجہ کرنی چاہیے،

ایک ظاہری حقیقت یہ ہی کہ ضعیف شش اور ضعیف ہاضمہ توام بھائی ہیں، جیسے کہ قوی شش اور قوی ہاضمہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے ہیں، اس کی وجہ مخفی نہیں، ہماری غذا کے ہر جزو پر عمل کیمیاوی ہوتا ہی جب کہیں وہ غذا قابل جذب ہو کر جزو بدن ہوتی ہی، اس عمل کو علم فزیالوجی میں آکسیجیشن کہتے ہیں یعنی غذا کے ساتھ ہوا کے آکسیجن کی آمیزش جسکو عربی میں تکلیس کہینگے،

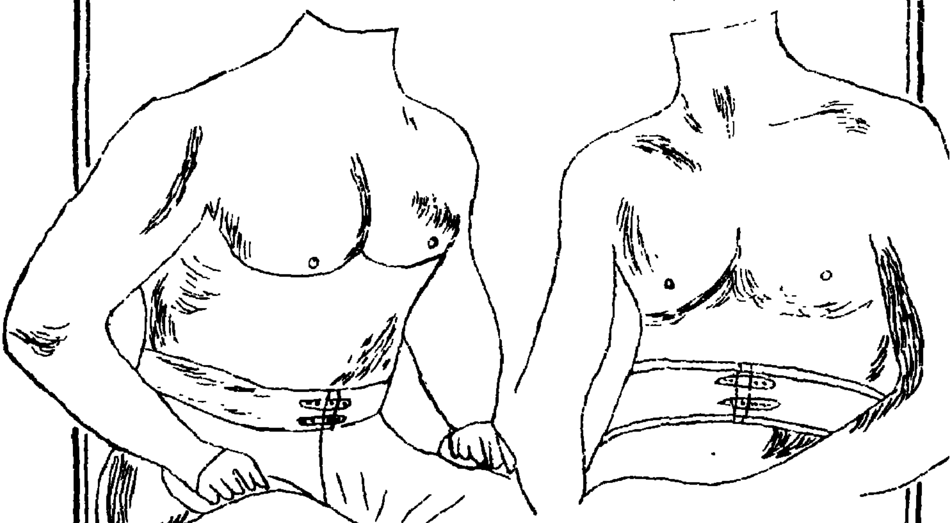
آکسیجن ایک ہوائی شے ہی جو ہوا میں مخلوط ہی اور یہ آکسیجن شش میں بذریعہ تنفس داخل ہوتی ہی اور غذا کے کوئلے کو جسکو کاربن کہتے ہیں جلاتی ہی اور اسی وجہ سے ہمارے جسم میں گرمی رہتی ہی، اسلیے لازم ہی کہ آکسیجن کی کافی مقدار ہم کو میسر آسکے تاکہ یہ عمل عمدہ طرح سے انجام پا سکے۔

اگر شش کی گنجایش کم اور محدود ہو تو کافی مقدار اس روح افزا ہوا کی اُس میں داخل نہیں ہو سکتی ہی، اور اگر شش بالیدہ اور بڑا ہی تو یہ سیّال کافی مقدار میں اُسکو پہنچ سکتی ہی، اس سے یہ لازم آتا ہی کہ جس قدر شش کی گنجایش یعنی ظرفیت زیادہ ہو اوسیقدر ہاضمہ میں بھی ترقی ہو اور صحت بھی اچھی رہے، ہم جس قدر زیادہ ہوا تنفس کریں کم ہی،

ہم اپنے شش کا امتحان اس طرح پر کر سکتے ہیں کہ ایک بڑی لمبی سانس لیں اور شش کو پوری ہوا سے بھر لیں اور چند ثانیہ تک اس ہوا کو شش میں ٹھہرنے دیں، اگر اس فعل سے ہم کو چکر معلوم ہو یعنی سر پھرنے لگے تو جاننا چاہیے کہ شش کی اصلاح ضروری ہی اور فوراً باقاعدہ اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، جس آسانی سے انسان اپنے عضلات یعنی پٹھوں کو

مضبوط اور محکم کرکے اُن کی صلاح کر سکتا ہی اور اُن کو ترقی دیسکتا ہی اسی طرح ششش کی ترقی اور اصلاح بھی ممکن ہی، ذیل میں ہم نے دو نقشے دیے ہیں، نقشہ (۱) ایک تنگ سینے کے آدمی کا نقشہ ہی جس کی اصلاح اور ترقی نہیں ہوئی ہی اور نقشہ (۲) اُس شخص کا سینہ ہے جسمیں اب صلاح شدہ اور بالیدہ ششش موجود ہی، یہ کوئی فرضی تصویریں نہیں ہیں بلکہ اصلی فوٹو سے بنائی گئی ہیں،

نقشہ (۲) نقشہ (۱)



نقشہ (۱) میں وہ حالت دکھلائی گئی جو ششش کی ترقی وصلاح کے قبل تھی اور ششش کی ورزش کے بعد یہ حالت ہی جو نقشہ (۲) میں نظر آتی ہی، یہ شخص آج بیس سال گزرنے کے بعد اپنے کو آگے سے زیادہ تر توانا پاتا ہی، اس تمہید کے بعد اب ہم اُن طریقوں کو بیان کرینگے جن سے ششش انسان کا بالیدہ ہو اور ترقی کرے اور اُس کی اصلاح بخوبی ہوجائے

طریقہ ورزش شش

ورزش اول، جب کھلی ہوئی ہوا میں ہو تو جسم کو سیدھا رکھکر چلو، سر کو اُٹھائے رکھو، ٹھوڑی کو گلے تک اندر کھینچو اور شانوں کو پیچھے کی جانب رکھو یعنی چھاتی کو اُبھارو اور لمبی سانس لیکر شش کو جہانتک ممکن ہو ہَوا سے بھرلو اور دو تین ثانیہ تک ہوا کو شش میں روک کر بعد کو آہستہ آہستہ جیسا کہ معمولی تنفس میں کرتے ہو ہَوا کو شش سے خارج کرو، اس ورزش کو دن بھر میں چند مرتبہ کرو، اگر تمہارا پیشہ ایسا ہے کہ باہر نہیں جاسکتے ہو تو اسکے لیے کوئی وقت ضرور نکال رکھو اور مکان کے صحن میں اُسکو جاری رکھو، یہ بہترین طریقہ شش کی اصلاح و ترقی کا ہے۔

ورزش دوم، شب کو سونے کے قبل اور صبح کو بستر سے اُٹھتے ہی (جبکہ رات کے کپڑے جسم پر ہی ہوں) کھڑے ہو کر اپنا پیٹ دیوار سے لگا دو اور شش کو اچھی طرح ہوا سے بھردو اور ہوا کو شش میں روک کر چھاتی کے ہر حصہ پر دونوں ہاتھوں کی ہتیلیوں سے آہستہ آہستہ تھپکتے جاؤ، اس عمل سے شاید تم کو چکر محسوس ہو، اگر ایسا ہو تو بیشک تمہارا شش ضعیف ہے، بہرحال اس ورزش کو ہر روز سونے کے وقت اور صبح کو اُٹھتے ہی کیا کرو، شروع شروع میں تو سینہ کو آہستہ تھپکو اور بعد کو بتدریج ذرا زیادہ قوت سے اور شش میں ہوا روکنے کی مدت کو بھی بڑھاتے جاؤ، جیسے جیسے شش کی اصلاح ہوتی جائے گی اور شش ترقی کرتا جائیگا، تم اس ورزش کو دیر تک جاری رکھنے پر بھی قادر ہوگے،

(باقی دارد)

رقم

مرزا مہدی خاں

عورتوں کے دماغ کی تحقیقات

صالحہ۔ بھائی جان! آپ تو فرماتے تھے کہ عورتوں کا دماغ مردوں کے دماغ سے کمزور نہیں ہوتا، عورت ذات کو ناقص العقل کہنا غلطی اور نادانی ہی. مگر کل خالہ جان کے ہاں وعظ میں مولویصاحب تو اسکے بالکل خلاف کہتے تھے،

مظفر۔ ہاں مولوی صاحب نے ایسا ہی کہا لیکن اُنہوں نے ایک بے اصل و بے بنیاد بات کہی اور بڑی غلطی کی،

صالحہ۔ بڑے لائق اور قابل آدمی ہیں؛ آپ خود ان کے علم وفضل کی ہمیشہ تعریف کیا کرتے ہیں۔ ایسے بڑے مولوی صاحب ہوکر پھر وہ کیوں عورتوں کو ناقص العقل اور کمزور دماغ کی کہتے ہیں اُن کی راے تو غلط نہیں ہوسکتی،

مظفر۔ کیوں غلط کیوں نہیں ہوسکتی، کیا بڑے لائق آدمیوں سے غلطی نہیں ہوتی۔ اگر مولوی ابوالفضل صاحب نے کسی بات میں غلطی کی تو اس سے ان کی علمیت اور لیاقت کو کیا صدمہ پہنچا، اسکے علاوہ مولوی صاحب بہت بڑے عالم اور فاضل ہیں، اُن کی دینی اور مذہبی معلومات بے انتہا وسیع ہیں اور شرع میں وہ کافی دستگاہ رکھتے ہیں، یہ سب کچھ صحیح ہی لیکن اُن کو ڈاکٹری کیا معلوم. طبی تحقیقات سے ان کو کیا واسطہ، وہ تو اس کوچہ سے بالکل نابلد ہیں، اسلیے ان کو اس ذکر کے چھیڑنے اور اسپر بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی،

صالحہ۔ دماغی کمزوری پر بحث کرنے کے لیے ڈاکٹری جاننے کی کیا ضرورت ہی؟

مظفر۔ واہ! ضرورت کیوں نہیں ہی! اس کی تو سخت ضرورت ہی، اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہیں کسی زیور کا سونا پرکھوانا ہو تو کیا تم اُسے بڑھئی کے پاس بھیجو گی،

صالحہ۔ نہیں۔
مظفر۔ کیوں نہیں؟
صالحہ۔ وہ سنار کا کام ہی بڑہئی کو سونے کے متعلق کیا معلوم،
مظفر۔ اسی طرح بلا دماغ کی تشریح وجانے ہوئے جو ایک ڈاکٹر کا کام ہی، مولوی صاحب کسی کی دماغی حالت پر کیا راے لگا سکتے ہیں،
صالحہ۔ مگر بھائی جان! آپ بھی تو ڈاکٹر نہیں ہیں،
مظفر۔ بیشک تم سچ کہتی ہو، مگر میں نے جو کچھ کہا تھا اپنی طرف سے یا ادہر اُدہر کی سُنی سُنائی بات نہیں تھی۔ بلکہ اُن تمام بڑے بڑے ڈاکٹروں کی راے بیان کی تھی جنھوں نے بڑی کوشش سے اس امر کی تحقیقات کی ہی، میں نے ان مشہور ومعروف ڈاکٹروں کے بیانات بہت غور سے پڑہے ہیں جنھوں نے اپنی عمر اسی تحقیق میں صرف کی اور جن کی تحقیقات کے نتیجہ کو تمام دنیا کے سمجھدار تسلیم کرتے ہیں، مہذب اور شایستہ ممالک میں اسے مستند سمجھا جاتا ہی، غرض میں جو کچھ کہتا ہوں وہ میرا اپنا دعویٰ نہیں ہی، بلکہ بڑے بڑے قابل ڈاکٹروں کا دعویٰ ہے میں ان لوگوں کی راے بیان کرتا ہوں جو سالہا سال تک مرد اور عورت کے دماغ کی تشریح کرتے رہے اور باہمی مقابلہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچے، یورپ میں خاص اسی غرض سے مشہور مشہور ڈاکٹروں کی مجلسیں قائم ہوئیں اور مدتوں غور وخوض کرنے کے بعد ان لوگوں نے یہی ثابت کیا کہ عورتیں فطرۃً مردوں سے کم عقل نہیں ہوتیں،
صالحہ، کیا آپ نے اسکے متعلق ہمارے حکیم صاحب سے بھی پوچھا تھا،
مظفر۔ ان سے کیا خاک پوچھتا! اگرچہ طبیب ہونے کی حیثیت سے اُن کا منصب تھا کہ اس مسئلہ پر راے زنی کرتے، مگر ہمارے آجکل کے حکیم کچھ ایسے ادہورے

ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے پیشے سے پوری واقفیت ہی نہیں ہوتی، اگرچہ علاج معالجہ بہتیرا جانتے ہیں لیکن اس سے کیا حاصل؟ علم ترکیب الاجسام جسے انگریزی میں فزیالوجی کہتے ہیں اور جو طب اور حکمت کے لیے سب سے پہلی ضروری چیز ہے یہ جانتے ہی نہیں، ان لوگوں کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ انسان کے جسم میں کتنی ہڈیاں ہوتی ہیں پھر بھلا دماغ جیسی نازک چیز کے متعلق ان کی کیا معلومات ہوگی،

صالحہ۔ پھر مولوی صاحب نے بغیر جانے اس بات کو اس وثوق سے کیوں بیان کیا،

مظفر۔ یہ توہم لوگوں کا بدقسمتی سے آجکل خاصہ ہوگیا ہے کہ ہر بات میں خواہ مخواہ دخیل ہوجاتے ہیں،

صالحہ۔ اچھا تو یورپ میں مجلسیں قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی کیا وہاں بھی لوگ ہمارے مولوی صاحب کی طرح عورتوں کو ناقص العقل کہتے تھے،

مظفر۔ ہاں اور بعض تنگ خیال تو وہاں اب بھی ایسے موجود ہیں جو عورت ذات کو ناقص العقل سمجھتے ہیں، ابھی صدی دو صدی پیشتر تو وہاں کے لایق لوگوں میں اس بات پر بحث ہوتی تھی کہ آیا عورتوں میں روح بھی ہے کہ نہیں؟ لیکن رفتہ رفتہ زمانہ نے ان لوگوں کے توہم و تعصب کے پردے ان کی آنکھوں پر سے اُٹھا دیئے، امر حق کی تلاش میں اُنھوں نے کوششیں کیں اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچے کہ عورتیں کسی طرح مردوں سے قوائے دماغی میں کمزور نہیں ہیں، تمہاری تسکین کے لیے اسوقت ڈاکٹروں کی تحریرات میں سے جو چند باتیں مجھے زبانی یاد ہیں بیان کرتا ہوں غور سے سنو،

ڈاکٹر ویروڈ کہتا ہے کہ

وزن کے تناسب کے لحاظ سے عورت کا دماغ مرد کے دماغ سے وزنی اور بڑا ہے،

ڈاکٹر بسکوف کی تحقیق ہی کہ

عورت کے دماغ کا وزن نوّے، اور مرد کے دماغ کا وزن سو ہے،
مگر عورت کے جسم کا وزن تراسی اور مرد کے جسم کا وزن سو ہے،

ایک نہایت مستند کتاب ومن لاے سائنٹفک اسٹڈی انڈ ڈیفنس میں جو جرمن زبان سے انگریزی میں ترجمہ کی گئی ہی عورتوں کے قواے دماغی پر بہت معقول بحث کی گئی ہی، کتاب واقعی دیکھنے کے قابل ہی، بڑے بڑے حکما، وعلماے فزیالوجی کی تحقیقات اور فیصلوں کو اس میں نقل کیا گیا ہی، ان میں سے اسوقت مجھے صرف دو تین ڈاکٹروں کی رائے یاد ہی، پروفیسر ساپے نے تحقیق کی ہی کہ۔

باہم مردوں کے دماغ کی ضخامت اور وزن میں جو اختلاف ہی وہ اس اختلاف سے بہت زیادہ ہی جو ہر مرد اور عورت کے دماغ میں پایا جاتا ہی، بہت سی عورتوں کا دماغ بہت سے مردوں کے دماغ سے بڑا ہے،

ایم۔ مانوڈریر کی رائے ہی کہ

مرد اپنے دماغ کے اصلی وزن کے لحاظ سے اور اس وزن متناسبہ کے لحاظ سے جو اسکے باقی جسم کے مقابلہ میں قرار پایا ہی، سلسلہ حیوانی (زولوجیکل سیریز) میں کوئی ایسا درجہ حاصل نہیں کر سکتا کہ اگر ضخامت دماغ کا اصلی وزن کیا جائے تو اس درجہ کی بدولت دماغ کی لاانتہا زیادتی مرد ہی کے حصہ میں مخصوص ہو جائے، بہت سے حیوانات ان دونوں کیفیتوں میں مرد پر بہت کچھ ترجیح رکھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہی کہ اس مسئلہ کا یہی حصہ قابل غور ہی کہ دماغ کے وزن کا مقابلہ پورے جسم کے وزن اور جسامت سے کیا جائے اور یہ تحقیق سے ثابت

ہوا ہی کہ عورت کے دماغ کا وزن تناسب مرد کے دماغ کے وزن تناسب سے بہت بڑھا ہوا ہے،

انتھراپالوجیکل ریویو بابتہ ۱۵- جولائی ۱۸۹۲ء میں لکھا ہی کہ

مختلف نسلوں میں عورت و مرد کے پیمانۂ دماغ کا اختلاف کسی چھوٹے اصول کی رو سے مختلف نہیں ہوتا، اور نہ تہذیب و تمدن ہی اس اختلاف کو نمایاں کرتا ہی، عورت کے پیمانۂ دماغ کی اوسط کمی اکثر و بیشتر اس کے قد و قامت کی مناسبت سے ہوتی ہی، دماغی بالیدگی اور تکمیل میں عورت و مرد دونوں صنفیں برابر ہیں بلکہ یہ ثابت کیا جا سکتا ہی کہ عورت اپنی بالیدگی اور تکمیل میں مرد سے آگے بڑھ گئی ہی۔

ڈاکٹر لوک نز نے بھی یہی رائے دی ہی۔ پروفیسر مونٹی جاز انے اپنی مشہور اور مقبول کتاب عورتوں کی فزیالوجی میں لکھا ہی کہ

اس بات پر بحث و مباحثہ کرنا کہ عورتوں کا دماغ مردوں کے دماغ سے چھوٹا اور وزن میں کم ہی اور اسکے پردہ ہاے محافظ دماغ بہ نسبت انکے جو مردوں کے دماغ میں پائے جاتے ہیں کمزور ہیں بالکل بے سود اور عبث ہی، کیونکہ اس اختلاف سے مردوں اور عورتوں کے قواے عقلیہ کا اختلاف ثابت نہیں ہوتا،

مرد کس قدر خود غرض اور مغرور ہیں کہ اپنی بڑائی کے زعم میں علم تشریح میں بھی مکر و فریب سے باز نہیں آتے اور صرف اس بات پر قناعت نہیں کرتے کہ عورتوں کی نسبت دنیا میں وہ نہایت ممتاز درجہ رکھتے ہیں بلکہ زبردستی سے اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ عورتیں انکے مقابلہ میں ادنی صنف انسانی ہیں اور انکے اور بندروں کے درمیان

ایک برزخ ہیں اور اس دلیل کی بنا پر وہ عورتوں کے فطری حقوق کو غصب کرتے ہیں اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ وہی ان کی ماں ہیں، لیکن حقیقت امر یہ ہی کہ علم تشریح کے روسے مرد اور عورت میں کچھ بھی فرق نہیں، نہ عورتوں کی جسمانی ترکیب مردوں کی جسمانی ترکیب سے کمتر ہی اور نہ اس لحاظ سے مردوں کو عورتوں پر کوئی فضیلت و فوقیت ہی۔ اگر دونوں میں کوئی اختلاف ہی تو اسکا سبب اُنکے مختلف کام اور مختلف فرائض ہیں،

پروفیسر فرشلو اپنا تجربہ یوں بیان کرتا ہی کہ

میں نے ریاضی، علم الاخلاق اور فلسفہ کی تعلیم مدتوں لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک ساتھ دی ہی، مگر میں نے ان دونوں میں سے کسی کی لیاقت اور قابلیت میں کوئی فرق نہیں پایا، بلکہ دونوں کے درجوں کی نسبت ہمیشہ مساوی رہی ہی،

من اینڈ ویمن، نامی کتاب میں جو بڑی مستند سمجھی جاتی ہی لکھا ہی کہ

بہت سے بڑے بڑے مشہور و معروف ڈاکٹروں مثلاً کلین ونگ ٹیئنڈمن، ریڈ، ویگز، ویسبیق وغیرہ نے جنھوں نے اپنی ساری عمر انسانی دماغ کی تحقیقات اور تشریحات میں صرف کی ہی مرد وزن کے دماغی فرق کو صحیح طور سے دریافت کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ہی کہ مرد اور عورت کے دماغ کا وزن اُنکے جسم کے وزن کی نسبت سے جانچا جائے، واقعی یہ طرز استدلال زیادہ تر اصول منطق پر مبنی ہی اس مستحکم منطقی اصول کے ساتھ مرد وزن کے دماغ جانچنے سے یہ بخوبی ثابت ہوا ہی کہ مردوں کے دماغ کی بہ نسبت عورتوں کا دماغ

یا تو زیادہ ہی یا مساوی ہی، کئی سال ہوئے کہ اس بات کو انگلستان، فرانس اور جرمنی میں ڈاکٹر پارچپنی، ڈاکٹر ٹیڈٹن، ڈاکٹر تھرنام وغیرہ نے دریافت کیا تھا، حال ہی میں ڈاکٹر بسکوف نے بہی اپنی مبسوط کتاب میں جو صرف دماغ انسانی کی بحث میں لکھی گئی ہی یہ لکھا ہی کہ عورت کے دماغ کا وزن (۹۰) اور مرد کے دماغ کا وزن (۱۰۰) ہی۔ مگر عورت کے جسم کا وزن (۸۳) اور مرد کے جسم کا وزن (۱۰۰) ہی، ڈاکٹر ویروڈ نے بھی اسی طرح اس امر واقعی کو دکھایا ہے، اور لکھا ہی کہ وزن جسم کے لحاظ سے عورت کا دماغ مرد کے دماغ سے وزنی اور بڑا ہی، لہذا اب یہ بات بخوبی پایۂ ثبوت کو پہنچگئی ہی کہ عورت کا دماغ یا تو مرد کے دماغ سے زیادہ ہی یا مساوی ہی،

غرض ایسے ہی بیشمار دلائل بڑے بڑے حکماء کے اس بارے میں موجود ہیں کہ مرد اور عورت کے قوائے دماغی میں کوئی فرق نہیں ہی، خداوند عالم سے بڑہکر کون شخص عورت کی فطرت سے واقف ہو سکتا ہی، خود اُس حکیم مطلق نے عورتوں اور مردوں کے افعال کی سزا اور جزا میں کوئی تفریق نہیں کی۔ ناقص العقل اور کامل العقل دونوں کے لیے یکساں حکم نہیں ہوتے، اگر عورتیں واقعی ناقص العقل ہوتیں تو ضرور تھا کہ نقص عقل کی وجہ سے نیک وبد کے ثواب وعذاب میں انکے ساتھ رعایت کیجاتی، جب ایسا نہیں ہی اور وہ بھی مردوں کی طرح اپنے کردار وافعال کی جواب دہ ہیں اور شرعی ذمہ داریوں میں مردوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں تو صاف ظاہر ہی کہ انکے قوائے دماغی مردوں سے کمزور نہیں ہیں، اب اسکے بعد بھی عورتوں کے دماغ کو مردوں کے دماغ سے کمزور بتانا سراسر جہالت اور نادانی ہی،

صالحہ۔ یہ سب کچھ آپ نے درست فرمایا، لیکن اس کی کیا وجہ ہی کہ عورتیں مردوں کے

مقابلہ میں زیادہ زود اعتقاد، وہمی اور کج رائے ہوتی ہیں، اسکے سوا مردوں کیطرح بڑے بڑے کام ہی تو نہیں کر سکتیں،

نظفر۔ اسکے جواب میں اپنی جانب سے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا بلکہ ابن رشد کی رائے بیان کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ

مردوں اور عورتوں میں جو اختلاف ہے وہ اصلیت اور فطرت کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ حالات کے لحاظ سے ہے، عورتوں کی فطرت مردوں کی فطرت سے مشابہ ہے مگر ان کی موجودہ حالت مردوں کی حالت سے ادنیٰ درجہ کی ہے، بلاشبہ عورتیں مردوں کے سب کام انجام دیسکتی ہیں اور کبھی کبھی بعض کاموں مثلاً موسیقی وغیرہ میں انسے سبقت بھی لیجاتی ہیں مگر ہماری موجودہ تمدنی حالت کا اقتضا یہ ہے کہ ہم عورتوں کی پوشیدہ اندرونی قوتوں کا خیال نہیں کرتے اور اُن کو ظہور میں لانے کی ہمکو پروا نہیں ہے، موجودہ حالت کے لحاظ سے ہم بھی خیال کرتے ہیں کہ وہ بچے جننے اور بچے پالنے اور گھر کے کام انجام دینے کے لیے پیدا ہوئی ہیں اور کسی کام کے لیے نہیں، عورتوں کی اس غلامانہ اور ذلیل حالت نے ان کی اندرونی قوتوں کو پامال اور فنا کر دیا ہے، حالانکہ وہ بڑے بڑے کام مردوں کی طرح بخوبی انجام دیسکتی ہیں، ان کی زندگی ہمارے نزدیک گھاس پھوس کی زندگی سے زیادہ بہتر نہیں ہے، وہ مردوں پر بار ہیں اور ان کی نظروں میں حقیر ہیں،

صالحہ۔ اب مجھے پوری تشفی ہوگئی، میں بہت خوش ہوں کہ آپ کی مہربانی سے ایک ضروری مسئلہ میری سمجھ میں آگیا، میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں،

مظفر۔ مجھے بھی بڑی خوشی ہے کہ آج تمہارا تردد رفع ہوا اور غلط فہمی دور ہوئی، شکریہ

کا مستحق میں نہیں ہوں بلکہ ہم سب کو ان ہمدردان بنی نوع انسان کا مشکور ہونا چاہیے جن کی سالہا سال کی ریاضت شاقہ، باریک بینی محنت اور جانکاہی سے ہم لوگ اس طرح مستفید ہوتے ہیں،

راقم

سید خورشید علی

از حیدرآباد۔ دکن

موسم بہار

آہا کیا ہی اچھا سماں ہی جس طرف دیکھ سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہی، جنگل دور دور تک سبزہ زار ہی، ٹینس اور کرکٹ وغیرہ کے مرغزار کیسے لہلہا رہے ہیں، گویا کہ قدرت نے ایک مخملی فرش بچھا رکھا ہی، جسکو دیکھکر دل یہی چاہتا ہی کہ اسپر خوب لوٹیے، ہر درخت بہار پر ہی، باغوں کو دیکھو تو کچھ اور ہی کیفیت نظر آ رہی ہی، ہر طرف پھولوں کی مہک چلی آتی ہی، کلیاں چٹ چٹک رہی ہیں، اور شاخیں باد سحری کے جھونکوں سے علیحدہ جھوم رہی ہیں، گویا کہ زبان حال سے یہ خداوند کریم کی اس بیش بہا نعمت کا شکریہ ادا کر رہی ہیں، جسنے کہ انکے برہنہ جسموں کو سبز پوشاک بلکہ خلعت فاخرہ سے آراستہ و پیراستہ فرمایا ہی،

یہ پیارا موسم درصل ہندوستان میں ماہ مارچ سے شروع ہوتا ہی اور تقریباً اختتام مئی تک رہتا ہی، یہ وہ موسم ہی کہ ہر ایک چیز میں اعتدال نظر آتا ہی، کیونکہ اسوقت نہ گرمی ہی ہوتی ہی نہ سردی، اور موسم گرما کی آمد آمد ہوتی ہی، ہر ایک دل میں کام کرنے کی اُمنگ پیدا اور چستی و چالاکی اور مستعدی ہویدا ہوتی ہی، کبھی سستی و کاہلی نام کو پاس نہیں پھٹکتی ہر فرد بشر بغیر کسی راحت و خوشی کے متوالا معلوم ہوتا ہی، پرندوں کو دیکھو تو وہ آپ ہی

مستی کے عالم میں نغمہ سرائی کر رہے ہیں، اور شاخ بشاخ پھدکتے پھرتے ہیں، اور چہچہاتے اور نیرنگ قدرت کے افسانے سُناتے ہیں، اور اپنے صانع حقیقی کی صفت وثنا میں مشغول ہیں،

سبحان اللہ عجب مستی و مدہوشی کا عالم ہی کہ ہر شخص اپنے ہی خیال میں مستغرق و محو ہی، دیکھیے کھیتیاں تیار ہو گئی ہیں، جنکے باعث کسان کیسے مستغنی اور مغرور نظر آرہے ہیں، جیسے کہ کوئی بادشاہ کسی دشمن پر غلبہ پاکر یا کوئی بڑی مہم سر کرکے اور ملک فتح کرکے بادۂ نخوت سے سرشار ہو جاتا ہی، کوئی ایسا نہیں کہ جسکا دل نہ للچاتا ہو، کہ جنگل کی راہ لے، اور نیچر کے کرشموں سے مستفید و مسرور ہو، ہرا ہرا جنگل لہراتا ہوا، کیا آنکھوں میں کھُپا جاتا ہی جس سے کہ عجب طراوت و فرحت حاصل ہوتی ہی،

اُدہر ہرنوں کو دیکھو تو وہ جدا ہی ہلتی چلتی کھیتیاں دیکھکر آپس میں گھُل مل رہے ہیں۔ اور خوب کلیلیں کرتے پھرتے ہیں، کبھی انکے اندر گھُس آتے ہیں تو بیچارے کسان اُن کو نکالتے نکالتے عاجز آجاتے ہیں مگر یہ تھکتے اور ہٹتے نہیں، ذرا آنکھ بچی نہیں پھر موجود ہیں، یہ ڈھیٹ پنا اُنکا آخر کس وجہ سے ہی، اس بادۂ عشرت بہاری کی سرشاری ومخموری کے باعث، ادہر علی الصباح فاختاؤں کی اداس اداس آوازیں طبیعت انسانی پر کچھ نیا ہی اثر ڈال رہی ہیں کہ گمراہ سے گمراہ کو بھی ایک دفعہ تو واجب الوجود کی ذات پاک کا یقین کامل کرا دیتی ہیں،

خزاں کے وقت درختوں کا ننگ دھڑنگ اور اس مبارک موسم میں سبز اور زمرد رنگ ہو جانا، داناؤں کے لیے ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

والا مضمون ہی،

غرضکہ یہ ایک ایسا موسم ہی، کہ بالعموم حیوانات و نباتات کی طبیعتوں اور مزاجوں میں

غایت درجہ کا اعتدال رونما اور ہویدا ہوتا ہی، جسکی وجہ سے یہ خوب تر و تازہ اور خوش و خرم نظر آتے ہیں، ایسا ہی حال حیوان ناطق یعنی حضرت انسان کا ہی کہ بہ نسبت اور موسموں کے اس موسم میں کامل الصحت اور وافر الفرحت ہوتے ہیں، جو کہ خالق کائنات کی نعمت عظمیٰ اور عطیہ کبریٰ ہیں،

ایسی حالت میں مناسب تو یہ ہی کہ بہ نسبت پہلے کے افراد انسانی اس موسم میں اکتساب فضائل میں زیادہ سرگرمی سے کام لیں، مگر افسوس بالکل اسکے خلاف دیکھنے میں آتا ہی، بہت سی طبیعتوں نے اس پاک و مبارک موسم کو اپنے ناپاک جذبات کے لیے مخصوص کر رکھا ہی، یعنی خوب عیش و عشرت اور بادہ و جام وغیرہ ملاہی کے رنگ جماتے ہیں جنسے کہ کوئی مفید نتیجہ انکے لیے نہیں نکل سکتا اور عقل کہ جس کی وجہ سے وہ اشرف المخلوقات میں شمار ہوتے ہیں، اس امر کی مقتضی ہی کہ ہمیشہ وہ کام کیا جائے کہ جس سے کوئی مفید نتیجہ پیدا ہو، حالانکہ نباتات کہ جنپر عقل کا سایہ تک بھی نہیں پڑا، وہ بھی نتیجہ خیز کاروبار میں مصروف نظر آتے ہیں، چنانچہ خوشبودار پھولوں اور میٹھے میٹھے پھلوں کا ان میں پیدا ہونا اس امر کی دلیل ہی،

اگر حضرت انسان عقل سے ذرا ہی کام لیں تو اس مشاہدہ ہی سے نصیحت و عبرت حاصل کریں کہ اس مبارک و پاک موسم کو بے فائدہ اور بے معنی مشغلوں میں نہ گنوائیں، بلکہ دینی اور دنیوی دونوں مشاغل میں بہ نسبت اور موسموں کے زیادہ سرگرمی سے کام لیں بقول صائب، ؎

کار دنیا کن و اندیشۂ عقبیٰ مگذار | تا بہ عقبیٰ نہ رسی دامن دنیا مگذار
دنیا کا کام کر اور عقبیٰ کا خیال بھی جانے دے | جبتک تو عقبیٰ تک نہ پہونچے دنیا کا دامن نہ چھوڑ

اور خیر اگر شامت اعمال کے باعث دین کی طرف توجہ نہو، تو دنیا ہی کے کاروبار کی طرف زیادہ مصروفیت فرمائی جائے، کیونکہ ایک حکیم کا مقولہ ہی کہ "اس شخص سے زیادہ

کوئی بد نصیب نہیں جو نہ کوئی دین کا کام کرے اور نہ دنیا کا،،

راقم
ابرار احمد

میاں بیوی کے تعلقات پر
ایک دلچسپ مکالمہ

ایک کمرہ ہی جسکا سامان آرائش قیمتی اور اعلیٰ درجہ کا تو نہیں کہا جا سکتا ہی مگر موزونیت کے اعتبار سے صاحب خانہ کی روشنخیالی اور خوش سلیقگی ہر ہر شے سے عیاں ہے اور ساتھ ہی ایک مبصر کو اس نتیجہ پر پہنچنے کے لیے زیادہ غور و خوض کی ضرورت نہیں پڑسکتی ہی کہ وہ روشنخیال شخص جو اسکا مالک ہی ایشیائی اور یوروپی دونوں اقسام کے مذاق سے آشنا ہی، اور کسی ایک میں ہی حد اعتدال سے تجاوز نہیں کر گیا ہی، اس کمرہ میں ایک شخص آرام کرسی پر لیٹا ہوا کوئی کتاب یا رسالہ دیکھ رہا ہی، یک بیک ایک جوان شخص کمرہ کے اندر داخل ہوتے ہی مخلصانہ اور بے تکلفانہ طرز سے سلام بجالاکر مقابل کی ایک دوسری کرسی پر بیٹھ جاتا ہی، پھر اس طرح دونوں میں باتیں شروع ہوتی ہیں،

صاحب خانہ، وعلیکم السلام بھائی صغر! آج کدہر بھول پڑے،

اصغر، کچھ دنوں سے میں کچھ ایسے ناگفتہ بہ تعلقات کے جال میں پھنس گیا تھا کہ کہیں بھی آنے جانے کو جی نہیں چاہتا تھا بلکہ اس قابل ہی نہ تھا اور نہ ہوں، محبت کا تقاضا بار ہا ہوا کہ آپ کے ہاں جاکر غم غلط کروں اور اپنے درد دل کی دوا آپ سے پوچھوں مگر میری افسردگی دل اس لایق تھی کہ س

در محفل خود راہ مدہ ہمچو منے را　　　افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

پیارے محمود! میں نے اپنی رام کہانی سے تمہاری طبیعت کو منغص کرنا قرین مصلحت نہ سمجھا،

محمود۔ تعلقات ناگفتہ بہ کیوں کہتے ہو، اُس سے باہر نکلنے کو جی کب چاہتا ہوگا، نئی شادی مبارک، میرے حصہ کی مٹھائی حضرت! کیا میں اتنے سے بھی گیا گذرا ہوا

اصغر (شرمائی ہوئی نگاہ سے) میں تو خود شرمندہ ہو رہا ہوں، موئے ہوئے پر آپ کیوں دُرّے لگاتے ہیں۔ سچ پوچھیے تو میرے آپ تک آنیکا ایک شرم بھی باعث تھی مگر خدا عالم الغیب ہے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ بدرجہ مجبوری کیا ہے،

محمود۔ اسوقت تک یہ چند باتیں محض مذاق ہی مذاق تھیں، لیکن اب میں مخصوص اسی بارہ میں آزادانہ اور دوستانہ گفتگو کرنا چاہتا ہوں، دل کی کشش بھی مقناطیس سے کم اثر نہیں رکھتی ہے، میں خاص اسی غرض سے آپ سے ملنے کا متمنی تھا، خدا آپ کا بھلا کرے کہ بن بلائے آپ میرے گھر چلے آئے،

اصغر۔ آپ کو جو کچھ کہنا ہے پوری آزادی کے ساتھ کہیے، آپ کی باتیں میرے سر اور آنکھوں پر،

محمود، آپ نے ایک بیوی کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیوں کیا؟

اصغر۔ میں تو قبل ہی گزارش کر چکا ہوں کہ میں نے جو کچھ کیا بدرجہ مجبوری کیا،

محمود۔ وہ کون ایسی مجبوری تھی جسکا علاج سوائے اس ظالمانہ حرکت کے اور کوئی دوسرا نہ تھا،

اصغر۔ خانگی جھگڑوں کا قصہ کچھ ایسا مختصر نہیں ہے کہ بات کی بات میں پوری داستان بیان کر دیجائے۔ ایک تو طول اور اُسپر سراپا درد ایسی کہ خیال کرنے سے دل مکدر ہو جائے علاوہ بریں وہ کونسی بات ہے جو آپ سے چھپی ہے۔ پھر آپ ہی انصاف کیجیے کہ میں نے

جا کیا ہی یا بیجا۔ ہاں! اگر شادی کرنے کے یہی معنی ہیں کہ انسان اپنی زندگی کو رنج و کوفت کی زنجیروں میں جکڑ دے یا درگلویم سنت پیغمبر ست کا یہی منشا ہی کہ ایک کالی ناگن گلے میں لٹکا دیجائے اور وہ ڈستی رہے مگر اسکو گلے کا ہار سمجھکر اُف تک نہ کرے تو البتہ میں قصوروار ہوں،

محمود۔ اس اعتبار سے تو آپ ضرور مجرم ہیں کہ آپ نے ایک اچھوتی محبت کی قدر نہ کی، اور لطف زندگانی کو جو پوچھتے ہیں تو سچ پوچھیے تو وہ خوشی و مسرت اور وہ لطف و حظ جو شادی کی اصلی غرض و غایت ہیں شاید ایک آدھ ہی کو نصیب ہوتے ہونگے۔ کیونکہ ہمارے ہاں کی شادیاں کیا ہیں کہ اندھوں کا نشانہ ہیں لگا تو تیر نہیں تو تکا اسلیے میں یقین رکھتا ہوں کہ زیادہ حصہ ہمارے ہمجنسوں کا ایسی رنج و کوفت میں مبتلا ہی، کوئی کم کوئی زیادہ، اب جاے غور ہی کہ ایسی حالت میں کیا ہر شخص کو دوسری شادی کر لینے کی صلاح دینی مناسب ہے یا اسکے سوا اور بھی ایسی تدبیریں ہیں جن پر عامل ہونے سے انسان ارتکاب جرم سے بھی بچ سکتا ہی اور کسی حد تک خوش زندگی بھی بسر کر سکتا ہی،

مہربان من جو عاقل ہیں وہ یہ کرتے ہیں کہ عورتوں کی جہالت پر اپنا اثر ڈالکر رفتہ رفتہ اصلاح کرتے جاتے ہیں اور اُن کی بیوقوفیوں کو اُن کی جہالت پر محمول کرکے قطع تعلق نہیں کر لیتے، کچھ دنوں وہ اس کوشش میں تکلیف ضرور اُٹھاتے ہیں اور آخرش کامیاب ہو کر پُر لطف زندگی بسر کرتے ہیں،

آپ کو اور آپ جیسے ہر مرد کو اپنے خیال میں آزادی حاصل ہی اسلیے جس طرح کا ظلم جی چاہتا ہی بیوی کے ساتھ روا رکھنے میں کچھ جھجک نہیں ہوتی، لیکن دنیا میں شریف عورت بدمزاج سے بدمزاج مرد کی نازبرداری کرنا اپنا شعار بنائے ہوئے ہے، اگر کسی عورت نے اسکے برخلاف کام کیا تو وہ انگشت نما ہو گئی۔ کیوں صاحب

ایسا کیوں؟ صرف اسلیے کہ وہ عورت ہی، جسکے معنی یہ ہیں کہ وہ لونڈی ہی، محکوم ہی، اور ذلت وخواری کے لیے بنائی گئی ہی، تعلیم نسواں کے مخالفین کا ایک یہ بھی خیال ہی کہ عورتوں کو تعلیم دینے سے اُن میں آزادی آجائیگی تو محکومیت کی زنجیروں سے رہا ہوجائینگی، اور ان کی ناسمجھی کے باعث جو ہم اپنے ناجائز حقوق اُنسے ادا کراتے ہیں اُن سے ہم کو دست بردار ہونا پڑیگا، مگر ان لوگوں کا کچھ عجیب نرالا خیال ہی، میری سمجھ میں نہیں آتا، تعلیم دلانے سے بھی ڈرتے ہیں اور جہالت کے کرشمے سے بھی بھڑکتے ہیں،

عقل کا تقاضا تو یہ ہی کہ ہرچہ برخود میپسندی بر دیگراں مپسند، فطرتاً ہر شخص کا دل کسی رفیق کو ڈھونڈھتا ہی، اور اصلی رفاقت میاں بیوی ہی کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے ودیعت کی گئی ہی، یہی وجہ تھی کہ ہمارے پیشوائے دین نے یہ فرمایا تھا کہ خدا کی عبادت کے بعد جو چیز مجکو مرغوب ہے وہ عورت ہی. آج اُسی عورت کو دنیا کی ہر چیز سے کم درجہ پر سمجھا جاتا ہی، ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا.

ہر میاں بیوی کا فرض ہی کہ اس تخم محبت کی جسکو قدرت کے ہاتھوں نے اُنکے دلوں میں بویا ہی اپنی مرابطت و رفاقت سے آبیاری کرتے رہیں، یہ اُن پر وہ اُن پر فدا رہیں، ایک دوسرے کی قدر و منزلت، آرام و آسایش، عزت و عظمت، رنج و راحت کا خیال رکھیں پھر تو ایسے جوڑے کے لیے دنیا ہی میں لطف بہشت ہے اور دن عید رات شب برات ہی،

اصغر۔ میں نے شروع سے آخر تک آپ کی تقریر گوش دل سے سُنی، میں سچ کہتا ہوں کہ جوں جوں آپ کے الفاظ میرے کان کے پردوں کو طے کرکے میرے قلب میں داخل ہوتے جاتے تھے، وہ پردہ جو میری عقل و فہم پر حائل تھا ہٹتا جاتا تھا، یہانتک کہ بصارت عقل پورے طور پر روشن ہوگئی اور مجکو اپنی غلطیونکی

جھلک نظر آنے لگی، خصوصاً آپ کی تقریر کے آخری حصہ کا ایک ایک لفظ اسرار معنوی کا حلیہ پہنے ہوئے ہے اور جسکا خلاصہ میری سمجھ کے مطابق یہ ہے کہ ہر انسان کو جائز نعمت کی قدر کرنا چاہیے اور ہر کام میں ضرور استقلال سے کام لینا اور سوچ بچار کر فیصلہ کرنا چاہیے، میں اپنی گزشتہ کارروائیوں پر نادم ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی یہ دوستانہ نصیحت رائگاں نہ جائیگی اور بہت جلد آپ کی وہ غرض و غایت جو اس تقریر کے اندر مضمر تھی پوری ہو جائیگی، اجازت ہو تو جاؤں،

محمود - بسم اللہ تشریف لے جائیے مگر میری گستاخی اور سمع خراشی کو معاف کرتے جائیے اور ہاں یہ رسالہ خاتون کے چند نمبر ہیں ان کو لیتے جائیے اور فرصت کے اوقات میں ذرا ان کے مضامین کو پڑھا کیجیگا،

اسکے بعد جو نتیجہ ظہور پذیر ہوا وہ ناظرین و ناظرات خاتون سے پوشیدہ نہیں ہے زاہدہ اور عابدہ کا مکالمہ آج ہی اوراق خاتون پر نتیجہ سے آگاہی بخشنے کو موجود ہے،

راقم

ابوالکمال دیسنوی

اڈیٹوریل

دنیا کے عظیم الشان انقلابوں میں سے ٹرکی کا وہ انقلاب بھی ہے جو گزشتہ مہینے کی تاریخوں میں وقوع میں آیا، سلطان عبدالحمید خاں جو نہایت زبردست اور طاقتور بادشاہ تھے معزول کر دیے گئے، اور انکے بجائے رشاد آفندی انکے چھوٹے بھائی جنکا لقب سلطان محمد خامس ہے تخت نشین کرائے گئے،

کہا جاتا ہے کہ سلطان عبدالحمید خاں نے ٹرکی کی پارلیمنٹ کو جو خود انھوں نے ۲۴ جولائی ۱۹۰۸ء میں قائم کی تھی توڑ ڈالنے کا ارادہ کیا، اسیر نوجوان ترک جنگی کوششوں سے

ٹرکی کو پارلیمنٹ ملی تہی بگڑ بیٹھے، چونکہ نوجوان ترکوں کا قبضہ فوج کے اوپر تہا اسلیے فوراً ہی فوج لیکر اُنہوں نے قسطنطنیہ پر چڑہائی کردی، خفیف سی لڑائی کے بعد شہر پر قبضہ کرلیا اور سلطان کو معزول کردیا،

معزول سلطان کی جان محفوظ رکہی گئی، اور جسوقت اُنکو معزولی کی اطلاع دی گئی تو اُنہوں نے کہا، میرا یہی خیال تہا، اور یہی مشیت ایزدی تہی، اُنہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ مجکو محل چراغان میں جہاں میں پیدا ہوا ہوں رہنے کی اجازت دیجائے، مگر نوجوان ترکوں نے منظور نہیں کیا، اور اُن کو اپنے صدر مقام سالونیکا میں رکہا، کئی ہزار پاؤنڈ ماہوار اُنکے اخراجات کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، اور اب وہ خاموشی کے ساتہ وہاں رہتے ہیں،

نئے سلطان کی تخت نشینی کی بہت خوشیاں منائی گئیں، ان کی تمام باتوں سے قوم مسرور ہی، یہ آزادی کے حامی اور قومی ترقی کے بہت خواہاں ہیں، ملک میں باوجود اس انقلاب عظیم کے واقع ہونیکے امن و امان ہی، امید لگائی جاتی ہی کہ نئے خلیفۃ المسلمین کا دور ٹرکی کے لیے مفید ثابت ہوگا، اور نوجوان ترک اپنے منصوبے پورے کرنے میں کامیاب ہونگے،

ایران، ٹرکی کی بادشاہ گردی کا ایران پر بہی اثر پڑا کہ شاہ ایران نے آخر مجبور اور خوف زدہ ہوکر پارلیمنٹ عطا کردی، انتخاب کی کارروائی ہورہی ہی اور امید ہی کہ ۱۹ جولائی ۱۹۰۹ء کو پارلیمنٹ اپنا اجلاس شروع کردیگی،

شاہ ایران محض اپنی ضد اور مخالفت کی بنا پر ڈیڑہ دو سال تک اپنی رعایا سے برابر لڑتا رہا جس میں ہزارہا مسلمان دونوں طرف سے مارے گئے، فارس کے لوگوں نے جس اُلو العزمی اور بہادری سے اپنے حقوق ملکی کے لیے جاں نثاری کی ہی، وہ اس بات کا صاف پتہ دیتی ہی کہ ان کی رگوں میں کیانی اور ساسانی خون موجود ہی، وہاں کی

ہزارہا عورتیں قومی فدائیوں کے ساتھ ملکر لڑتی تھیں، تبریز کے محاصرہ میں ساٹھ ستر ایسی عورتوں کی لاشیں ملی تھیں جو مردوں کے بھیس میں مسلح ہوکر قومی اور ملکی حقوق کے لیے لڑتی تھیں، اب شہنشاہ روس اور ہمارے ملک معظم کے دباؤ سے اور نیز سلطان عبدالحمید خاں کی معزولی سے شاہ نے مجبور ہوکر دوبارہ پارلیمنٹ قائم کرنا منظور کرلیا، کاش اگر وہ پہلے ہی عقل وفہم سے کام لیتے تو اتنا کشت و خون کیوں ہوتا کسی نے سچ کہا ہی۔

ہر چہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از خرابی بسیار

مصر کی تعلیمی حالت خوشی کی بات ہی کہ مصر میں تعلیم ترقی کر رہی ہی، اور مصر کے باشندوں کا رجحان حصول تعلیم کی طرف بڑھتا جاتا ہی، اسوقت مصر میں کل مدارس کی تعداد ۳۵۰۷ ہی، ۳۲۴۴ لڑکوں کے لیے اور ۱۳۱ لڑکیوں کے لیے ہیں، ۱۸۲ دونوں کیواسطے مشترک ہیں، ان مدارس میں ۵۴۷۵ مدرس تعلیم دیتے ہیں، اور ۱۱۳۴۳۰ طلبا تعلیم پاتے ہیں، جن میں سے ۸۸۲۹۱ لڑکے اور باقی سب لڑکیاں ہیں،

دربار جاپان کی لیڈیاں

جاپان کے ایک اخبار نے دربار جاپان کی لیڈیوں کے متعلق ایک دلچسپ حال شائع کیا ہی، وہ لکھتا ہی کہ شاہی دربار میں تین سو سے زیادہ لیڈیاں ہیں، اور وہ پانچ درجوں پر منقسم ہیں، یعنی ینجی اور گون ینجی اور شوجی اور گون شوجی، اور میانو، ان کے فرائض یہ ہیں کہ شاہی توشہ خانہ کی حفاظت کریں، اعلیٰ طبقہ کی لیڈیاں داسن (ملکہ) کہلاتی ہیں، ان عورتوں کے پاس پانچ یا آٹھ کمرے ہوتے ہیں انکے ماتحت چار عورتیں ہوتی ہیں جنہیں شیمو کہتے ہیں،

کام کی سختی۔ چند عورتیں امپریل مجسٹی کی حاضری میں آٹھ بجے صبح سے دس بجے

رات تک رہتی ہیں، اور چند دس بجے رات سے دس بجے دن تک جس سختی سے یہ
یہ عورتیں اپنے فرائض کو انجام دیتی ہیں وہ قیاس میں نہیں لائے جا سکتے ہیں جب
ان کو برائے نام آزادی حاصل ہوتی ہے، اسوقت بھی ان کو مختلف طرح کی پابندیاں رہتی
ہیں، وہ چست نہیں ہو سکتیں اپنے ہاتھ نہیں پھیلا سکتیں، گٹھری مٹھری پڑی
رہتی ہیں،

شمیو عورتوں کے روزانہ فرائض بھی کچھ کم نہیں ہیں، وہ پانچ بجے صبح اُٹھتی ہیں
کمرے صاف کرتی ہیں۔ اور زیب و ترتیب کا سامان اپنے اپنے مقام پر ٹھیک کر کے
رکھتی ہیں، آئینہ اور پوڈر اور سرخ و سفید رنگ اور برش اور مونھ دہونے کے ظروف
اور ٹب اپنے اپنے مقام پر قرینہ سے لگا دیتی ہیں، جب دنا عورتیں سو کر اُٹھتی ہیں تو
شمیو نہایت ادب کے ساتھ اُنھیں سلام کرتی ہیں،

گھنٹہ بھر سنگھار کرنے کے بعد ناشتہ چُنا جاتا ہے، خوان میں چھوٹی چھوٹی رکابیاں
قرینے سے لگائی جاتی ہیں، دربار کی لیڈیوں کو کھانے کے مزے سے زیادہ میز
چُننے کا خیال ہوتا ہے، کئی طرح کی اچار چٹنی وغیرہ خوانوں میں ہوا کرتی ہیں، کانٹے عموماً چاندی
یا ہاتھی دانت کے ہوتے ہیں۔ لیکن ہر عورت کے پاس تین تین کانٹے ہوتے ہیں
ایک نباتات کھانے کا دوسرا گوشت اور مچھلی کھانے کے لیے، اور تیسرا کانٹا شاہ
اور شاہی خاندان کا بھیجا ہوا کھانا کھانے کیواسطے، دربار کی عورتوں کو پیاز کے سوا ہر چیز
کھانے کی اجازت ہے، دربار کی عورتوں کو پیاز کی بو سے تنفر ہے۔ اگر کوئی عورت پیاز
چکھ لیتی ہے تو عرصہ تک بدبو آیا کرتی ہے،

صفائی۔ دربار میں صفائی کی نہایت تاکید رہتی ہے۔ شاہی خاندان کے اعزاز کا یہ ایک
بہت بڑا جزو سمجھی جاتی ہے۔ سوئی کا کام کرنے والی لڑکیوں کی دو قسمیں ہیں جن میں سے
ایک قسم کو ادکیوسن اور دوسری کو ادسیوگیسن کہتی ہیں۔ ادسیوگیسن وہ کپڑے سیتی

ہیں، جو کمر کے نیچے پہنے جاتے ہیں، اور کیوسن کمر کے اوپر پہننے کے کپڑوں کی نگرانی کرتی ہیں، جن ہاتھوں سے ادبیوگیسن موزوں کو چھوتی ہیں اُن کو تاوقتیکہ دہو نہ لیے جائیں اور کپڑوں میں نہیں لگا سکتی ہیں، پس جب ونا بڑے ہال میں اپنے کپڑے بدلتی ہی تو کسی قسم کی خرابی نہیں ہوتی،

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہی کہ جب یہ سوئی کا کام کرنے والی لڑکیاں ونا عورتوں کو کپڑے پہناتی ہیں، تو گھٹنوں کے بل چلتی ہیں، فرش پر پاؤں نہیں رکھتیں. پس اس طرح پران دربار کی لیڈیوں کو کرادبی پہنانے میں جو کمر میں پانچ چھ مرتبہ لپیٹا جاتا ہے شمیو کو بڑی محنت ہوتی ہی. جب اُنہیں پسینہ آتا ہی تو لیڈیوں کے سامنے رومال سے پسینہ پونچھنے کی انہیں اجازت نہیں ہی. وہ برابر کام کرتی رہتی ہیں، اور کام کرنے کے بعد تعظیماً سر جھکا کے رومال سے اپنا پسینہ پوچھتی ہیں،

ان لیڈیوں کا زیادہ تر شغل سینا، پڑہنا، کھانا، پکانا، پھول چننا اور شاہی باغ میں ٹہلنا وغیرہ ہے،

رپورٹ

آفتاب قوم جناب صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب آنریری جائنٹ سکریٹری آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی وہ رپورٹ شائع ہوئی ہی جو اُنہوں نے کانفرنس کے بائیسویں اجلاس میں جو امرت سر میں منعقد ہوا تھا پیش کی تھی،

یہ رپورٹ مسلمانوں کی موجودہ تعلیم کا ایک نہایت پُر درد مرقع ہی، اس میں تمام صوبوں میں مسلمانوں کی مغربی تعلیم کی کیفیت دکھلائی گئی، جس سے ثابت ہوتا ہی کہ مسلمان ابھی تعلیم میں بہت پیچھے ہیں، اور انکی تعداد مدارس میں انکی مردم شماری اور نیز ضرورت کے لحاظ سے بہت کم ہی،

صاحبزادہ صاحب نے ہر طرح کی مفید اور ضروری بحثیں مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق کی ہیں

اور اُن وسائل کو بھی بیان کیا ہے جس سے تعلیم کو ترقی دیجا سکتی ہے،

صاحبزادہ صاحب کے ہمدردانہ پُرجوش دل کی داد دینے اور تعریف کرنیکا نہ یہ موقع ہے اور نہ اسکی ضرورت ہے، ان کی داد صرف یہ ہو سکتی ہے کہ اُنکے مفید مشوروں اور تجویزوں پر قوم فوراً عمل کرنا شروع کرے، کیونکہ تعلیم کا سوال قومی موت و حیات کا سوال ہے، اگر خدانخواستہ ان تجاویز سے بے اعتنائی برتی گئی تو قومی ہلاکت کے سوا اور کچھ اسکا انجام نہیں ہے،

ہمدردان قوم کو فوراً مستعد ہو جانا چاہیے، اور صاحبزادہ صاحب کے پروگرام کے مطابق عملی کارروائی شروع کر دینی چاہیے، کیونکہ اسوقت مسلمانان ہندوستان کے لیے اس سے بڑھکر ضروری کام کوئی نہیں ہے،

دولتمند دولت سے، مقرر تقریروں سے، شاعر اشعار سے، علما علم سے اور صلحا دعا سے، غرض تن من دھن سے ہر طرح پر ہر شخص کو تعلیم کے لیے کوشش کرنی چاہیے اور جسقدر جلد ممکن ہو علمی عمارت کھڑی کر دینی چاہیے، پھر تمام بہترین نتائج خود بخود حاصل ہو جائینگے، ہمارا کام یہ ہے کہ ہم درخت لگائیں پھر درخت خود ہی پھول پھل دینے لگتا ہے،

خاتم ملک سلیمان ست علم　　　جملہ عالم صورت و جان ست علم

اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس رپورٹ سے وہ حصہ نقل کریں جسمیں ہندوستان کے ہر صوبہ میں مسلمانوں کی تعلیم نسواں کے اعداد و شمار دکھائے گئے ہیں،

ممالک متحدہ آگرہ و اودھ

سرکاری درسگاہوں میں مسلمان لڑکیوں کی تعداد ۹۰۶۹ ہے، بمقابلہ ۴۰۹۴۹ ہندو لڑکیوں کے علاوہ اسکے ۱۹۴۴۲ لڑکیاں دیسی مکاتب میں قرآن شریف پڑھتی ہیں،

پنجاب

سرکاری درسگاہوں میں مسلمان لڑکیوں کی تعداد ۴۰۷۷ ہے بمقابلہ ۱۰۳۰۷ ہندو لڑکیوں کے علاوہ اسکے ۸۱۰۴۳ لڑکیاں دیسی مکاتب میں قرآن شریف پڑھتی ہیں،

مشرقی بنگال

سرکاری ابتدائی مدارس میں ۲۴۹۷۵ مسلمان لڑکیاں پڑھتی ہیں، بمقابلہ ۱۱۰۴۵ ہندو لڑکیو نکے اور دیسی مکاتب میں ۲۷۰۰۰ مسلمان لڑکیاں قرآن شریف کی تعلیم حاصل کرتی ہیں،

بمبئی

سرکاری مدارس میں ۴۶۳۷ مسلمان لڑکیاں بمقابلہ ۱۹۵۰۷ ہندو و پارسی لڑکیو نکے علاوہ ان کے ۲۰۰۰ لڑکیاں قرآن شریف پڑھتی ہیں،

مدراس

سرکاری مدارس میں کل اقوام کی لڑکیوں کی تعداد ۱۹۵۱۷۰۴ ہے جسمیں سے ۱۲۴۰۸ مسلمان ہیں اور ۱۰۲۰۱ قرآن شریف پڑھتی ہیں،

صوبجات سرحدی

سرکاری مدارس میں بہ مقابلہ ۱۲۸۳ ہندو لڑکیوں کے مسلمان لڑکیاں صرف ۲۳۳ ہیں،

لیکن دیسی مکاتب میں ۱۴۱۴ لڑکیاں قرآن شریف پڑھتی ہیں، سرکاری مدارس میں جو مسلمان لڑکیوں کے اعداد دکھلائے گئے ہیں وہ تقریباً کل ابتدائی تعلیم کے متعلق ہیں، شاذونادر کوئی مسلمان لڑکی سیکنڈری تعلیم کے درجہ تک پہنچتی ہے اور وہ بھی صرف صوبہ بمبئی میں،

جوانا مرگی۔ ہمنے نہایت رنج و افسوس کیساتھ سُنا کہ ۱۲ مئی کی رات کو تین بجے کیوقت اچانک لیمپ کے پھٹ جانیسے جناب نواب صدرالدین حسین خانصاحب رئیس بڑودہ کی بڑی صاحبزادی نواب زادی بیگم صاحبہ کے کپڑوں میں آگ لگ گئی، اور فوراً انکا انتقال ہوگیا، مرحومہ کی عمر ۱۴ یا ۱۵ سال کی تھی اور عنقریب شادی ہونیوالی تھی، تمام سامان تیار ہوچکا تھا، مرحومہ کی تعلیم بھی اچھی ہوئی تھی، اُردو اور گجراتی دونوں زبانیں نہایت اچھی طرح پڑھائی گئی تھیں، اور فارسی میں گلستان بوستان پڑھتی تھیں، ہم نواب صاحب موصوف کے اس رنج میں دلی ہمدردی کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خداوند عالم ان کو صبر جمیل عطا فرمائے،

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

نمبر ۶	بابت ماہ جون ۱۹۰۹ء	جلد ۷

اڈیٹر شیخ محمد عبد اللہ بی اے۔ ایل ایل۔ بی۔ سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عبد السلام پرنٹر کے اہتمام سے

مطبع فیض عام واقع علی گڑھ میں طبع ہوا

خاتون

۱- یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڑہ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی ۱۲ ہے

۲- اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑہی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا،

۳- مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی، اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس خیال و ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اُس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے،

۴- ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں،

۵- ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں،

۶- اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جاے گا،

۷- تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑہ ہونی چاہیے،

خطون

بچوں کی پرورش وصحت کے متعلق
چند ہدایتیں

(۱) جب بچہ تولد ہو تو زچہ بچہ کو ایسے مکان میں رکھیں جہاں تازہ ہوا، اور آفتاب کی روشنی پہنچتی رہے، اور ہوا کے جھونکے اور شور وغل نہوں اگر موسم سرد ہو تو آگ سے بھی اُس مکان کو گرم رکھیں لیکن دہواں اس مکان میں بھرنے نہ پاوے. موسم گرما میں آگ کی ضرورت نہیں کبھی کبھی اسپند۔ لوبان یا عود وغیرہ اُس مکان میں جلاتے رہیں تاکہ ہوا صاف ہوتی رہے۔

(۲) ابتدا میں بچوں کی ہڈیاں نہایت نرم ہوتی ہیں اور سر کی ہڈیوں کا توجوڑ بھی نہیں مضبوط ہوتا اسوجہ سے بہت احتیاط کریں کہ کسی طور پر دباؤ اور زور نہ پڑنے پائے۔

(۳) بچہ کو روز پیدایش سے چالیس روز تک ایک ہی جانب نہ سلائیں کیونکہ اس سے سر کی ہڈیاں دب جاتی ہیں۔ اور دانت نکلنے کے وقت دماغی امراض پیدا ہونے کا

اندیشہ رہتا ہے۔

(۴) بچے سردی کے متحمل نہیں ہوتے۔ اسلیے سردی سے بچائیں اور ولادت کے وقت سے جبتک چلنے پھرنے نہ لگیں۔ گرم کپڑے اور نرم بچھونوں میں رکھے جائیں۔ اس عمر تک چائے کافی وغیرہ نہ دی جائے کیونکہ یہ انکے لیے سم قاتل ہے۔ بچہ کی ابتدائی پرورش اچھی ہو تو وہ ہمیشہ قوی و تندرست رہیگا۔ اگر ابتدائی عمر میں اس کی احتیاط اور اچھی پرورش نہوئی تو کمزور و ناتواں ہوکر امراض میں مبتلا رہیگا۔

(۵) بچوں کو اکثر بلا تعین وقت ماں یا انّا دودہ پلاتی رہتی ہے۔ یہ انکے لیے نہایت مضر ہے۔ اس سے انکا معدہ ضعیف اور اشتہا ساقط ہوجاتی ہے اور اسہال وغیرہ کی بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اور لاغر و کمزور ہوکر امراض مہلکہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اگر بچ بھی گئے تو نہایت کمزوری کے ساتھ زندگی کے دن پورے کرتے ہیں۔ اہل یورپ بچوں کے دودہ پلانے کا وقت مقرر کردیتے ہیں۔ اور وقت مقررہ ہی پر پلاتے ہیں۔ اور علیحدہ پلنگ پر بچہ کو سلاتے ہیں تاکہ ماں یا انّا کی نفس کی ہوئی ہوا جو زہریلی ہے۔ بچہ کے معدہ میں پہنچکر زہریلا اثر نہ پیدا کرے۔ اس سبب سے اُنکے بچے قوی ہیکل و تندرست ہوتے ہیں۔ اور جلد پیروں چلنے اور دوڑنے لگتے ہیں۔ اور ہمارے ملک کے بچے ہر وقت ماں یا انّا کی چھاتی سے لگے رہتے ہیں اور انکے سینہ اور جسم کے بخارات اسکے معدہ میں پہنچتے رہتے ہیں، اس سے بچہ لاغر اور طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا رہتا ہے۔

(۶) چھاتی پر ہمیشہ سینہ کی کثافت اور مضر رطوبت جمع ہوتی رہتی ہے اس سبب سے چاہیئے کہ دودہ پلاتے وقت ضرور دہو۔ جائے۔ ہر وقت ممکن نہو تو صبح اور شام ضرور دہو لیا کریں۔ ورنہ بچہ کے معدہ میں یہ مضر رطوبت و کثافت ضرور نقصان کریگی۔

(۷) دو تین مہینے تک بچہ کی خواہش کے موافق دودہ پلائیں اسکے بعد دو ڈہائی گھنٹہ کے فاصلہ سے۔ اس سے ہضم صحیح ہوگا۔ اور اشتہا میں بھی فتور نہ آئیگا۔ رات کو بھی ایسی عادت

ڈالیں کہ بچہ سویرے دودھ پیکر سوجایا کرے۔ اس ترکیب سے تداخل اور بدہضمی نہو گی۔ اور بچہ تندرست اور تنومند ہوگا۔

(۸) ماں یا انا بچہ کو لٹاکر اور خود بھی لیٹ کر دودھ پلائے یا چار زانو بیٹھ کر بچہ کو گود میں لٹا کر ہر حال میں بچہ کا سرا دنچا رہے۔

(۹) بعض انا چوری سے بچوں کو افیون کھلادیا کرتی ہیں تاکہ بچہ سوتا رہے اور بار بار نہ جاگے اور ضد وغیرہ نہ کرے۔ اس سے بہت احتیاط چاہیے کیونکہ افیون سے اصلی نیند جاتی رہتی ہے۔ اور ایک قسم کی غفلت بچہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے نشو ونما اور اس کی بالیدگی و تنومندی میں فتور پڑتا ہے اور لڑکپن اور جوانی دونوں میں نقصان پہنچاتی ہے۔

(۱۰) بچہ وماں دونوں صحیح و تندرست ہوں تو ماں بچہ کو ایک سال دودھ پلائے۔ اگر ماں ضعیف اور کمزور ہو اور بچہ توانا تو نو مہینہ تک اور بچہ ضعیف اور ماں توانا ہو تو ڈیڑھ یا پونے دو برس تک لیکن دودھ چھڑانے کی حالت میں بتدریج چھڑائیں۔

(۱۱) دانت نکلنے سے پہلے لعاب دہن جو معاون ہاضمہ ہے بچوں میں نہیں پیدا ہوتا اسی واسطے بچے صرف دودھ ہی پر رکھے جائیں اور دوسری غذا اُن کو ہرگز نہ دیجائے ورنہ ہضم نہو گی۔ اور اسہال وغیرہ کی بیماریاں پیدا ہو جائینگی۔ اور بچہ ہلاکت میں پڑ جائیگا۔ پس دانت نکلنے سے پہلے بچہ کو کوئی غذا نہ دیجائے۔

(۱۲) نو دس مہینے کے بعد یعنی جب دانت نکلنے لگیں۔ بچوں کو گوشت کی یخنی اور چوزے کا شوربا یا دوسری غذا مثل ساگودانہ یا ارارو ٹ یا گلی ہوئی کھچڑی یا گلا ہوا شیر برنج یا دودھ میں بھگو کر ڈبل روٹی یعنی نان پاؤ دے سکتے ہیں۔ اس عمر سے غذا کا دینا بہت ضروری ہے۔

(۱۳) جن لڑکوں کو گائے وغیرہ کا دودھ دیا جاتا ہے ان کو چاہیے کہ جوش دیا ہوا گاڑھا دودھ بچوں کو نہ پلادیں کیونکہ ثقیل اور دیر ہضم ہوتا ہے۔ اور جس دودھ سے بالائی نکال ڈالی

جاتی ہی۔ اس دودھ سے بچہ موٹا تو ہوتا ہی مگر نمک کی مقدار کم ہوجانے سے ہڈیاں برابر نہیں بنیتں اور جسم ناتواں رہتا ہی۔ اور مزاج بیماری کی طرف مائل رہتا ہی۔

(۴۱) بچوں کا لباس ڈھیلا ڈھالا ہو۔ تاکہ نشو ونما میں فتور نہ واقع ہو۔ برہنہ جسم نہ رکھیں۔ کپڑے میلے نہ پہناویں۔ ننگے پیر نہ رہنے دیں کہ اس سے مزاج کثیف ہوجاتاہے اور مٹی وغیرہ کھانے کی عادت ہوجاتی ہی۔

زیور بھی بچوں کو نہ پہناویں اس سے ہزاروں جانیں بچوں کی تلف ہوگئی ہیں۔ بھوت پلید یا اور کسی فرضی نام سے اُنہیں نہ ڈراویں کہ خیال باطل دل میں جم جاتا ہی۔ لڑکا بزدل اور کم ہمت ہو جاتا ہی۔ اسکے دل کا خوف پھر کبھی نہیں نکلتا اور دنیا کے مہمات عظیمہ کے کام کا نہیں رہتا۔

بچوں کی تربیت کے متعلق اہل یورپ کا یہی دستور العمل ہی۔ جسکے مفید نمونے ٹڈی کے دل کی طرح آپ کے پیش نظر ہیں اور جس سے بڑھکر ان اصول کی عمدگی کے اثبات کی کوئی بین شہادت نہیں ہوسکتی۔ ہمارے ملک کی خواتین اگر ان اصول کو مد نظر رکھیں تو نشو ونما کے ابتدائی درجے جس خوبی سے طے ہوں ایسے ہی عنفوان اور شباب کے مفید نتائج بھی انہیں دیکھنے نصیب ہوں۔ اور ملک کا ملک جسمانی و دماغی ترقی کا جامہ پہنکر سرسبز و شاداب نظر آنے لگے۔

پس اے میری محترم و عزیز بہنو! اگر تربیت اطفال کے اہم فرائض کو تم آج یورپ کی طرح ادا کرنے لگو تو زمانہ کی قدر دانی تمہارے دامن سے اس دھبہ کو دھوکر تمہیں سرتاج بنائے۔ ذرا متوجہ ہو۔ اور کرکے تو دیکھو،

راقمہ
قیصر دُلہن

ستارہ

افشار قوم کا ایک ادنیٰ سا سردار اٹھارویں صدی کے آغاز میں اپنی ہمت اور مردانگی سے تاج ایران کا وارث بن بیٹھا۔ مدتوں نہایت معمولی حالت میں زندگی بسر کی۔ برسوں رہزنی کی آخر قسمت نے پلٹا کھایا تو نادر قلی خاں لوٹیرے سے سپہ سالار فوج اور پھر نادر شاہ ایران بنگیا۔ جب ایران سے اندرونی خرخشے دور کر چکا۔ افغانوں روسیوں اور ترکوں سے نجات ملی تو بے چین طبیعت نے بیقرار کیا اور ہند کی تسخیر کا رخ کیا۔ یہاں محمد شاہ کی بادشاہی ملک پر ایک تباہی تھی۔ جری قزلباشوں نے آناً فاناً میں انحطاط رسیدہ مغلوں کا قلع قمع کر دیا۔ کرنال پر معرکہ آرائی ہوئی۔ یہ شرط قرار پائی کہ محمد شاہ ۵۰ لونڈیاں سو ہندی غلام بہت سے ہاتھی اور گھوڑے سامان زر و جواہر سے آراستہ پیش کرے اور بذات خاص اظہار عبودیت بجا لائے۔

ستارہ اُن ہی ۵۰ آفت زدہ لونڈیوں میں سے تھی۔ جب نادر شاہ بمعیت آغا باشی خواجہ سرای کے لونڈیوں کے جایزہ کو آیا تو سب لونڈیوں میں اُس کی نظر ستارہ پر ہی پڑی۔ حسن و جمال خط و خال میں ستارہ سب پر چھائی ہوئی تھی۔ اسکے چہرہ سے نجابت اور شرافت کے آثار نمایاں تھے۔ بادشاہ نے آغا باشی سے پوچھا یہ لڑکی کون ہے؟ خواجہ سرا نے عرض کیا کہ راجپوت قوم کی کنیا ہے۔ اسیر لڑکی نے غصہ سے بیتاب ہو کر فارسی میں جواب دیا کہ میں کنیا نہیں بلکہ شادی شدہ عورت ہوں۔ لڑکی کی اس صفائی پر آغا باشی کو بہت طیش آیا اور تھپڑ اُٹھایا۔ ستارہ نے اپنے سینہ سے خنجر نکالا اسپر آغا باشی سنبھلا۔ ایسی بے کسی کی حالت میں اس عفیفہ اور معصومہ کی یہ جرأت اور عزت کی اس درجہ پاسداری دیکھکر نادر جیسے سفاک کا دل بھی پانی پانی ہو گیا۔ اسی وقت سے ستارہ نے اسکے دل میں گھر کر لیا۔

ستارہ قوم راجپوت کی شاخ راٹھوڑ کی ایک ٹھاکر کی لڑکی تھی۔ اسکا اصل نام میرا بائی تھا۔ محمد شاہ نے اسکے کسی ہمسایہ ٹھاکر پر فوج کشی کی۔ اس ٹھاکر اور ستارہ کے باپ میں کچھ اَن بَن تھی اسلیے مغلیہ فوج کی دست درازی کا بالکل اندیشہ نہ تھا کہ ایک رات کو بے خبری میں فوج شاہی میرا بائی کے قلعہ میں گھس آئی۔ ٹھاکر اور قلعہ کے مرد بڑی بہادری سے لڑے مگر اس سراسیمگی میں راجپوتی قاعدہ کے موافق عورتوں کو نہ جلا سکے شاہی فوج نے محلات پر قبضہ کرلیا اور عورتوں کی مشکیں باندہ لائے۔ ستارہ بھی ان ہی اسیران جنگ میں سے تھی۔ بیچاری کو اونٹ پر لاد کر قلعہ اجمیر میں پہنچایا۔ یہاں اسے ایک عورت ملی۔ اُسنے سنایا کہ یہ مصیبت اسی کی بدولت نازل ہوئی ہے۔ کسی شہزادے نے اس کی تعریف سنی اور اس مبتذل حرکت پر آمادہ ہوا۔

یہ سنکر تو ستارہ کے حواس اُڑ گئے رنگ زرد پڑگیا۔ چاہتی تھی کہ خودکشی کرے مگر ہاتھ پاؤں بندے ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں وہ مغل سردار بھی آگیا۔ اُس بدبخت کی صورت دیکھکر میرا بائی کا غصہ مشتعل ہوگیا مگر بے بس تھی۔ خدا کی قدرت کچھ عرصہ کے بعد یہ سردار مرگیا۔ اور فوج نے اجمیر سے دہلی کو کوچ کیا۔ میرا بائی محمد شاہ کے سامنے پیش ہوئی۔ اور خدمتگار میں رکھہ لی گئی۔ محمد شاہ کی سب سے چاہتی بیوی بھی قوم کی راٹھوڑ راجپوتن تھی۔ اسنے ہمقوم اور مصیبت زدہ جانکر اپنے ظل عاطفت میں لے لیا اور بیٹی کی طرح تربیت کیا۔ اسی اثنا میں نادر ترکمان اپنی زبردست فوج کے ساتھ ہندوستان پر ٹڈی دل کی طرح آن پڑا۔ کرنال پر ہندوستانی فوج کا قلع قمع کرچکا تو تاوان میں ۵۰ لونڈیاں بھی مقرر کیں۔ ان لونڈیوں میں کٹی پٹی تو میرا بائی پکڑی گئی۔ ملکہ ہرچند روتی تھی اور کسی طرح ستارہ کو جدا کرنا نہ چاہتی تھی مگر بے بس تھی۔

ستارہ کے دل کا بھی خدا ہی حافظ تھا۔ ہندوستان میں نادر کی فوج کے متعلق طرح طرح کے ڈراونے قصے مشہور تھے کوئی کہتا تھا کہ دیوزاد ہیں، کوئی جن بتاتا تھا۔ خود نادر کو آتش کا پتلا جانتے تھے۔

مگر یہ کسکو خبر تہی کہ یہ مصیبت زدہ بچی ملکہ جہاں بنے گی اور خود محمد شاہ کی ملکہ اسکے قدموں پر ناک رگڑیگی۔ نادر نے میرا بائی سے شادی کی درخوہست کی۔ میرا بائی کچہ تو نادر کی ہمدردی سے متاثر ہوئی کچہ اس کی دلیرانہ فتحمندیوں نے اسکے راجپوتی دل میں گھر کیا۔ دوسرے اپنے مربیوں سے چارو ناچار جدا ہی کر دیا تہا کنبہ کا خاتمہ ہو چکا تہا اسوقت نادر کے سوا اسکا کون تہا اسنے بطیب خاطر نادر سے شادی کر لی۔ ستارہ جیسی حسن و جمال میں بے مثال تہی ویسی ہی شائستہ اور بامذاق بہی تہی۔ نادر کو ستارہ سے بیحد الفت تہی اور وہ بہی اُسکے دم کی دیوانی تہی مگر نادر کی سفاکیاں اور بے رحمیاں اکثر اسکے لیے موجب ملال ہوتی تہیں۔ جب تاوان اور خونریزی سے بہی جی ٹہنڈا نہوا تو شہر دہلی کی تاراج کا ارادہ کیا۔ اس ارادہ کی خبر دہلی پہنچی تو سارے شہر میں کھلبلی پڑ گئی۔ قلعہ شاہی میں ایک ماتم کا عالم تہا۔ جب نادر دہلی کے قرب و جوار میں پہنچا تو محمد شاہ استقبال کو حاضر ہوا۔ اپنی ملکہ کو ستارہ کے پاس بہیجا کہ اہل شہر کے لیے امان طلب کرے۔ جب ستارہ کے پاس ملکہ آئی تو میرا بائی اپنی سابقہ آقا کے سامنے دست بستہ کھڑی ہوگئی اور اس کی پہلی ہی سے توقیر کی اسوقت اگرچہ اسکو ملکہ کی بے وفائی کا افسوس تہا مگر اس مصیبت کے وقت ایسی رکیک باتوں کو جگہ دینا اسنے خلاف انسانیت جانا اور بغیر اپنا نفع نقصان سوچے وعدہ کر لیا کہ میں بادشاہ سے امن کی استدعا کروں گی۔ نادر نہایت خونخوار اور بے رحم آدمی تہا مہاتم ملکی میں مستورات کو دخیل بنانا ایک گناہ کبیرہ جانتا تہا۔ ستارہ بہی اسکے مزاج سے ناواقف نہ تہی مگر اسنے سفارش کی۔ اتفاق سے اہل دہلی نے چند قزلباش قتل کر دیے پھر کیا تہا قتل عام کا حکم ملگیا۔ اس کی فوج نے تین دن شہر کو خوب لوٹا۔ ان بے رحموں نے بچوں عورتوں اور بڈہوں تک کو تہ تیغ کر ڈالا۔ ستارہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو سخت رنج ہوا سارا دن روتے ہوئے گزارا مگر بے بس تہی نادر کی طبیعت سے واقف تہی حرف شکایت تک زبان پر نہ لائی اور اپنا خون جگر پی کر رہگئی۔

نادر جب سلطنت مغلیہ کو لوٹ کہسوٹ چکا تو ایران کا قصد کیا چلتے وقت اسنے اپنے فوجی

افسروں کو حکم دیا کہ ہندو لونڈی غلاموں کو چھوڑ دیں۔ اسوقت نادر ستارہ کے پاس آیا اور کہا کہ تمہیں بھی ہندوستانی عورتوں کے ساتھ یہاں چھوڑ جاؤنگا۔ میں نے اپنے افسروں کو حکم دیا ہے کہ ہندوستانی عورتوں کو ساتھ نہ لیجائیں۔ اسوقت ستارہ کا حال نہ پوچھو آنکھوں سے زار زار آنسو جاری ہو گئے اور ایک ایک کرکے اس کی سابقہ مصیبتیں آنکھوں میں پھر گئیں بیتاب ہو کر نادر کے پاؤں پر گر پڑی۔ نادر نے اُٹھایا اور کہا کہ میں تمہاری محبت آزماتا تھا۔ اسپر ستارہ کی جان میں جان آئی۔

ایران کے راستہ میں افغانستان حائل ہے افغانوں کی بے نظیر شجاعت اور وفاداری سے نادر خوب واقف تھا اس کی خواہش تھی کہ یوسف زئی کو مطیع کرکے اپنی فوج میں بھرتی کرلے مگر آزادی کی محبت میں افغان جرگہ اہل عرب کے شاگرد رشید ہیں ان کی گردنوں میں طوق غلامی ڈالنا آسان کام نہ تھا۔ یوسف زئیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ رات کی تاریکی میں نادر کا کام تمام کردو۔ چنانچہ آدہی رات کو کچھ آدمی دبے پاؤں نادر کے خیمہ کی طرف بڑھے۔ ستارہ کو اس رات گرمی کی شدت سے نیند نہ آئی تھی۔ خیمہ کے باہر کھڑی سُن سان تاروں بھری رات کی سیر کررہی تھی کہ اچانک اس کی نظر ان رینگتے ہوئے آدمیوں پر پڑی جو نادر کا کام تمام کرنے کو آرہے تھے۔ نادر بے خبر سو رہا تھا۔ ستارہ مطلق ہراساں نہوئی چپکے سے جا نادر کو بیدار کردیا۔ اسنے فوراً ہتیار سنبھالے اور ستارہ کو خیمہ کے عقب میں بھیجا کہ آغا باشی اور افسر دستہ کو خبردار کرے۔ نادر افسر دستہ کو لیکر اپنے قاتلوں سے مقابلہ آرا ہوا اور ستارہ خیمے کے در پر کھڑی نادر کے لیے ہول کھا رہی تھی کہ ایک شخص نے اسپر بھی حملہ کیا مگر یہ اُچک کر الگ ہٹ گئی اور اُسکا وار خطا ہوا۔ ستارہ نے اپنے استقلال اور ہمت سے نادر کی اور اپنی جان بچائی۔

ستارہ نادر کے ساتھ اس کی ہر مہم میں شریک رہی وہ ترکمانی اور ایرانی عورتوں کی طرح گھوڑے پر سفر کرتی تھی۔ نادر نے کچھ دن قیام کیا اسکے بعد بخارا کے امیر کو شکست دی

اور اس قدیم اسلامی سلطنت کو اپنی تیغ بید ریغ سے تاراج کرڈالا تو خیوا کی فتح کا خیال آیا۔ نادر نے اپنے بیٹے رضا خاں کو ایک جری فوج کے ساتھ تسخیر خیوا کے لیے روانہ کیا۔ خان خیوا کا علاقہ نہایت ہی دشوار گزار تھا اور خان کی فوج نہایت جری تھی۔ ولیعہد نے خوب داد مردانگی دی۔ قزلباش سپاہیوں کو ولیعہد کی بے نظیر شجاعت کی وجہ سے بے حد محبت ہوگئی۔ مگر باوجود ولیعہد کی کوشش کے خان خیوا نے شکست دی۔ اسیر بجا سے دلجوئی کرنے کے مغلوب الغضب نادر کو بہت غصہ آیا۔ شہزادہ واپس آیا تو نادر سخت کلامی سے پیش آیا اور طعن و تشنیع کرنے لگا۔

ولیعہد کا دل نادر کی اس بے قدری سے رنجیدہ ہوگیا اور اس میں اور زیادہ بدکلامی سننے کی برداشت نہ رہی۔ نادر اگرچہ بہت بڑا جنرل اور فاتح گزرا ہی مگر اسکو اپنے غصہ پر مطلق قابو نہ تھا اور یہی باعث اس کی سلطنت کی تباہی کا ہوا۔ معاندین نے اس نزاع کو اور بھڑکا دیا۔

الغرض رضا خاں خراب و خستہ فوج کو لیکر مشہد پہنچ گیا۔ نادر نے خان خیوا سے انتقام لیکر ایران کو مراجعت کی مشہد میں قیام کیا مگر یہاں بھی باپ بیٹے کے تعلقات مکدر ہی رہے مشہد سے اپنے بھائی کی شکست کا انتقام لینے لزگیوں کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا رستہ میں پھر اسپر ایک قاتلانہ حملہ ہوا۔ مرو کے علاقہ میں ستارہ اور نادر گھوڑوں پر سوار چلے جارہے تھے کہ ایک شخص نے نادر کی طرف گولی چلائی نادر بچگیا مگر اسکا گھوڑا مر گیا۔ نادر گر پڑا ستارہ بھی اُسے بچانے کے لیے گھوڑے سے اُتر پڑی۔ اتنے میں محافظ دستہ آن پہنچا۔ مجرموں کی تلاش میں چاروں طرف سوار دوڑائے مگر اسوقت کسی طرح ہاتھ نہ آئے کچھ دنوں کے بعد مجرم گرفتار ہوگیا۔ معلوم ہوا کہ مجرم رضا قلی خاں کے رسالہ کا ایک بہادر اور جاں نثار افغان تھا۔ نادر نے کسی جرم میں اس سوار کے بھائی کو موت کی سزا دی اسپر اس نے اپنے بھائی کی نادر سے سفارش کی نادر نے اسکو بھی جلا دئے سیر دکیا مگر پھر

اس کی خدمات اور بہادری کا نادر کو کچھ خیال آگیا اور اُس کی جاں بخشی کردی مگر رسالہ سے نکال دیا۔ یہ سوار رضا قلی خاں کے پاس مشہد میں گیا اور ملازمت کی درخواست کی باپ کا معتوب تھا رضا قلی خاں نے ملازمت دینے سے انکار کیا مگر اس کی سابقہ خدمات کے صلے میں کچھ انعام دیکر رخصت کیا۔ وہ رضا قلی خاں سے انعام لیکر رنجیدہ خاطر رخصت ہوا۔ اپنے بھائی کے قتل کی وجہ سے نادر سے اُسکے دل میں عداوت پیدا ہوگئی تھی اور اسی لیے اسپر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔

نادر جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے نہایت مغلوب الغضب آدمی تھا۔ ایرانی گروہ کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھتا اور علانیہ اُن کی تذلیل کرتا تھا۔ نادر کی ایک ایرانی بیوی تھی اسکو محل میں شیرازی کہتے تھے۔ یہ عورت ستارہ کی عزت سے رشک کرتی تھی اور ایرانیوں کی تحقیر نے ملکر اسکو نادر کا جانی دشمن بنا دیا تھا۔ چنانچہ اسنے اپنے بھائی علی اکبر سے کہا کہ اسوقت باپ اور بیٹوں میں نفاق کرا دو۔ اس سے نادر کی خود بربادی ہوجائیگی۔ چنانچہ علی اکبر نے کہ جو نادر کا شیرمال تھا مجرم کو یہ پٹی پڑھوائی کہ بادشاہ سے کہدیجو کہ میں نے رضا قلی کے کہنے سے حملہ کیا۔

ایک تو نادر بیٹے سے بدظن تھا ہی دوسرے اس واقعہ سے اسکو کامل یقین آگیا کہ یہ کارروائی رضا قلی کی ہے۔ بیٹے کو قید کر دیا اور غصہ کے مارے بیتاب ہوگیا حکیم علوی اور آغا باشی نے لاکھ سمجھایا کہ شہزادہ بیقصور ہے مگر اس ظالم کو ہرگز یقین نہ آیا، رضا قلی خاں کی ماں بڑھیا ہوگئی تھی اور نادر کی خونخوار طبیعت سے خوب واقف تھی ستارہ کے پاؤں پر گر پڑی اور کہا کہ میرے بیٹے کے لیے معافی طلب کرو۔

ستارہ خوب جانتی تھی کہ رضا قلی بیگناہ ہے اور یہ سازش شیرازی اور اُسکے بھائی کی ہے۔ دوسرے اس کی ماں کی منت سماجت دیکھکر اس میں انکار کی طاقت نہ رہی۔ نادر سے سفارش کرنے کا قصد کیا آغا باشی نے سمجھایا مگر اُسنے نہ مانا اور دیوان خانہ میں جا پہنچی اسوقت

نادر کے موںھ سے جھاگ جاری تھی اور جوش غضب سے کانپ رہا تھا ستارہ آتے ہی پاؤں میں گر پڑی اور رضاقلیخاں کے لیے معافی کی استدعا کرنے لگی اسپر نادر نے اس زور سے تھپڑ اٹھا کر مارا کہ ستارہ بالکل بیہوش ہوکر گر پڑی۔

آغا باشی نے اسکو بالکل مُردہ تصور کیا تھا مگر حکیم علوی نے نبض دیکھی تو کچھ کچھ سانس باقی تھا۔ نادر نے اس کی کچھ پروانہ کی اور رضاقلی خاں کی آنکھیں نکلوانے کا حکم دیدیا۔

حکیم علوی ستارہ کو اپنے گھر لے آیا اور اسکا ہر طرح کا علاج اور معالجہ کیا آغا باشی نے ستارہ کی جان کے خوف سے نادر سے کہدیا کہ وہ مرگئی اسپر نادر نے بجای افسوس کرنیکے کہا کہ وہ موت ہی کے لایق تھی۔ شیرازی کے گھر میں گھی کے چراغ جل گئے سچ ہے ع

دو ہندو در آید ز ہندوستاں یکے دزد باشد یکے پاسباں

ستارہ کو کچھ کچھ ہوش ہوا تو اسکے موںھ پر رضاقلی خاں کی سفارش کے الفاظ جاری تھے حکیم علوی نے ستارہ کا علاج کیا مگر ستارہ کو ہوش آتے ہی نادر کی چیخنے لگی وہ کہتی تھی کہ اُسنے مجھے قتل کرنے کے ارادہ سے نہیں مارا مجھے اسکے پاس بھیجدو۔ نادر کوہ قاف کی مہم پر روانہ ہوگیا تھا۔ اس نے اس اثنا میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہا جس سے ہمدردی یا افسوس ظاہر ہوتا۔ حکیم علوی نے ستارہ کو ایک آرمینین عورت کے سپرد کیا اور ستارہ کو اسکے جواہرات کا صندوقچہ دیدیا۔ اس عورت نے ستارہ کی خوب خاطر مدارات کی۔ اسکا میاں نادر کی فوج کا ٹھیکہ دار تھا۔

ستارہ اس ارمنی عورت کے ہاں تین سال رہی۔ یہ تین سال اسنے بڑی مصیبت اور تکلیف میں بسر کیے۔ کہاں تو وہ ایک بڑی بااقبال ملکہ تھی۔ کہاں گردش روزگار سے وہیات میں اس بے بسی کی حالت میں رہنا پڑا۔ مگر ستارہ کو سب سے بڑھکر نادر کی مفارقت اور اس کی دل بدن کی تباہی کا صدمہ تھا۔ نادر کے بے دین کے تین آدمی رفیق تھے ایک حکیم علوی۔ دوسرے آغا باشی۔ تیسرے احمد خاں افغان۔ حکیم علوی سے رضاقلیخاں کے بارہ میں بگاڑ ہوگیا۔ آغا باشی

جان کے ڈر سے خاموش ہوگیا۔ احمد خاں نوجوان فوجی افسر تھا،

غرض اب نادر کا کوئی مونس اور مددگار نہ رہا کہ اسکو اُس کی سفاکیوں سے باز رکھتا۔ بیٹے کی بیگناہی اور ستارہ کی حقیقی محبت کا اسکو یقین ہوگیا اور اس سے اُسکے دل پر ایسا صدمہ ہوا کہ رات کی نیند اور دن کی بھوک اڑ گئی۔ قاف میں ناکام رہا۔ ترکوں نے سرحد پر قدم بڑہانے شروع کیے ملک میں بغاوتوں کی چنگاریاں اُڑنے لگیں۔ ان سب وجوہات نے ملکر اسکو بالکل وحشی اور مخبوط الحواس کر دیا۔

ستارہ میں اب اور مفارقت اور نادر کی بربادی دیکھنے کی تاب نہ رہی اور اسنے نادر سے ملنے اور اسکو تباہی سے بچانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ اپنی عورت کے خاوند کو لیکر مشہد روانہ ہوئی اور اس اپنی قصبہ کا فاصلہ چھ سو کوس کا تھا گھوڑے پر سوار ہوکر مشہد پہنچی وہاں بادشاہ کی آمد آمد کی خبر تھی۔ کچھ دنوں کے بعد اخیر اللہ اللہ کرکے نادر شہر میں آیا۔ اپنی ٹھیکیدار نے ستارہ کو نادر کے پاس پہنچانے کا بندوبست کیا اور ایک دن دیوان خانہ میں ستارہ کو لیگیا اور بادشاہ کو اطلاع کرائی کہ ایک عورت بادشاہ سے ملنا چاہتی ہے۔ ستارہ نے نادر کے پاس پہنچتے ہی نقاب ہٹالی۔

نادر بڑے شوق سے ملا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ ستارہ بادشاہ کو محل میں لائی اور اپنی سرگزشت سنائی اور نادر کی کہانی سُنی۔ اسکو ملک کی عام رائے سے مطلع کیا اسوقت ان میاں بیوی کے شوق اور خوشی کی کوئی حد نہ تھی۔ نادر کو صدمہ تھا کہ میں نے اپنی چاہنے والے کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا گو وہ کبھی موُنھ پر نہ لاتا تھا مگر دل میں ہمیشہ کُڑھتا تھا اب زندہ سلامت پایا تو گویا نئے سرے سے جان میں جان آگئی۔ ستارہ بھی تین برس کی مصیبت کے بعد نادر سے ملکر اور اُس میں پہلے ہی سی محبت دیکھکر باغ باغ ہوگئی۔

نادر نے کہا کہ میں ان لوگوں کو قتل کر دونگا جنھوں نے مجھے آجتک دہوکے میں رکھا مگر ستارہ نے کہا کہ اس خوشی کے دن کو خونریزی سے مکدر نہ کرو۔ چنانچہ آج نادر نے کسی مجرم

تک کو سزائے موت نہ دی۔

درباری جو رات دن نادر سے ہراس میں رہتے تھے آج اُسکو بشاش دیکھکر بہت خوش ہوئے مگر شیرازی اور اُسکے بھائی کو بہت صدمہ ہوا۔ اسوقت نادر شاہ نے اپنے بھتیجے کو تسخیر افغانستان کے لیے روانہ کیا تھا مگر نادر کی سفاکیوں سے بیزار ہوکر اُسنے انحراف کیا۔ علی اکبر اور سرداران عجم اس سازش رکھتے تھے۔

اب جو نادر کی حالت درست ہونے لگی تو انہیں اپنی پڑی۔ نادر مشہد سے پھر کردوں کی خبر لینے کو روانہ ہوا۔ اور افغانی سردار کو اپنے ہاتھ سے فوجی سرداروں کے نام انکے فوجی دستور کی جاے قیام کا نقشہ لکھکر دیا۔ یہ نقشے اتفاق سے علی اکبر کے ہاتھ پڑ گئے۔ اُسنے یہ کاغذ افسران فوج کو دکھایا اور کہا بادشاہ کا ارادہ ہے کہ افغانی فوج بے خبری میں قزلباش سپاہیوں اور افسروں کا خاتمہ کردے۔ علی اکبر بادشاہ کا معتمد اور مشیر تھا لوگوں کو اسپر یقین آگیا۔ اس نقشہ کو دیکھکر بادشاہ کے بہت سے ہی دشمن بنگئے۔ چنانچہ چند سرداروں نے رات کو نادر کا فیصلہ کرنے کا عہد کرلیا۔ نادر تھکا ہارا ستارہ کے خیمہ میں آیا۔ اس رات نادر بہت بے چین رہا اس کی آنکھ کئی بار ڈراونے خواب ور کھل گئی مگر ستارہ نے تسکین دلاکر سلا دیا جب آدھی رات گزری تو نادر کے قاتل ننگی تلواریں لیے خیمہ میں گھس آئے ستارہ نے نادر کو بیدار کیا اُسنے اپنا تبر سنبھالا ستارہ نے سینے سے خنجر نکالا اور دونوں میاں بیوی اپنے قاتلوں سے خوب لڑے مگر آخرکار قاتلوں نے انہیں مغلوب کرلیا اور دونوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے۔

اس وفادار راجپوت عورت نے نہایت بہادری اور وفاداری سے لڑتے ہوئے اپنے خاوند کے ساتھ جان دیدی۔

ہے عجب سیر اگر دیدۂ بینا دیکھے　　دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشا دیکھے

خاکسار
محمد فضل امین

جوگن

ہم اپنے دوست محمد احتشام الدین صاحب بی اے کی اس تازہ نظم کو جو اُنھوں نے خاص خاتون کے لیے لکھی ہے شائع کرتے ہیں۔ جوگن کا احوال بلکہ خود جوگن بجائے خود ایک معما اور پہیلی ہے جسکا حل کرنا علی الخصوص ناظرات خاتون کے لیے ایک دلچسپ مشغلہ ہوگا۔ جوگن کون ہے، کس دیس سے آئی ہے، وہاں کا راجہ کون ہے، اور اُسکی نورانی اور کالی دونوں آنکھیں کیا ہیں، اندھیر نگر اور جگمگ نگری سے کیا مراد ہو سکتی ہے، بچھی ہی ۔ سے کیسا ۔ ادلیجا سکتی ہے سات کروڑ گھر، نومن کا جل، علم کا دریا اور بید وغیرہ ان سب معموں کا صحیح حل جو خاتون تحریر کرینگی ہم اُسکو رسالہ خاتون میں شائع کرینگے۔

اڈیٹر

ہے [illegible] ملے پیاری، اور جوگیا بَر میں ہے ساری
اس دیس ہوا، یوں دل بھاری کس دیس سے آنا ہوا اے جوگن
کیوں سب سے موُنھ کو موڑ لیا، کیوں رشتۂ الفت توڑ لیا
کیوں جوگ یہ دنیا چھوڑ لیا، کیا دیکھا زمانہ اے جوگن
کس پی کے دوارے رہتی تھیں، کیا رنج والم وہاں سہتی تھیں
کیا ساس ننند کچھ کہتی تھیں، ہے کون گھرانا اے جوگن
کس راجہ جی کی رانی ہو، کیوں جنگل جنگل چھانی ہو
کیا من میں اپنے ٹھانی ہو، کس دیس ہے جانا اے جوگن
دن عیش کے تھے آرام نہیں، کی صبح جہاں وہاں شام نہیں

دُکھ درد سوا، کچھ کام نہیں یا۔ غم کا ترانا اے جوگن
کیوں موت سے پہلے مرتی ہو کس کارن بپتا بھرتی ہو
کیا دل کا کہنا کرتی ہو، ہے دل تو دوانا اے جوگن!
کیوں پیارا کاجل دہوتی ہیں کس غم میں انکھیاں روتی ہیں
کیوں دم دم گرتے موتی ہیں کیا کھویا خزانا اے جوگن
جنگل کی ہوا کیوں بھائی ہی کو کس کی دل سے لگائی ہی
کیوں خاک پہ دہونی رمائی ہی چھوڑا اوڑہنا کھانا اے جوگن
کیوں بستی سی من بھایا ہی کیوں جگ سے ہاتھ اٹھایا ہی
کیا پی کا پتہ کچھ پایا ہی؟ ہم کو بھی بتانا اے جوگن!
کیوں سونا رُوپا خاک ہوا، دل دنیا سے غمناک ہوا
کس غم میں یہ کُرتا چاک ہوا کہہ اپنا فسانا اے جوگن
سُن جوگن کچھ شرماتی ہی کچھ اُسکو حیا سی آتی ہے
پھر بین یہ ہاتھ بڑہاتی ہی، یُوں حمد خدا کی گاتی ہے
تعریف خدا کو ہی ساری کُل دنیا جسنے بنائی ہی
بن باکھے اور دیوار اَدہر یہ نیلی منڈہیا چھائی ہی
کیا سورج چندر تاروں کا یہ اندر جال بچھایا ہے
کل کیسی سب کی مروڑی ہی یہ عقل جہاں چکرائی ہی
الغاروں بادل بھیجے ہیں اور پربت مینھ برسایا ہے

کیا ناز کرشمہ کرتی اُتری وہاں سے گنگا مائی ہے

پتّی پھول پھل سب نیارے اچرج اُسکے کام ہیں سارے

من کی آنکھیں کھول کے پیارے دیکھ تو کیا چترائی ہے

لو! ندی نالے رستے ہیں، کیا گرمی نے جگ جیتے ہیں

مونھ کھولے شیر اور چیتے ہیں کیا موروں بیچ دُہائی ہے

تن کے رُوکھ کھڑے ہیں سوکھے چھوڑ گئے سب پتے روکھے

تپتی بُھو بَل جھوکے لُو کے بن میں آگ لگائی ہے

لو! چھینٹے دو ایک دیر پڑے ہیں پتے اوڑھے پیڑ کھڑے ہیں

اور بادل جیسے شیر لڑے ہیں برکھا کی رُت آئی ہے

پھر ندی نالے بہتے ہیں کچھ اپنی صدائیں کہتے ہیں

ہم اونچے پہاڑوں رہتے ہیں تقدیر بہا کر لائی ہے

لو! چلتے پانی جم کر ٹھیرے، اوترے سانپ بلوں میں گہرے

برکھا رُت کے بدلے پہرے جاڑوں کی بن آئی ہے

لمبی راتیں دن ہیں چھوٹے روئی میں دَبکے چھوٹے موٹے

بجتے بجتے دانت ہیں کھوٹے گھر میں برف جمائی ہے

جاں داری اُسکی قدرت کے دن رات تماشے ہوتے ہیں!

کچھ آنکھیں موندے دیکھتے ہیں کچھ دیدے کھولے سوتے ہیں!

کچھ حال نہ پوچھو جوگن کا ایک درد بھرا افسانا ہے
جس دیس میں وہ دن بھرتی ہے اس دیس کا راجہ کانا ہے
دو آنکھ نہیں جو دیکھے وہ دو آنکھ سے اپنی خلقت کو
اس بات سے پر یہ مت سمجھو انصاف کرے اور دانا ہے
گو ظاہر دونوں آنکھیں ہیں دو نیبو کی سی پھانکیں ہیں
ایک نور کی مانند چمکے ہے ایک جیسے کا جل خانا ہے
اس راجہ کی یہ رانی ہے اس آگ میں جنگل چھانی ہے
اس لاج سے پانی پانی ہے ایک آنکھ سے بالم کانا ہے
اس طعن سے جلتی چھاتی ہے اس دھن میں خاک اڑاتی ہے
اندھیر نگر سے آتی ہے اور جگمگ نگری جانا ہے
وہاں لچھمی جی کے محلوں پر دن رات دوالی ہوتی ہے
تقدیر اگر کچھ ساتھ کرے تو سہل مرادیں پانا ہے
دن کھوٹے ہیں ورنہ جوگن کی اور ساری جوانی خاک ہوئی
مٹی اوڑھنا مٹی بچھونا مٹی کا سرہانا ہے
ہر چوکھٹ بین بجائیگی کل رام کہانی گائے گی
گھر سات کروڑ یہ جائے گی کہ نومن کا جل لانا ہے
ایک علم کا دریا بہتا ہے، وہاں بید کنارے رہتا ہے
کل عالم اسکو کہتا ہے ہمدرد بڑا اور سیانا ہے

سب دُنیا چھوڑے جوگ رمائے نومن کا جل مانگ کے لائے
دُکھ کی دارو رانی پائے بید کا یہ فرمانا ہے
جب نومن کا جل پائے گا تب کانی آنکھ اُجالے گا
تو بوجھ کے مورکھ کیا لیگا! یہ جوگن کا افسانہ ہے!!

محمد احتشام الدین دہلوی

کرشمۂ فطرت

ہمارے دوست سید صغیر علی صاحب جنکا یہ پہلا مضمون خاتون میں درج کیا جاتا ہے علیگڈہ کالج کے ایک ممتاز گراجویٹ ہیں۔ اُنھوں نے چھوٹے چھوٹے بچوں اور بچیوں اور نیز مستورات کے فائدہ کے لیے جن میں سے اکثر ان باتوں سے ناواقف ہوتی ہیں یہ مضمون ہمکو عنایت کیا ہے جس میں روزمرہ کی پیش نظر چیزوں کی کیفیت بیان کی ہے۔ مثلاً ہوا کا چلنا، آندھی کا آنا، بادل مینھ، شبنم، وغیرہ کے اسباب نہایت سلیس طور پر سمجھائے گئے ہیں تاکہ ایک بچہ بھی اُسکو آسانی سے سمجھ جائے۔ ہمارے دوست نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ وہ آیندہ اس مفید مضمون کے سلسلہ کو جاری رکھینگے۔ جسکے لیے خاص طور پر ہم انکے مشکور ہیں۔

اڈیٹر

میں اُن چند ضروری باتوں کی بابت کچھ لکھنا چاہتا ہوں جنکو ہم روزمرہ دیکھتے ہیں، مگر اُنکے اسباب یا تو سرے سے ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتے۔ یا بعض حالتوں میں سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ یا وہی اسباب دل میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں جو غیر تعلیم یافتہ ماؤں اور جاہل مطلق دایاؤں نے بچپن میں کان میں ڈال دیے تھے۔ اس لیے گھروں میں بیٹھنے والی خاتونیں اور

چھوٹے بچے ہی ان اسباب سے ناواقف نہیں ہوتے، بلکہ خاصے پڑھے لکھے باہر کے پھرنے والے مرد بھی بے بہرہ ہوتے ہیں۔ کسی تعلیم یافتہ قوم کا ایک ایک بچہ ہمارے ہاں کے سن رسیدہ بزرگوں کو حیرت میں ڈال سکتا ہے۔ اور اصل میں دیکھیے تو وہ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک پانچ چھ برس کا بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔

سائنس و مذہب

اس کمی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معلوم نہیں کن بزرگوں کی مہربانی سے مسلمانوں میں یہ خیال عام طور سے پھیل گیا تھا۔ کہ سائنس (علم طبعی) مذہب کے خلاف ہے اور اس سے آدمی کافر اور بے ایمان ہوجاتا ہے اس لیے اس کی طرف متوجہ ہونا بھی سخت گناہ ہے۔ اور جس سے بغیر عذاب دوزخ کے چھٹکارا نہیں ہوسکتا۔ خدا جانے ان لوگوں نے سائنس کے کیا معنی لیے ہیں، اور اسکو ہوّا کیوں سمجھ رکھا ہے۔ سائنس کے تو اصلی معنی علم کے ہیں۔ خصوصاً اس علم کے جس سے خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی کچھ واقفیت ہوجائے۔ اس واقفیت سے خدا کی عظمت و شان کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ ان چیزوں کا پیدا کرنے والا ایک عجیب حکمت والا ہے دنیا کی چیزوں پر غور کرنے کا ذکر خود قرآن شریف میں کئی جگہ آیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے دنیا کی چیزوں کو تمہارے قبضے میں کر دیا ہے۔

علم خدا کے جاننے کا ذریعہ ہے

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ چیزیں ہمارے قبضہ میں نہیں ہیں۔ تو پھر کیا معنی ہوئے، مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسے قانون مقرر کر دیے ہیں جنکے موافق تمام چیزیں ہمیشہ عمل کرتی ہیں۔ اور وہ قانون انسانی زندگی کے لیے ایسے ضروری ہیں کہ انکے بغیر زندگی ناممکن ہے۔ تو گویا یہ تمام چیزیں انسان ہی کے لیے ہوئیں اور جب خاص انسانی زندگی کے لیے پیدا کی گئی ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ انسان کے تابع فرمان ہیں۔ اب اگر ان قانونوں پر غور نہ کیا جائے اور یہ نہ معلوم کیا جائے کہ کس حکمت سے وہ قانون ہماری زندگی کے لیے بنائے گئے ہیں تو خدا کے ایک بہت بڑے احسان اور اپنی زندگی کے ایک بہت بڑے جزو سے ہم بے خبر رہجائیں گے۔ سچ ہے کہ بے علم نتواں خدارا شناخت۔ یعنی بے علم آدمی خدا

کو نہیں پہچان سکتا۔ اب میں ان میں سے چند چیزوں کو لیتا ہوں، اور سب سے پہلے ہوا کو لیتا ہوں جو انسان اور حیوان کے لیے ایسی ضروری ہی کہ اگر چند لمحے نہ ملے تو جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔

ہوا کی نسبت بچپن کا گمان

ہوا کی عام صفتیں تو اکثر لوگوں کو معلوم ہیں مگر یہ ذرا کم لوگ جانتے ہیں کہ ہوا چلتی کیونکر ہی۔ بچپن میں جب پتنگ اڑانے کا شوق تھا اور ہوا کی تیزی کے سبب اڑانے کا موقع نہ ملتا تو یہ سوچا کرتا تھا کہ ہوا درختوں کے سبب چلا کرتی ہی۔ اگر آس پاس کے تمام درخت کٹوا دیے جائیں تو کیسا اچھا ہو پھر تو ہوا چلیگی نہیں اور ہر وقت پتنگ اڑانے کا موقع ملجایا کرے گا۔ بعض پرانے خیالات کے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ہوا پہاڑ کے ایک کھو میں بند رہتی ہی۔ جسوقت اللہ میاں کو ہوا چلانی منظور ہوتی ہی تو ایک فرشتے کو حکم دیتا ہی۔ وہ جا کر اس کھو کا مونھ کھول دیتا ہی۔ تو دنیا میں آندھی چلنے لگتی ہی اور جسوقت بند کرنے کا حکم ہو ہی فوراً بند کر دیتا ہی اور ہوا رک جاتی ہی۔ غرض اسی طرح کے بہت سے خیالات لوگوں میں مروج تھے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اُن کا اثر اب بھی کچھ نہ کچھ پایا جاتا ہی۔

ہوا کا چلنا

ہوا کے چلنے کا سبب ایک نہایت آسان طریقہ سے سمجھ میں آ جائیگا۔ ایک دیگچی میں تھوڑا سا پانی بھر کر چولھے پر رکھدو۔ کچھ دیر رکھا رہنے کے بعد پانی دیگچی میں بالکل ٹھہر جائیگا اب اسکے نیچے آگ جلا دو۔ پانی میں حرکت شروع ہو گی اور یہ حرکت اور زیادہ ہی ہوتی جائیگی نیچے کا پانی اوپر اور اوپر کا نیچے ہوتا ہوا نظر آئیگا۔ اور پانی اُبل کر یعنی پھیلکر تمام دیگچی میں بھر جائیگا یہ بھی دیکھنے میں آئیگا کہ پہلے نیچے کا پانی گرم ہو کر اوپر چڑھتا ہوا معلوم ہوگا اور اوپر کا پانی نیچے کی طرف آ جائیگا۔ وہ بھی گرم ہو کر اوپر کی طرف جائیگا۔ معلوم ہوا کہ گرم ہو کر پانی اوپر چڑھتا ہی اور اوپر کا پانی جو کم گرم ہی نیچے آ جاتا ہی۔ اور یہ ہم جانتے ہیں کہ کوئی چیز کسی دوسری چیز کے اوپر نہیں جا سکتی اور نہ وہاں ٹھہر سکتی ہی جب تک کہ پہلی چیز دوسری چیز سے ہلکی نہو۔ چنانچہ ایک لکڑی کا ٹکڑا پانی پر تیرتا رہتا ہے اور اگر اُسکو پانی کی سطح سے نیچے بھی چھوڑا جائے تب بھی

وہ اوپر ہی آجائیگا۔ برخلاف اسکے پتھر کا ٹکڑا ہمیشہ ڈوب جائیگا۔ وجہ یہ ہی کہ لکڑی پانی سے ہلکی ہی اور پتھر بھاری ہی۔ اس سے تین باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ گرمی سے پانی پھیلتا ہی دوسرے پھیل جانے کے باعث ہلکا ہوجاتا ہی۔ تیسرے ہلکا ہونے کے سبب اوپر چڑھتا ہی۔ پانی میں جو دیگچی کے اندر آگ پر رکھا ہوا ہی یہ تلاطم کیوں ہوا اور یہ حرکت کیوں پیدا ہوئی۔ صرف آگ کی وجہ سے۔ بعینہٖ یہی حال ہوا کا ہی۔

بعض جگہ سورج کی گرمی زیادہ ہوتی ہی اور بعض جگہ کم۔ جہاں کہیں زیادہ ہوتی ہی وہاں کی زمین گرم ہوجاتی ہی اور اسکے آس پاس کی ہوا بھی اسکے ساتھ گرم ہوتی ہی۔ ہوا جب گرم ہوئی تو پھیلے گی۔ اور جب پھیلے گی تو ہلکی ہوجائے گی اور جب ہلکی ہوگی تو اوپر کی طرف چڑھیگی۔ جسوقت نیچے کی ہوا اوپر جائیگی تو اوپر کی ہوا جو کم گرم ہی اور نیچے کی ہوا کی نسبت زیادہ بھاری ہی۔ نیچے آجائیگی۔ یہی اُلٹ پھیر ہوتا رہتا ہی۔ یہانتک کہ اس حصہ ملک کی ہوا تمام گرم ہوجاتی ہی۔ وہ ہوا اور اوپر چڑھتی ہی تو آس پاس کے حصوں سے ہوا اس پہلے حصہ میں آنی شروع ہوتی ہی۔ اور پہلے حصہ کی ہوا اور حصوں میں چلی جاتی ہی اس طرح سے ہوا میں حرکت پیدا ہوجاتی ہی۔ اسی کو ہوا کا چلنا کہتے ہیں۔

آندہی جب گرمی بہت زیادہ پڑتی ہی۔ تو ہوا کی حرکت بھی بہت تیز ہوتی ہی اسکو آندہی کہتے ہیں۔ گرمیوں میں آندہی کے ساتھ ریت بھی ہوتی ہی جس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ ہوا کسی ایسے حصے سے آئی ہی جو بہت ریتلا ہی۔ ہندوستان میں ریتلا حصہ کونسا ہی وہ راجپوتانہ۔ بیکانیر اور مارواڑ ہی۔ وہاں پانی کم ہونے کی وجہ سے گرمی زیادہ پڑتی ہی اسلیے پہلے ہوا کا چلنا وہیں سے شروع ہوتا ہی کیونکہ وہیں کی ہوا بہت گرم ہوگی اور وہ اوپر چڑھیگی اور پھر اور حصوں میں پھیل جائیگی۔ اس سے ہماری طرف آندہی آتی ہی۔

آندہی کا فائدہ آندہی سے اگرچہ تکلیف تو ہوتی ہی۔ مگر یہ بھی خالی از فائدہ نہیں۔ چیزوں کے گلنے سڑنے سے ہوا خراب ہوجاتی ہی اسکو آندہی اُڑا کر لیجاتی ہے۔ اور غلیظ ہوا کے

بجائے صاف ہوا چھوڑ جاتی ہے۔ آندھی کے بعد ہوا نہایت ہلکی اور خوشگوار ہوجاتی ہے۔

ابر یا بادل — پہلے کی طرح پھر ایک دیگچی میں پانی بھر کر چولھے پر رکھو۔ اور نیچے آگ جلاؤ۔ جب پانی خوب گرم ہوجائے تو چینی ڈھک دو۔ تھوڑی دیر میں چینی پلٹ کر دیکھو تو اسپر پانی کی بوندیں نظر آئیں گی۔ دیگچی کا پانی تو چینی تک آیا نہیں ہے صرف بھاپ اُٹھ اُٹھ کر چینی تک آتی رہی ہے۔ اور یہی بھاپ چینی سے چھو کر اسپر بوندیں بنگئی ہے۔ اسکا سبب یہ ہے کہ وہ بھاپ اصل میں پانی ہی ہوتی ہے۔ آگ کی گرمی کے سبب اس کی صورت بدل جاتی ہے۔ اور جب وہ بھاپ اپنے سے کم گرم چیز سے ٹکراتی ہے تو پھر پانی کی صورت میں آجاتی ہے۔

سورج کی گرمی سے زمین اور سمندر دونوں جگہوں کی ہوا گرم ہوجاتی ہے۔ سمندر کا پانی بھی گرمی کی وجہ سے بھاپ بنکر ہوا میں ملتا رہتا ہے۔ مگر مٹی پانی کی نسبت زیادہ اور جلد گرم ہوجاتی ہے اس لیے پہلے زمین کی ہوا گرم ہوکر اوپر چڑھتی ہے۔ اس کی جگہ لینے کو سمندر کے بخارات سے بھری ہوئی ہوا آجاتی ہے۔ جب سمندر کی ہوا کی جگہ خالی ہوئی۔ تو زمین کی ہوا جو اوپر چڑھ چکی ہے۔ وہاں چلی جاتی ہے۔ زمین کی ہوا گرم ہو ہوکر اوپر چڑھتی رہتی ہے۔ اور سمندر سے ہوا اس کی جگہ آتی رہتی ہے۔ زمین کی ہوا اوپر چڑھکر سمندر کی طرف چلی جاتی ہے

مون سون — غرض یہی ہوتا رہتا ہے کہ زمین کی خشک ہوا سمندر کی طرف جاتی ہے اور سمندر کے بخارات سے لبریز ہوا زمین کی طرف آجاتی ہے۔ اسی ہوا کا نام مون سون یعنی بارش کی ہوا ہے یہ ہوا بھی گرمی کی وجہ سے اوپر چڑھتی رہتی ہے۔

جب اوپر چڑھتے چڑھتے ایسے مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں ذرا زیادہ ٹھنڈ ہوتی ہے تو اس ہوا کے بخارات پھر پانی کی صورت میں آجاتے ہیں۔ اول اول نہایت چھوٹے چھوٹے قطرے ہوتے ہیں اور آسمان پر دھوئیں کی سی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی کا نام بادل ہے۔ بچپن میں سُنا کرتے تھے کہ بادل سمندر سے پانی پیکر آیا کرتے ہیں۔ اور بعض بزرگ جو حج کر آتے تھے اور سمندر اور اُسکے عجائبات کا حال فخریہ بیان کرتے تھے

وہ اور عجائبات کے علاوہ یہ بھی بیان کیا کرتے تھے کہ ہم نے بادلوں کو سمندر میں پانی پیتے ہوئے دیکھا ہی۔ ہمیں بھی بڑا شوق ہوتا تھا کہ کسی طرح بادلوں کو پانی پیتے ہوئے دیکھیں۔ مگر اب معلوم ہوا کہ اُن کو دیکھنے کے لیے اگر یہ سفر اختیار کرتے تو نہایت ہی مایوسی ہوتی۔

بادلوں کا سمندر سے پانی لانا

غالباً ان بزرگوں نے سمندر کی سطح سے اوپر تک بخارات کا سلسلہ دیکھا ہوگا۔ اور سمجھے ہونگے کہ بادل بمبئی تک اُنکے ساتھ ساتھ آئے ہیں اور سمندر میں سے پانی بھر کر واپس چلے جائینگے۔ اگر کسی تعلیم یافتہ قوم کا کوئی شخص یہ سنے تو ہنسی کے مارے پھڑک جائے مگر خیر اب تو نہ وہ حج کے لیے مہینوں کا سفر ہی اور نہ بادلوں کو صرف بمبئی کے راستے سمندر میں سے پانی پینے کے لیے آنے کی ضرورت۔ کبھی بادل سمندر سے بمبئی اور کراچی کے راستے اور کبھی مدراس و کلکتہ کے راستے ہندوستان میں اگر خود پانی پینے کے بجائے اور جانداروں کی پیاس بجھا دیتے ہیں۔ دھوئیں کی صورت میں جو ننھے ننھے پانی کے قطرے ہوتے ہیں اور جنکو ہم بادل کہتے ہیں وہ اتنے ہلکے ہوتے ہیں کہ ہوا اُن کو سہارے رہتی ہی اور اِدھر اُدھر لیے پھرتی ہی مگر جب ہوا کے سبب ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، تو بڑے بڑے اور بھاری ہو جاتے ہیں۔ اسوقت ہوا اُن کو نہیں سہار سکتی اور وہ نیچے گرنے لگتے ہیں۔ اسی کا نام مینھ ہی۔ جسوقت بادلوں کا پانی زمین کی طرف گرنے لگتا ہی تو بہت بڑے بڑے ٹکڑوں کی صورت میں ہوتا ہی۔ مگر وہاں سے زمین تک آتے آتے ہوا سے ٹکرانے کی وجہ سے اُن ٹکڑوں کے کونے الگ ہوتے رہتے ہیں اور زمین پر چھوٹے اور گول صورت کے ہو کر گرتے ہیں۔ بارش بھی آندھی کی طرح ہوا کی غلاظت کو صاف کرتی ہی۔ اسکا پانی صاف اور ہلکا ہونے کی وجہ سے صحت کے لیے مفید ہی۔

یہ سبب جو اوپر بیان ہوا۔ اُس بارش کا ہی جو گرمی کے بعد ہوتی ہی۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ سردی کے موسم میں تو گرمی ہوتی نہیں جس سے بخارات بنیں تو پھر سردی میں بارش کیونکر ہوتی ہی۔ اس کی وجہ بھی بیان کرتا ہوں۔

ہوا میں ہر وقت بخارات موجود رہتے ہیں

شیشے کے گلاس میں برف بھر کر رکھو۔ تھوڑی دیر میں گلاس کے باہر کی طرف پانی کے قطرے نظر آئیں گے۔ گلاس میں سوراخ تو ہیں ہی نہیں اسلیے اندر کی طرف سے تو باہر پانی آنہیں سکتا۔ کہیں اور سے ہی آیا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوا میں ہر وقت کچھ نہ کچھ پانی کے بخارات موجود رہتے ہیں۔ وہ ہوا جب ٹھنڈے گلاس سے چھو جاتی ہے تو اس میں جو بخارات ہیں وہ سردی پاکر پھر پانی کی صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

اسی اصول کے موافق سردی کے موسم میں بھی بارش ہوتی ہے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ زمین سمندر کی نسبت جلد اور زیادہ گرم ہو جاتی ہے مگر قاعدہ ہے کہ جو چیز جلد گرم ہوتی ہے وہ جلد سرد بھی ہو جاتی ہے۔ اسلیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سمندر میں زمین کی نسبت گرمی دیر تک رہتی ہے۔ سردی کے موسم میں بھی آفتاب کی گرمی سے زمین و سمندر، دونوں جگہ کچھ نہ کچھ گرم ہو جاتی ہیں۔ مگر رات کیوقت وہ گرمی زمین سے جلد نکلجاتی ہے اور سمندر میں قائم رہتی ہے۔ اس لیے پہلے سمندر کی ہوا گرم ہوکر اوپر چڑھیگی۔ اور زمین کی ہوا سمندر کی طرف جائیگی۔ اس کی جگہ سمندر کی اوپر چڑھی ہوئی

مہاوٹ

ہوا جس میں پانی کے بخارات شامل ہیں زمین کی طرف آئیگی۔ اور پھر پہلے کی طرح اوپر جاکر بخارات پانی کی صورت میں تبدیل ہو جائینگے۔ اسی طرح ابر و بادل بنیں گے اور اسی اصول کے موافق بارش ہوگی۔ مگر چونکہ سردی کے موسم میں حرارت کم ہوتی ہے۔ اسلیے بخارات کم بنتے ہیں اور برسات بھی بارش کی نسبت کم ہوتی ہے۔

یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ سردی کے موسم میں گرج۔ چمک زیادہ ہوتی ہے۔ اسکا سبب آیندہ پرچے میں لکھوں گا۔

بادل کی بلندی

بادل زمین سے کچھ بہت زیادہ بلندی پر نہیں بنتے ہیں۔ حد سے حد ڈیڑھ میل اونچے ہوتے ہیں۔ بعض وقت تو آدھ میل کے قریب ہی ہوتے ہیں۔ شملے اور اور پہاڑوں پر اکثر مکانوں کی بلندی سے بھی کم اونچے ہوتے ہیں۔ بعض وقت ہوا کے ساتھ مکان کے اندر آجاتے ہیں۔ اسوقت مکان میں ایک دھواں سا بھر جاتا ہے۔ جس چیز سے وہ چھو جاتے ہیں اسپر پانی کے

قطرے نظر آنے لگتے ہیں۔

شبنم — آفتاب کی گرمی سے دن کے وقت دریاؤں۔ ندی۔ نالوں کا پانی بخارات بن کر اڑتا رہتا ہے۔ اس میں سے کچھ بخارات تو اِدھر اُدھر پھیل جاتے ہیں اور کچھ زمین کے قریب کی ہوا میں ملے ہوئے رہجاتے ہیں۔ یہ بخارات ہوا کے ساتھ رات کے وقت جب کسی سرد چیز سے ملتے ہیں تو پھر پانی کی صورت میں آجاتے ہیں۔ جس طرح کہ گلاس کے باہر کی طرف پانی کے قطرے نمودار ہوجاتے ہیں پس ٹھنڈی چیزوں پر پانی کے قطرے پڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی کا نام شبنم ہے۔

تیز ہوا میں شبنم نہیں پڑتی — جب کبھی تیز ہوا چلتی ہوئی ہوتی ہے تو اُس رات کو شبنم نہیں پڑتی۔ اسکا سبب یہ ہے کہ وہ تیز ہوا زمین کے قریب کے بخارات کو اِدھر اُدھر اڑا کر لیجاتی ہے۔ جب بخارات ہی نہیں رہے تو شبنم کیسے پڑ سکتی ہے۔ جس رات کو ابر ہو جب بھی شبنم نہیں پڑیگی۔

ابر کی موجودگی میں شبنم نہیں پڑتی — اس کی وجہ یہ ہے کہ ابر بخارات کو زیادہ اوپر نہیں جانے دیتا۔ تمام بخارات زمین کے قریب ہی رہتے ہیں۔ ان کے سبب سے گرمی زیادہ ہوتی ہے اور آس پاس کی چیزیں زیادہ سرد نہیں ہونے پاتی ہیں۔ اُن چیزوں میں اُتنی ہی حرارت باقی رہتی ہے جتنی بخارات میں ہے۔ اس صورت میں بخارات نہ اپنے سے زیادہ سرد چیزیں پائینگے نہ پانی کی صورت میں تبدیل ہونگے۔

درختوں کے نیچے شبنم نہیں پڑتی — اگر کوئی چیز درخت کے نیچے ہو تو اُسپر شبنم ظاہر نہیں ہوتی۔ ناواقف اسکا سبب یہ بتلائینگے کہ شبنم اوپر کی طرف سے گرتی ہے۔ اور درخت اُسکو روک دیتا ہے یہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ شبنم مینھ کی طرح تو اوپر سے گرتی ہی نہیں ہے بلکہ ہمارے ہر طرف ہوا میں جو بخارات ملے ہوئے ہیں وہی اپنے سے زیادہ سرد چیزوں کو چھو کر اُنکے اوپر پانی کے قطرہ میں ظاہر ہوجاتے ہیں۔

درخت کے نیچے شبنم نہ پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ درخت اُن چیزوں کی گرمی کو جو اسکے نیچے ہیں

نکلنے نہیں دیتا۔ اسلیے وہ چیزیں بخارات کی نسبت زیادہ سرد نہیں ہونے پاتی ہیں۔ اور جب وہ چیزیں زیادہ سرد نہیں ہوتی ہیں تو بخارات بھی اُنسے چھوکر پانی نہیں بنتے اور شبنم ظاہر نہیں ہوتی۔

شبنم بھی خالی از فائدہ نہیں ہے۔ یہ زراعت کے لیے ایسی ہی مفید ہے جیسی ایک ہلکی بارش۔ اولے۔ برف۔ یخ۔ بجلی۔ گرج۔ کہر وغیرہ کی بابت آیندہ پرچے میں لکھونگا۔

سید صغیر علی بی اے
علی گڈھ کالج

ہماری تعلیم

اس عنوان سے مسز عون علی صاحبہ کا مضمون نیچے درج کیا جاتا ہے۔ اُن کے اس بیان سے کسقدر افسوس ہوتا ہے کہ شریف گھرانوں کی بہو بیٹیاں نماز پڑھنی بھی ٹھیک طرح سے نہیں جانتیں۔ اگر مسز عون علی صاحبہ جیسی لائق اور روشنخیال بیویاں ہماری قوم میں موجود ہیں تو موجودہ حالت پر رنج اور افسوس کرنے کے بعد امید ڈھارس بندھاتی ہے۔ کاش جس طرح ہماری معزز بیگم صاحبہ خاتون اور تہذیب نسواں میں لکھنے کے علاوہ اپنے مقام سکونت وانتر میں لڑکیوں کی تعلیم کی اشاعت کے لیے دم درم قدم اور قلم سے مدد کرتی ہیں اور اپنے دائرہ اثر کو وسیع کرتی جاتی ہیں۔ اسی طرح اور بھی لکھنے والی بیبیاں اپنی اپنی جگہ یہی کریں تو بہت سی مشکلیں پل کے پل میں آسان ہوجائیں۔

ہم جناب مسز عون علی صاحبہ کا مضمون نہایت شکریہ کے ساتھ درج خاتون کرتے ہیں اور اُنسے متوقع ہیں کہ وہ گوالیار میں اپنے کوششوں کو جاری رکھیں گی اور کسی وقت اُن کوششوں کے نتیجہ کو خوشخبری بناکر سنائیں گی۔ اس خاص تعلق سے کہ ہمارے مرحوم مگر زندہ نام محسن نواب محسن الملک بہادر کی آپ قریبی عزیز ہیں، ہمیں اس امید کے پورے

ہونے کی آرزو کا حق بھی حاصل ہے۔

ایڈیٹر

زمانہ حال میں جو کچھ ترقی کہ ہندوستانیوں نے کی ہے اور اُن میں علمی روشنی بھیل رہی اگر غور سے دیکھا جائے تو اس ترقی کی بانی تعلیم نسواں نظر آتی ہے جبتک ہم لوگوں کو تعلیم نہیں دیجاتی تھی اسوقت تک ہندوستانیوں میں ایسی ترقی کہاں تھی جیسی کہ آجکل کر رہے ہیں۔ اظہر من الشمس ہے کہ جو قوم ترقی کرنا چاہتی ہے اسکا فرض ہے کہ تعلیم نسواں کی طرف بھی خیال کرے باوجودیکہ اکثر نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ تعلیم نسواں کا ہونا ضروری ہے لیکن افسوس ہے کہ ابتک بھی بہت لوگ ایسے خود میرے ہی خاندان میں موجود ہیں جو کہ تعلیم نسواں کی سخت مخالفت کرتے ہیں مستورات کو علم اور تہذیب سے محروم رکھتے ہیں۔ ہمارے لکھانے پڑھانے کو بدعت و خطا سمجھتے ہیں۔ اور اکثر افراد قوم جو لوگ کہ لکیر کے فقیر ہیں اُن کا یہ سوال اور خیال ہے کہ ہمارے بزرگوں کے وقت میں مستورات کو کیوں نہیں تعلیم دیگئی اگر انکے حق میں اچھی ہوتی تو ہمارے بزرگان قوم اسکو ضرور جائز رکھتے۔

یہ لوگ یہ تو کہہ نہیں سکتے ہیں کہ اسلامی شرع و دہرم شاستر کی رو سے تعلیم ناجائز ہے کیونکہ اگر شرع سے ناجائز ہوتی تو اسلام کی وہ عورتیں جو مقدسہ سمجھی جاتی ہیں اور جو واقعی اس قابل ہیں کہ اُنکے نقش قدم پر چلنا چاہیے اور اُنکے چال وچلن و تہذیب کا نمونہ ہم سب کا دستور العمل بنے علم و فضل سے محروم نہ تھیں۔ ہم کو اس متبرک حدیث سے ہی کتنا فخر ہے جو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے فرمائی تھی کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اسکے علاوہ قرآن مجید میں ہر جگہ مرد اور عورت دونوں کے نام ساتھ ساتھ آئے ہیں۔

جن باتوں کی مردوں کو ممانعت ہے عورتوں کو بھی ہے لیکن افسوس ہے کہ ہم علوم عقلی تو درکنار دینی تعلیم سے بھی محروم رکھے جاتے ہیں جسکا قابل افسوس نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنے فرائض منصبی

کو بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے ہیں اہل اسلام میں تعلیم نسواں کا رواج اسوجہ سے کم ہوگیا کہ وہ عروج حاصل کرنے میں رفتہ رفتہ کاہل ہوگئے اور عیش و آرام میں پڑ گئے عورتوں کی تعلیم کا خیال نہیں رہا یہانتک کہ تھوڑے عرصہ میں اسکو معیوب سمجھنے لگے۔

چنانچہ اب بھی باوجود تعلیم نسواں میں اتنی ترقی ہونے کے مستورات کا یہ حال ہی جسکو مجھے لکھتے ہوے شرم آتی ہی کہ اہل اسلام کی شریف زادیاں اب تماز بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتی ہیں یا ایک وہ زمانہ تھا کہ بڑے بڑے بزرگان قوم اُنسے ہرامر میں مشورہ کرتے تھے اور انسے علم بھی حاصل کرتے تھے۔ ہمارے اسلام میں تو ایسی ایسی عالمہ و فاضلہ بیبیاں ہوگئی ہیں کہ جنسے ابتک ہم لوگوں کو فخر حاصل ہی۔ یہاں پر اگر دہرم شاستر سے کی رو سے دیکھا جاے تو جہانتک مجھے علم ہے اہل ہنود میں بھی بہت سی بیبیاں ایسی گزر چکی ہیں جنکا ثانی ملنا دشوار ہی میری بہت سی بہنیں جانتی ہونگی کہ منترجی جو باگ ولک رہشی کی بی بی ایسی عالم تہیں کہ آجتک مشہور ہیں۔ مہاراجہ دہرم تراشت کی استری گندہاری جی ایسی قابل تہیں کہ بیاس جی جیسے عالم سے علمی بحث ہوا کرتی تہی لیلاوتی کے نام سے کون فرد بشر واقف نہیں ہی وہ حساب ایسا اچھا جانتی تہیں کہ اچھے اچھے محاسب اُن کو مانتے تھے۔ راجہ بھوج کے عہد حکومت میں ودیا دہوتی جی مدارس نسواں کی معلمہ مقرر ہوئی تہیں۔ راجہ بھوج کی صاحبزادی نے راجہ پرتہی راج کے نام اپنے ہاتھ سے خط لکھکر بھیجا تہا اگر تعلیم نسواں خلاف دہرم شاستر کے ہوتی تو ایسے ایسے لوگ اسکو کب جائز رکھتے۔

میرے ناقص خیال میں یہ آتا ہی کہ تعلیم نسواں ہندوستان میں اسوجہ سے بری سمجھی جاتی ہے کہ اگر عورتیں تعلیم یافتہ و مہذب ہوجائینگی تو ان کو ناقص العقل ناقص الدین دوزخ میں جانے والیاں کیونکر کہہ سکینگے کیونکہ بیچاریاں بحالت موجودہ جہالت سے جواب نہیں دیسکتی ہیں اسلیے خود ہم کو بھی یقین آجاتا ہی کہ شاید ہم ایسے ہی ہونگے۔ اگر مرد تعلیم دلوائیں تو مقابلہ کرکے ثابت کردیں کہ ہم ہرگز ناقص العقل نہیں ہیں اگر خداوند عالم عورتوں کو ناقص العقل بناتا تو لڑکیاں ایسی ترقی نکرتیں

جیسی کہ انہوں نے زمانہ حال میں کی ہی۔ تجربہ سے معلوم ہوتا ہی کہ عورتیں مردوں سے ذہن و ذکاوت میں کسی طرح کم نہیں ہیں۔ بس بڑی وجہ تو ہم کو تعلیم سے محروم رکھنے کی یہ ہی کہ اگر تعلیم یافتہ ہوجائینگے تو پھر اپنے حقوق طلب کرینگے جنسے کہ ابتک ناواقف ہیں چونکہ جہالت اور غفلت کا پردہ ابتک ہماری آنکھ سے نہیں اُٹھا ہی جو کہ کالی گھٹا کی طرح چھایا ہوا ہی اسلیے ہمکو نیک و بد کچھ نظر نہیں آتا ہی اور یہ پردہ اُسی وقت دور ہوگا جبکہ ہمکو علم کی روشنی نصیب ہوگی پس ہم کو تعلیم میں دلچسپی لینی چاہیے اور ایسی کوشش کرنی چاہیے جس سے کم عقلی وغیرہ کی تہمتیں جو ہم پر لگائی جاتی ہیں مٹ جائیں۔

اسکے علاوہ اکثر ہم لوگ نظر حقارت سے دیکھے جاتے ہیں۔ مستورات جانوروں سے بدتر ہیں کیونکہ مرد جانوروں کو ہمارے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں۔ ہم اُن کی نظروں میں کوڑہ سے بدتر ہیں جاہل اَن پڑہ کا تمغہ مل چکا ہی لیکن تعجب ہے کہ ہم اسپر قناعت کرتے ہیں حالانکہ یہ بالکل بھونڈی قناعت ہی اسلیے جلد تعلیم کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور اتنی استعداد پیدا کرلینی چاہیے کہ اپنے بھلے بُرے میں تمیز کرسکیں۔ خدائے پاک نے تو مرد عورت دونوں کے حقوق برابر رکھے ہیں۔ جس بات کی تاکید مردوں کو ہی عورتوں کو بھی ہی۔

اسکے علاوہ خداوند عالم نے تو عورتوں کو بھی فضیلت بخشی ہی حضرت فاطمہؑ و حضرت مریمؑ علیہما السلام کے لیے کیسی کیسی آیتیں نازل ہوئی ہیں، آسیہ اگرچہ زن فرعون تھی لیکن اسکا کیسا مرتبہ ہوا ہی۔

لیکن بڑے افسوس کی بات ہی کہ حقوق ملنا تو جدا ہم کو تو یہ بھی نہیں بتلایا جاتا ہی کہ توبہ توبہ معاذ اللہ خدا کیا چیز ہے اور نہ ہم اپنے حقوق معلوم کرسکتے ہیں کیونکہ علم کی ہوا بھی نہیں لگی ہے مستورات کے تعلیم یافتہ ہونے سے کیا ہماری قوم کو فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر عورت تعلیم یافتہ ہوگی تو اپنے فرائض منصبی کو اچھی طرح ادا کریگی۔ شوہر کے حقوق پر نظر رکھے گی۔ اسکے علاوہ اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم بہت عمدہ دیگی۔ اخلاق سکھلائے گی اچھی اچھی باتیں بتائے گی

کیونکہ دس بارہ سال تک تو عموماً بچے ماں کے پاس پرورش پاتے ہیں اسکے عادات واطوار بچے کے دل و دماغ ورگ وریشہ میں اثر کرجاتے ہیں اسکے خون میں ملجاتے ہیں اس لیے ناقص العقلی کی بوان میں اثر کرجاتی ہے اور یہ سب باتیں مرد عورتوں ہی سے سیکھتے ہیں دودہ کا اثر تو انسان پر ضرور پڑتا ہے۔ پس معلوم نہیں کہ مرد کہاں سے عقلمند ہوجاتے ہیں۔

پس اگر مائیں تعلیم یافتہ ہوں تو جس قدر بچپن میں بچے عمدہ تعلیم وتہذیب اس سے پاسکتے ہیں وہ کسی طرح دوسرا نہیں دلیسکتا ہے۔ بچپن میں لڑکے اور لڑکیاں ساتھ کھیلتے ہیں تو اُن میں اتنا فرق نہیں معلوم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ مرد علم سے آراستہ ہوکر عالم وفاضل ہوجاتے ہیں اور لڑکیاں گڑیا گڈے کے کھیل میں بالکل جاہل رہجاتی ہیں اس لیے وہ ناقص العقل کہلائی جاتی ہیں۔

خاکسار کے ناقص خیال میں آتا ہے کہ ہرایک گھر میں کم سے کم لڑکیوں کو اخلاق کی کتابیں کفایت شعاری کے رسالے تہذیب نسواں خاتون مطالعہ کرانا چاہیے مذہبی معقول کتابیں پڑہانی چاہیے۔ حساب میں ضرب تقسیم اربعہ تک سکھلانا ضروری اسکے علاوہ گھر کا روزمرہ کا خرچ لکھنا بتانا لازم ہے۔ کیونکہ مستورات میں اتنی استعداد تو ہو کہ اپنے گلاب کے پھولوں کو اُردو ہندی کی کتابیں پڑہا سکیں۔ ضروری مسئلے مسائل بتلائیں اگر مرد توجہ کرینگے تو چاہے کیسی ہی عورت ہو پانچ چھ سال کی تعلیم سے یہ سب بآسانی سیکھ سکتی ہے۔

اسکے علاوہ یہ کتنا بڑا فائدہ ہے کہ اگر عورتیں پڑہی لکھی ہوں تو اپنے شوہروں کو کہیں زیادہ خوش رکھینگی انکے بھلے بُرے کو تمیز کرسکینگی۔ ناخواندہ عورت دوست جاہل ہے اور تعلیم یافتہ بی بی مونس دانا ہے۔

علاوہ بریں پڑہی لکھی عورتیں انتظام خانہ داری کو اس خوبی سے کرسکتی ہیں جس طرح کہ ایک عقلمند بادشاہ اپنی ریاست کا انتظام کرتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو خانہ داری کا کام بھی ایک چھوٹی سی ریاست ہے جسکا بادشاہ تو مرد ہے اور عورت وزیر ہے اور اس کام کو

وہی عورت خوبی سے انجام دیسکتی ہے جو تعلیم یافتہ ہو جس طرح بغیر عاقل وزیر کے ریاست کے کاروبار مین شکل ہو جاتی ہے اسی طرح اگر عورت تعلیم یافتہ نہو تو گھر میں کھٹ پٹی رہتی ہے بیشک خوش قسمت ہیں وہ لڑکے اور لڑکیاں جنکو علم کی لازوال دولت و روشنی نصیب ہوئی ہے۔

راقمہ عاجزہ
مسز عون علی

لنڈن کی سوسائٹی

جنکے نام نامی سے یہ مضمون چھپتا ہے اُن کے نام اور کارہائے نمایاں، علم و فضل، خاندانی شرافت اور اعزاز سے خاتون کی سب بہنیں آشنا ہیں۔ اُن کی شہرت ہندوستان سے باہر ممالک یوروپ میں بھی ہے جہاں مدتوں اُنھوں نے تعلیم اور سیر تفریح میں گزاری ہے۔ ان کی مفید کوششوں کو مختلف مقامات پر احسان ہے۔ حال ہی میں بمبئی میں ایک لڑکیوں کا مدرسہ کھُلا ہے جو اُن کی توجہ اور کوشش کا نتیجہ ہے جسکا ہم کسی وقت علیحدہ ذکر کرینگے۔

مضمون کے متعلق یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ یہ انکے مدتوں کے ذاتی مشاہدہ اور غور کا نتیجہ ہے اور جو مواقع اُن کو یوروپ اور خصوصاً لنڈن کی اعلیٰ سے اعلیٰ سوسائٹیوں کے دیکھنے کے ملے ہیں بہت کم کسی ہندوستانی بیگم کو ملے ہیں۔ انکے ذاتی اور مبصرانہ مشاہدوں کا خیال کرکے بہت سی پرشوق طبیعتیں چاہینگی کہ وہ یوروپین سوسائٹی پر سلسلہ وار مضامین لکھیں۔ جو اُردو زنانہ لٹریچر میں ضرور ایک جدید اور مفید اضافہ اور نہایت دلچسپ ثابت ہونگے۔ یہ مضمون اصل میں انگریزی تھا اسلیے کہ عطیہ بیگم صاحبہ ان خیالات کو بآسانی اُردو میں نہیں بیان کرسکتی تھیں۔ اڈیٹر

(۱) گزشتہ صدی میں اس قدر انقلابات اور عجیب و غریب ترقیاں ہوئی ہیں کہ یہ تصور کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے کہ نئی صدی بھی اُسی قدر باامتیاز ہوگی۔ وہ بڑے انقلابات جنہوں نے انگریزوں کے طرز معاشرت کو اس قدر بدل دیا ہے گزشتہ صدی کے آخری نصف حصہ میں ہوئے ہیں ورنہ پہلا نصف حصہ تقریباً اتنا ہی بے امتیاز تھا جس قدر اسکا ماقبل۔ انقلابات تو ہمیشہ ہوتے رہینگے۔ ضرور ہونگے۔ مگر وہ معاشرت میں ایسی پوری کایا پلٹ نہیں کرسکتے جیسی کہ ان دو باتوں نے کی ہے۔ جنہوں نے معاشرت کی تمام حالتوں کو بدل دیا ہے اور وہ دو باتیں کیا ہیں؟ تبادلہ خیالات میں زیادہ آسانیاں پیدا ہونا اور عورتوں کا غلامی سے آزادی کے درجہ پر پہنچنا۔ مذکورہ آسانیوں میں اور بھی ترقیاں ہونگی جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ سوسائٹی اور اُسکے تمام اغراض زیادہ وسیع ہوجائینگے اور قوم کا ہر جزو قومی زندگی میں حصہ لینے اور مشارکت کے قابل ہوجائیگا۔

(۲) گزشتہ صدی کے انقلابات نے ہر قوم کی جماعت پر اثر کیا ہے لیکن انکا اثر سب سے زیادہ اور وسیع تر عورتوں کے فرقہ پر ہوا ہے۔ اُن میں سے بہت سوں کی امور معاشرت کی ایسی رائیں پیدا ہوگئی ہیں جو اس فرقہ کی زیادہ بڑے حصہ کی رائیں نہیں ہیں۔ عورتوں کی خودمختاری تقریباً کامل معلوم ہوتی ہے اور جو آزادی اُن کو اپنے مشاغل اور روزانہ زندگی کے امور میں حاصل ہے اُس میں مشکل ہی سے کسی زیادتی کے مطالبہ کی گنجایش ہے۔ اُن کے دھندھوں اور دل بہلاؤں کی کوئی حد نہیں۔ اُن کے مشاغل میں کوئی روک نہیں۔ گزشتہ زمانہ کی تحفظانہ رعایتوں کی حاجت نہیں اور وہ مخالطت اور ملاطفت جو عورتوں اور مردوں کے درمیان پیدا ہے اُس نے نگہداشت یا دباؤ کی ضرورت کو رفع کردیا ہے۔ نشاط و انبساط۔ عیش و آرام کی انتہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہنچ گئی ہے۔ روزانہ زندگی کے ہر کام میں ذاتی آرام کا شوق متحرک ہے۔ گرانبہا لباس پہنتی ہیں، اِسراف سے زندگی بسر کرتی ہیں۔ لیکن اسکے ساتھ ہی ایک گہرا خیال اور احساس ذمہ داری کا اور بھلائی کرنے کا، ایک پُرجوش شوق محتاج اور بیکسوں کی دردمندی اور تکالیف رفع کرنے کا بھی ہے۔ وہاں کے تمدن کی آجکل ایک بڑی اور نمایاں شکل انسانی ہمدردی ہے اور ہم وہاں وہ

غیر معمولی نظارہ دیکھتے ہیں کہ دو انتہائی حالتوں کی بیویاں اس کام میں ایک دوسرے کی دست بدست متعاون اور شریک ہیں۔

(۳) سوسائٹی کا سارا رجحان آجکل اُن ترغیبوں پر چشم پوشی کا ہی جو انسان اور بشریت کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ پچھلی خطاؤں پر درگزر کرنے حال کی غلطیوں کو معاف کرنے کی طرف سوسائٹی کا میلان ہی اور عام طور پر خواہش باتوں اور حالتوں کے سمجھنے کی ہی تاکہ انسان دوسروں کی مشکلات کمزوریوں اور خطاؤں کی رعایت کر سکے۔ انسانی ہمدردی کی طرف یہ میلان اُن کی خاص حالتوں کی حدود سے متجاوز ہو جاتا ہی اور اُن کی ہمدردی اور رعایت ایسی خطاؤں پر بھی واقع ہوتی ہی جس کی طرف اُن کو خود کوئی ذاتی میلان نہیں اور ایسے آرام اور مصائب کے لیے بھی جنکو غالباً انہیں خود کبھی برداشت کرنا نہیں ہوتا بلکہ جنکے خیال کو بھی وہ برداشت نہیں کر سکتیں۔ اس قسم کا رجحان روز بروز بڑھتا ہوا معلوم ہوتا ہی اور بعض صورتوں میں اس سے ایک قسم کی کمزوری کا ثبوت ملتا ہی۔ یعنی ایسی صورت میں جب اُس رجحان کی بدولت شخصی فائدہ کو قومی فائدہ پر سبقت اہمیت اور فضیلت دیجاتی ہی۔

(۴) لندن کی سوسائٹی کا دعویٰ تو دنیا جہان کی سوسائٹیوں میں بے مثل اور بے نظیر ہی مگر اور ملکوں میں اس دعوی کی ویسی آؤبھگت اور ویسا اعتبار نہیں ہی جیسا کہ لندن کی سوسائٹی والے چاہتے اور سمجھتے ہیں ہاں اور ملکوں میں اس کی تضحیک اور تحقیر کم ہوتی ہی۔ سوسائٹی کے فائدہ کو مد نظر رکھنا اور اپنے زمرہ میں دولتمند عامی شخصوں کو لے لینا ایک ایسی دنیا میں جہاں قدیم ثروت یا شرافت کا اثر اور اعزاز کا خیال اسوقت تک موجود ہی اور اسکے علاوہ لندن کی سوسائٹی کا سوداگرانہ طبیعت کی رعایت کرنا نہ صرف باہر والوں کے ساتھ بلکہ خاص اپنے گروہ والوں اور اپنے رؤسا کے ساتھ، اور ملکوں کی سوسائٹیں میں شک اور نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہی۔ لیکن انگریزوں کی یہ طرز اور طبیعت قومی طرز اور طبیعت ہی۔ اور یہ طرز و طبیعت اعلی اور ادنی صورتوں میں اتنی مدت تک پیدا ہو کر موجود رہی ہی کہ بجائے دور اور مفقود ہونے کے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ زیادہ پھیلے اور

ٹریگی۔ کم از کم اسوقت تک جبتک انگلستان دنیاے تجارت میں اپنی مثال آپ اور سربرآوردہ رہیے گا۔

(۵) دل بہلاوے کے مشاغل، ظاہرا تو دل بہلاوے ہی کے مشاغل ہیں، تاہم دل بہلنا اور بہلانا ہی صرف سوسائٹی کی اصل غرض اور مطلب نہیں ہے بلکہ لہو و لعب کے پیرایہ میں ایک بڑا اہم اور پائدار کام کر لیا گیا ہے۔ وہ بیبیاں بنی نوع انسان کی ہمدردی اور فائدہ کے لیے پُرشوق دل اور حیرت انگیز جوش اور محنت کے ساتھ کام کرتی ہیں۔

دستخط
عطیہ ایچ فیضی

ورزش جسمانی

بقیہ سابق

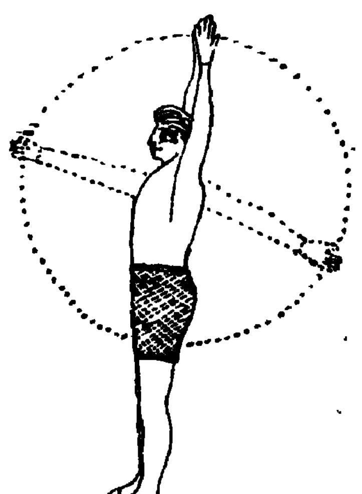
ورزش سوم۔ سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور ایڑیوں کو ملاؤ اور پیر کی اُنگلیوں کو باہر کی طرف کر دو اور ہاتھوں کو کمر پر رکھو جیسا کہ نقشہ (۳) میں دکھلایا گیا ہے اور انگوٹھوں کو پیٹ (نشست) کے نرم حصہ پر پیچھے سے دباؤ۔ شش کو خوب ہوا سے بھر لو اور ہوا کو شش کے پیچھے کے حصہ میں داخل ہونے دو اور پیٹ کے اس حصہ کو انگوٹھے سے خوب دباؤ۔ مستورات میں بہت تھوڑی ایسی ہونگی جو شش کے اس حصہ کو کام میں لاسکیں اور یہ بات انگریزوں کی عورتوں کے لیے مشکل ہے کیونکہ



وہ کمر کو بہت تنگ کستی اور باندھتی ہیں مگر ہماری مستورات اس کام کو بآسانی کر سکینگی کیونکہ ہمارے ہاں ایسی چیزوں کا استعمال نہیں ہے۔ اس ورزش کو ابتدا ابتدا میں چھ سات بار کیا جائے اور جیسے جیسے تجربہ اور قوت بڑھتی جائے اس کی تعداد میں اضافہ ممکن ہے۔

ورزش چہارم۔ ورزش سوم کی حالت میں کھڑے ہوجاؤ اور شش کے اوپر کے حصہ کو ہوا سے بھرلو اور شش کے نیچے اور پیچھے کے حصہ میں زور سے ہوا کو داخل ہونے دو اور یہ عمل سینہ کے اوپر اور نیچے کے عضلات یعنی پٹھوں کو یکے بعد دیگرے بھینچنے سے ہوسکیگا۔ یہ ورزش نہ صرف شش کے لیے مفید ہی بلکہ جگر کے لیے بھی فائدہ مند ہی۔ اس ورزش کو جاری رکھو جب تک کہ چکر سا معلوم ہو اسوقت اسکو موقوف کرکے چند بار خوب لمبی سانس لیکر پھر اسکو جاری کرو،

ورزش پنجم۔ جیساکہ نقشہ (۴) میں دکھلایا گیا ہی کھڑے ہوجاؤ اور پہلے ہاتھوں کو چھوڑ کر جسم سے ملے ہوے رکھو اسکے بعد ان کو آہستگی سے بلند کرو اور ساتھ ہی اسکے سانس اندر لو یہانتک کہ شش ہوا سے خوب بھرجاے، اور دونوں ہات سر کے اوپر آجائیں جیساکہ نقشہ (۴) سے ظاہر ہی۔ اب سانس کو چند ثانیہ تک شش میں روکے رکھو، اسکے بعد ہاتھوں کو آہستگی سے نیچے اُتارو اور پہلی حالت میں لے آؤ جبکہ جسم سے ملے ہوئے تھے، اسی طرح چند مرتبہ عمل کرو اور جبکہ ہوا شش میں بھری ہوئی ہی چند ثانیہ تک روکے رکھو اور تیزی کے ساتھ ہاتھوں کو چند بار اُٹھاؤ اور اُتارو۔



ورزش ششم۔ نقشہ (۴) کے مطابق کھڑے رہو اور دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر سامنے کی جانب لے آؤ جیساکہ اس نقشہ میں نقطہ دار خطوط سے دکھلایا گیا ہی بعد اسکے ہاتھوں کو پلیٹ (پشت) کی جانب جہانتک ممکن ہوسکے لیجاؤ اور لمبی سانس لو۔ اسکے بعد ہاتھوں کو اُنکے اصلی موقع پر یعنی اپنے سامنے لے آؤ اور سانس باہر چھوڑو، اس ورزش کو چھ سات بار کرو، جبکہ ہوا شش میں بھری ہوئی ہو

سانس کو روک کر ہاتھوں کو تیزی کے ساتھ چند مرتبہ سامنے لاؤ اور پیچھے لیجاؤ۔ اس ورزش میں جسوقت سانس لیتے ہو تو شش کو ہوا سے خوب بھر لیا کرو اور جسوقت سانس لیتے ہو تو پوری ہوا کو خارج ہونے دو،

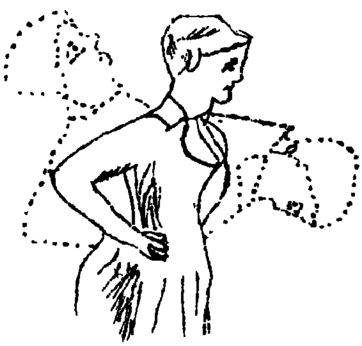
ورزش ہفتم۔ نقشہ (۴۸) کے مطابق سیدہے کھڑے ہو جاؤ اور سیدہے ہاتھ کو گھما کر ایک دائرہ بناؤ جیسا کہ اس نقشہ کے نقطہ دار خط سے ظاہر ہوتا ہے پہلے تو گھمانے میں چند بار ہاتھوں کو سامنے سے نیچے کی طرف لیکر اُٹھاؤ اور دائرہ بناؤ، بعد کو پیچھے کی طرف سے گھماؤ یعنی اس عمل کا عکس کرو، اسی طرح دونوں ہاتھوں سے کام لو، اسکے بعد شانے کو پیچھے کی طرف جہانتک ممکن ہو موڑو اور ہاتھ کو ویسے ہی گھماتے رہو، اور جہانتک ہات پیچھے پہنچ سکیں جانے دو، اسکے بعد بائیں ہات سے بھی ایسا ہی عمل کرو، اسکے بعد دیگرے دائیں اور بائیں ہاتھ کو گھماتے جاؤ اور ایکبار آگے کی طرف حرکت دو اور ایکبار پیچھے کی جانب اور پھر اس عمل کا عکس کرو مگر ہاتھوں کو بالکل ڈہیلا چھوڑ دینا چاہیے گویا کہ بیجان ہیں،

ان تمام حرکات میں برابر سانس لیتے رہو اور شش میں اچھی طرح سے ہوا بھر لیا کرو اور بعد کو پوری ہوا خارج کر دیا کرو، اس ورزش سے نہ صرف شش بالیدہ اور قوی ہوگا بلکہ شانوں کے پٹھوں جو سختی ہے وہ جاتی رہیگی، جسم میں قوت بڑہیگی اور عضلات (پٹھوں) میں چستی و چالاکی پیدا ہوگی۔

ورزش ہشتم۔ بستر یا زمین پر اوندہے لیٹ جاؤ اور ہتیلیوں کو اپنے پہلو میں زمین پر برابر رکھدو اب اپنے اوپر کے جسم کو سخت کرکے ہاتھوں کے بل جسم کو بستر سے بلند کرو یعنی انگوٹھوں اور ہتیلی کے سہارے سے جسم کو بستر سے اُٹھاؤ اس طرح پر کہ جسم ہاتھوں اور انگوٹھوں پر قائم رہے پھر آہستگی سے جسم کو اپنی اصلی حالت پر لے آؤ تاکہ سینہ پھر بستر یا زمین پر آجائے۔ اس ورزش میں جسوقت جسم کو زمین سے بلند کرتے ہو تو شش میں ہوا خوب بھر لو اور جسم کو اُتارتے یعنی نیچے کرتے وقت شش سے ہوا باہر چھوڑ دو۔ یہ ورزش کسی قدر مشکل ہے۔ مگر شش کی بالیدگی اور مضبوط کرنے میں بیمثل ہے، اس میں سینہ اور بازو اور کلائی کے پٹھے کام میں آتے ہیں اور مضبوط ہوتے ہیں، شروع میں ایک دو بار سے زیادہ نہ کرو اور بتدریج بڑہاتے ہوئے دس بارہ مرتبہ تک پہنچا دو،

اگر ابتدا میں یہ ورزش سخت معلوم ہو تو حسب ذیل عمل کرو۔ دیوار کی طرف مونہ کرکے اپنے ہاتھوں کی لمبائی کے برابر دیوار سے دور کھڑے ہو جاؤ اور اپنی ہتیلیوں کو دیوار سے لگا دو لیکن دونوں ہاتھوں کی ہتیلیوں میں ایک یا ڈیڑہ فٹ کا فاصلہ ہونا چاہیے، اب دیوار کی جانب جھکو یہاں تک کہ سینہ دیوار سے ملجائے اسکے بعد ہاتھوں کے پٹھوں کے بل پھر اپنی اصلی حالت پر آجاؤ۔ اس ورزش کے لیے جسم کو سخت کرو یعنی تنا ہوا رکھو اور ہر حرکت کے ساتھ سانس اندر لیکر پھر ہوا کو باہر چھوڑتے جاؤ۔ چند روز میں اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس ورزش کے پہلے حصہ کو تم بآسانی کرسکو گے،

ورزش نہم۔ ایسے کھڑے ہو جاؤ جیسا کہ نقشہ (۵) میں دکھلایا گیا ہے اور شش کے نیچے کے حصہ کو ہوا سے خوب بھر لو معہ پاؤں اور کولے کے پٹھوں کو تنے ہوے رکھکر کمر سے اوپر کے حصہ جسم کو آگے کی جانب خم کرو اور اثنائے عمل میں سانس باہر چھوڑو، اسکے بعد پھر سیدہے کھڑے ہو جاؤ اور لمبی سانس اندر لو اور دس بارہ مرتبہ اسی طرح عمل کرو۔ اسکے بعد دہڑ کے اوپر کے حصہ کو پیچھے کی طرف خم کرو اور اسی طرح سے سانس لیتے رہو اور باہر چھوڑا کرو



نقشہ ۵

اسکو بھی دس بارہ مرتبہ کرو۔ خم ہونے کی تصویر نقشہ (۵) سے ظاہر ہوگی۔ اسکے بعد شش کو ہوا سے بھر کر چند مرتبہ تیزی کے ساتھ جسم کے اوپر کے حصہ کو آگے اور پیچھے خم کرتے جاؤ،

یہ ایک نہایت مفید ورزش ہے جس سے شش اور جگر بالیدہ ہوتے ہیں اور اُن میں قوت پیدا ہوتی ہے اور اوپر کے دہڑ کے پٹھے مضبوط اور مستحکم ہوتے ہیں، جسم سڈول بنتا ہے، اور جسم میں چستی و چالاکی پیدا ہوتی ہے۔

ورزش دہم۔ کمر سے اوپر کے نصف دہڑ کو پہلے چند مرتبہ دائیں طرف پھر چند مرتبہ بائیں طرف خم کرو یعنی جھکاؤ۔ اسکے بعد ایکبار آگے ایکبار پیچھے کی جانب متواتر چند مرتبہ جسم کو خم کرکے سیدہا

کرتے جاؤ، نقشہ (۶) میں پہلا حصہ اس ورزش کا دکھلایا گیا ہے۔ یہ نہایت موزوں حرکات ہیں اور امریکہ کے بعض مدارس میں لڑکیوں سے باجے کے ساتھ ایسی ورزش کرائی جاتی ہے۔



ورزش یازدہم۔ نقشہ (۶) کے موافق کھڑے ہوجاؤ اور بازوؤں اور کہنیوں کو سامنے کی جانب جہانتک ممکن ہو سکے ایک دوسرے پر دباؤ اور سانس کو باہر چھوڑ دو۔ اسکے بعد ہاتھوں کو پیچھے کی جانب جہانتک ممکن ہو سکے لیجاؤ اور شش میں سانس بھرو۔

بازو اور انگلیوں کی ورزش

ورزش دوازدہم انگلیوں اور ہاتھوں کے پٹھوں کو کلائی کے جوڑ سے بالکل ڈھیلے چھوڑ دو اور اوپر نیچے اور دائیں بائیں ہلاؤ



مگر انگلیاں بالکل ڈھیلی رہنی چاہیے، پھر اُن کو جیسا کہ نقشہ (۷) سے ظاہر ہوتا ہے دائرہ کے طور پر گھماتے جاؤ۔ اس ورزش سے انگلیوں اور کلائی کے جوڑوں کی سختی بالکل دور ہوجائے گی اور اُن میں ایک قسم کی لچک اور نرمی پیدا ہوگی۔

اس کے بعد داہنے بازو کو شانہ سے بالکل افقی حالت میں بڑھاؤ اور کہنی سے پنجوں تک کے حصہ کو زمین کی طرف خم کرو اور کہنی کے جوڑ سے اسکو گھماتے جاؤ مگر

بازو یعنی شانہ سے کہنی تک کا حصہ بالکل افقی حالت میں رہنا چاہیے۔

رقمہ

مرزا مہدی خاں

شوہر کی کمائی میں بددیانتی

بعض بیبیاں اپنے شوہر سے پوشیدہ گھر کی اشیا فروخت کرتی ہیں۔ اگر کہو کہ یہ بُرا کام ہی تو کہتی ہیں کہ ہم اپنی ضروریات کہاں سے پوری کریں لیکن یہ محض بہانہ ہی اگر ہم اپنے صاف معاملہ اور صاف دل رہیں تو ممکن نہیں کہ ان کو ہماری ضرورتیں پوری کرنے میں دریغ ہو۔ جہانتک ممکن ہوسکے ہم کو عادت بد کے نزدیک بھی نہ پھٹکنا چاہیے اور خاوند کے روپیے پیسے کو غیر کا سمجھکر گھر کو برباد نہیں کرنا چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ ہم اس عادت بد کے طفیل ادنی سے ادنی لوگوں کی نظروں میں ذلیل وخوار ہو جاتی ہیں۔ بس کیسے نقصان کی بات ہی کہ ہم اعتبار جیسی بے بہا چیز کو ضائع کر دیں اور ہر خورد وکلاں کی نظر میں بے وقعت ثابت ہوں۔

لیکن تاہم میرا تجربہ مجھے بتلا رہا ہی کہ بیوی کو چوری کی عادت پڑنے کا الزام خاصکر اُسکے خاوند پر ہی عائد ہوتا ہی۔ کیونکہ یہ مانی ہوئی بات ہی کہ بیوی اپنے خاوند کی غمخوار ومددگار ہے۔ لیکن جہاں خاوند بیوی پر ناحق بدگمانی کرتا ہی اور نیز جہاں خاوند اپنے روپیے پیسے کو بیوی سے الگ قفل دیکر رکھتے ہیں وہاں اکثر دیکھنے میں آیا ہی کہ اچھی دیانتدار بیویاں شوہر کی غیبت میں گھر کی اشیا میں کاٹ چھانٹ کرکے اپنی الگ گرہ بناتی ہیں اور اپنے میں

ایک وصف بدپیدا کرنے کے علاوہ اپنے کو بیقدر اور بیوقر بنالیتی ہیں۔

چنانچہ تمثیلاً لکھا جاتا ہی کہ ایک شخص کی قدرتی عادت تنگی تہی۔ وہ ہمیشہ اپنی نیکبخت اور کفایت شعار بیوی پر بدگمان رہتا۔ وہ عورت نہایت شریف اور اوّل درجہ کی کفایت شعار و محنتی تہی۔ لیکن جب اُسنے اپنا روپیہ پیسہ الگ مقفل رکھنے کے علاوہ اسپر بدگمانی بہی کی اور ماہوار خرچ مقرر کیا تو کفایت شعار بیوی نے اپنے شوہر کی غیبت میں ہر چیز میں کاٹ چھانٹ شروع کی تو گھر سے برکت بالکل جاتی رہی جہاں ہر چیز کسکر آدہی۔ پونی اُڑالی جائے وہاں برکت کیا خاک ہوگی۔

پس اسکے خاوند نے روزانہ خرچ مقرر کیا۔ لیکن جوں جوں وہ سخت حفاظت کرنی چاہتا ویسے ہی اُسکے برخلاف ظہور میں آتا۔ اگر وہ شخص تمام بوجھ اخراجات خانگی کا اپنی بیوی کے ذمہ ڈالدیتا اور اسپر پورا اعتبار قائم کرلیتا تو یہ کافی علاج تھا۔ غرضکہ اس بیوی نے برابر کاٹ چھانٹ جاری رکھی یہانتک کہ اس کاٹ چھانٹ سے اُسنے دوسو روپیہ جمع کرلیا۔ لیکن چونکہ عورتوں کو اپنا گھر ہی عزیز ہوتا ہی اور شاذونادر ایسی ہونگی جو گھر کی چیزیں باہر پھینکنے والی ہوں۔ غرضکہ کچھ عرصہ کے بعد اُسکے شوہر کو کوئی سخت ضرورت پیش آئی تب اُس شریف بی بی نے تمام روپیہ نکال اُسکے آگے رکھکر کہا کہ میرے فلاں رشتہ دار نے آپ کی بھی ضرورت رفع کرنے کو بھیجا ہی۔ لیکن وہ اس تمام حال سے بیخبر نہ تھا۔

کچھ عرصہ بعد وہ بیوی فوت ہوگئی تو اُسنے اپنے رشتہ داروں میں ایک شریف لڑکی سے نکاح کرلیا جو عمر میں بہت چھوٹی تھی۔ جسکو خود اسی نے پڑہایا۔ پرورش کیا۔ بعدازاں اس سے بھی وہی سلوک کیا جو اُس کی عادت تھی۔ تو اس لڑکی نے بھی اپنے شوہر کی عنایت سے وہی عادتیں اختیار کیں۔ غرضکہ وہ شخص تمام عمر خوش اور امن سے نرہا۔

بعض جگہ دیکھنے میں آیا ہی کہ جہاں خاوند بیوی سے الگ روپیہ وغیرہ رکھنے کی خواہش نہیں کرتے اور بیوی پر پورا اعتبار قائم کرکے کل اخراجات خانگی کا بوجھ اسی پر ڈالدیتے

ہیں وہاں ادنیٰ سے ادنیٰ جاہل عورتوں نے بڑی ہوشیاری اور کفایت شعاری سے گھر کو چلایا اور بڑی دیانت داری سے گھر کی کُل اشیا کی محافظ رہیں اور ہمیشہ خاوند کے روپیے میں اور روپیہ ڈالنے کی کوشاں رہیں، آدمی خواہ کتنا ہی کفایت شعار کیوں نہو اگر بیوی دیانت داری اور کفایت شعاری سے گھر چلانے والی نہو تو ذرا برکت گھر میں نہو گی،

یہ دونوں واقعات سچے اور قابل تقلید ہیں، جو چاہے ان سے عبرت پکڑے اور اپنے حسب حال غور کرکے کوئی نتیجہ نکالے،

رقمہ

ع، ف از بستی نو جالندہر

اڈیٹوریل

سکندر جہاں بیگم صاحبہ لکھتی ہیں کہ ۱۹ مئی ۱۹۰۹ء کو زنانہ نارمل اسکول علیگڈہ میں خدیجہ بیگم اعجاز حسین صاحب بیرسٹر کی لڑکی کی آمین کی مبارک رسم ادا ہوئی، خدیجہ بیگم کے والدین نے اس رسم کی ادائگی مدرسہ ہی میں قرار دی تھی، خدیجہ کو گیارہواں سال ہے، مدرسہ میں پارہ عم کی ابتدائی سورتیں پڑہتی آئی تھی اور اب چوتھی جماعت کی پڑہائی پڑہتی ہے۔

۱۹ مئی کو آٹھ بجے سے مدرسہ کی طالبعلم لڑکیاں جمع ہونی شروع ہوئیں جو رنگ برنگ کے کپڑے اور سونے چاندی کے زیور پہنکر آئی تھیں، تین بجے کا بلاوہ اور بہنوں کو مسز عبد اللہ کی طرف سے دیا گیا تھا۔ چونکہ گرمی تیزی سے پڑتی ہے اسلیے پانچ بجے تک بیبیاں آئیں، اُس روز سب طالبعلم لڑکیاں ایک ہی جگہ جمع رہیں، اندر کے صدر دالان میں مہمان بیبیاں بیٹھی تہیں اور باہر کے دالان میں دو صف طالبعلم لڑکیوں کی بیٹھی تہی لڑکیاں بہت خوش نظر آتی تہیں اور اپنے اپنے سیپارہ کی پڑہائی کا اور کلام مجید کے ختم کا حساب آپس میں شوق سے

کرتی تہیں، ہر ایک لڑکی اور مہمان بی بی بہت شوق سے خدیجہ کو پوچھتی تھی، سو سے زیادہ طالبعلم لڑکیاں اور چالیس کے قریب بیگمات، ان کے علاوہ کئی طالبعلم لڑکیوں کی مائیں بھی تہیں، پانچ بجے دالان کے بیچ میں خدیجہ کو جو اسوقت عمدہ کپڑے اور زیور پہنے ہوئے تھی کھڑا کیا، ایک طرف اُستانی صاحبہ کھڑی تہیں اور دوسری طرف اُس کی جماعت کی لڑکیاں کھڑی تہیں، پہلے لڑکیوں نے خدا کی تعریف اور شکریہ میں نظم خوش آواز سے پڑہی، اسکے بعد (آمین) جو نظم ہی کی شکل میں تہی پڑہی گئی، ہر نظم کے ختم پر مدرسہ کی طالبعلم لڑکیاں آمین ایسی بلند آواز سے کہتی تہیں کہ دالان گونج جاتے تہے، آمین ختم ہونے کے بعد خدیجہ سے دعا منگوائی گئی اور بتاشے کچھ تو خدیجہ کے اوپر ڈالے گئے باقی لڑکیوں کی طرف اُچھال دیے گئے، سب نے اُستانی صاحبہ اور خدیجہ کی والدہ صاحبہ کو مبارکباد دی،

خدیجہ کی والدہ صاحبہ نے ایک جوڑہ کپڑے کا اور دس روپیے نقد اُستانی صاحبہ کو نذر کیا جو اُستانی صاحبہ نے خدیجہ کی والدہ کا شکریہ ادا کرنے کے بعد نارمل اسکول کی امداد میں دیدیا، سب مہمان اور طالبعلم لڑکیوں کی شربت اور پان سے تواضع کی گئی پہر سب مہمان اور لڑکیاں رخصت ہو گئیں،

انجمن خاتونان اسلام اس انجمن کا ماہواری جلسہ ۱۴ جون کو بیگم صاحبہ خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹرایٹ لا کے مکان پر ہوا، لاہور کی بہت سی مسلمان بیگمات شریک تہیں، ایک بجے کے وقت سب نے ایک جگہ نماز ادا کی، اسکے بعد مسز محبوب عالم صاحبہ نے قرآن شریف کی چند آیتیں سنائیں، اور ایس بی محمد شاہ صاحبہ نے اسکا ترجمہ بیان کیا، ایف بی محبوب عالم صاحبہ نے اسلام کی تاریخ پر ایک دلچسپ مضمون پڑہا، جو عام طور پر پسند کیا گیا، پھر ایس بی محمد شاہ صاحبہ نے بہی ایک نہایت قابل تعریف مضمون پڑہا، وکٹوریہ گرلز اسکول کی اُستانی صاحبہ نے اپنی صاحبزادی کی تصنیف کردہ

ایک نعت نہایت خوش الحانی سے پڑہی، مس محمد شفیع صاحبہ و مسز عبد الحمید صاحبہ نے
ایک نعتیہ نظم ملکر پڑہی، بعد ازاں ایس بی محبوب عالم صاحبہ کی تحریک پر محتاجوں کو کپڑے
دینے کے لیے پانچ روپیہ چھ آنے کا چندہ جمع ہوا، اور بعض بیبیوں نے آیندہ اس
مد میں کچھ دینے کا وعدہ کیا، معزز میزبانہ مسز محمد شفیع صاحبہ نے مہمانوں کی پُر تکلف
ماکولات و مشروبات سے تواضع کی، آخر میں مسٹر محمد شفیع صاحب کے ممبر پروانشل کونسل ہونے
پر خوشی کا اظہار کیا گیا، اور میزبانہ کے شکریہ کے بعد جلسہ برخاست ہوا،

ہندوستان میں عورتوں کی ترقی

ماہ مارچ کے رسالہ انڈین میگزین میں ناظرین کی توجہ مدراس کانفرنس میں ہندوستانی
عورتوں کے قابل ذکر حصہ لینے کی طرف دلائی گئی ہے،

مدراس میں پبلک کے روبرو کسی اعلیٰ ذات کی عورت کے تقریر کرنے کا یہ پہلا
موقع تھا، اور لوگ یہ دیکھکر حیران اور خوش تھے کہ عورتیں بھی ایسی اچھی تقریر کر سکتی ہیں،
عورتوں نے بلا شبہ یہ بات ثابت کر دکھائی کہ ان معاملات پر جنکا اُن سے تعلق ہے
وہ زیادہ فہم سے رائے زنی کر سکتی ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ نئی زنانہ تحریک جو بلحاظ
دنیا کے ہر حصے میں پھیل رہی ہے، اس میں ہندوستان بھی حصہ لے رہا ہے، مستورات
اگر مردوں کے پہلو بہ پہلو کام کریں تو یہ بجائے نقصان کے فائدہ کی بات ہے۔ یا دوسرے
الفاظ میں اسکا مطلب یہ ہے کہ مرد اور عورتیں دونوں ملکر جہالت اور برائیوں کے خلاف
جدوجہد کر رہے ہیں،

اس سوشیل کانفرنس میں جہاں مرد عورتیں دونوں جمع تھے، عورتوں نے بچپن
کی شادی اور سلوک بیوگاں کے خلاف بہت کچھ کہا، مسز سروجنی نیڈو نے ایک پُر جوش
تقریر میں کہا کہ گو دوسرے ملک میدان تہذیب میں بڑھ چڑھ کر قدم رکھ رہے ہیں، لیکن ہم

ابھی تک ان سوشل جھگڑوں میں ہی الجھے ہوئے ہیں، جنہیں بہت مدت پہلے طے ہو جانا چاہیے تھا،

پنڈتہ اچمبکا امال نے جو ایک اعلیٰ درجہ کی شاعرہ ہی تامل زبان میں ایک بہت فصیح تقریر کی، جو دلچسپ نصیحت خیز اور قابل تعریف تھی اور اسکے دوران میں حاضرین جا بجا نعرہ ہائے خوشی بلند کرتے رہے، سوبھاگیہ وتی سرلونگ امال بی اے نے ایک ہندوستانی لیڈی کے حیادار طریقہ پر تقریر کرتے ہوئے بیان کیا کہ لڑکیوں کو اسوقت سکولوں سے نکال لینا جب ان کے اندر تعلیم کی خوبیاں جاگزین ہونے لگی ہوں، سخت غلطی ہی۔ مس سندری نرائن نے بیان کیا کہ تمام مہذب ملکوں میں عورتیں مردوں کے دوش بدوش ترقی کر رہی ہیں، اور اس قدیم مقولے کی تصدیق ہو رہی ہی کہ جو ہاتھ جھولا جھلاتا ہی، دنیا پر حکومت کرتا ہی" پونا کے بیوہ آشرم کی مسز کاشی بائی دیودھر نے کہا کہ سوشل رفارم کی تحریک کے آغاز کے زمانے سے اسکے موید بچپن کی شادیوں کے خوفناک نتائج کو لکچروں میں ظاہر کر رہے ہیں،

غرض لیڈی ڈیلیگیٹوں نے جو تقریریں کیں، وہ تمام سننے والوں کے لیے اعلیٰ درجہ کی ذہانت کا نمونہ تھیں، بہت سے اہم معاملات پر بحث ہوتی رہی اور اس بات کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہی کہ اجلاس کانفرنس کا ایک قابل ذکر حصہ وہ تھا، جو ہندوستانی لیڈیوں نے اسکی کارروائی میں لیا،

اسی موقع پر ایک بکس آلات جراحی کا پبلک طور پر مسز دوارکا بائی کملاکر کو پیش کیا گیا، جس نے ایڈنبرا، گلاسگو، ڈبلن وغیرہ میں اعلیٰ درجہ کی میڈیکل ڈگریاں حاصل کی ہیں، جس صاحب نے یہ بکس پیش کیا تھا۔ اس نے اس بات پر بہت زور دیا کہ ہندوستانی عورتیں وفادار بیبیاں اور مہربان مائیں بنتے ہوئے ہی طبابت کے شریف پیشے میں بہت اچھی طرح حصہ لے سکتی ہیں،

اسکا جواب دیتے ہوئے اس نیک نہاد لیڈی نے ذیل کے الفاظ میں اپنے شوہر کی

تعریف کی" اپنی زندگی میں جو کامیابی مجھے حاصل ہوئی، وہ سب میرے زندگی کے حصہ دار کی وجہ سے ہے، اور میں اپنے فرض سے محروم رہوں گی، اگر میں اس امداد کا ذکر نہ کروں، جو اس سے مجھے حاصل ہوتی رہی ہے، زندگی کے نشیب و فراز میں جو جو مشکلات مجھے درپیش ہوئی ہیں، ان سب کا وہ ہندوستان اور یورپ دونوں ملکوں میں حصہ دار رہا ہے،

اسی میگزین میں لاہور پردہ کلب کی دو سال کی کامیابی کی رپورٹ درج ہے جس میں ہندو، مسلمان، ہندوستانی، عیسائی، پارسی و انگریزی لیڈیاں شامل ہیں، اور اسکے ذریعہ سے مشرق و مغرب کی لیڈیوں میں اچھی طرح باہمی اختلاط و میل جول ہوتا رہا ہے، ہندو اور مسلمان عورتوں نے انگریزی اور انگریزی عورتوں نے اردو سیکھنے کی طرف میلان ظاہر کیا ہے، سال بھر میں اس انجمن کے دس جلسے ہر ایک مذہب و ملت کی لیڈیوں کے مکان پر منعقد ہو چکے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ لاہور میں باہمی اختلافات کو دور کرنے کی کوشش ہو رہی ہے،

ماہ جنوری کے رسالہ انڈین ورلڈ میں سنت نہال سنگھ صاحب لکھتے ہیں کہ اب جبکہ ہندوستان اپنی سوسائٹی کی از سر نو تعمیر میں مصروف ہے، اس قسم کی عمارت کے لیے عورت کو نہایت قابل قدر پتھر سمجھا جاتا ہے، عورتوں کی اصلاح کے متعلق ہندوستان کی تمام قومیں متفق الرائے ہیں، اس معاملے میں ہندو مسلمان برہمن، پارسی سب لوگ یکساں دلچسپی لیتے ہیں، یہانتک کہ پرانے خیالات کے لوگوں میں بھی یہ خیال بہت جلد ترقی کر رہا ہے،

زنانہ اسٹور

ہمارے کرمفرما سید خورشید علی صاحب حیدرآباد سے تحریر فرماتے ہیں کہ حیدرآباد میں ایک زنانہ "اسٹور" دی دکن زنانہ اسٹور" کے نام سے قائم ہوا ہے، یہ اسٹور کسی ذاتی

منفعت کے خیال سے نہیں قائم کیا گیا ہی بلکہ اس کے قائم کرنے والیوں نے جو بیگمے
بعض بہت سربرآوردہ خوش حال خاندانوں کی روشنخیال خواتین ہیں، محض بربنار
ہمدردی اس کی تکلیف گوارا فرمائی ہے، شریف بیبیوں اور معزز خاتونوں کے لیے
کسی ایسی دوکان کی ضرورت جہاں موجودہ رسم ورواج کی پابندیوں کے ساتھ
مختلف ضروریات زندگی حسب دلخواہ بذات خود خرید کیجا سکیں محتاج بیان نہیں، حیدرآباد
جیسے عظیم الشان شہر میں کسی اس قسم کی دوکان کے موجود نہ ہونے سے معزز بیگمات کو
سخت تکلیف تھی، اب اس اسٹور کے قیام سے پردہ نشین بیبیوں کے لیے بڑی
سہولت ہوگئی ہی، زنانہ اسٹور کا مکان اسٹیشن روڈ پر محلہ کٹل منڈی میں حبیب علی شاہ
کی مسجد کے متصل ایک نہایت عمدہ، مناسب اور آرام بخش موقع پر واقع ہے، پردہ
وغیرہ کا بہت معقول انتظام کیا گیا ہی، شریف بیبیاں اسٹور کی منتظم ہیں اور ہر طرح اس کی
اطمینان بخش حالت ہی،

اسٹور کی عالی حوصلہ بانیوں نے بڑی ہمت کرکے اسکو قائم تو کر دیا ہی لیکن اب
تمام خاتونوں کا فرض ہی کہ وہ اس کی سرپرستی کرکے اپنی نیک دل بہنوں کی محنت کو
ٹھکانے لگائیں، ابنائے ملک کا بھی یہ فریضہ ہی کہ وہ حتی الوسع ہر ممکن اعانت سے
دریغ نہ کریں،

یہ اسٹور صرف حیدرآباد ہی کی خواتین کے لیے فائدہ مند نہیں ہے بلکہ حیدرآباد
کے باہر رہنے والی بیبیاں بھی مخصوص مقامی اشیار کی خرید و فروخت میں اس سے
فائدہ اُٹھا سکتی ہیں،

خصوصاً اس قسم کے زنانے کارخانے جو دلی وغیرہ میں قائم ہیں اس اسٹور کو
اپنا حیدرآبادی ایجنٹ (وکیل) تصور کرکے اس سے بہت کچھ کام لے
سکتے ہیں،

میری یہ دلی دعا ہے کہ خدا اس اسٹور کو عمر نوح عطا کرے۔ ابنائے ملک اس کی ضرورتوں کو سمجھکر اس کی سرپرستی کریں اور اس کی بقا کے لیے متفقہ کوشش کریں۔ اور اسی قسم کے کارخانے ملک کے ہر حصہ میں قائم ہوں،

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

اعلان

بیگمات مندرجۂ ذیل نے از راہ قومی ہمدردی طائف فنڈ میں مندرجہ ذیل رقومات مرحمت فرمائی ہیں۔

۱۔ مسز مولوی حشمت اللہ صاحب لشکر گوالیار .. .. عہ/
۲۔ بیگم صاحبہ نواب وقار الملک بہادر علی گڑھ .. .. عام
۳۔ مسز عبداللہ علیگڈھ .. .. عہ/
۴۔ مسز عبداللہ علیگڈھ .. .. عام
۵۔ مسز مولوی حشمت اللہ صاحب گوالیار .. .. عہ/
۶۔ بیگم صاحبہ نواب وقار الملک بہادر علی گڈھ .. .. عہ/

مندرجہ ذیل چندے تعلیم نسواں فنڈ میں وصول ہوئے، عطا کرنے والے حضرات کے نام نامی مع شکریہ کے درج کیے جاتے ہیں،

۱۔ عطیہ ریاست ٹونک بابتہ ماہ اپریل و مئی ۱۹۰۹ء .. ۱۰/
۲۔ جناب سید خورشید علی صاحب حیدرآباد دکن .. .. للعہ/

۳۔ جناب فاطمہ بائی بنت محمد عبداللہ صاحب سکریٹری انجمن حامی اسلام ناگپور۔ لعــہ

۴۔ جناب بیگم صاحبہ ایچ ایم ملک مہدی باغ ناگپور.. .. ..عــہ

۵۔ مسیز منشی سید عطاء اللہ صاحب چھاونی ناگپور.. .. .. صہ/

۶۔ مسیز محمد امیر خانصاحب صدر بازار ناگپور.. .. .. للعہ/

۷۔ مسیز محمد حبیب صاحب صدر بازار ناگپور.. .. .. ۶

۸۔ جناب بیگم صاحبہ ایچ ایم ملک مہدی باغ ناگپور.. ....عــہ/

جہان آرا

عورتوں کے پڑھنے کے لیے نہایت عمدہ کتاب ہی، اس میں
جہان آرا بیگم کے علمی، مذہبی تمدنی اور اخلاقی حالات درج ہیں جو شہنشاہ
عالمگیر کی بہن تھی، نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ بہترین اور
سلیس اُردو زبان میں لکھی گئی ہی، چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی اسکو آسانی سے
سمجھ سکتی ہیں، چھپائی، لکھائی اور کاغذ نہایت عمدہ، قیمت ۸/

ملنے کا پتہ

مولوی محمد اسلم جیراج پوری، علیگڈھ کالج

رجسٹرڈ نمبر ۲۷۱

خاتون

جلد ۶	بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۹ع	نمبر ۷

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عبدالسلام پرنٹر کے اہتمام سے
مطبع فیض عام واقع علی گڑھ میں طبع ہوا

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت دو روپے، اور ششماہی عہ روپے

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑہی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی۔ اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اُس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶۔ اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی۔ اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

۷۔ تمام خط وکتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیے۔

خاتون

عبادت یا نماز

بڑے بڑے روشن ضمیر اور پاک باطن عقلمند نہایت غور و فکر اور تجربہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ دنیا میں سب سے بڑی کوئی خوشی اگر انسان کے لیے ہے، تو وہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت ہے، تمام رسولؐ انبیا، اور اولیا دنیا کو اس کی تعلیم دیتے آئے ہیں، دنیا کی تمام خوشیاں بہت جلد مٹ جاتی ہیں، اُنکا اثر دل سے نکلجاتا ہے اور بجائے اُنکے رنج و غم آجاتا ہے، مگر عبادت کی خوشی حقیقی خوشی ہے، اس سے دل میں نور، صفائی اور اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ یہ خوشی کبھی زائل نہیں ہوتی، اور ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتی ہے اور عقبیٰ میں ساتھ دیتی ہے۔

عبادت سے صرف یہی فائدہ نہیں ہوتا کہ اُس سے آخرت میں جنت ملتی ہے، بلکہ سچے دل سے عبادت کرنے والوں کے تمام کاموں میں تہذیب، شائستگی اور وقار کی جھلک پیدا ہوجاتی ہے، اخلاق و عادات نیک ہوجاتے ہیں، دنیا میں وہ ہمیشہ خوش رہتے ہیں، اور

سب کی نگاہ میں اُنکی عزت ہو جاتی ہے، خدا اور اس کی مخلوق سب اُن سے راضی رہتے ہیں، سچائی کے ساتھ خدا کو ایک سجدہ کرنے میں جو مزا ہے وہ ہفت اقلیم کی بادشاہت میں نہیں ہے،

مسلمانوں کی حالت آجکل جہاں دنیاوی لحاظ سے قابل افسوس ہے وہاں یہ دیکھکر بھی رنج ہوتا ہے کہ ایسا ن میں عبادت گزاری کا شوق بھی کم ہوتا جاتا ہے۔

رابعہ بیگم صاحبہ نے اس مضمون میں ماؤں کو خصوصیت کے ساتھ اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ وہ اپنے بچوں میں عبادت کا ذوق پیدا کریں اور بچپن سے اُن کو عادی بنائیں اس طرح پر وہ شروع ہی سے عبادت کے عادی ہونگے، ہمیں امید ہے کہ مسلمان بچوں کی مائیں اس ہدایت پر عمل کرینگی تاکہ اُن کی اولاد خداپرست ہو، اور اللہ تعالیٰ اُن کو دین و دنیا دونوں میں عزت دے،

اڈیٹر

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اولیں پرسشِ نماز بود

انسان کو لازم ہے کہ رات دن میں کسی وقت مقررہ پر ضرور اپنے مالک حقیقی کی یاد کرلیا کرے۔ کیونکہ ایک موٹی سی بات ہے کہ جب دنیاوی اور مجازی حاکم کے خوش کرنے کو ہمہ تن مصروف ہیں اور اصلی حاکم کو جسکے بے شمار احسانوں سے ہمارا بال بال بندھا ہوا ہے، فراموش کردیں تو ہم کیونکر اسکے عتاب سے بچ سکتے ہیں، عبادت کے معنی ہیں خدا کے احسانوں کا دل اور زبان سے شکریہ ادا کرنا، اس سے اپنے گذشتہ گناہوں کی معافی مانگنا، آیندہ کے لیے بہتری کی درخواست کرنا، اُسکے روبرو عاجزی کرنا گڑگڑانا وغیرہ انہیں کا نام عبادت ہے جو مختلف مذہب کے لوگ مختلف طریق سے انجام دیتے ہیں،

ہم مسلمانوں میں بہترین عبادت نماز ہی، ہزاروں جگہ قرآن مجید میں اس کی تاکید ہی حدیث شریف میں نماز کی بابت سخت تاکید ہی، قرآن مجید میں اکثر آیتیں نماز کی بابت ہیں جتنی کہ نماز کے لئے تاکید ہی اور جتنا کہ کلام مجید اور حدیث شریف میں نماز کی بابت حکم ہی اور دوسرے کسی کام کی بابت نہیں، کلام مجید میں جابجا نہایت سخت تاکید نماز کے لیئے ہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو کسی کام کی بابت اتنی سخت تاکید نہیں کی جسقدر کہ نماز کی بابت تاکید فرمائی ہی، حج کے لیے شرطیں مقرر ہیں، روزہ چند حالتوں میں معاف ہی اور اگر روزہ ہم نہ رکھہ سکیں تو اسکے لیے کفارہ مقرر ہے غرضکہ روزہ، حج، زکوٰۃ خیرات وغیرہ کے لیے کچھ شرطیں مقرر ہیں کفارہ ہیں، اور بعض حالتوں میں معاف ہیں لیکن نماز کسی حالت خوشی غمی، بیماری تیمارداری، سفر حضر مفلسی، تونگری، مصیبت راحت، غرضکہ کسی حالت میں معاف نہیں، ہر حالت میں اس کی سخت تاکید ہی،

پروردگار عالم کی مہربانی کو دیکھنا چاہیے جہاں کہ اُسنے نماز کی بابت سخت تاکید کی ہی وہاں اُسنے موقعہ اور ضرورت پر نماز نہایت آسان اور سہل کردی ہی، اگر پانی میسر نہو یا وقت تنگ ہو یا پانی مضر ہو تو تیمم کر سکتے ہیں، اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہو تو بیٹھ کے ادا کر سکتے ہیں، اگر بیٹھنے سے بھی مجبور ہوں تو لیٹ کر پڑھ سکتے ہیں، اگر زبان یاری نہ دے تو صرف اشاروں سے ہی سہی، اگر جان کا خطر ہو یا موقع نہ ہو تو سواری ہی سہی، اگر مسافر ہوں قبلہ معلوم نہو، پانی میسر نہو کُل نماز ادا نہ کر سکے جدہر اپنا رخ ہو اسی کو قبلہ مقرر کریں، تیمم کریں صرف فرض ہی ادا کریں، مسافر کے لیے نماز میں اُسکے حسب حال رعایت ہی یہانتک حکم ہی کہ اگر دشمن تعاقب میں ہو، میدان جنگ ہو گھوڑے پر سوار ہو تو اسی طرح گھوڑے پر سوار اپنی نماز ادا کرے، اگر موقعہ نہو تو صرف دو رکعت فرض ہی وقت پر ادا کرے،

مذکورہ بالا بیان سے صاف ظاہر ہی کہ نماز کسی حالت کسی وقت میں معاف نہیں بہت سخت تاکید اور حکم نماز کی بابت کلام خدا اور حدیث شریف میں ہی، بے نمازی کیلیے سخت سزائیں مقرر ہیں، نمازی پر خدا کی خاص نظر رحمت ہوتی ہی اور عبادت سبب اُسکی نزدیکی کا ہی، نمازی خدا کا مقبول و نیک بندہ ہی، بزرگان دین کا پیرو ہی۔

غرضنکہ بہت سی بزرگیاں نمازی کے لیئے ہیں، دینی فوائد کو نظرانداز کرکے نماز سے انسان کو دنیاوی فائدے بہت ہیں، نمازی کی عزت دنیا والوں کی نظر میں ہتی ہی سب اعتبار کرتے ہیں، اسکو تکلیف اور نقصان دینا گناہ جانتے ہیں، عابد اپنی عبادت کے سبب سے سب گناہوں سے بچا رہتا ہی اُسکا دل خودبخود اُسکو گناہوں سے بچاتا رہتا ہے اگر وہ کسی وقت نفس کے قابو میں آکر کسی گناہ کا قصد بھی کریگا تو اسکو یہ خیال کہ میرے زہد و تقویٰ پر لوگ ہنسینگے باز رکھیگا، گویا اُس کی عبادت اسکو پرہیزگار بنانے کے لیے خود رہنما بن جائیگی، نماز ہمیں وقت کا پابند بنائے گی، نماز ہمیں صبح خیزی کی عادت ڈالیگی، نماز ہمیں صاف ستھرا رہنے کی عادی بنائے گی، نماز ہمیں برائیوں گناہوں سے بچائیگی نماز سے ہمیں ایک طرح کی ورزش حاصل ہوگی، نماز ہماری سستی و کاہلی کو دور کرکے ہمیں چست و چالاک بنائیگی، نماز سے ہماری عقل تیز ہوگی، نماز ہمارے دل کو روشن کریگی، نماز ہمارے ایمان کو سلامت رکھے گی، نماز ہمیں خدا کے حضور میں حاضر کریگی، نماز سے ہمیں خدا کی قربت حاصل ہوگی، نماز سے ہم اپنے بہتری کی دعا خدا سے مانگ سکتے ہیں نماز ظاہر و باطن میں ہم کو پاک رکھیگی، رنج و مصیبت فکر کے وقت نماز ہمارے دل کو ڈھارس دیگی، نماز ہماری پریشانیوں و تکلیفوں کو دور کریگی، نماز ہمیں صابر و شاکر بنائیگی، نماز ہمارا وقت خوش اور اچھا گزاریگی، یعنی جتنا وقت ہم عبادت میں صرف کرینگے، گناہوں سے بچے رہینگے، نماز ہمیں دنیاوی بکھیڑوں فکروں سے نجات دیگی، نماز ہمیں بیہودہ گوئی سے باز رکھیگی، مصیبت سے مصیبت میں نماز ہمیں خوش رکھے گی، دنیاوی تفکرات کو

کم کر دیگی، مختصر یہ کہ نماز ہمیں صابر شاکر قانع صاف پاک نیک اور وقت کا پابند انسان بنائے گی،

نماز کی خوبیاں اور نماز کی تاکید جتنی کہ ہی افسوس اور سخت افسوس سے کہنا پڑتا ہی کہ ہم نماز کے ادا کرنے میں اُسی قدر سستی اور کاہلی کرتے ہیں؛ جہانتک دیکھا گیا ہی نماز کی بابت اکثر غفلت کیجاتی ہی، نماز کو گویا ہم نے ایسا کام قرار دیا ہی جسکے ادا کرنے کے لیے ہمیں اطمینان فرصت آرام اور صحت کی ضرورت ہی، نماز کو ہم نے ضروریات سے نہیں جانا ادنیٰ ادنیٰ وجوہات سے نماز کو ترک کر دیتے ہیں؛ مثلاً ذرا درد سر ہوا اور ہم نے جھٹ سے اُسوقت کی نماز قضا کر دی، یا کچھ دوسرا کام نکل آیا ہم نے نماز چھوڑ جھٹ سے اسکو پورا کرنا شروع کیا، غرض یہی بی ادنیٰ ادنیٰ وجوہات سے نماز کو ترک کر دیتے ہیں؛ اکثر تو صرف سستی یا کاہلی کے سبب ہم اس فرض کو ادا نہیں کرتے، نماز کی تاکید اور نماز کی خوبیاں جان کر ہم غافل ہو جاتے ہیں؛ نادان اور لاعلم کو اسکے گناہ یا نافرمانی کی اتنی سزا نہیں ہوتی جتنی کہ جاننے والے کو ہوتی ہی جو بے پروائی کرتا ہی،

نماز کیا ہی اسکے احسانوں کا دل اور زبان سے شکریہ ادا کرنا اور اپنے گناہوں کی معافی چاہنا، جب کوئی ادنیٰ سی شے ہمیں دیتا ہی تو ہمیں بغیر شکریہ ادا کیے چین نہیں آتا، خیال کرنا چاہیے کہ اس مالک مہربان کا جسنے ہزاروں چیزیں ہمیں عطا کیں جسکے بے حد احسانوں سے ہمارا بال بال بندھا ہوا ہی اسکا کس قدر شکریہ ہم ادا نہ کریں، اگر ہم بجائے پانچ وقت کے شب و روز نماز و عبادت میں ہی مشغول رہیں اور ہمارا رواں رواں شکریہ ادا کرے تب بھی ممکن نہیں کہ ہم سے خدا کا شکریہ ادا ہو سکے، پس ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے گناہوں کی معافی خدا سے نہایت عجز و انکسار سے چاہیں، چنانچہ شیخ سعدی نے کیا خوب کہا ہی؛

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش   عذر بدرگاہ خدا آورد

ورنہ سزاوار خداوندیش — کس نتواند کہ بجا آورد

ہمیں لازم ہے کہ کسی حالت یا کسی وقت میں نماز کو حتی الامکان قضا نہ ہونے دیں ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہماری نماز وقت پر ادا ہو، جس دن ہم نماز نہ پڑہیں اُس دن ہمیں کھانا کھانے میں شرم کرنی چاہیے، اگر کوئی ہمارا نوکر ہماری نافرمانی کرے تو ہم کس قدر اس سے ناراض ہو جاتے ہیں اور ہم بغیر اپنی خدمت اور فرماں برداری کے ایک وقت روٹی دینا پسند نہیں کرتے،

ہمیں پروردگار عالم کی کریمی اور مہربانی کا خیال کرنا چاہیے کہ وہ اپنے ہزاروں نافرمان بندوں کو بھی بھوکا ننگا نہیں رکہتا سب کو اپنی نعمت بے دریغ سے پرورش فرماتا ہے پس جتنا ہم اس کی عنایتوں اور احسانوں اور مہربانیوں کا خیال کرتے جائینگے ہمارا دل خودبخود فرماں بردار بنتا جائیگا،

نماز کا طریق گھر میں ایسا ہونا چاہیے کہ گھر کے کُل خُرد وکلاں کو نماز پڑہنے پر مجبور کرے ایسا طریق ہرگز نہونا چاہیے کہ جسکا دل چاہے پڑہے جسکا دل چاہے نہ پڑہے بلکہ گھر کی منتظم بی بی کو چاہیے کہ جس طرح وہ اپنے گھر کا کل انتظام کرتی ہے، اسی طرح نماز کا بھی انتظام کرے جیسا کہ مختلف کاموں کے لیے جدا جدا کمرے مثلاً ڈرائنگ روم، ڈریسنگ روم، بیڈ روم، باتھ روم، ڈائننگ روم وغیرہ ہوا کرتے ہیں، نماز کے لیے بھی ایک کمرہ مقرر رکھے، صبح سویرے خود بیدار ہو کر سب کو جگائے، اور عبادت کیلیے سب کے ہمراہ حاضر ہو اور وقت مقررہ پر سب کو جمع کرے سب کے ہمراہ فریضہ کو ادا کرے عبادت کے وقت بچوں کو ضرور شامل رکھنا چاہیے جو نماز پڑہنے کے قابل ہوں اُنسے نماز پڑہوائے جو اس قابل نہو اُسکا صرف بیٹھ کے دیکھنا ہی کافی ہے، جب بچپن سے بچے دیکھا کرینگے تو اُن کے دل پر بہت اثر ہوگا، اولاد والدین کا نمونہ ہوتی ہے یہ تو ایک مشہور اور مسلم بات ہے پس جیسا اپنے بزرگوں کو کرتے دیکھیں گے خود بھی کرنے کی کوشش

کرینگے، اور جبکہ ایام طفولیت سے وہ نماز دیکھا کرینگے یہ بات انکے دلنشیں ہوجائیگی کہ
جس طرح غذا، غسل سونا وغیرہ انسان کے لیے ضروری ہیں نماز بھی ایک نہایت ضروری
شئے ہی جیسا کہ غذا یا نیند کو ترک کرنا ممکن نہیں اسی طرح نماز کا ترک کرنا بھی ناممکن ہے،
اور وہ نماز کو عبادت جانکر ادا نہ کرینگے بلکہ نماز ان کی ضروریات میں داخل ہوجاے گی،
اور بچپن کا ایسا اثر انکے دل پر ہوگا کہ کسی حالت میں وہ نماز کو ترک کرنا پسند نہ کرینگے
اور وہ نماز کے عادی بنجائینگے، یہ کتنا عمدہ اور ثواب کا کام ہی کہ خود بھی ادا کرے اور
سب لوگوں کو اور اپنے بچوں کو نماز کا عادی بنائے،

نماز صرف ہم مسلمانوں کے لیے نہیں اور نہ صرف مذہب اسلام میں اسکا حکم ہی
بلکہ ہر ایک قوم ہر ایک فرقہ ہر ایک مذہب کے لیے نماز اور عبادت نہایت ضروری ہی
اور دیگر اقوام میں بھی اس کی سخت تاکید ہی، لیکن وہ مختلف پیرایے میں ادا کرتے ہیں،
چنانچہ برہمن جب تک پوجا نہ کرلیں کیا مجال کہ کھانے کو انگلی تک لگائیں، ہندو، راجہ،
سکھ وغیرہ یہ بھی جب تک اپنی عبادت نہ کریں کھانا چھوتے تک نہیں، عیسائی یہ بھی
بلاناغہ برابر اپنی نماز ادا کرتے ہیں،

مجکو تقریباً دو ماہ عیسائی بہنوں میں ملکر رہنے کا اتفاق ہوا، میں دیکھا کرتی تھی کہ برابر
ہر روز صبح کو گھر کے سب لوگ ایک جگہ جمع ہوتے تھے، پہلے خدا کی حمد گائی جاتی تہی
پھر اُن میں سے کوئی ایک بائبل پڑہتی تہیں اور کل حاضرین نہایت شوق و غور سے سنتی
تہیں، بائبل پڑہکے ایک ایک حرف صاف طور پر بیان کرتی تہیں، پھر اسکے بعد نماز
ادا ہوتی تہی اور سب ملکر نہایت جوش و خروش اور خلوص دل سے گزشتہ شب سلامتی
اور خیریت سے گزرنے کا شکریہ ادا کرتی تہیں اور اپنا دن خوشی اور خیریت سے گزرنیکی
دعا کرتی تہیں، اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی چاہتیں، اور آیندہ کے لیے بہتری کی
درخواست کرتی تہیں، وہ اپنی عبادت میں بچوں کو ضرور شریک رکھتی تہیں، جب بچے

اپنی نازک اور پیاری میٹھی دلکش آواز سے خدا کی حمد گاتے تھے، بے اختیار موٹھ چوم لینے کو دل چاہتا تھا، بچے تو خیر نوکروں کو بھی وہ اپنی عبادت میں ضرور شامل کرتی تھیں، خواہ کیسا ہی ضروری کام کیوں نہو چھوڑ چھاڑ کر عبادت میں شریک ہونیکا حکم ہوتا تھا اگر کوئی نوکر کسی سبب سے عبادت میں شریک نہو تو پہلے اسکو نرمی ملائمت سے شامل ہونے کی تاکید کیجاتی تھی، اگر وہ اسپر بھی کچھ غفلت اور بے پروائی کرے تو جرمانہ کی دھمکی دیجاتی اور سخت خفا ہوتی تھیں؛ غرضکہ وہ زبردستی سب کو عبادت میں شریک کرتی تھیں

عبادت کے وقت بالکل کمرہ میں خاموشی رہتی کسی کو بات کرنے کی اجازت نہیں تھی؛ جب وہ نہایت جوش و خلوص دل سے بلند آواز سے خدا کے سامنے دعا مانگتی تھیں تب ایک عجیب کیفیت دل پر طاری ہوجاتی تھی، اسی طرح صبح شام برابر وہ اپنا فرض ادا کرتی تھیں؛ رات کی مناجات میں وہ دن خیریت اور خوشی و آرام سے گزرنے کا شکریہ ادا کرتی تھیں؛ اور شب کی خیریت سے گزرنے کی درخواست کرتی تھیں، صبح اور شام کی مناجات و دعا کے مناسب وقت ان میں جدا جدا مقرر ہوتے ہیں؛ دو ماہ کے عرصہ میں میں نے ایک دن بلکہ ایک وقت بھی ان کی نماز قضا ہوتے ہوئے نہیں دیکھی، اس سے بحث نہیں کہ ان کی عبادت سے ثواب ہے یا نہیں صرف اس سے یہ دکھلانا منظور ہے کہ وہ کس خوبی اور کس پابندی سے اپنی نماز ادا کرتے ہیں؛

جہاں کہ ہم مسلمان دیگر اقوام سے علم ہنر، حرفت، تجارت، مال و دولت وغیرہ میں گرے ہوئے ہیں؛ وہاں عبادت جیسی ضروری اور معمولی بات میں بھی ہم سب کے پیچھے ہیں، کسی قوم یا کسی فرقہ یا کسی مذہب نے اپنی عبادت یا نماز کو غفلت یا بے پروائی سے ترک نہیں کیا، جیسا کہ ہم مسلمان اپنی نماز میں غفلت کرتے ہیں،

انتظام خانہ داری، پرورش اولاد، بچوں کی تعلیم صحت وغیرہ کی طرح عبادت بھی بہ نسبت مردوں کے مستورات سے زیادہ وابستہ ہے اگر ہم چاہیں اور کوشش کریں تو

خود بھی نماز کی عادی بن سکتی ہیں اور اپنے بچوں و دیگر لوگوں کو بھی عادی بنا سکتی ہیں،

میری پیاری عزیز بہنوں! ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم بزرگان دین کی پیروی کریں، نماز پڑھنے میں ہمیں حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے، ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ کبھی ہماری نماز قضا نہ ہونے پاے، ہمیں سخت کوشش کرنی چاہیے کہ خود بھی نماز کے عادی بنیں اور دوسروں کو بھی عادی بنائیں، ہمیں ضرور اسکے احسانوں کا دل و زبان سے شکریہ دن رات ادا کرنا چاہیے۔ شکر کرنے میں زیادتی نعمتوں کی ہے، چھوٹی چھوٹی چڑیاں تک صبح شام خدا کی عبادت کرتی ہیں وہ بھی اپنی زبان میں خدا کا شکریہ ادا کرتی ہیں تو بھلا یہ کسقدر شرم و افسوس کی بات ہے کہ ہم انسان ہو کر اس کی عبادت میں غفلت یا سستی کریں، اُس کی بے حساب نعمتوں سے دن رات فائدہ اُٹھائیں اور اُسکے احسانوں سے ہمارا بال بال بندھا ہوا ہو تاہم اسکا شکریہ ادا نہ کریں، اب میں اپنے مضمون کو اس رباعی پر ختم کرتی ہوں، رباعی

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند　　تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار　　شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نبری

آخر میں صدق دل سے دعا ہے کہ خدا کا فضل اور توفیق الہٰی ہم مسلمانوں کے شامل حال ہو اور ہمیں نماز کا عادی بنائے اور ہماری نمازوں کو قبول فرمائے، آمین ثم آمین،

خاکسار
رابعہ بیگم

لندن کی چند عورتیں

یوں تو یہاں کی ساری عورتیں پڑھی لکھی، لائق فائق اور سرگرمی سے کام کرنیوالی ہیں، مگر جو عورتیں سفریجٹ موومنٹ (یعنی پارلیمنٹ میں عورتوں کو ممبر منتخب کرنیکا اختیار

حاصل کرنے کی تحریک" کو چلا رہی ہیں، وہ بلا کی لائق جفاکش، اور بہادر ہیں،

اس تحریک کی دو بڑی شاخیں ہیں۔ ایک میں وہ عورتیں شامل ہیں جو دنگا اور فساد کو ٹھیک نہیں سمجھتیں، دوسری شاخ کا اصول یہ ہے کہ اگر نرمی سے کام نہ بنے تو سختی روا ہے اور اگر اخلاقی قانون نہ توڑا جائے تو سرکاری قانون توڑنے میں کوئی گناہ نہیں،

اس شاخ میں کام کرنے والی عورتیں قدرتاً وہ ہیں جو زیادہ نڈر، زیادہ چست اور زیادہ مردانہ ہیں، اسلیے انکے کارنامے بھی زیادہ دلچسپ اور سبق آموز ہیں، ان میں سے تقریباً ہر ایک ایسی ہے کہ اسکی علیحدہ زندگی لکھی جائے، مگر میں صرف پانچ سات مشہور مشہوروں کا تھوڑا سا حال لکھتا ہوں،

مس کرسٹبل پنکھرسٹ^ل سب سے مشہور ہیں۔ آپ کی عمر کوئی چھبیس ستائیس سال کی ہے۔ مانچسٹر یونیورسٹی کی ایل۔ ایل۔ بی۔ اور اعلیٰ درجہ کی فصیح ہیں، حاضر جوابی میں اپنا نظیر نہیں رکھتیں۔ جوش و خروش کا یہ حال ہے کہ جب بولتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انصاف کی دیوی غصہ میں آ رہی ہے۔ باوجود اسکے حوصلہ اور بردباری اتنی ہے کہ میدان میں ہزارہا لوگوں کے سامنے اکثر تقریر کرتی ہیں۔ کئی شہدے (لندن میں بھی شہدے ہیں اور بہت ہیں) تمسخر کرتے ہیں۔ گھنٹیاں بجاتے ہیں، شور و غل مچاتے ہیں۔ بات بات پر ٹوکتے ہیں مگر کرسٹبل ہے کہ سب کو جواب دیتی اور ایسا دنداں شکن جواب دیتی ہے کہ وہ آدمی پھر نہیں بولتا۔

آپ کی والدہ ایک بڑی بھاری شاخ کی بانی اور لیڈر ہیں۔ اور آپ کی چھوٹی بہن مس

ل کچھ عرصہ ہوا کہ ایک کنواری عورت مس ہیریٹ اوینز نامی کا حال اخباروں میں چھپا تھا۔ اسکو مردوں سے اتنی نفرت تھی کہ اگر کوئی اسکو بادشاہ کی تصویر والا پیسہ دیتا تو وہ اُسے غصے سے آگ میں پھینکدیتی۔ اخبار خریدنے جاتی تو مرد کے ہاتھ سے کبھی نہ لیتی۔ جس مکان میں کتے بلی یا مرد ہوتے وہاں قدم نہ رکھتی، جہانتک ہوسکتا ڈاک کے ذریعے سے چٹھی نہ منگاتی کیونکہ ٹکٹ پر بادشاہ کی مہر ہوتی ہے۔

سلویا بھی دل وجان سے آپ کے ساتھ ہیں،

پچھلے اکتوبر میں آپ نے اپنی والدہ اور ایک لیڈی کے ساتھ اشتہار نکالا کہ فلاں ہاوس آف کامنز (یعنی پارلیمنٹ کے دارالعوام) پر حملہ ہوگا۔ اس شام کو میں خود وہاں تھا اتنی خلقت جمع تھی کہ کہیں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی، پانچ ہزار سپاہی امن و امان قائم رکھنے کے لیے جابجا پارلیمنٹ کے محل کے ارد گرد پھر رہے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ دریا میں بھی کشتیاں سپاہیوں سے لدی ہوئی پہرے دے رہی تھیں کہ ایسا نہو عورتیں دریا کی طرف سے دھاوا کریں۔ دس گیارہ بجے تک ایسا اژدہام رہا کہ اس کی نظیر بہت کم ملتی ہے دھاوا تو کیا ہو سکتا تھا۔ چند عورتوں نے اندر جانے کی کوشش کی اور روک دی گئیں نتیجہ یہ ہوا کہ اسی دن وارنٹ نکل چکا تھا۔ ماں بیٹی معہ ایک تیسری لیڈی کے گرفتار ہوگئیں۔ مقدمہ میں آپ نے مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم خزانہ و مسٹر گلیڈسٹن وزیر ملکی (ہوم منسٹر) کو گواہی کے لیے طلب کیا۔ خود ایل۔ ایل بی ہیں۔ اس لیے سارا مقدمہ خود ہی کیا اور جرح میں اُن وزیروں کی وہ خبر لی کہ عمر بھر یاد کرینگے۔

اس مقدمہ میں آپ نے وہ قانونی لیاقت اور فصاحت دکھائی کہ سارے ملک نے آپ کو پورشیا[1] کا خطاب دیا۔ پھر بھی آپ کی والدہ کو تین مہینے اور آپ کو دس ہفتہ کی قید کا حکم ہوا۔ جب آپ قید خانے سے نکلیں۔ ایک بھاری جلسہ آپ کو مبارکباد دینے کے لیے کیا گیا۔ یہ جلسہ بھی میں نے دیکھا۔ حاضرین کی تعداد اتنی تھی جتنی کانگرس میں ہوا کرتی ہے آپ کو ایک نہایت خوبصورت سفید، سبز اور ارغوانی رنگ کا جھنڈا نذر کیا گیا۔ آپ نے بعد میں ایک پُرجوش تقریر کی جسکے ایک ایک لفظ کو سُنکر میرا بھی جی چاہتا تھا کہ میرے دیسی بھائی یہاں موجود ہوتے تاکہ انہیں بھی معلوم ہوتا کہ کس طرح کام کیا جاتا ہے اور اپنے

---

[1] شکسپیر کے مشہور ڈراما "سوداگر وینس" میں ایک مشہور و معروف لیڈی کا نام ہے جسنے بڑی فصاحت کے ساتھ وکالت کرکے اپنے عاشق کے ایک دوست کو قتل ناروا سے بچایا تھا۔

حق حاصل کرنے کے لیے کیا کیا قربانیاں کرنی پڑتی ہیں، آپ نے فرمایا کہ آزادی کے بغیر جینا مرنے سے بُرا ہی اور جو انسان اپنے حق کے لیے کوشش نہیں کرتا اُسے زندہ رہکر انسان کے نام کو دھبہ نہیں لگانا چاہیے۔

جنرل ڈرمنڈ۔ شہرت کے دربار میں دوسرا درجہ مسز ڈرمنڈ صاحبہ کا ہی۔ پچھلے سال وزیرِ اعظم نے ایک دفعہ یہ کہدیا تہا کہ انگلستان کی عورتوں نے کبھی اس بات کا ثبوت نہیں دیا کہ وہ سچ مچ انتخاب پارلیمنٹ میں راے دینے کا حق حاصل کرنے کی خواہشمند ہیں، وزیر اعظم کو اس بات کا یقین دلانے کے لیے پچھلے جون میں لندن کے سب سے بڑے باغ ہائڈ پارک میں عورتوں کا ایک جلسہ کیا گیا۔ کوئی پانچ لاکھ عورت و مرد اس جلسہ میں شامل ہوئے، لاکھ عورتیں برطانیہ کے ہر گوشے سے جمع ہوئیں، بیس پلیٹ فارم قائم کیے گئے اور ہر جگہ ہی تقریریں ہوئیں۔ اخیر میں مقررہ وقت پر بگل بجا اور اس بات کا رزولیوشن پاس کیا گیا کہ انگلستان کی عورتیں راے دینے کے حق کی خواہشمند ہیں اور وقت آگیا ہی کہ ان کی آدرہی کیجائے۔ مسز ڈرمنڈ اس جلسہ کی کارکن تھیں۔ آپنے ایک خاص وردی پہنی تہی۔ اور آپ کا موٹر کار تمام دن اِدہر سے اُدہر اور اُدہر سے اِدہر گشت کرتا رہا۔

اسوقت کی سربراہی کی وجہ سے غلقت نے آپ کو جنرل کا خطاب دیا اور اسوقت آپ اسی نام سے مشہور ہیں۔ ہاؤس آف کامنز والے مقدمے میں آپ ہی مس کرسٹبل اور مسز پنکہرسٹ کے ساتھ تہیں۔ آپ کو بھی انکے ساتھ قید بھگتنی پڑی۔

مسز لارنس۔ جنگی معرکجسٹون کی ایک شاخ کی خزانچی ہیں، آپ مسٹر تہیک لارنس سولسٹر کی بیوی ہیں۔ میاں بیوی دونوں اس تحریک کے دل و جان سے حامی ہیں۔ اور وولٹس فار ومن نامی اخبار کی ایڈیٹر ہیں۔ مسز لارنس پہلے مشنری تہیں اور مسٹر ویملین کے نام سے مشہور تہیں۔ آپ کو یوں تو قیدیوں کی مدد کرنے کے لیے جیل میں جانے کا کئی دفعہ اتفاق ہوا مگر قیدی بنکر آپ جیل میں ابھی تک نہیں گئی تہیں۔ دوسری لیڈیاں تقریباً سب

اپنی اپنی باری بھگت چکی تھیں۔ کام جاری رکھنا تھا۔ اور کام جاری رکھنے کے معنی جیلخانہ جانا تھا اس لیے اب کے مسز لارنس کی باری آئی۔ آپ نے وزیر اعظم کو لکھ بھیجا کہ ہم ڈپوٹیشن لیکر آئیں گے۔ وہاں سے جواب ملا کہ وزیر اعظم نہیں مل سکیں گے۔ مگر آپ اگلے دن اٹھائیس عورتوں کو لیکر ہاؤس آف کامنز کی طرف روانہ ہوئیں۔ راستے میں سپاہیوں کی دوہری قطار کھڑی تھی۔ مسز لارنس اور اُنکے ساتھیوں نے بار بار قطار چیر کر نکلنے کی کوشش کی مگر کہاں لنڈن کے دیو قد اور دیو نما سپاہی، کہاں مسز لارنس کی نازک فوج۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب لیڈیاں گرفتار ہوگئیں۔ اگلے دن ہی مقدمہ شروع ہوا۔ مسز لارنس سے پوچھا گیا کہ پڑھی لکھی ہو کر تم نے امن میں کیوں خلل ڈالا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں اور میرے ساتھی کوئی چور یا ڈاکو نہیں۔ سب باعزت اور لکھی پڑھی شریف عورتیں ہیں۔ اگر ہم نے قانون توڑا ہی تو صرف اس واسطے کہ عورتوں کو رائے دینے کا حق اور گورنمنٹ میں حصہ دیے بغیر عورت ذات کی مصیبت دور کرنا ممکن نہیں۔ میرا بیمار بھوکی ننگی اور مصیبت زدہ عورتوں سے واسطہ پڑتا رہا ہی اور مجھے یقین ہی کہ جب تک ہمارا ہاتھ گورنمنٹ میں نہ ہوگا بچوں اور عورتوں کی حفاظت کبھی اچھی طرح نہیں ہوگی۔ ہم نے کوئی اخلاقی قانون نہیں توڑا صرف ایک نامعقول اور جابرانہ قانون کے برخلاف کارروائی کی ہی۔ وزیر اعظم کے پاس عرضی لیکر جانیکا حق چارلس اول کے زمانے سے انگریزوں کو حاصل ہی اور کوئی وجہ نہیں کہ عورتوں کو اس حق سے محروم رکھا جائے۔ اسی دن چند منٹ کے بعد فرڈو پارٹی کے وکیل اپنی عرضی وزیر اعظم کے پاس لیکر پہنچے اور اُنہیں کسی نے نہیں روکا۔ ہمارا دار و مدار اس بنیادی اصول پر ہی کہ جو شخص ٹیکس ادا کرے اُسے قانون بنانے میں بھی حصہ ملنا چاہیے۔

قیدیوں میں ہمارے پرانے وائسرائے صاحب لارڈ لٹن کی لڑکی لیڈی لٹن بھی تھیں۔ جب ان سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ آج کے دن کا مجھے نہایت ہی فخر ہ

ساری زندگی میں مجھے اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی جتنی آج ہوئی اگر عدالت نے مجھ پر جرمانہ کیا تو میرا کوئی دوست میرا جرمانہ نہ دے کیونکہ مجھے پھر قیدی بن کر عدالت میں آنا پڑیگا۔

سرکاری وکیل۔ لیڈی لٹن کا یہ پہلا ہی جرم ہے۔

مجسٹریٹ۔ اگر آپ اقرار کریں کہ پھر ایسی حرکت نہ کریں تو میں آپ کو چھوڑ دوں۔

لیڈی لٹن۔ میں ہرگز ایسا اقرار نہیں کرونگی۔

مجسٹریٹ۔ تو میں لاچار ہوں کہ آپ سے بھی دوسروں کی طرح سلوک کروں۔

لیڈی لٹن۔ میں جیل جانے کے لیے تیار ہوں۔

انکے علاوہ قیدیوں میں دو اور لیڈیاں صاحب رتبہ تھیں۔ ایک تو کیپ کالونی کے ایک پرانے وزیر اعظم کی صاحبزادی مس سولومن۔ دوسری کمانڈر ڈگڈیل صاحب کی لڑکی، یہ بھی سب کے ساتھ جیل میں ہیں۔

مس ڈگڈیل نے عدالت سے مخاطب ہو کر کہا۔ آپ اسوقت عدالت کی کرسی پر ہیں۔ یاد رکھیں کہ آپ کے اوپر خدا کی عدالت ہے۔ اور جو جو ظلم اور فریب وزیر اعظم اور اسکے ساتھیوں نے ہمسے کیے ہیں ان سب کی سزا ان سب کو وہاں ملے گی۔ قیدیوں میں ایک مسز ڈٹلیس بھی تھیں۔ آپ نے بیان کیا کہ میں نے اس کام میں ایک خاص خیال سے حصہ لیا ہے۔ ہمارا ایک ننھا سا بچہ ہے۔ ایک دن مجھے خیال آیا کہ بڑے ہو کر اگر اسنے پوچھا کہ اماں تم نے اس تحریک کے لیے کونسا کام کیا تو میں کیا جواب دونگی؟ اس شرم سے بچنے کے لیے میں بھی ان کے ساتھ ہو گئی۔

مسز ڈسپرڈر دوسری شاخ کی خزانچی[1] ہیں۔

---

[1] یہاں خزانچی کا عہدہ پریسیڈنٹ یا صدر کے عہدہ سے بھی زیادہ معزز ہوتا ہے۔ اور کسی سوسائٹی کا خزانچی ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس شخص کی حیثیت اور امتیاز تمام ممبروں سے زیادہ ہے۔

آپ جنرل فرنچ[۱] کی بہن ہیں۔ بہت عمر رسیدہ ہیں۔ مگر جوش و خروش میں جوانوں سے بڑھکر ہیں۔ چند ہفتے ہوئے آپنے بھی پارلیمنٹ کے محل پر دھاوا کیا اور معہ اپنے ساتھیوں کے گرفتار ہوگئیں۔ ضمانت دینے سے انکار کیا اسلیے جیل بھیجی گئیں۔ وہاں جاکر بیمار ہوگئیں اس لیے چند دن ہوئے کہ گورنمنٹ نے رہا کر دیا،

آپ بڑی فصیح ہیں۔ ان کی ایک تقریر مینے بھی سنی۔ پرانے قید سے چھوٹے ہوئے ممبروں کو آپ نے تمغے عطا کیے اور دل اُبھارنے والی تقریر کی جسکا اثر یہ ہوا کہ پندرہ منٹ کے اندر آپ نے وہیں تین سو پونڈ یعنی ساڑھے چار ہزار روپیہ چندہ جمع کرلیا،

مس میوریل میٹرس۔ آپ نوجوان اور حُسن کے زیور سے آراستہ ہیں؛ آپ کا اصلی وطن اسٹریلیا تھا اور وہاں آپ کو رائے دینے کا حق حاصل تھا۔ اسلیے آپ کا غصہ بجا معلوم ہوتا ہی کہ یہاں اپنے موروثی حق سے وہ محروم ہیں۔ جس دن پارلیمنٹ پر حملہ ہوتا تھا آپ کسی حیلے سے اندر ہو گئیں۔ ساتھ ایک زنجیر لیگئیں وہاں جاکر فوراً اپنے آپ کو گیلری کے جنگلہ سے باندھ دیا۔ جب پارلیمنٹ میں تقریریں شروع ہوئیں، آپنے دو چار سو ٹریکٹ جو ساتھ لے گئی تھیں، ممبروں کے سر پر دے مارے اور گیلری سے تقریر شروع کردی؛ فوراً چپراسی دوڑے مگر آپ گیلری سے بندھی ہوئی بیٹھی تھیں اور زنجیر میں ایک نہایت اعلیٰ قسم کا مضبوط قفل لگا دیا تھا۔ جسکی کنجی آپ گھر چھوڑ گئی تھیں۔ اسلیے زنجیر کھولنے میں سخت دقت ہوئی۔ چپراسی مجبور ہوکر ریتی ڈھونڈھنے دوڑے اور آپ تقریر کرتی گئیں۔ آخر ان کا موںھ بند کر دیا گیا اور مشکل سے زنجیر کاٹ کر انہیں باہر نکالا گیا۔ اسکے بعد قانون پاس ہوگیا کہ کوئی عورت بلکہ اجنبی مرد بھی اندر داخل ہونے پائے۔ مس میٹرس قید ہو چکی ہیں اور علاوہ

---

[۱] جنرل فرنچ انگلینڈ کے مشہور جنرلوں میں سے ہیں آپ پہلے بحری فوج میں تھے پھر بری میں تبدیل ہو گئے۔ مصر اور جنوبی افریقہ میں آپکے کارنمایاں مشہور ہیں۔ آجکل آپ ڈیوک آف کناٹ کی جگہ ساری فوجوں کے انسپکٹر جنرل ہیں اور بعض لوگوں کا خیال ہی کہ شاید ایک دن ہندوستان کے کمانڈران چیف ہونگے،

اسکے ایک اور طرح بہی شہرت حاصل کرچکی ہیں یعنی ۱۰- فروری ۱۹۰۹ء کو بادشاہ سلامت کو پارلیمنٹ کا افتتاح کرنا تہا، خلقت کا ہجوم تہا سفریجیٹ تحریک کیلیے اشتہار بازی کا اس سے بہتر اور کونسا موقعہ ہو سکتا تہا۔ چنانچہ اس دفعہ مس میوریل میٹرس نے اور ہی تجویز نکالی۔ آپنے بیلون یعنی غبارہ کرایہ پر لے لیا۔ اور جسمیں سیر کے قریب اشتہار اور رسالے اور ایک میگافون[1] لیکر بیٹھ گئیں۔ منشا یہ تہا کہ جب شاہی گاڑی نکلے آپ اوپر سے "ووٹس فار ومن (عورتوں کیلیے رائے) زور سے پکاریں اور ہوسکے تو شاہی گاڑی پر اشتہاروں کی بارش کریں۔ بدقسمتی سے بیلون بہت اونچا چڑہ گیا۔ اور آپ کی آواز کسی کو سنائی نہ دی۔

مس آگسٹن۔ آپ ابھی نوجوان ہیں۔ بی۔ ایس۔ سی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ اپنی سوسائٹی کی بڑی سرگرم ممبر ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا کہ البرٹ ہال میں صلح پسند سفریجٹوں کا جلسہ ہوا تہا۔ جسمیں مسٹر لائڈ جارج وزیر خزانہ نے جو اس تحریک کے حامی ہیں تقریر کی جنگی سفریجٹوں کا اصول ہے کہ کسی وزیر کو تقریر نہ کرنے دینگے،

حالانکہ وزیر خزانہ انکے حق میں بولنے آئے تھے مگر انہوں نے اپنا اصول نہ چھوڑا جب تقریر شروع ہوئی جنگی پارٹی کی عورتوں نے روک ٹوک شروع کردی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی عورتیں اور کئی مرد بھی جنمیں مسٹر نونیس مشہور اخبار نویس بہی تھے ہال سے باہر نکال دیے گئے۔

مس آگسٹن نے بہی شور مچایا، دو چار آدمی انکو بہی نکالنے کے لیے دوڑے۔ آپنے اپنے جبہ کے نیچے سے چابک نکالا اور دائیں بائیں اس طرح چلانا شروع کیا کہ دم بھر کے لیے سب کو پسپا کر دیا۔ یہ حرکت پبلک میں ذرا غصہ کی نظر سے دیکھی گئی اسلیے مس کرسٹبل کی چھوٹی بہن مس سلویا پینکھرسٹ کو اخباروں میں اسکا جواب دینا پڑا۔

از زمانہ

[1] ایک آلہ ہے جس سے دور تک آواز پہنچائی جاسکتی ہے۔

مضمون نگاری میں ایک ضروری اصلاح

ہمارے رسالہ کے لیے جو مضامین عورتوں کے آتے ہیں اُن میں سے اکثر کی نسبت ہمکو یقین آتا ہے کہ وہ عورتوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ بعض کی نسبت البتہ شک پیدا ہوتا ہے، لیکن قرآن پاک میں چونکہ حکم ہے کہ خواہ مخواہ بدگمانی نہ کرو، اور تجسس میں پڑو اسلیے ہم زیادہ تفتیش نہیں کرتے اور اُن کو بجنسہ خاتون میں شائع کر دیتے ہیں، یہ ناممکن ہے کہ ہم کو کسی ذریعہ سے کسی مضمون کی نسبت یقین ہو جائے کہ وہ مرد کا لکھا ہوا ہے، اور پھر ہم اسکو کسی عورت کے نام سے شائع کریں۔ ہم اپنے تمام نامہ نگاروں کو مندرجہ ذیل مضمون کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ وہ اسکو غور سے دیکھیں۔ اور عورتوں کے نام سے مرد مضمون نہ لکھیں۔

اڈیٹر

عرصہ سے میرے دل میں یہ بات کھٹک رہی تھی کہ مردوں کے مضامین کو عورتونکے نام سے شائع کرانا ایک اخلاقی جرم ہے اور بارہا جی میں آیا کہ اس جرم کے انسداد کی تحریک پر قلم اُٹھاؤں مگر اس ارادہ کی تکمیل کا آجتک کوئی موقع ہاتھ نہ آیا، آج اتفاقاً سرسید کی لائف کو جو کھولا تو صفحہ ۴۷۴ میں عبارت مندرجہ ذیل پر نظر پڑی۔

ان کا ایک دوست جو اخبار کا اڈیٹر تھا اسکے اخبار میں چند خط کسی عورت کے نام سے چھپے تھے۔ جب وہ پرچہ سرسید کی نظر سے گزرا تو انہوں نے اسکو لکھا کہ "کیا آپ کو یقین دلی ہے کہ وہ خط درحقیقت کسی عورت کے لکھے ہوئے ہیں۔ اگر ایسا یقین نہیں ہے، تو کیا یہ کانشنس کے برخلاف نہیں ہے کہ جس بات کو تم صحیح نہیں سمجھتے اُسکو بطور سچ کے ظاہر

کرو؟ سب اخلاق سے مقدم سچائی ہے۔ اور یہ سچائی جیسے قول سے متعلق ہے ویسے ہی فعل سے بھی متعلق ہے۔ ایسے ہی پرائیوٹ خطوط سے اور ایسے ہی اخبار سے، سر سید نے اگرچہ اپنے ایک دوست اڈیٹر کو دوستانہ نصیحت کی تھی۔ مگر یہ ایک ایسی نصیحت ہے کہ ہر شخص کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ اڈیٹروں کی طرف سے ممکن ہے کہ یہ ایک عذر پیش کیا جائے کہ ہم لاعلمی میں ایسا کرتے ہیں۔ لیکن یہ عذر خاص خاص مضمون نگاروں کے مضامین کے اعتبار سے قابل قبول ہو سکتا ہے جیسے مولوی سید احمد صاحب مولف فرہنگ آصفیہ و عبدالراشد الخیری دہلوی وغیرہ جنکو بیگماتی زبان و محاورات کے لکھنے پر پوری قدرت ہے۔ مگر یہ لوگ خود اپنی اخلاقی حالت میں ایسے کمزور نہیں ہیں کہ اپنے لکھے ہوئے مضامین کو عورتوں کے نام کی چادر اُڑھا کر پبلک کے روبرو لائیں۔ رہے وہ لوگ جنکو خود اپنی زبان کو ٹکسالی بنانے میں پوری مشق حاصل نہیں ہوئی ہے۔ بھلا عورتوں کی بولی کیونکر بول سکتے ہیں۔ اور جو ایسا کرتے ہیں وہ کچے چور کی طرح پکڑے جاتے ہیں، ع کھے دیتی ہے شوخی نقش پا کی۔

دوسرا عذر جو اوّل سے زیادہ معقول ہے یہ ہو سکتا ہے کہ نفس مضمون کو دیکھ لینا کافی ہے کہ بکار آمد اور مفید مطلب ہے یا نہیں۔ مضمون نگار کے نام کی چھان بین کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بیشک مفید اور بکار آمد مضامین کی اشاعت کو روکنا قرین مصلحت نہیں ہے، مگر ساتھ ہی کانشنس کے برخلاف کام کرنا ایک ایسا اخلاقی جرم ہے کہ جس کی تلافی مضمون کی عمدگی سے نہیں ہو سکتی۔ اس لیے مضامین مشتبہ کے متعلق اڈیٹر پر اپنے اشتباہ کا ظاہر کر دینا فرض ہے تاکہ کانشنس کے خلاف کام کرنیکا الزام اسپر عائد نہو۔ اور اگر اڈیٹر صاحب کو اصلی مضمون نگار کے نام سے واقفیت رہتی ہے تو ناظرین کو دہوکے میں ڈالنے کا دوسرا چارج اُن پر ہے۔

کاش ہمارے مضمون نگاران صاحبان خود ہی عورتوں کے بھیس میں نمودار نہوتے

تو اڈیٹر صاحبان کو پہچاننے کی تکلیف ہی گوارا نہ کرنی پڑتی۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ لوگ جو ایسا کرتے ہیں کس مصلحت سے کرتے ہیں۔ کیا عورتوں کا نام لکھدینے سے مضمون کا اثر بڑھجاتا ہی۔ یا قدر بڑھجاتی ہی۔ مضمون اگر موثر ہی تو اسکو نہ عورت کے نام کی سفارش کی ضرورت ہی نہ مرد کی۔ رہی قدر۔ تو وہ تو تاڑنیوالی نظروں کے سامنے اور بھی مٹی میں ملجاتی ہی۔ ہاں ایک خیال نام و نمود کا اکثر دماغوں میں سمایا ہوا ہے۔ کسی کو اپنی بیوی کا نام اونچا کرنا مد نظر ہوتا ہی تو خود ہی مسٹر سے مسز یا بیگم بنجاتے ہیں۔ کسی کو اپنی بستی کی جھوٹی ترقی تعلیم نسواں کو مشہور کرنا ہی تو صاحب سے صاحبہ ہوجاتے ہیں۔

لیکن نظر غائر ڈالنے سے ہر شخص کے نزدیک یہ انتہا درجہ کی اخلاقی کمزوری نظر آئیگی۔ یہ ایک ایسا فعل مذموم ہی جسکا کوئی عارضی فائدہ ہی نہیں۔ بھائیو اگر سچی نام و نمود چاہتے ہو تو اپنے عورتوں کو واقعی ایسی تعلیم دو کہ وہ خود اعلیٰ درجہ کے مضامین لکھ سکیں اپنی بستی میں تعلیم نسواں کا چرچا بڑھاؤ۔ زنانہ مدارس قائم کرو تاکہ آج جیسی ایک مثال اور وہ بھی جھوٹی مثال تم پیش کرنا چاہتے ہو۔ کل کو ویسے ہی متعدد نمونے اور سچے نمونے نظر آئیں۔

ایک اور بڑا نقصان اس نقلی مضمون نگاری کا یہ بھی ہی کہ عورتوں میں مضمون نگاری اور نکات آفرینی کی مہارت اور عادت پیدا نہوگی۔ بلا محنت جب ان کو نام آوری حاصل ہوجائیگی تو پھر محنت کی کیا ضرورت؟ بلکہ جہانتک ہوسکے خود عورتوں میں اس شوق و ذوق کو بڑھانا چاہیے اور وہ جس پایہ کا مضمون لکھیں اُس میں ضروری اصلاح دیکر بھیجدینا چاہیے۔ اور عورت کی کم مائگی علم کا لحاظ کرکے ہر اڈیٹر کو جسکے پاس بھیجا جائے، اپنے پرچہ میں شائع کردینا چاہیے تاکہ اُس کی ہمت بڑھے اور شوق دوبالا ہو۔

ابوالکمال دیسنوی

تعلیم

مندرجۂ بالا عنوان بادی النظر میں اسقدر عام معلوم ہوتا ہی کہ ناظرین سے بہت کم امید التفات ہی۔ اسلیئے تعلیم کی ضرورت اور فوائد پہ کتنے عقلمند آدمی قلم اٹھا چکے ہیں۔ کتنوں کی انہتک کوششوں اور محنتوں نے آخر کار گناہ اور وحشت یا یوں کہو کہ جہالت کے مقابلے میں اس معصوم رحمدل اور مہذب تعلیم کو پھیلایا ہی۔ اگر آج کوئی ان لوگوں کا شمار کرنے بیٹھے کہ جنھوں نے اسی صدی میں تعلیم کی تائید میں سیف قلم سے کام لیا ہی۔ تو مشکل بلکہ ناممکن ہی۔ بات یہ ہی کہ دنیا کی کسی چیز کو بھی نیا کہنا ناممکن ہی۔ دنیا و مافیہا کی مثال میری سمجھ میں یہ آتی ہی کہ وہ مثل مثلث۔ مسدس۔ مربع وغیرہ اشکال کے ہی۔ یہ انسانوں کی مختلف ذہانت پر مبنی ہی کہ کوئی انہیں آپس میں اس طرح ترتیب دیتا ہی کہ اس سے مختلف خوشنما شکلیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور کوئی انہیں ملکر بت بن جاتا ہی اور کہتا ہی کہ یہ کیا ہی۔

یا اس کی مثال یوں سمجھو کہ جس طرح مکان کا مصالحہ دنیا میں موجود تھا۔ مگر یہ مختلف عہد کے معماروں کا کام تھا۔ کہ کسی نے اس سے قصر الحمرہ یلدز اور کسی نے ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے بنائے۔ آجکل کے موجدوں کو دیکھلو انہوں نے کونسی بات کونسی چیز پیدا کر دی ہی۔ دخانی قوت پہلے سے موجود تھی۔ مگر جیمس واٹ اور ڈرانٹ صاحبان سے پہلے لوگوں کو اسکا استعمال معلوم نہ تھا۔ اور تعلیم کے اصلی معنی بھی حقائق اشیاء اور ان کی ماہیت کا جاننا ہی۔

اکثر ایسا ہوتا ہی کہ ایک مصنف کے خیال دوسرے مصنف سے اس طرح ملجاتے ہیں کہ ایک ہی شخص کے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہی کہ انسان کی سرشت اور خصلت ایک ہی ہی۔ یا یوں کہو کہ خیالات کے لیے ایک ہی قسم کا دماغ ہی۔ یہ بات اور ہی کہ

جزوی اختلافات معاشرت میں دکھائی دیں۔

اتنی تمہید کے بعد ہم نفس مضمون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ باوجودیکہ تعلیم کی تائید میں جیسا کہ اوپر لکھا ہی۔ بڑے بڑے اہل قلم انبیا۔ اور اولیا کوشش کرتے چلے آئے ہیں تاہم اسکو قبول عام حاصل نہیں ہوا۔ علم نے جہالت کی تیرہ و تاریک مملکت پر پوری فتح نہیں پائی۔ مگر اس سے ہم کو مایوس نہونا چاہیے۔ پھر بھی بہت کچھ ہوگیا ہی۔ جوں جوں زمانہ آگے بڑہتا جاتا ہی۔ تعلیم کو فتح اور جہالت کو شکست ہوتی جاتی ہی۔ ہماری بعض مشرقی بہنیں یہ خیال کرتی ہونگی کہ اس درجہ گمراہی خاص اہل مشرق کا ہی حصہ ہی اور یہ خاص انہی سے مخصوص ہی۔ مگر دنیا کی تاریخ کا مطالعہ بتا دیگا کہ یہ خیال بالکل غلط ہی۔

اگرچہ یہ خیال عام ہی کہ دو عقلمند آدمیوں کے خیال میں مناسبت ہونی تعجب خیز ہی نہیں بلکہ لازمی ہی مگر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ نہ صرف تعلیم و تہذیب میں ہی اتحاد ہی بلکہ یہ ایکا جہالت نے بھی اپنی مضبوطی کے لیے تعلیم سے بہت پہلے کر رکھا ہی اسکا ثبوت دو ملکوں اور قوموں کی جاہلانہ معاشرت کا موازنہ کرنے سے خوب ملجائیگا۔ اس مختصر مضمون کے احاطہ سے مختلف مراسم اور رواج کا موازنہ کرنا باہر ہی۔ اور دوسرے ملکوں کو جانے دو۔ ہندوستان اور انگلستان کے مراسم کو بیلوث ۱۸۷۰ء سے پہلے کہ جبتک جزیرہ برطانیہ میں تعلیم عام اور لازمی نہ تھی عموماً لوگ ایسے ہی توہم پرست تھے جیسے بدقسمتی سے ہمارے ملک میں اب ہیں،

جن، بھوت۔ گنڈا تعویذ سب کو مانتے تھے۔ کوئی گھوڑے کے نعل اور لوہے کی آوازوں کو دافع آسیب سمجھتا تھا۔ تو کوئی ولیوں کی منتیں مانتا تھا۔ بلکہ یہ کہنا بیجا نہوگا کہ ہماری قوم میں یہ باتیں غیر مسلم قوموں سے آئیں۔ چنانچہ ہندوستان میں بھی یہی خیالات عام ہیں۔ ہمارے یہاں کی جاہل عورتیں نیاز اور منتوں کو جزو ایمان جانتی ہیں۔ بعض جاہل گھوڑے کے نعل پر کاجل پاڑ کے چڑ مین بچوں کی آنکھوں میں لگاتی ہیں۔ بعض

گھروں میں قاعدہ ہے کہ زچہ خانہ میں تلوار چاقو یا کوئی اور لوہے کی چیز بھوت پلید سے محفوظ رکھنے کے لیے رکھتے ہیں۔ یہی مراسم کول بھیل وحشی قوموں میں عام ہیں۔ یہ تو ہمارت کہ جن کا سارا ملک جہالت کی بدولت گھر بنا ہوا ہے اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان کی تفصیل کیجائے تو ایک دفتر کا دفتر چاہیے۔

انگلستان میں لوگوں نے آنکھیں کھولی ہیں۔ وہاں تعلیم پھیل گئی۔ اور جہالت بھی معہ اپنے خوفناک کارندوں کے وہاں سے رخصت ہوئی۔ ۱۸۷۰ء سے تعلیم لازمی قرار دی گئی اور اسی زمانہ سے یہ تو ہمات زمانہ گزشتہ کا ایک افسوسناک فسانہ رہ گئے اسی زمانہ سے جرائم میں پچیس فیصدی کی تخفیف ہو گئی۔ جرمن کا ملک ایک زمانہ میں شراب خواری کے لیے بدنام تھا۔ مگر جب سے یہاں تعلیم نے قدم رکھا۔ شراب خواری کم ہو گئی اور اب اہل جرمن فرنگی قوموں میں سب سے کم شراب خوار تسلیم کیے جاتے ہیں۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ کم و بیش یورپ میں تو تعلیم نے جہالت پر فتح پالی ہے اور اگر کہیں تھوڑا بہت جہالت کا اثر باقی ہے تو وہ بھی بمرور زمانہ غائب ہو جائیگا۔ مگر افسوس کہ ہمارے ملک میں ابھی تک جہالت کا خوب دور دورہ ہے اور تعلیم کی حالت نہایت نازک ہے۔ مردوں میں اگر کچھ تھوڑی بہت تعلیم ہے تو وہ بھی بیکار و ناقص کیونکہ عورتیں اس سے محروم ہیں۔ لوگ ابتک جہالت کے نشے میں یہی کہے جاتے ہیں کہ تعلیم مضر ہے۔ عورتوں کو جہانتک ممکن ہو اس سے محروم رکھو۔ اگرچہ یہ بات اطمینان بخش ہے کہ عورتوں میں اب خود تعلیم کا خیال پیدا ہو گیا ہے۔ ایم جے بیگم صاحبہ، سہروردیہ بیگم صاحبہ، و سلطانہ بیگم صاحبہ جیسی لائق خواتین نے مستورات کی توجہ تعلیم اور اصلاح کی طرف مبذول کرنیکی کوشش کی ہے۔ مگر ہمارے مردوں کا بھی فرض ہے کہ اپنی مساعی جمیلہ سے اشاعت تعلیم میں مدد دیں۔ اگر ہم نے تعلیم نسواں کے مسئلہ پر غور نہ کیا تو ہماری قوم کی ٹمٹماتی ہوئی شمع حیات ضرور گل ہو جائیگی۔

افسوس تو یہ ہے کہ بعض صحاب اس بنا پر تعلیم کی مخالفت کرتے ہیں کہ اس سے لڑکیوں میں آزادی و بیباکی پیدا ہو جائیگی۔ مگر یہ ایک دوسری شکل کی جہالت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تعلیم سے خیالات میں وسعت اور آزادی پیدا ہوتی ہے۔ مگر آزادی تو جب ہی مضر ہے کہ جب حدود معینہ سے درگزرے۔

ہمارے یہاں آزادی کی ایک حد ہے اور وہ قواعد اور احکام شرعیہ کی پابندی کیساتھ وابستہ ہے۔ ہماری معزز اور محترم ترکی بہنیں خوب تعلیم یافتہ ہیں اور تقید سے بھی آزاد ہیں اور سچی اسلامی پابندی انکے اندر ہے۔

شیخ عبد القادر صاحب نے اپنے سفرنامہ قسطنطنیہ موسومہ "مقام خلافت" میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے ایک دوست جلال انسی بے صاحب کی خرد سالہ دختر کا امتحان لینا چاہا تو لڑکی نے سب چیزوں کا امتحان تو ننگے سر دیا (کیونکہ کھیلتی ہوئی آئی تھی) مگر جب شیخ صاحب نے کلام مجید کی آیتیں سننی چاہیں تو لڑکی نے کہا کہ میں اپنا سر ڈھاک لوں اور پھر نہایت ادب سے آیات قرآنی تلاوت کیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری ہندوستانی بہنیں بھی اپنی معزز ترکی بہنوں کی طرح مسلمان رہکر بلا روک اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔

بعض صحاب فرنگستانی عورتوں کی زندگی کے کمزور پہلو دکھا کر لوگوں کو تعلیم سے بدظن کرتے رہتے ہیں۔ مگر اُن کو یہ معلوم نہیں کہ مذہب اسلام ایک ایسی چیز ہے کہ اس سے سب اجتماعی خرابیوں کا ازالہ ہوتا جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ فرنگستان میں بھی بکثرت ایسی عورتیں ہیں کہ جنکی زندگی قابل تقلید ہے ہم کیوں نہ مسٹر ڈورا اور مس نائٹ انگل کی مثالوں کو اپنے پیش نظر رکھیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے خذ ما صفا ودع ما کدر یعنی جو اچھا ہے اُسے لیلو اور بُری چیز کو چھوڑ دو اب یہ بات ظاہر ہے کہ اگر ہم ترقی کر سکتے ہیں تو اپنے مذہب کو اور فرنگی تعلیم کو حاصل کر کے کر سکتے ہیں۔

خود حضور رسول مقبول صلعم نے فرمایا ہے اطلبوا العلم ولو کان فی الصین ،
یعنی علم کو اگر چین میں ہی ہو تو حاصل کرو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ علم سے مراد علم دینی ہے
اگر اسکے یہ معنی ہی لیے جائیں تو ہرج نہیں مگر صریح معنی تو یہ ہیں کہ ہر علم حاصل کرو۔ کیونکہ
مذہبی تعلیم کا تو مبدأ عرب ہی کا ملک ہے۔ دوسرے ملک میں حاصل کرنے کی
کیا ضرورت ہے۔

احمد علی

از دہلی

ایک انگلش لیڈی اور دہلی کی سیر

دہلی پہنچکر میں[1] نواب زیب النسا بیگم معروف بہ بیگم شمرو کی مہمان ہوئی۔ یہ ایک وسیع
علاقہ کی مالک ہیں جو میرٹھ، سہارنپور، بلندشہر، دہلی وغیرہ اضلاع میں واقع ہے۔ شاہ عالم ثانی
نے بجلدوے خیرخواہی انہیں پندرہ لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر اور فرزندۂ عزیزہ عمدۃ الاکابر
نواب زیب النسا بیگم کا خطاب عطا کیا تھا اور ان کا شمار شاہزادیوں میں ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے
خاندان شاہی کی بیگمات کے ساتھ ان کا میل جول بہت تھا۔

بیگم صاحبہ نے مجھ سے کہا کہ اگر چاہو تو میں تمہاری ملاقات قلعہ کی بیگمات سے کرادوں
میں نے بخوشی اس امر کو منظور کیا۔ قلعے کے دروازہ پر بہت سے داروغہ محل ملے اور ہم
چار پانچ وسیع چوکوں میں سے گزر کر آخری چوک میں پہنچے۔ یہاں ہم اپنی پالکیوں میں سے
اُتر پڑے اور دیوان خاص کے قریب جا پہونچے۔

اس وسیع ایوان کے وسط میں ایک تخت بلورین بہ شکل مربع رکھا ہوا ہے اور

---

[1] اس لیڈی کا نام۔ اے ڈی ایلونگٹن تھا ۱۸۳۰ء سے ۱۸۳۲ء تک ہندوستان کے مختلف مقامات میں
سیر و سفر کرتی رہی۔ مضمون ہذا اسی کے سفرنامہ سے لیا گیا ہے۔

انکے عرض و طول میں تناسب معقول ہی۔ اس تخت کے نہایت بیش قیمت ہونے میں کچھ کلام نہیں ہی۔ تخت کے سامنے بیگم نے بہت جھک کر سلام کیا اور میں نے بھی اُنہیں کی تقلید کی۔ اسکے بعد سنگ مرمر کی چند سیڑہیاں چڑہکر ہم زنانہ محل میں داخل ہوئے۔ محل کا دروازہ بارہ فٹ اونچا تھا اور اسپر سرخ بانات کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ ہم خواجہ سراؤں کے ہجوم سے گزر کر ایک صحن میں پہنچے جسکا فرش سنگ مرمر کا تھا۔ صحن کے چاروں طرف جو برآمدہ تھا اُسکے ستون بھی تمام سنگ مرمر کے تھے اور اُسکے دروازوں میں سے مختلف کمروں میں جانیکا رستہ تھا۔ یہاں ہم شاہ متوفی کی ملکہ سے ملاقی ہوئے۔ بیگم صاحبہ انسے بغلگیر ہوئیں۔ ملکہ ضعیف العمر ہیں۔ انکے ہمراہ ہم متعدد مکانات سے گزر کر ایک اور صحن میں پہونچے۔ جہاں قالینوں کا فرش تھا۔ لب فرش ہم نے جوتے اُتار دیے سامنے ہی شہنشاہ عالم جلوہ افروز نظر آئے۔ ان کے ارد گرد دو سو کے قریب شاہزادے اور شاہزادیاں کھڑی ہوئی تہیں۔ صرف ملکہ بیٹھی ہوئی تہیں۔

تخت فرش سے دو فٹ کے قریب اونچا تھا اور اُسکے ایک طرف دو سیڑہیاں تہیں۔ تخت پر سرخ کمخواب کی مسند بچھی ہوئی تھی۔ اور اُس پر قیمتی کپڑے کے بڑے بڑے گاؤ تکیے چپ و راست رکھے ہوئے تھے اور ایک تکیہ کمر کو سہارا دینے کے لیے پشت کی جانب تھا۔ ایک چھوٹی سی مربع گدی پر جو بادشاہ کے سامنے بچھی ہوئی تی۔ چاندی کے خاصدان اور عطردان رکھے تھے۔ بادشاہ قرمزی رنگ کی زربفت کا جامہ پہنے ہوئے تھے۔ اور کمر پر سفید شال کا پٹکا بندہا تھا۔ عمامہ بھی سفید شال کا تھا اور اُسپر جیغہ اور سرپیچ قیمتی جواہرات سے جڑا ہوا اپنی بہین دکھارہا تھا۔ بادشاہ کے داہنی طرف تخت سے نیچے ملکہ عالم بیٹھی ہوئی تہیں۔

دیگر بیگمات کی نسبت اُن میں امتیازی بات یہ تھی کہ موتیوں کا جھومر اُنکے سر پر تھا اور پیشانی کے بائیں طرف لٹکا ہوا تھا۔ مانگ بیچ میں سے نکلی ہوئی تھی۔ بالوں میں گلاب کا

عطر پڑا ہوا تھا اور وہ بشکل گندہی ہوئی چوٹی کے پشت پر پڑے ہوئے تھے۔ ناک میں چار انچ قطر کی نتھ تھی۔ جس میں ایک بڑا لعل اور دو موتی پروئے ہوئے تھے۔ گلے میں بڑے بڑے موتیوں کی دو مالائیں اور بہت سے مرصع اور سادے ہار۔ بازوؤں اور ہاتھوں میں بھی طرح طرح کے جڑاؤ اور سادے زیور اور چوڑیاں تھیں۔ پیروں میں بھی سونے کا جڑاؤ زیور تھا اور انگلیوں میں لعل وزمرد اور نیلم کے چھلے تھے۔ پوشاک سرخ شال کی تھی جسکے چاروں طرف چوڑا سنہری حاشیہ لگا ہوا تھا۔ شال کے نیچے ڈھاکہ کی نہایت باریک تنزیب کا ڈوپٹہ تھا اور آدھے سر کو عجب انداز سے ڈھاکے ہوئے تھیں اور اس ڈوپٹہ پر بھی سنہری حاشیہ ٹکا ہوا تھا۔ ملکہ بادشاہ کی طرح ہر وقت پان چباتی رہتی تھی،

وہ قوم کی پٹھانی تھیں اور سیاہ فام۔ بادشاہ کا رنگ سرخ وسفید اور آنکھیں تیموری بڑی اور سیاہ، چہرے پر سرخی کی جھلک اور تازگی نمایاں تھی۔ ڈاڑھی کے بال سیاہ اور گھنے تھے اور اُن کی عمر قریب پچاس سال کے معلوم ہوتی تھی۔ جب اُن کی والدہ تخت کے سامنے آئیں تو اُنھوں نے اُن سے بیٹھ جانے کے لیے عرض کیا۔

شاہان اسلام کے ہاں یہ دستور ہے کہ جب کسی بادشاہ کا انتقال ہوجاتا ہے تو اُس کی تمام بیگمات اور کنیزوں کو بادشاہ عہد کی والدہ کے سوا ایک محل میں علیحدہ رکھا جاتا ہے اور وہاں بادشاہ اُن کو تازیست نہایت آسایش و آرام سے محفوظ رکھتا ہے۔ بیگمات بھی اس قید کو اپنے حق میں نہایت مفید سمجھتی ہیں۔ کیونکہ اُن کی ابتدا سے یہی تعلیم ہوتی رہتی ہے کہ اُنکے واسطے پردہ نہایت ضروری اور مستحسن ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس حالت میں وہ خوشی سے بسر کرتی ہیں۔

بادشاہ کی والدہ کی پوشاک یاقوتی ساٹھن کی تھی اور اُسپر سنہری اور روپہلی حاشیہ لگا ہوا تھا۔ اُن کی اوڑھنی ایک سبز شال کی تھی اور اُسپر بھی ایک سنہری ٹھپہ لگا ہوا تھا۔ انکے گلے۔ ہاتھوں اور کانوں کے زیور میں موتیوں کی کچھ انتہا نہ تھی۔ بائیں بازو پر ایک نہایت

بیش قیمت بازوبند تھا اور اسپر مختلف قسم کے جواہر جڑے ہوئے تھے۔ انگلیاں مرصع انگوٹھیوں
سے پُر تھیں۔ بادشاہ کے بیٹے اور قریبی رشتہ دار ملکہ کے گرد نصف دائرہ باندھے
کھڑے تھے۔ بادشاہ کی بیبیاں اور اُنکے بیٹوں کی بیبیاں اُنکے سامنے استادہ تھیں
بادشاہ خود بیچ میں تخت پر متمکن تھے اور اسکے گرد چاروں طرف شاہزادے اور شاہزادیاں
ہالہ کیے ہوئے تھیں۔

شاہزادہ جہانگیر کی بیوی کو دیکھکر مجھے نہایت مسرت بخش حیرت ہوئی۔ یہ بیگم
نازک اندام کشیدہ قامت گوری رنگت، خاندان کی مغلانی ہے۔ اسکا چہرہ نہایت دلاویز
مگر کسیقدر اُداس تھا۔ اس کی پوشاک سر سے پانؤں تک سفید ململ کی تھی اور اسکے بدن پر
کسی قسم کا زیور نہ تھا۔ اسکا خاوند نہایت فضول خرچ اور اوباش ہے۔ بادشاہ آجکل اُس سے
کبیدہ خاطر ہیں۔

یہ شاہزادہ ان دنوں دہلی سے جلاوطن ہے۔ اس کی والدہ ملکہ زمانی کے لاڈ نے
اسکو خراب کیا ہے۔ اور ملکہ زمانی خفیہ خفیہ اس کی مدد کرتی رہتی ہیں اور بہت کچھ پوشیدہ
اسکو بھیجتی رہتی ہیں۔ بادشاہ ملکہ زمانی کو ملکہ زمانی نہیں کہتے والدہ جہانگیر کے لقب سے
پکارتے ہیں۔

جب ہم کو قدمبوس ہونے کی عزت حاصل ہوئی تو بیگم شمرو نے تین بار زمین دوز
سلام ادا کیا اور میں نے بھی اُس کی پیروی کی۔ آئین دربار کے موافق میں نے سفید رومال
پر چار اشرفیاں رکھکر بادشاہ کو نذر دکھائی۔ بادشاہ نے نہایت دلاویز مسکراہٹ کے ساتھ
قبول کر کے ملکہ زمانی کے سپرد کیا۔ میں بموجب دستور پھر اُلٹے قدم واپس آئی اور قالین
کے کنارہ استادہ ہو کر تسلیمات بجالائی اور دو مہر کی نذر ملکہ زمانی کے سامنے پیش کی
اور پھر اسی طرح دو مہر کی نذر بادشاہ کے والدہ کو دی۔ نذر کے بعد بادشاہ نے مجکو بیٹھنے کا
اشارہ کیا اور دریافت کیا کہ کیا تم انگلستان کے شاہی خاندان سے ہو؟ میں نے جواب

دینے میں تامل کیا۔ میرے توقف سے بادشاہ کو یہ خیال گزرا کہ یہ فارسی زبان سے بے بہرہ ہے۔ اسواسطے بیگم شمرو سے دریافت کیا کہ یہ فارسی جانتی ہے یا نہیں۔ بیگم صاحبہ نے عرض کیا کہ نہیں۔ جب یہ گفتگو بادشاہ اور بیگم میں ہو رہی تھی میں بالکل خاموش تھی۔ حضور نے خاص طور پر میرے حال پر عنایت شاہی مبذول فرمائی یعنی اپنے صغیر سن بیٹے صاحب عالم مرزا سلیم کے ہاتھ ایک سپاری مجکو مرحمت کی۔ اس شاہزادہ کی عمر بارہ سال کی ہے اتنے میں ہنڈہ بردار حقہ لیکر حاضر ہوا۔ بادشاہ نے دو تین دم لگا کر اسکو اشارہ کیا کہ حقہ لیجائے۔ بیگم کا حقہ بھی لایا گیا مگر چونکہ بادشاہ کے سامنے حقہ پینا داب ریاست اور آداب شاہی کے خلاف ہے۔ اسواسطے بیگم نے فوراً اُسکو ہٹانے کا ایما کیا۔

رخصت کے وقت ملکہ نے ایک چھوٹی کشتی میں سے جو خواص کے ہاتھ میں تھی سبز شال کا ایک جوڑا اُٹھا کر انداز شاہانہ سے میرے شانے پر ڈالدیا اور زبان مبارک سے فرمایا "جیتی رہو" اسکے بعد میں نے ملکہ اور بادشاہ کو تسلیم کی اور اُلٹے پیروں واپس آئی۔

چند روز بعد ہم قطب کی سیر کو گئے۔ خواجہ قطب الدین کا مزار ایک کشادہ صحن میں واقع ہے۔ صحن کے وسط میں چودہ فٹ مربع چھوٹا سا چبوترہ ہے اور اُسپر قبر بنی ہوئی ہے صحن کے چاروں طرف دس فٹ اونچی سنگ مرمر کی دیوار ہے۔ اور دو طرف نہایت خوبصورت جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ مزار شریف کے اوپر کمخواب کا غلاف پڑا رہتا ہے، غلاف کے اوپر نہایت عمدہ سنہری کارچوبی کام بنا ہوا ہے۔ اس جگہ رات دن حافظ قرآن تلاوت قرآن کرتے رہتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ اس مقدس ولی نے اپنی وفات کے وقت اپنی اولاد کی قسم دیدی تھی کہ اسکے قبر کے پاس کوئی عورت نہ آنے پائے۔ جب یہ بات نہایت شیریں کلامی کے ساتھ ہمارے گوش گزار کی گئی تو ہم نے جالیوں ہی میں سے مزار مقدس کے دیکھنے پر قناعت کی۔

اس مزار کی زیارت کے بعد ہم حضرت شاہ عالم اور بہادر شاہ کے مجر دیکھنے گئے یہ دونوں تعویذ ایک ہی حجرے میں ہیں۔ خواجہ قطب الدین کے مزار اور اس حجرے میں صرف یہ فرق ہی کہ خواجہ صاحب کا مزار زیادہ وسیع چوک میں ہی اُسی طرح کی سنگ مرمر کی جالیاں یہاں بھی لگی ہوئی ہیں۔

اس مجر کے اوپر سرخ اور سُنہری کمخواب کا شامیانہ تنا ہوا ہی۔ شامیانہ چاندی کے چھ چوبوں پر استادہ ہی اور ان چوبوں پر عمدہ کام منقش ہی۔ شاہ عالم کی قبر پر جو ابھی فوت ہوئے ہیں ایک غلاف پڑا ہوا تھا۔ اور پائنتی مور کے پروں کے دو پنکھے کہ جن کی ڈنڈیاں چاندی کی تھیں رکھے ہوئے تھے، یہاں دو حافظ قرآن باری باری سے رات دن تلاوت میں مصروف رہتے ہیں۔ ان قبروں کو دیکھکر ایک دروازے اور چھتہ سے ہمارا گزر ہوا۔ اس چھتے کی چھت صندل کی ہی۔ اسکے قریب ایک بڑی عمدہ باولی ہی۔ اس میں پانی برابر گرتا رہتا ہی۔ اور یہ پانی پہاڑی چشموں سے آتا رہتا ہی۔

ایس۔ ایم۔ محمود
مظفر پوری

اسلام ترقی کا مانع نہیں

آج یورپ نے جو ترقی حاصل کی ہی اُسکے اظہار کے لیے صرف اتنا لکھدینا کافی ہے کہ وہ موجودہ تمدن اور تہذیب کا سرچشمہ کہلایا جاتا ہی لیکن اسکے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے کہ یورپ کی تمام باتیں قابل تقلید سمجھی جائیں اور اسکے ہر ادا کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا جائے اگر آج یورپ یہانتک ترقی کر جائے کہ ترقی کے تمام دروازے محدود ہو جائیں تاہم یہ کلی طور سے نہیں کہا جاسکتا کہ اُسکا ہر فعل قابل تقلید اور اُس کی ہر بات قابل تسلیم ہی۔

یورپ کا خیال ہے کہ کوئی شخص مذہب میں رہکر ترقی نہیں کرسکتا کیونکہ مذہب اعتقادیات تک محدود نہیں رہتا بلکہ ہمارے ہر ہر فعل ہر ہر کام میں دخل اندازی کرتا ہی یہانتک کہ اُٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا، کھانا پینا ہی مذہب کے حدود سے باہر نہیں۔ نیز یہ کہ مذہب کے اعمال ایسے سخت اور دشوار ہوتے ہیں جن کی وجہ سے مشقتوں اور تکلیفوں کا اسقدر بوجھ ہوجاتا ہی جسکا برداشت کرلینا ہر انسان کا کام نہیں۔ پھر اسقدر بار گراں اُٹھا کر کیا کوئی شخص ایک قدم بھی ترقی کرسکتا ہے ہم اسپر تفصیلی بحث کرکے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ یورپ کا یہ خیال کہانتک صحیح اور درست ہے

بے شبہ یورپ کے اس اعتراض کا نشانہ تمام مذہب بن سکتے ہیں بلکہ سب سے زیادہ عیسائی مذہب اس اعتراض کا ہدف بن سکتا ہی لیکن سوال یہ ہی کہ مذہب اسلام بھی اس اعتراض کا نشانہ بن سکتا ہی یا نہیں، صاف ظاہر ہی کہ مذہب اسلام ایسے اعتراضوں کا ہرگز ہدف نہیں بن سکتا۔

اسلام کے عقائد۔ اسلام کی بنیاد جن چیزوں پر قائم ہی وہ صرف تین ہیں۔ توحید۔ نبوت معاد۔ یہ اسلام نہایت سادہ صاف اور مختصر ہی۔ یہی سادگی ہی جس کی بناپر اسلام کو دیگر مذاہب پر ترجیح کا حق حاصل ہی۔ دنیا میں آج سیکڑوں مذہب پائے جاتے ہیں۔ مثلاً یہود۔ نصاریٰ ہنود۔ مجوسی، مصری وغیرہ مگر کوئی مذہب ایسا نہیں ہی جسکے عقائد اتنے صاف اور مختصر ہوں۔ کوئی سیکڑوں خدا مانتا ہی۔ کوئی تین خدا مانتا ہی۔ کوئی خدا کے لیے ایسے اوصاف ثابت کرتا ہی جس سے خدا میں اور بندے میں کوئی معتد بہ فرق باقی نہیں رہتا۔ اسلام کی اسی سادگی پر یورپ کا ایک محقق ان الفاظ میں حسرت ظاہر کرتا ہی۔

اگر کوئی حکیم "عیسائی مذہب کے طول طویل اور پُرپیچ عقائد مذہبی پر نظر ڈالیگا تو بول اُٹھیگا کہ آہ یہ مذہب ایسا سادہ اور صاف مختصر کیوں نہوا کہ میں ایمان لاتا ایک خدا پر اور اسکے رسول محمدؐ پر"۔

اس میں شک نہیں کہ ہم کو اس سے نہایت خوشی ہی کہ یورپ میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو بالکل غیر متعصب ہیں۔

یہ ہی اسلام یہ ہیں اسکے عقائد جنکے دیکھنے سے ہر ایک منصف شخص بغیر دو ایک لفظ تعریف اسلام میں کہے ہوئے نہیں رہ سکتا. اب اسلام کے اعمال پر غور کرنا چاہیے کہ وہ کہانتک سخت ہیں جسکی وجہ سے وہ ترقی کے بیخ کن کہے جاتے ہیں۔

اسلام کے اعمال۔ اسلام نے جو چیزیں ہم پر فرض کی ہیں وہ صرف پانچ ہیں حج زکوٰۃ۔ صوم، صلوٰۃ، جہاد یہی پانچ چیزیں ہیں جنکے کرنے سے کافر مسلمان اور شقی سعید ہوجاتا ہے۔ ان میں سے حج زکوٰۃ صرف ایسے لوگوں پر فرض ہے جو دولتمند ہوں، جہاد صرف اسوقت واجب ہے جب حفاظت خود اختیاری کی حاجت ہو۔ صرف دو فرض ہیں جو ہر خاص و عام کے لیے عام ہیں صوم. صلوٰۃ۔ روزوں کی یہ حالت ہے کہ سال میں صرف ایک مرتبہ فرض ہیں۔ بے شبہ نماز ایک ایسی چیز ہے جو کسی وقت ساقط نہیں ہوتی لیکن وہ بھی اُس شخص پر واجب ہوئی ہے جو عاقل بالغ ہو۔ اُس میں بھی یہ آسانی کہ اگر مریض ہو تو بیٹھکر لیٹ کر اشارے سے جس طرح ممکن ہو پڑھ لے، مسافرت کی حالت میں اگر انسان سواری پر ہے تو قبلے کی کچھ شرط نہیں بلکہ بمصداق اینما تولوا فثم وجہ اللہ کے جس طرف رخ ہو، سواری پر بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ لے۔ عورتوں سے بعض حالت میں نماز بالکل معاف ہو جاتی ہے۔ لڑکے اور مجنوں پر نماز فرض ہی نہیں کی گئی۔

روزے گو سال میں ایک ہی بار فرض ہیں تاہم اُن میں بھی یہ آسانی ہے کہ لڑکوں پر فرض ہی نہیں۔ بڈھوں یا اُن لوگوں کے لیے جنکو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں صرف فدیہ دینا کافی ہے۔ اس تفصیل کے بعد بھی کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اسلام کے عقائد پر پیچ یا طول طویل ہیں۔ یا اسلام کے اعمال اسقدر سخت ہیں جس کی وجہ سے مذہب اسلام میں رہکر کوئی شخص ترقی کا ایک زینہ بھی نہیں طے کر سکتا بلکہ سچ تو یوں ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس میں انسان بالکل آزاد رہ سکتا ہے اور ہر طرح کی نمایاں ترقی حاصل کر سکتا ہے۔

آج یورپ مذہب کا صرف اسواسطے مخالف ہے کہ مذہب کے اعمال بذات خود مقصود

ہوتے ہیں اور اُن پر کوئی اخلاقی نتیجہ نہیں مرتب ہوتا ہی مثلاً اگر ایک آقا اپنے نوکر کو یہ حکم دے
کہ آج شب بھر تم اپنے ہاتھ کو ہوا میں معلق رکھو اب اگر نوکر اپنے آقا کی اطاعت کریگا تو
آقا اُس سے خوش ہوگا۔ ورنہ اگر نافرمانی کریگا تو آقا اُس سے ناخوش ہوگا۔ لیکن اس ہاتھ کے
معلق رکھنے میں نہ آقا کا کوئی فائدہ اور نہ نوکر کا کوئی مقصود ہی بلکہ صرف نوکر کی اطاعت کا
امتحان منظور ہی مذہب کو اس قسم کے اعمال سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے بلکہ اُن پر
اخلاقی نتیجہ مرتب ہونا چاہیے۔

بے شبہ یورپ کا یہ خیال نہایت صحیح اور درست ہے لیکن جن اصول کو یورپ نے
آج اس قدر پریشانی کے بعد حاصل کیا ہی۔ اسلام نے تیرہ سو برس پیشتر ان اصولوں کو بتا دیا
تھا۔ مذہب اسلام نے سب سے پہلے یہ بتا دیا کہ بندہ جو کچھ کرتا ہی وہ خود اپنے لیے کرتا ہی
خدا کو بندے کی کچھ پرواہ نہیں "اللہ بندے سے بے پرواہ ہی" اس سے بھی زیادہ
واضح طور سے فرمادیا "جو شخص کوشش کرتا ہی وہ اپنی جان کے لیے کرتا ہی اللہ دنیا والوں
سے بے نیاز ہی" اسکے بعد کلی طور پر فرمادیا "جسنے اچھے کام کیے اپنے لیے کیے اور جسنے
بُرے کیے اپنے لیے کیے" یورپ کا یہ خیال اس بات پر مبنی ہی کہ اگر اعمال پر کوئی اخلاقی
نتیجہ نہ مرتب ہوگا تو اعمال ایک گونہ ہماری ترقی کے انحطاط کا باعث ہونگے۔ لیکن اسلام
کے ہر ہر فرض پر اخلاقی نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ اس بنا پر اسلام اس وجہ سے بھی ترقی کا مانع
نہیں ہوسکتا۔

نماز کی بابت خدا نے خود فرمادیا کہ "نماز تم کو تمام بُری باتوں سے روکتی ہی" روزے
میں انسان اپنے نفس پر غالب آجاتا ہی۔ زکوٰۃ میں گو ظاہرا معلوم ہوتا ہی کہ کوئی اخلاقی فائدہ
نہیں مگر حقیقت یہ ہی کہ زکوٰۃ میں بھی بہت سے فوائد ہیں۔ انسان گو کتنا ہی بخیل ہو مگر زکوٰۃ
دینے سے اُس کی بخالت جاتی رہتی ہی۔ دوسرے فقرا کی دستگیری ہوتی ہی اور اسکے
ساتھ ہی ساتھ اطاعت باری تعالیٰ بھی ہوتی جاتی ہی اب غور کیجیے کہ انسان پر جو مخلوق کا

حق ہو وہ کیسی خوش اسلوبی کے ساتھ ادا ہوگیا۔ خود انسان پر اُسکا یہ حق ہو کہ اپنے کو بُری باتوں سے بچائے وہ بھی حاصل ہوگیا۔ حج کی بابت خدا نے فرمایا "تاکہ اپنے منافع کی جگہ آجائیں" جہاد فتنہ وفساد کے رفع کرنے کے لیے شروع کیا گیا جیساکہ خدا فرماتا ہے "یہانتک لڑو کہ فتنہ نہ باقی رہے" اب ہم مختصر طور سے یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ عیسائی مذہب خصوصاً کیوں ترقی کا مانع ہو۔

عیسائی مذہب عیسائی تین خدا مانتے ہیں ایک وہ جو آسمان پر ہو دوسرا اسکا بیٹا یسوع مسیح تیسرے روح القدس مگران تینوں کو ایک مانتے ہیں اور ایک کو تین۔ یہ اجتماع النقیضین خود اُن کی سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ عقیدہ کا سمجھ میں آنا کوئی ضروری نہیں ہو۔ عیسائی مذہب میں رہبانیت نہایت محمود ہو اسی بنا پر آج یورپ میں سیکڑوں راہب اور ننز پائی جاتے ہیں۔ گو یورپ میں مذہبی فرقہ بالکل الگ ہوتا ہی لیکن سوال یہ ہو کہ انسان راہب بنکر کیا ترقی کرسکتا ہو جبکہ اُسکو دن ورات عبادت اور ریاضت میں پہاڑوں اور جنگلوں میں گزارنا پڑتا ہو۔ یہ ہیں پیچیدہ عقائد اور سخت اعمال جنکے شکنجہ میں پڑکر انسان ترقی نہیں کرسکتا۔ مذہب اسلام نے اسی وجہ سے تیرہ سو برس پہلے سے کہدیا کہ "اسلام میں رہبانیت حرام ہو"

ایوب از لکھنؤ

سوتیلی اولاد

مندرجہ ذیل مضمون ایک بیکس ماں کی درد بھری آہ ہو جسنے اپنے سوتیلے بیٹے کو پیار سے محبت سے اپنی اولاد کی طرح پالا۔ پرورش کیا۔ مگر اُس ناسپاس بیٹے نے کچھ احسان نہ مانا، اور اُسکے عوض میں اپنی بوڑھی ماں کو دُکھ دیا۔

سوتیلی ماں جسنے بچپن سے پالا ہو حقیقی ماں کے برابر ہی۔ جسکے پاؤں کے نیچے جنت ہوتی ہی۔ ماں کی محبت جنت کی ایک شمع ہی۔ جسکے نور سے دنیا میں روشنی ہی۔ جو شخص ماں کے احسانوں کا شکر گزار ہنو اُس سے بڑھکر دنیا میں اور کون کافر ہو سکتا ہی۔

مگر ہماری مضمون نگار بہن اس مصیبت سے ایسا گھبرا اُٹھی ہیں کہ اُنہوں نے تمام عورتوں کو صلاح دی ہی کہ وہ دوہاجو مرد سے یا کم سے کم ایسے مرد سے جسکے پہلے بیوی سے اولاد ہوں ہرگز شادی نہ کریں نہ اپنی بیٹیوں کو بیاہیں۔ لیکن یہ امر جسقدر عقل سے دور ہی اُسی قدر شریعت کے بھی مخالف ہی۔ کیا دنیا میں سب بچے یکساں ہی ہوتے ہیں؟ ہزاروں حقیقی بیٹے بھی ماں باپ کو دکھ پہنچاتے ہیں تو کیا لوگ شادی ہی کرنی چھوڑ دیں؟ بہرصورت ہم مضمون نگار بہن کو اس لکھنے پر قابل معافی کے تصور کرتے ہیں کیونکہ ان کا دل جلا ہی۔ ان کو رنج پہنچا ہی۔ ہم خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ اُن کے دل کو صبر عطا فرمائے۔

اگرچہ اُنکے ناسپاس بیٹے نے ان کی محبت اور اُنکے سلوک کی قدر نہیں کی لیکن اُن کو اُنکے اچھے کام اچھی نیت کا بدلا دہ خدا ضرور دیگا جو عالم الغیب ہے اور جو دلوں کے حال سے واقف ہی۔

مضمون نگار صاحبہ لکھتی ہیں کہ دولت کو دیکھکر لوگ اندھے ہو جاتے ہیں۔ حقیقت میں بعض اوقات محض دولت کو دیکھکر اپنی بیٹیوں کا بیاہ دینا تکلیف کا باعث ہوتا ہے لیکن دولت نفرت کے قابل چیز نہیں ہی۔ اس سے بہت آرام اور آسایش ہی بعض وقت حاصل ہوتی ہی جو مفلسی میں نہیں حاصل ہو سکتی۔ بڑی بڑی مہر اور بڑی بڑی جائداد بیٹیوں کو ترکہ میں ملتی ہی۔ مال و دولت کی بُرائی کرنی ایک قسم کی خدا کی ناشکری ہے۔

اڈیٹر

جناب اڈیٹر صاحب۔

بعد سلام واضح ہو کہ مدت سے آپ کا پرچہ دیکھتی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ میں بھی اس میں کوئی مضمون تحریر کروں بقول شخصے بیکار مباش کچھ کیا کر۔ اب مضمون لکھوں تو کیا لکھوں، آپ بیتی یا جگ بیتی۔ جگ بیتی کیا اپنی بیتی لکھنی چاہیے۔

سنو بہنوں! میں سب ماں بہنوں کو نصیحت کرتی ہوں کہ کوئی اپنی لڑکیوں کی شادی کرے تو ہرگز دو ہا جو مرد کے ساتھ نہ کرے اور اگر بر تقدیر دو ہا جو ہو بھی مگر اللہ صاحب اولاد سے ہرگز ہرگز نہ کرنی چاہیے۔ جسکے پہلی بی بی کی اولاد ہو۔ ہرگز اُس بیٹی کو فلاح اور بہبودی نہ ہوگی۔ بیٹی کیا بلکہ اُس کی تمام نسل تک کو نقصان پہونچیگا۔

یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ بچے چھوٹے ہیں انکا کیا ہے اور ہماری بیٹی بڑی اور ہوشیار ہے، نہیں چھوٹے ہوں یا بڑے۔ اُنسے تو بچنا چاہیے وہ جیسے حدیث شریف میں آیا ہے گناہ چھوٹا ہو یا بڑا اُس سے ڈرو۔ ایک دانۂ گندم سے حضرت آدم و حوا پر کیا سخت عذاب ہوا اور جنت سے نکلے اور کیا مصیبت پڑی جس کی مصیبت میں ابتک ہم سب انسان گرفتار ہیں۔ ایسے ہی یہ رستہ ہے کہ ایک ماں باپ شادی کر دیتے ہیں مگر تمام گھرانہ اُس لڑکی کی مصیبت میں گرفتار رہتا ہے۔ کوئی بہن اپنی لڑکی کی شادی صاحب اولاد مرد کے ساتھ نہ کرے۔

اب آپ میری بیتی سُنیے کہ میری شادی میرے والدین نے صاحب اولاد کے ساتھ کی اور اُنہوں نے اپنے نزدیک بہت اچھا سمجھا اور وہ واقعی بات اچھی تھی اور دولتمند بھی تھے۔ اکثر یہ دولت کم بخت اندھا کر دیتی ہے۔ اسکا کچھ ایسا لالچ ہوتا ہے کہ اُس کی روشنی کے آگے کچھ سوجھتا نہیں۔ مگر میرے لیے تو کچھ اچھا نہوا اور وہ سب روپیہ پیسہ زہر قاتل ہو گیا اور میں نے کبھی اُس سے آسایش و آرام سے بسر نہیں کی۔ مگر میں نے بیس برس اُس زہر کو شہد سمجھا مگر زہر زہر ہی رہا اور اُسنے آخر کو اپنا اثر کیا اور وہ لڑکا میرے لیے سم قاتل

ہوگیا۔

جب میری شادی ہوئی تھی تو اُن صاحبزادے کی عمر چار سال کی تھی۔ میں نے اُس بچّہ کو نہایت محنت اور شوق سے پالا اور بہت ایمانداری و سچی دلی محبت سے ہمیشہ پیش آتی رہی اور یہ خیال تھا کہ اسوقت یہ بچہ ہی اسکو کچھ خبر نہیں اور اس کی ماں نہیں۔ جب یہ بڑا ہوگا اور میری شفقت مادری دیکھیگا تو یہ مجکو اپنی ماں جانیگا اور اسکے اور بزرگ جو زندہ ہیں اُنکے دل میں میری طرف سے بُرے خیالات پیدا نہونگے اور وہ اس بچہ کے کان بُری باتوں سے نہ بھرینگے۔ لہذا جہانتک ہوسکے اس بچہ کی ایسی پرورش ہونی چاہیے کہ اپنی اولاد میں اور اس میں کچھ فرق نہ معلوم ہو۔

غرض اُس بچہ کے ساتھ میرا وہ برتاوا تھا کہ میرے یہاں جو عزیز و اقارب آتے تھے اور مدت تک رہتے تھے۔ کسی کو یہ تمیز نہ ہوتی کہ یہ بچہ دوسری ماں سے ہے اگر کسی کو زیادہ تشویش ہوتی تو اس بات پر جب میری اور اُس کی عمر کا مقابلہ دیکھتے تھے ورنہ اور کوئی بات فرق کی نہ تھی اور یہ بات بھی صاحب تمیز لوگوں کو نظر آتی تھی ورنہ بے عقل کو مطلق تمیز نہوتی تھی۔

خیال کرو کہ میں نے یہ پینتیس برس اس خوبصورتی سے گزارے کسی نے نہ جانا اور کوئی بات نکتہ چینی، عیب جوئی کی نہوئی اور کُل تقریبات اپنے ہاتھ سے انجام دیں نہایت خوشی اور شوق کے ساتھ اُس کی پرورش کی۔ جب اس کی شادی وغیرہ سے فارغ ہوئی تو اُنکے یہاں ایک لڑکا تولد ہوا۔ اُسکو تو میں نے بالکل اپنا بچہ سمجھا۔ جسوقت سے وہ پیدا ہوا آپ پالا اور کل اخراجات انّا وغیرہ کی کفیل ہوئی۔

خدا کے فضل سے اب وہ لڑکا سولہ سال کا ہی۔ مجھ بدنصیب کے یہاں بھی ایک لڑکا تولد ہوا تھا۔ مگر میں نے اپنی کم عقلی اور کوتاہ اندیشی سے اپنے بچّے کو اُسسے کچھ زیادہ نہ سمجھا بلکہ ہروقت یہ خیال رہا کہ اسکا کیا ہی یہ تو اپنا بچہ ہے ان کی کسی بات میں فروگذاشت

نہ ہونی چاہیے ۔ اپنا بچہ تو جانور بھی پالتے ہیں اور محبت کرتے ہیں ۔ ہم انسان ہیں ہم میں اور جانوروں میں کچھ فرق ہونا چاہیے ۔

غرض کہانتک لکھوں کہ میں نے ۳۳ برس میں اس صاحبزادے کے ساتھ کیا کچھ سلوک اور احسانات کیے بلکہ جب اپنے یہاں بچہ پیدا ہوا تھا ۔ اُسوقت سے اُن کی محبت اور خبرگیری زیادہ رکھی کہ ایسا نہو کہ خدای تعالی کو بُرا معلوم ہو کہ میں اپنے بچے کو زیادہ سمجھوں اور دوسرے کے بچے کو کم ۔ غرضکہ میرا یہ کام خدای تعالی کو پسند نہ ہوا اُس کی قدرت کے خلاف تھا کہ میری ساری عمر میں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا اور وہ سب لائق ہو کر اس جہان فانی سے سفر کر گیا اور مجکو پچاس برس کی عمر میں اپنا داغ دیا ۔ دو برس چھ مہینے ہوئے کہ میرا شوہر اس دنیاے ناپایدار سے سفر کر گیا ۔ پانچ مہینے ہوئے کہ لخت جگر نور بصر نے رحلت کی اب دم واحد باقی ہی ع ۔ اللہ باقی من کُل فانی ۔

اب اُن صاحبزادے صاحب کو اپنے دلی حوصلہ نکالنے کا موقع ملا جو کچھ اُنھوں نے ایسے مصیبت کے وقت کام آنے پر اُن سلوک اور احسانات کا بدلہ دیا ہی اگر اُن کو قلمبند کروں تو اہل درد کا دل شق ہو جائے ۔ ع

فغاں ہیں آہ ہیں فریادیں شیون ہیں نالے ہیں
سُناؤں درد دل طاقت اگر ہو سُننے والے ہیں

حضرت امام حسین علیہ السلام کے وقت کے موافق خدای تعالی نے میرے لیے بہی وہی وقت کیا ۔ میرے بچے کے انتقال کی تاریخ ۴ محرم تھی وہی حضرت علی اکبر کی رحلت کی تھی ۔ حضرت قاسم جیسا دولہ تھا ۔ ایک سال شادی کو ہوے تھا ۔ اب میں اپنے غم کا کیا اظہار کروں ۔

ہر انسان میرے غم اور مصیبت کا قیاس کر سکتا ہی کہ جسکا ایک بچہ ہو اور وہ اس عمر میں اور ایسی حالت میں دنیا سے سفر کر جائے تو ایسی بدنصیب ماں کا کیا حال ہوگا ۔ اگر

عمر طبعی پا کر مرتا تو کچھ ارمان دل کا نکلتا۔

اب میں اپنے رنج کا حال کیا لکھوں۔ زمانہ سابق سے سوتیلے ماں بیٹوں میں عداوت چلی آتی ہے۔ دیکھو حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی بدسلوکی اور حضرت ابراہیم کی دو بیبیوں کے اولاد کی عداوت۔ ایک سوکن نے ایک کو جنگل بیابان میں نکلوادیا۔ یہ سوتیلا رشتہ قدرتاً بغض و عداوت کا ہے۔

چونکہ میں نے قدرت ربانی کے خلاف کیا تو اُس کی سزا پائی فلاح نہ پائی۔ اپنے نزدیک بڑی ہوشیاری کی۔ پہلے مجکو خیال تھا کہ بیبیاں بچوں کے ساتھ عداوت رکھتی ہیں پھر جب بچے اپنے سن تمیز کو پہونچتے ہیں تو اُسوقت وہ اپنا بدلا لیتے ہیں، نہیں میری رائے غلط تھی۔ اب تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ رشتہ عداوت کا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ سیتلا اور باندی نکلے بغیر نہیں رہتیں۔ ویسے ہی سوتیلے بچے بھی اپنا بیر لیے بغیر نہیں رہتے خواہ کتنا ہی سلوک کیوں نہ کرو۔

اس چار مہینے کے عرصہ میں میرے سوتیلے لڑکے نے میرے ساتھ وہ بدسلوکی کی ہے کہ دل کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ ایک ادنی بات تو یہ ہے کہ بھائی کے مرتے الگ ہوگئے اور اپنے بی بی بچوں کو جدا کرلیا۔ پینتیس۳۵ برس تک ساتھ رہے اور چار مہینے نہ رہ سکے اُن کی وہ مثل ہے کہ باندی نے میدان پایا چراغ کا تیل ٹیپوں کو لگایا۔ باپ بھائی دونوں سدھارے اُن کو میدان صاف نظر آیا۔ اب اُنکے گھر دن عید رات شب برات ہے نہ خدا کا خوف نہ دنیا کی شرم۔

اب پھر میری سب بہنوں سے یہ التجا ہے کہ کوئی اپنی لڑکی کی شادی صاحب اولاد مرد سے نہ کرے۔ اگر بر تقدیر کسی بدنصیب کی شادی ہوجائے تو اُس اولاد سے پرہیز رکھے۔ کبھی بھروسہ نہ کرے۔

اور یہ خیال کرنا چاہیے کہ جیسے مرض جذام، کوڑھ، دق کا اثر نسلاً بعد نسلاً ہوتا ہے،

ویسے ہی اس رشتہ کا بغض نسل در نسل رہتا ہی مثل ہی کہ ہزار نیم کو گڑ کھی سے سینچو
مگر وہ نیم کا نیم ہے۔ میں نے اس معاملہ میں بہت کوشش کی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔
باقی آیندہ لکھوں گی۔

درد وغم ہجر میں لکھا۔

یارسول اللہ میری آہ وزاری دیکھنا — مجھپہ تیرے ہجر کی مشکل ہی بھاری دیکھنا
دل جلی ہوں مرچلی ہوں جاں بلب ہوں کیا کروں — ایک دن آکر تو میری بیقراری دیکھنا
اسقدر روتی ہوں تیرے غم سے اے لخت جگر — دل کے ٹکڑے ہیں مری آنکھوں سے جاری دیکھنا
دل میں آتی ہی کہ جوگن بن کے تربت پہ چلوں — حد سے گزری ہی مری بے اختیاری دیکھنا
دن گزر جاتا ہی روتے روتے اے نور نظر — رات کو گرتی ہوں میں اختر شماری دیکھنا
دل سے تیرے جلوۂ جاں بخش کی مشتاق ہوں — اس غریب و عاجزہ کی جاں نثاری دیکھنا
ایک دن تم آنکر خود ہی خدا کیواسطے — خستہ حالی دلفگاری خاکساری دیکھنا

راقمہ خاکسار
ن و بیگم رئیسہ دہلی

بچوں کی تربیت اور نگہداشت

جون کے رسالۂ خاتون میں ایک روشنخیال خاتون نے بچوں کی پرورش اور صحت کے متعلق جو نہایت مفید اور ازبس ضروری ہدایتیں تحریر فرمائی ہیں ان کی جہانتک قدر کیجائے کم ہی۔ ملک کو اس قسم کے مضامین کی جتنی کچھ ضرورت ہی وہ محتاج بیان نہیں بیچاری عورتوں کا تو کیا ذکر ہی ہمارے یہاں کے مرد بھی اصول حفظان صحت سے واقف نہیں ہوتے۔ عورتوں کو جس قدر حفظ صحت کے اصول جاننے کی ضرورت ہے

مردوں کو اتنی حاجت نہیں۔

اس کی وجہ صاف ظاہر ہی کہ عورتیں ان ضروری مسائل کے وقفیت سے نہ صرف اپنے آپ کو ان باتوں سے محفوظ رکھہ سکتی ہیں جو صحت کو خراب کرتی اور نقصان پہونچاتی ہیں۔ بلکہ اپنی قوم اور اپنے ملک کی صحت قائم اور برقرار رکھہ سکتی ہیں۔ آیندہ نسل کو کمزوری اور تباہی سے بچا سکتی ہیں اور اپنی عزیزاز جان اولاد کی قبل از وقت موت سے حفاظت کرسکتی ہیں۔ ہندوستان میں ماؤں کی جہالت اور لاعلمی کے باعث ہر سال ہزاروں معصوم بچے موت کا شکار ہوتے ہیں۔ حساب لگایا گیا ہی کہ ہندوستان میں کمسن بچوں کی موت کا اوسط فیصدی اٹھاون (۵۸) ہی۔ حالانکہ دنیا کے دوسرے مہذب وترقی یافتہ ممالک میں یہ کثرت نہیں پائی جاتی۔ انگلستان میں کمسن بچوں کی موت کا اوسط بمشکل بندرہ فیصدی ہی۔ اسپر بھی وہاں کے محبان وطن مطمئن نہیں ہیں۔ کیونکہ حیوانات میں اس قسم کی اموات پانچ (۵) یا چھ (۶) فیصدی سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اسلیے یہ لوگ اپنے ہاں کی اوسط کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں۔ ان کو ہمیشہ اس اوسط کو گھٹانے کی فکر لگی رہتی ہے اور وہ کبھی اس سے غافل نہیں ہوتے مگر افسوس ہمارے ملک میں کوئی اس طرف توجہ نہیں کرتا۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں تو عموماً یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ عورتوں کو حفظان صحت کے اصول سکھا کر کیا کسی ڈاکٹر خانہ میں نوکری کرانی ہی۔

اسی طرح اصول تربیت پر ہمارے ملک میں کچھ لحاظ نہیں کیا جاتا اسکا نتیجہ بھی ہم اپنی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ ہماری اخلاقی حالت کیسی ہی۔ ہر سال ایک بڑی تعداد نوجوانوں کی کالجوں سے تعلیم پاکر ابی اے اور ایم اے بنکر نکلتی ہی۔ مگر افسوس آغوش مادر میں جو انسان کا پہلا مدرسہ ہی اور جس کے سبق مرتے دم تک انسان نہیں بھولتا۔ ہماری عورتوں کے اصول تربیت سے ناواقف محض ہونے کے باعث ان کی ابتدائی تعلیم ہی ناقص رہجاتی ہے اسلیے اکثر ان میں سے "چارپائے بر و کتابے چند" کے مصداق

پہنچاتے ہیں۔ اُن سے نہ تو قوم کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے نہ ملک کو۔ بلکہ خود قوم اور ملک کو اُنکے ہاتھوں ذلت نصیب ہوتی ہے۔

ایسی حالت میں ملک کو اس قسم کے مضامین سے بہت کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے لہذا ہم یہاں اسی کے متعلق مُلّا جلال الدین دوانی کے پاکیزہ اقوال ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں امید ہے کہ خاتون کی ناظرات ان کو دلچسپی و قدر کی نگاہوں سے ملاحظہ فرمائینگی۔

ایسی دائی بچے کے لیے مقرر کریں جو لائق اور معتدل مزاج ہو۔ کیونکہ اسکے مزاج کی کیفیت بچے میں اثر کرتی ہے۔ بچہ کا نام پیدا ہونے سے سات روز بعد رکھیں۔ اتنی دیر میں مصلحت یہ ہے کہ سوچ سمجھکر عمدہ اور اچھا نام رکھا جائے۔ نامناسب نام رکھدینے سے انسان تمام عمر مکدر رہتا ہے۔ یہ والدین کا بڑا فرض ہے کہ جب دودھ پینے کا زمانہ ختم ہوجائے تو ادب سکھانا شروع کریں تاکہ بُرے اخلاق نہ سیکھے۔

بچوں کی سرشت میں کمال حاصل کرنے کی قابلیت ضرور ہوتی ہے۔ لیکن لڑکپن میں ان کی طبیعت رذائل کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اگر شیر خوارگی کے بعد تادیب نہ شروع کردیجائے تو بچے طبعی میلان کے باعث بُری عادتیں حاصل کرنے لگتے ہیں۔ تہذیب و تادیب میں طبیعت کے میلان کا لحاظ رکھیں۔ بچے کی طبیعت جدّت پسند ہوتی ہے اور وہ ہر نئی بات آسانی سے حاصل کرلیتا ہے۔

جب تمیز آنے لگے تو تادیب میں اور زیادہ کوشش کریں۔ تمیز کی علامت حیا کا ظاہر ہونا ہے۔ اسوقت پہلی تادیب یہ ہے کہ ایسے کاموں کے کرنے یا ایسے شخصوں سے میل جول رکھنے سے جو رذائل کے نام سے پکارے جاتے ہیں قطعاً منع کردیں۔ لڑکوں کے دل سادہ تختی کے مانند ہوتے ہیں جو ہر نقش آسانی سے قبول کرلیتی ہے۔ اسکے بعد شریعت کے آداب سکھائیں اور ان پر عمل کرنے پر ہمیشہ آمادہ رکھیں۔ اگر اس میں کوتاہی کرے تو تنبیہ کریں اور خطا کی مقدار اور بچہ کی طاقت کے موافق سزا دیں۔ جیسا کہ شریعت میں آیا ہے کہ جب بچہ

سات برس کا ہو جائے تو اُسے نماز پڑھنے کی تاکید کریں اور خود پڑھائیں سکھائیں اور رکوع وسجود وغیرہ بتائیں۔ دس برس کے بعد اگر نماز نہ پڑھے تو اُسپر تشدد کریں۔

نیک آدمیوں کی بچوں سے تعریف اور بدمعاشوں اور شریروں کی مذمت کریں۔ اس سے نیک کام کرنے پر دل بڑھتا ہے اور بدیوں سے نفرت ہوتی ہے۔ انسان خراب رستہ پر نہیں پڑتا۔ ہمیشہ ان کے اچھے کاموں پر تعریف اور بُرے کاموں پر مذمت کریں اگر بچے سے کوئی بُری حرکت سرزد ہو تو اسکو ڈرائیں کہ اگر ایسا کام پھر کریگا تو سزا ملے گی تنبیہ کے وقت اُسکے دل میں یہ بات بٹھائیں کہ تم سے یہ قصور سہواً ہو گیا ہے اس سے بچہ پھر اس کام کے کرنے پر دلیر نہوگا۔ اگر چھپا کر کوئی خطا کرے تو اُس کی پردہ دری نہ کریں اور اگر بار بار ایسا ہی کرنے لگے تو بچہ کو الگ لیجا کر دھمکائیں اور تنبیہ کریں۔ جہانتک ہو سکے اس فعل کی بُرائی بچہ کے ذہن نشین کریں اور پھر کبھی ایسا نہ کرنے کی تاکید کریں۔ بار بار جھڑکنے اور پردہ دری کرنے سے انسان ملامت کا عادی ہو جاتا ہے اور بدی اس میں گھر کر جاتی ہے کیونکہ الانسان حریص الی ما منع یعنی انسان اُس چیز کی حرص کرتا ہے جس سے اسکو منع کیا جائے۔

کھانے پینے کی لذتیں اور فاخرہ لباس اولاد کی نظر میں بے قدر کریں اور بچوں کے دل میں یہ بات بٹھائیں کہ نقش کیے ہوئے رنگین کپڑے پہننے عورتوں کا طریق ہے اور ہر وقت کھانے پینے کی چیزوں پر نظر رکھنی چوپاؤں کی عادت ہے۔ اگر فریفتہ ہو کر ان باتوں کے عادی ہو گئے تو پھر موافق زمانہ کے گردش کا مقابلہ مشکل سے کر سکینگے ان چیزوں کی قطعی ممانعت نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ خوراک اور پوشاک مضر صحت نہ ہو۔ اولاد کے ذہن میں یہ بات بٹھلائیں کہ غذا سے صحت مقصود ہے لذت مقصود نہیں۔

سید خورشید علی

حیدرآباد۔ دکن

رانی کی غیرت

انسان کے جسقدر اوصاف ہیں ان سب میں بڑا وصف شجاعت ہے۔ شجاعت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان کے ہاتھ پاؤں موٹے موٹے مضبوط اور توانا ہوں بلکہ شجاعت کا تعلق دل سے ہے۔

وہ دل جو پست ہمتی اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو گوارا نہیں کرتا۔ وہ دل جو اپنے بلند حوصلہ اور اعلیٰ خیالات میں کسی قسم کی کدورت برداشت نہیں کرتا۔ وہ دل خواہ کتنے ہی کمزور سینہ میں کیوں نہ ہو شجاع ہے، بہادر ہے۔ اور دنیا میں ہر چیز سے زیادہ عزت کے قابل ہے۔

شجاعت کی خصوصیت کچھ مردوں ہی کے ساتھ نہیں ہے۔ ہزاروں عورتیں ایسی ایسی بہادر اور شریف دل والی گزری ہیں جنکے کارنامے قیامت تک یادگار رہیں گے۔

اسلامی تواریخ میں ایسی خاتونوں کی ہزارہا مثالیں ہیں۔ چنانچہ دو مضمون میں سلسلہ وار اسی سال کے خاتون میں ایسی بہت سی مسلمان عورتوں کے نام اور کارنامے دکھائے جا چکے ہیں۔

راجپوت عورتوں میں بھی جنکی رگوں میں ہمیشہ سے بہادرانہ خون موجزن رہا ہے بے نظیر مثالیں بہادری کی ملتی ہیں۔ منجملہ انکے ایک مثال مندرجہ بالا عنوان سے ہمارے دوست مولانا انتظام الدین حسن صاحب بی اے نے ہمکو عنایت کی ہے۔

قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب راجہ جسونت سنگھ والی جودھپور اُجین کی لڑائی میں شکست کھا کر لوٹا تو اُس کی رانی کو اسقدر غیرت آئی کہ اُسنے اُسکو قلعہ میں گھسنے نہیں دیا۔ یہ لڑائی اوجین میں ۱۶۵۸ء میں دریائے نربدا کے کنارے پر ہوئی تھی۔ جسونت سنگھ کو شاہجہاں نے بھیجا تھا کہ مراد بخش اور اورنگ زیب کو نربدا کے اس پار نہ آنے دے،

اڈیٹر

لو آؤ کہہ دیتے ہیں اک اور کہانی
پر شرط یہ ہے ہوگی ہمیں یاد سنانی

لڑکے جو بہادر ہیں وہی اسکو سنیں گے
اور شعر کے موتی میں بکھیروں وہ چنیں گے

ہے کل سے بھی اچھا یہ مرا آج کا قصہ
غیرت کی حکایت ہی یہ ہے لاج کا قصہ

آتی تھی محل میں نظر آفت کی نشانی
غصہ میں بھری بیٹھی تھی میواڑ کی رانی

لب خشک تھے موںھ لال تھا اندوہ کے مارے
آنکھوں سے نکلتے نظر آتے تھے شرارے

تھے طیش سے ماتھے پہ جو گچھے پڑے بل کے
ابھری تھی رخسار پہ اک لٹ بھی مچل کے!

بے طرح تھے خفگی کے وہ بگڑے ہوئے تیور
کپڑوں پہ اُداسی تھی پریشان تھا زیور

یوں بیٹھی تھی لڑنے کو بچارے ہوئے من میں
جوں شیرنی بپھری نظر آئے کسی بن میں

کن انکھیوں سے سب اُسکی شکل بھانپ رہی تھیں
تھیں جتنی کنیزیں وہ کھڑی کانپ رہی تھیں!

آخر کو یہ کیا بات تھی تھا اسکا سبب کیا؟
بگڑی تھی وہ کس واسطے تھی وجہ غضب کیا؟

اسواسطے افسوس کا تھا اسکے یہ عالم
پائی تھی خبر اُس نے بڑی صبح گجر دم

اک سانڈنی اسوار ہوا کی طرح سے اڑتا
اوجین سے لایا تھا یہ راجہ کا سندیسا

ندی کے کنارے تھا پڑا رن بڑا بھاری
تھی فوج دکن سے ہوئی مڈھ بھیڑ ہماری

رجپوتوں نے دکھلا دیے جانبازی کے جوہر
کٹ کٹ کے لڑے شیروں کی مانند دلاور

بجلی کی طرح ایسے گرے اُنپہ کڑک کے
اکبار تو دشمن کے بھی چھٹوا دیے چھکے

پر کیا کریں تھوڑے تھے سپاہی جو ہمارے
آخر دکنی جیتے وہ میدان ہم ہارے

سمجھیں گے کبھی اور جو کی عمر نے یاری
پھر لال رنگی جائیگی برچھی و کٹاری

کھیلیں گے پھر اکبار کبھی پھاگ لہو کا
تر جسمیں کرے گھوڑوں کے سُم جھاگ لہو کا

خونوں سے پھر اکبار جو سیراب ہو وہی
تب جانیں وہ۔ کیا چیز ہیں رجپوت سُرہی

پینتیس ۳۵ ہزار آدمی ساتھ اپنے چڑھے تھے
اب پانسو باقی ہیں جو ہیں دلیس کو لوٹے

ساتھ ان کو لیے آتا ہوں لوٹا ہوا گھر کو
کچھ عمر تھی باقی جو بچا لایا ہوں سر کو

یہ سُن کے کہ میدان سے بھاگا مرا شوہر
دنیا ہوئی اندھیر نگاہوں میں سراسر

تڑکے سے وہ بیٹھی تھی اسی دُھن میں دِوانی
تا شام چھُوا تک بھی نہ تھا دانہ و پانی

کب تاب تھی اُسکو کہ میری بات ہو ہیٹی
تصویر تھی غیرت کی وہ چتور کی بیٹی

یہ حکم دیا شہر کے پٹ بھیڑ دو سارے
یاں گھُسنے نہ پائینگے وہ میدان کے ہارے

اور توپیں بھی ہر سمت سے بُرجوں پہ چڑھا دو
گر پاس بھی بھٹکیں تو انہیں صاف اُڑا دو

کیا کام ہے یاں اُنکا جو آتے ہیں بھگوڑے
رجپوت کی یہ آن ہے موُنھ رن سے نہ موڑے

بُرجوں پہ فصیلوں پہ نگہباں رہیں ہُشیار
بھاگے ہوئے یاں آنے نہ پائیں وہ خبردار

ہر سمت کے تیار رہیں چوکی و پہرے
چوکنے رہیں وقت پہ ہو جائیں نہ بہرے

بخشی نہیں جاتی ہے مری حکم عدولی
ہو گی یہ خطا جس سے ملیگی اُسے سولی

یہ حکم سُنا کے تھی عجب شان سے بیٹھی
ایتھنز کی دیوی وہ نظر آتی تھی خاصی

یونان نے کب پائی پر اس رنگ کی دیوی
سچ مچ کی تھی یاں۔ اور وہاں سنگ کی دیوی

آپہونچا مہاراج بھی جب شہر کے باہر
معلوم ہوا حکم نہیں جانے کا اندر

گھبرایا بہت اور ہوا نادم بھی یہ سُن کے
اور سوچ میں غرقاب ہوا۔ سرکو وہ دُھن کے

تجویز نہ سوجھی اُسے کچھ اسکے سوا اور
دربانوں کو رانی کے ملا لیجے کسی طور

اس بارے میں آخر جو بہت کی گئی کوشش
انعام کے وعدوں پہ غرض ہو گئی سازش

تدبیر کا جب چل گیا اس طرح نت نا،
راجہ کو میسر ہوا پھر شہر میں آنا،

رانی نے یہ سُن کے کہا "خیر آیا تو آئے
پر سامنے آ کے مجھے صورت نہ دکھائے"

تھی دل میں ابھی تک جو کھڑی قہر کی ٹٹّی
مضبوط سی آنکھوں پہ کسی باندھ کے پٹّی

برسوں نہ شکل دیکھی نہ راجہ سے وہ بولی
آخر بڑی منت سے وہ پٹّی گئی کھولی

میرزا انتظام الدین حسن بی اے

اڈیٹوریل

نمائش عالیجناب سیٹھ عبدالکریم عبدالشکور جمال کی علیگڈھ میں تشریف آوری سے رنگون میں نمائش مصنوعات کا انعقاد یقینی ہوگیا۔ گو رنگون ایک دور دراز کا مقام ہے۔ لیکن بلحاظ ایک تجارتی منڈی ہونیکے بہت شاندار جگہ ہے۔ وہانکے مسلمانوں کو تعلیم و صنعت و حرفت کی طرف راغب کرنا ہندوستان کے روشنخیال مسلمانونکا فرض ہے۔ برہما خود ایک بہت بڑا مصنوعی دلچسپیوں کا ملک ہے۔ وہانکے باشندے قدیم وضع کی صنعت و حرفت میں کسی مشرقی ملک سے کم نہیں۔ وہاں اتفاق سے ہمارے دوست محمد الیاس صاحب بھی ہیں جنہوں نے کراچی کی نمائش کا پورا اہتمام کیا تہا اور امرتسر کی نمائش میں بھی ہمکو مدد دی تھی، موجود ہیں۔ اور وہ خود ہم سے باربار تقاضا کرچکے ہیں کہ رنگون میں نمائش ضرور ہونی چاہیے۔ ہماری روشنخیال جوشیلی بہن مس عطیہ صاحبہ نے بھی محمد الیاس صاحب کو اطلاع دی ہے کہ اگر نمائش کا خاطر خواہ انتظام ہوا تو وہ صرف ہندوستان سے اشیاء بھجوانے ہی میں انکو مدد نہیں دینگی بلکہ خود بھی رنگون تشریف لیجائینگی۔

جب نمائش کے لیے ایسے دو بڑے رکن سرگرمی و مستعدی سے کام کرنیکو آمادہ ہیں اور اُسکے ساتھ ہی وہاں کے ملک التجار جناب سیٹھ صاحب موصوف اُسکے سرپرست ہیں تو پھر نمائش کی کامیابی میں کسی کو شبہ نہیں ہوسکتا۔

امرتسر کی نمائش کے متعلق جسقدر تمغہ جات دینے کا وعدہ کیا گیا تہا وہ سب انعام پانیوالوں کے پاس بھیجدیے گئے۔ سارٹیفکٹ ابتک تیار ہوکر نہیں آئے اسلیے تاخیر ہورہی ہے۔ جسوقت سارٹیفکٹ آجائینگے وہ بھی بھیجدیے جائینگے۔

امسال نمائش کا اعلان بہت کافی وقت قبل سے کیا جاتا ہے امید ہے کہ ہمارے معاونین ابھی سے اشیاء تیار کرنے میں مصروف ہوجائینگے۔ اس بات کا خیال بہت ضروری ہے کہ ہمکو اپنے مصنوعات کی دولت ایک غیر ملک کے باشندوں کے سامنے پیش کرنی ہے۔

پارسلوں کے بھیجنے کا یہ انتظام ہوگا کہ یہاں سے کُل پارسل بمقام کلکتہ بنام محمد بشیر مرزا صاحب

۵۳ ر تو سرکارین کو لمو ٹولہ کے پتے سے بھیجے جائینگے۔ اور مرزا صاحب معصوف وہانسے یہ انتظام کرینگے کہ نمایش کمیٹی کے خرچ سے کل پارسلوں کو رنگون بھجوا دینگے۔ رنگون سے پھر پارسل نمایش کے بعد لوٹکر کلکتہ میں مرزا صاحب کے پاس آئینگے۔ اور مرزا صاحب انکے مالکوں یا بھیجنے والوں کے پاس نمایش کمیٹی کے صرف سے بھیجدینگے۔

مثل اور سالوں کے ابکے دس دسمبر کے بعد سے کسی پارسل کا بھیجنا فضول ہوگا۔ دس دسمبر سے قبل جتنے پارسل روانہ ہو کر پندرہ دسمبر تک کلکتہ پہنچ جائینگے وہ تو البتہ رنگون بھیجے جائینگے ورنہ جو پارسل پندرہ دسمبر کے بعد کلکتہ پہونچیگا وہ وہیں سے اسکے مالک کے پاس واپس لوٹا دیا جائیگا رنگون نہ جاسکیگا۔ حتی الوسع سب کو یکم دسمبر تک پارسل روانہ کردینے چاہییں۔ جو پارسل روانہ کیا جائے اور جسقدر اشیا بھیجی جائیں وہ ایک موم جامہ کے ٹکڑے میں لپیٹ کر لکڑی کے بکس مین بند کرکے بھیجی جائیں تاکہ سمندر کی نمی سے اشیا خراب نہوں۔ نیز جو چیزیں بھیجی جائیں انکی ایک فہرست علیگڈھ میں سکرٹری نمایش کے پاس بھی بھیجی جائے۔ غالباً ہمارے ناظرین اس بات سے پورے طور پر واقف ہوگئے ہیں کہ کس قسم کی اشیا نمایش مین بھیجی جانی چاہییں اسلیے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

عالیجناب ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال دام اقبالہا نے اپنے اس عطیہ پر جو بارہ سو روپیہ سالانہ کا صیغہ تعلیم نسواں کو عطا فرمایا تھا رقعہ ۱۹۱۰ء سے دو سو روپیہ سالانہ کا اور اضافہ فرمادیا ہے۔

اسوقت مسلمانوں کے کسی قومی کام میں سب سے بڑی جو مشکل آکے پڑتی ہے وہ مالی مشکل ہے جسکا حل کرنا کسی طرح آسان نہیں ہوتا۔ صیغہ تعلیم نسواں میں خدا کا شکر ہے کہ ہر ہائنس کی ذات والا صفات کی بدولت ہم کو اس مشکل کا بہت کم سامنا ہوا۔ اور نہایت آسانی سے یہ گتھی سلجھ گئی۔ اور برابر حضور عالی اپنی دلی اور قومی ہمدردی سے حسبتہً للہ اس صیغہ کی امداد فرماتی ہیں۔

رہے ایسی بیگم الٰہی سدا — کرم پر کرم ہے عطا پر عطا

دارالعلوم ندوہ سے ہمکو اطلاع ملی ہے کہ جناب والا خطاب بیگم صاحبہ جنجیرہ نے ندوہ کے دارالاقامہ کے ایک کمرہ کی تعمیر کیلیے ایک ہزار روپیہ کا عطیہ مرحمت فرمایا ہی۔

فیضی خاندان صرف اپنی بہنوں وصیغۂ تعلیم نسواں ہی کیلیے فیض نہیں ہی بلکہ اسکی فیضی کا ابر اب زنانہ مدارس سے گزر کر مردوں کی درسگاہوں پر بھی برسنے لگا۔

عطیہ کا یں چنیں باشد گراں قدر وگراں مایہ ہما نا آیت فیضی بشانِ ندوہ نازل شد

ایران کی بادشاہ گردی

ابھی چند روز ہوئے ہمنے یہ خبر لکھی تھی کہ نوجوان ترکوں نے سلطان عبدالحمید روم کے بادشاہ کو تخت سے اُتار دیا۔ اب ہم نہایت خوشی کیساتھ دوسری خبر لکھتے ہیں کہ فارس کے خودغرض و ظالم محمد علی بادشاہ کو بھی جسنے ایکسال سے اپنی رعایا سے برابر لڑائی شروع کر رکھی تھی اور رعایا کو ایسی مصیبت میں گرفتار کر رکھا تھا کہ شاید ہلاکو کے بعد سے ابتک ایسی مصیبت کبھی فارس پر نہ آئی ہوگی وہانکی رعایا نے تخت پر سے اُتار دیا۔ اور اسکے بیٹے احمد علی مرزا قاچار کو جو ۱۳ سال کا ہی تخت پر بٹھلا دیا ہی۔ محمد علی نے روسی سفارتخانہ میں پناہ لی۔

ہم فارس کی بہادر اور شریف رعایا کی ان ہمتک کوششونکی تہ دل سے تعریف کرتے ہیں کہ انہوں نے باوجود سخت سے سخت تکالیف کے اس ظالم بادشاہ کا مقابلہ کیا اور آخر کو اپنی محنت کا پھل پایا۔ اس کوشش میں وہانکی عورتوں نے بھی بہت حصہ لیا ہی۔ لڑائیوں میں وہ قوم پرستوں کے گرد و پیش برابر شریک رہتی تھیں اور مردانہ لباس پہنکر لڑتی تھیں، سیکڑوں نے میدان جنگ میں شہادت کا جام پیا۔ حقیقت یہ ہی کہ جس قوم کی عورتیں بہادر ہوتی ہیں اس قوم کے بچے بھی بہادر ہوتے ہیں۔

ریویو

منشی محبوب عالم صاحب کا سفرنامہ

منشی محبوب عالم صاحب اڈیٹر پیسہ اخبار لاہور جو اُردو کے نہایت معزز اخبار نویس ہیں اور اس فن میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اور جنکی وسیع معلومات اور تجربوں سے اُردو اخبار نویسی کو بیحد فائدے پہنچے ہیں، انہوں نے یورپ کے مختلف ممالک مثلاً آسٹریا، جرمنی، اٹلی، بلجیم، فرانس اور انگلینڈ وغیرہ کا سنہ ۱۹۰۰ء میں جبکہ

پیرس میں ایک عالمگیر نمائش ہوئی تھی جسمیں دنیا کے ہر حصہ کے کروروں آدمی جمع ہوئے تھے اور جسکی برابر آجتک دنیا میں کوئی نمائش نہیں ہوئی سفر کیا۔ اسکے ساتھ ہی وہ ٹرکی اور مصر بھی گئے۔ اُنہوں نے اپنے دوران سفر میں جو باتیں اُن ممالک میں دیکھیں اُنکو اپنے سفرنامہ میں قلمبند کیا۔ اور نہایت خوبی سے اُن تمام ممالک کے وہ ضروری حالات لکھے جنکے سُننے یا دیکھنے کا بالعموم ایک ہندوستانی باشندے کو اشتیاق ہوتا ہی اور اس طرح پر لکھے ہیں کہ پڑہنے والا اپنے آپ کو اسی مقام پر خیال کرتا ہی جسکا حال پڑہتا ہی۔ یہ سفرنامہ تقریباً ایکہزار صفحہ پر تمام ہوتا ہی لیکن پڑہنے والے کا دل یہی چاہتا ہی کہ کچھ اور بہی ہوتا۔ اس کی خوبیاں اور دلچسپیاں اور اسکے پرنفع مشاہدات صرف اسیوقت معلوم ہو سکتے ہیں جبکہ اسکا مطالعہ کیا جائے۔ بہ نسبت اور سفرناموں کے اسمیں یہ خصوصیت ہی کہ منشی صاحب موصوف نے اپنے چشم دید حالات اور واقعات سامنے رکھدیے ہیں جنکو دیکھکر ہمکو خود رائے قائم کرنیکا موقع ملتا ہی بخلاف اور اسی قسم کے سفرناموں کے جسمیں لوگ زیادہ تر اپنی رائیں لکھدیتے ہیں اور واقعات کم لکھتے ہیں۔

منشی محبوب عالم صاحب نے ہر ایک کیفیت تفصیل کیساتھ لکھی ہی خاصکر نمائش پیرس کے حالات نہایت بسط سے لکھے ہیں۔ اس کی قیمت چار روپیہ ہی جو زیادہ نہیں۔ دفتر پیسہ اخبار لاہور سے ملسکتا ہی۔

خریداروں کو اطلاع

اکثر یہ ہوتا ہی کہ بہت سے خریداروں کے پاس جب پرچہ کسی وجہ سے نہیں پُہنچتا تو وہ خاموش رہتے ہیں اور ایکدم سے چھ چھ مہینے کے بعد اطلاع دیتے ہیں کہ ہمارے پاس فلاں پرچہ یا فلاں فلاں مہینے کے پرچے نہیں پہنچے۔ ایسی حالت میں تعمیل میں بڑی دقت پڑتی ہی۔

اس لیے معزز خریدار حضرات سے درخواست ہی کہ جس مہینے میں اُنکے پاس خاتون کا رسالہ نہ پہونچے اسی مہینے میں دفتر میں اطلاع بہیجدیں اور خط وکتابت میں اپنی خریداری کا نمبر جو چٹ پر چھپا ہوا ہوتا ہی درج فرمایا کریں۔

منیجر خاتون

ریویو

حیات حافظ

یہ کتاب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کی تازہ تصنیف ہے۔ اسمیں لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے زندگی کے حالات بیان کیے گئے ہیں اور اُنکی شاعری پر نہایت تفصیل کیساتھ بحث کیگئی ہی ابتک یورپ، ایشیا، اور امریکہ میں جسقدر معلومات انکے متعلق حاصل ہوئی ہیں اُن سب کو فراہم کرنیکی کوشش کیگئی ہی۔ اور دنیا کی مختلف زبانوں کی کتابوں سے مدد لیکر یہ کتاب مرتب کیگئی ہی۔ آخر میں بہت سی حیرت انگیز تاریخی فالیں جو گزشتہ زمانہ میں دیوان حافظ سے بڑے بڑے اہم معاملات کے متعلق نکالی گئیں اور ٹھیک اُتریں اور نیز مصنف کی نکالی ہوئی اسی قسم کی بہت سی دلچسپ فالیں درج کی گئی ہیں، یہ کتاب معلومات سے لبریز ہے اور اسکا انداز بیان نہایت دلکش ہی۔

ہم کو نہایت خوشی ہی کہ اس کتاب سے ایک نہایت بیش بہا اضافہ اُردو لٹریچر میں ہوا۔ اسکی چھپائی لکھائی اور کاغذ بہت عمدہ ہی۔ قیمت ایک روپیہ ہی جو اس کتاب کی حیثیت سے بہت کم ہی۔

مصنف سے علی گڑھ کالج کے پتہ سے ملسکتی ہے۔

خوشخبری

ناظرین و ناظرات خاتون اس خبر کو نہایت خوشی کیساتھ سُنیں گے کہ مورخہ ۱۰ و ۱۱ جولائی ۱۹۰۹ء کی درمیانی شب کو پونے دو بجے اور دو بجے کے درمیان میں جناب شیخ محمد عبداللہ صاحب بی اے ایل ایل بی۔ اڈیٹر رسالہ خاتون کے ہاں فرزند ارجمند تولد ہوا، الحمدللہ کہ زچہ اور بچہ دونوں کی صحت قابل اطمینان ہی۔ اس بچہ کا نام نیک فالی کے ساتھ محسن عبداللہ رکھا گیا ہی۔ ہماری دعا ہی کہ خداوند عالم اس مولود مسعود کی عمر میں برکت دے اور اسکو قوم کے لیے مثل اپنے بزرگوار والد کے محسن بنائے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

منیجر خاتون

خاتون

نمبر ۸	بابت ماہ اگست ۱۹۰۹ء	جلد ۶

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

محمد عبد السلام پرنٹر کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا

شیخ محمد عبداللہ بی اے پبلشر

خاتون

۱- یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اس کی سالانہ قیمت (سے) اور ششماہی عہ۱۲ ہی۔

۲- اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳- مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہوں گے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہی ہیں اسکی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴- ہمارا رسالہ اسبات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی انکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں،

۵- ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور با محاورہ اردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶- اس رسالہ کی مدد کرنیکے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکے استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

۷- تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون ہونی چاہیے۔

خاتون

شرع کی پردہ میں مصلحت

جولائی ۱۹۳۰ء کے رسالہ خاتون میں ایک مضمون بعنوان "شرع کا ایک اہم مسئلہ" ہماری حیدرآبادی بہن کے قلم سے نکلکر عورتوں کو آزادانہ مرضی سے انتخاب زوج پر رائے زنی کا موقع دینے کی تحریک پیش کر رہا ہے، جس میں جابجا مصلحتاً یورپین آزادی کی رگوں پر نشتر بھی دیئے گئے ہیں، مگر باغ فکر کے تازہ چُنے ہوئے فرنگ کے پھولوں کی بو پتہ دے رہی ہے کہ شرع کے حجلہ میں یورپین طرز پر عروس آزادی طرفہ نئی شان سے سنواری گئی ہے،

میرے دل میں ایک کانٹا سا کھٹک رہا ہے کہ مشرقی۔ سوم مغربی اداؤں کے مشتاق نہ میں کہیں اپنی گھر کی اخلاقی و قومی مصلحتوں کا خون نہ کردیں۔ آؤ بہنو! ذرا ہم لوگ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ موجودہ دستور میں آخر قباحت ہی کیا ہے اور کیا شرعی و عقلی حیثیت سے ہماری جائز مرضی اور ارمان دل سے باہر نکلنے کو ترس رہے ہیں؟ اور بحالت موجودہ کیا اس سے

بہتر بھی کوئی تجویز ہی،

غور کرو کہ اول تو ہماری تعلیم ہی نامکمل، عقل ناقص، رای غیر صائب، ذرائع معلومات کے ابواب ہم پر بند، زندگی کے نشیب و فراز سے ہم ناواقف، اُس پر غضب کی ناتجربہ کاری اور پھر جہالت کے تہ بہ تہ کالے کالے بادل کے نیچے ناکامیوں کی گھنگھور گھٹاؤں سے گھری ہوئی چار دیواری کے اندر بیٹھکر ہزاروں خاندانی شرعی و قومی مصلحتوں کو آغوشِ تمنا میں لیکر ادہر اُدہر کے غلط صحیح اخبارات کو جوڑ بٹور کر خود پسند اور مست شباب دل سے اپنے ہی معاملہ میں آپ ہی مشورہ طلبی کہاں تک ہم پردہ دار خاتون کے لیے عقل سلیم کے نزدیک مناسب ہے۔

اب اپنی مجبورانہ حالت کا یہ مرقع ذہن میں لیے ہوئے آگے بڑہو تو ہم لوگوں کی طرز معاشرت بتا رہی ہی کہ پھر اور کوئی چارہ نہیں؛ اگر موجودہ دستور کو ترک کیا جائے، یہ تو شاذ و نادر ہی ہوتا ہی کہ گھر اگر یا کسی مصلحت سے چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو جائے، ورنہ عموماً ہمارے مزاجداں، آرزو شناس اور ذوق آشنا والدین جن کی زندگی اصول معاشرت گھر گھر بستی۔ گرد و نواح و اعزا کے حالات و ہر قسم کے تجربہ اور واقفیت سے مکمل ہوتے ہیں اور جنکے پاکیزہ اور نیک دلوں میں فطرت نے ہماری ہمدردی کا مادہ پیدا کر کے اُن کو ہم لوگوں کی ہر آرزو کا وکیل مجاز اور ہم لوگوں کے رازہای سربستہ کا ذمہ دار امین مقرر کر کے دنیا میں بھیجا ہی، مہینوں اور برسوں کی جانچ پڑتال سچی جانفشانی و ہمدردی سے ہماری اُن بہتریوں و مصلحتوں کو سوچ سمجھکر جیسے ہم کو سوچنا چاہیے تھا اور خود نہایت قابل اطمینان طور پر ہماری مرضی سے کہیں زیادہ انسب عمدہ انتخاب کر کے سلسلۂ قرابت پیدا کرتے ہیں اور اُنکے اس عاجز نوازی بھرے ہوئے احسان و کرم سے ہم لوگ شادی سے بہت پہلے برابر واقف ہو ہو کر سو جان سے دل ہی دل میں راضی و مطمئن ہوتے ہیں؛ یہ اور بات ہی کہ ہم لوگ نہایت شرم و حجاب سے ناوقتا اسکا اظہار نہیں ہونے دیتے اور عین نکاح سے

کچھ پہلے اُسکا اقرار دل اور زبان سے کرتے ہیں، کیونکہ ہم لوگوں کو اس سے پہلے رائے زنی کی ہرگز ضرورت نہیں اور نہ ہم لوگوں کے خیالات کو مشتہر کرنا عقل و طرز معاشرت و مقتضائے غیرت کے موافق ہے،

ہم لوگوں کی رائے بالکل بے بنیاد ہی کیونکہ ہم لوگوں کا ذریعہ علم بیشمار خود غرضی بلا خیز خطرات جو فروش گندم نما اخبارات وحکایات و عجیب عجیب توہمات اور ناقابل اطمینان اسرار سے بھرا ہوا ہی، ذاتی معلومات کی تو یہ حالت ہوئی اب رہا بذریعہ تصویر یا پردہ کی آڑ سے عمداً لکچائی ہوئی نظر سے نامحرم کو دیکھنا یا اُن کے کمال حسن و جمال و صفات کے ذکر سے دل میں محبت پیدا کرنا اور نا کتخدا خواتین کے سادہ دلوں پر محبت کی گلکاریاں کرنا اسلامی معاشرت شرع و عقل و مصلحت کے خلاف ہی۔ ماسوا اسکے اگر آزاد مرضی کو بلحاظ شرافت وخاندان و دیگر مصلحت کے ایک محدود دائرہ کے اندر رکھکر ہم لوگوں کی مرضی حاصل کیجائے تو موجودہ دستور العمل ہی مذکورۂ بالا اصول کے ساتھ آج بھی ہماری یہ ضرورت خاطر خواہ طور پر پوری کر رہا ہی۔ پس اسکے خلاف رسم میں کسی طرح تشابہت قومی پیدا کرنا شرع کی نظروں میں مذموم ہی اور اگر بلا قید واختلاف کے آزادی نفس کے لیے ہے تو اسکو دور ہی سے سلام ہی۔

اگر یہ کہا جاے کہ والدین کے انتخاب و تذکرہ پر ہم لوگوں سے رای لیجایا کرے تو نظری حیثیت سے یہ ویسا ہی ہی جیسے ایک مادر زاد اندھے سے سرخ وسفید رنگ میں امتیاز کر کے اس کی پسند کا سوال کیا جائے۔ اور ذکر و بیان کی حیثیت سے ایسا ہی جیسے کور باطن اور نوگرفتار دہقانی اسیر کے کسی پیچیدہ قانونی مسئلہ یا مقدمہ میں رائے یا کسی کتاب کو بلا ورق اُلٹ پلٹ کر دیکھے ہوئے صفحۂ لوح کی عبارت سُنکر کسی کا اسپر ریویو،

اگر موجودہ دستور میں رضامندی فیصدی پانچ غلطی مانی جائیں تو ایسے انتخاب

میں فیصدی اسّی پچاسی ہونگی۔ اور یہ تو شوہر کا انتخاب نہوا اندھے کے ہاتھ کی بٹیر ہوگئی۔

اور پھر عورت و مرد کی کشش جاذبہ سے اس میں آگے چلکر خدا جانے کیا خرابیاں نہ ہوں جن کی روک تھام کیا ہوگی۔ علاوہ بریں مثالاً دیکھو تو جو عورتیں اپنی خود پسندی سے اپنی مرضی پر فریفتہ ہوئیں اُن کی کشتی مراد تو بیشتر منجدھار ہی میں تباہ ہوتی سُنی گئی اور اُنہوں نے سبکساران ساحل سے ڈوبتے ڈوبتے یہی چلّا کر کہدیا۔ ع

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔

فرض کیا جائے کہ ہم لوگوں کو آزاد مرضی کے اظہار کا موقع ہی دیا جائے تو پھر بھی بحالت موجودہ ہماری ناقص و ناممل رای کو بعینہٖ چند بالشت کی چادر سمجھو جسکا ایک کونہ کھینچکر اگر طرز معاشرت و شرع کے رخ پر گھونگٹ کاڑھا جاتا ہے تو جسم کا اور حصہ کھلا جاتا ہے اور اگر کھینچ تان کر اُسکا سرا نیچے کو سرکایا جاتا ہے تو نقاب کے بگڑ جانے سے آنکھیں ننگی ہوئی جاتی ہیں اور بالآخر عصمت بی چادری والی مثل ہماری حالت پر صادق آتی ہے۔

مسز ابوالحسن

قرض وام

ناظرین و ناظرات خاتون جانتے ہیں کہ قرض لینے کے متعلق ہماری کس درجہ ہمت مردانہ ہے اور اس سے قبل ہی چند مضامین لکھ چکے ہیں، اب ہمارے مکرم دوست مولوی سید احمد صاحب دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ نے جو اندنوں زنانہ نصاب کی تیاری کے متعلق علی گڈھ میں کام کر رہے ہیں۔ مندرجہ ذیل مضمون جو نہایت عبرت انگیز ہے مرحمت فرمایا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ناظرات مولوی صاحب موصوف کی ہمدردانہ نصیحت

پر عمل کرینگی۔

اڈیٹر

قرض کی عادت خدا دشمن کو بھی نہ ڈالے۔ یہ وہ سب سے بڑا دشمن ہی کہ اسکے پھندے میں پھنسکر نکلنا دشوار ہی۔ اگر آدمی قرضدار ہوا تو خدا کے ہاں بھی دیندار رہا اور دنیا سے بھی شرمسار گیا۔ جسوقت قرضخواہ کی صورت نظر آتی ہی۔ موت اور ملک الموت کا مزہ آجاتا ہندی کہاوت ہی کہ "بوہرے کی رام رام جم کا سندیسا" یعنی قرضخواہ کا سلام بھی موت کا پیغام ہی اسلیے کہ یہ سلام نہیں بلکہ وہ تقاضا ہی جو اندر ہی اندر جان کو گھلاتا ہی۔ اگر غیرت ہی تو شرم کے مارے زمین میں گڑ گئے۔ قارون اپنی دولت کے بدولت زمین میں دھنسا تھا یہاں ناداری کے طفیل قارون بننا پڑا۔ جس مکان کو رہن کیا سود در سود اور اصل ملکر وہ آیا گیا ہوا۔ بلکہ کچھ اور بھی گرہ سے لے مرا۔ جس زیور کو گرو رکھا وہ خالصہ لگ گیا، قرض کا مسان ہر وقت سر پر سوار رہا۔ ناعاقبت اندیش بیویاں اس کی پروا نہیں کرتیں اُن کا قول ہی کہ قرض کی ماں نہیں مری ہی ایک جگہ سے نہ ملا دوسری جگہ سے مل گیا۔ یہ نہیں جانتیں کہ قرض کی ماں تو نہیں مری مگر تمہاری اماں اور تمہارا امان تو مرجاتا ہی۔

آپس کی محبت قرض کی قینچی سے قطع ہوجاتی ہی۔ دشمنی اس سے بڑھجاتی ہے مثل مشہور ہی کہ قرض دینا اور دشمن بنانا برابر ہی۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہی کہ گوشت کی آرزو میں پھڑک پھڑک کر مرجانا، قصائی کے ناگوار تقاضوں اور بُری بھلی باتوں سے لاکھ درجہ بہتر ہی۔ قرض وہ عذاب ہے جو اپنے ہاتوں مول لیا جاتا ہی۔ قرض وہ گناہ بے لذت ہی جو خود اختیار کیا جاتا ہی۔ عذاب الدین وہ عذاب سخت ہے جسے خدا بھی نہیں بخشتا۔

اس زمانہ میں بلاضرورت قرض لینا حظ نفس کیواسطے ایک فرض سمجھ لیا ہے مگر اسکو ادا کرنا یا اس نیت سے لینا داخل حماقت ہی۔ یہ بھی مہر ہوا کہ حیثیت دو کوڑی کی

نہیں دیکھی اور بند ہوا دیا لاکھوں کا۔ جس سے ادا کرنے کی نیت تک مفقود ہو گئی، جاہلوں کا مقولہ ہے۔ لیکر دیا تو کیا لیا اور دیکر مانگا تو کیا کیا۔

احکام الٰہی اور اقوال نبی سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے بڑھکر کسی امر میں تشدد اور سختی نہیں ہے۔ بھوکا پڑکر سو رہے مگر قرض کے پاس نہ جائے، اسکے علاوہ دنیا میں بھی قانونی جکڑبندی کچھ کم نہیں ہے مگر ہم اس بات کی ذرا پروا نہیں کرتے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کے کلام اور رسول مقبول کے ارشاد کو دل سے نہیں مانتے۔ صرف زبانی جمع خرچ سمجھتے ہیں۔ یہ خبر نہیں کہ آنحضرت نے مقروض کے جنازے تک کی نماز نہیں پڑھائی اور فرمایا کہ اگر کوئی شخص راہ خدا میں مارا جائے اور پھر زندہ ہو جائے۔ اسکے بعد اسطرح پھر اُسی کے رستہ میں شہید ہو اور جی جائے۔ اور یہی سلسلہ جاری رہے تو بھی جبتک ادائے قرض سے سبکدوشی نہ پائیگا جنت میں نہیں جائیگا۔ قرض ایک قسم کی امانت ہے، اور نہ دینا سخت خیانت۔ جن بڑے بڑے گناہوں سے خدا نے روکا ہے۔ اُنکے بعد اگر سب سے بڑا گناہ ہے تو یہی قرض ہے۔ اور گناہ تو معاف بھی ہو جائینگے۔ لیکن یہ گناہ قابل عفو نہیں سمجھا جائیگا۔

اب سنو قرض کیونکر ہوتا ہے اور اس بلا میں آدمی کس طرح پھنستا ہے۔ سب سے پہلے زبان کی چاٹ اور تھوڑا تھوڑا قرضہ ہے۔ اسکے بعد اپنی بساط سے زیادہ نمود اور اوقات سے بڑھکر قدم رکھنا۔ یعنی شیخی میں مرے جانا۔ پھر فضول خرچی۔ بعد ازاں عذاب دین کو ڈھکوسلا اور قرض کو قرض نہ سمجھنا۔ علیٰ ہذا ضد اور ہٹ پر آکر مقدمہ بازی شروع کر دینا، بیاہ میں۔ شادی میں۔ مرنے میں، جینے میں۔ حد سے زیادہ اُٹھا بیٹھنا۔ لیتے وقت دریا دل اور دیتے وقت سخت بخیل بنجانا۔ یہانتک بے غیرتی اور بے حیائی پر کمر باندھنا کہ تقاضوں سے ذرا نہ شرمانا۔ اس کان سننا اُس کان اڑا دینا۔

تم نے سنا کیا بلکہ اکثر دیکھا ہوگا کہ اس قرضہ کے کارن سینکڑوں خاندان تباہ ہو گئے

ہزاروں مکانوں کی اینٹ سے اینٹ بجگئی۔ بڑے بڑے شریفوں کی قرقیاں ہوگئیں ۔ نان شبینہ کو محتاج ہو گئے ۔ بڑے بڑے ناک والوں نے جیلخانوں کی ہوا کھائی اور ایسی رسوائی اُٹھائی کہ نہ دنیا میں موٗنھ دکھانے کو جگہ رہی نہ عاقبت میں ۔ بیحیائی کا برقع سینھالا اور سیدھے قبرستان میں جا سوئے ۔ کفن بھی ملا تو مانگے کا ملا ۔ فاتحہ درود کے بجائے یہ شہرت ہوئی کہ مرگئے مردود جنکی فاتحہ درود،

ہوشمند اس ذکر سے عقل پکڑینگے مدہوش بے غیرت بنکر زیادہ اکڑینگے ۔

بیویو! جب تم نے قرض کی حقیقت سُن لی اور اُس کی ماہیت جان لی تو اب بھول کر اسکے پاس نہ جانا ۔ جیسی رُوکھی سُوکھی ۔ اپنی محنت و مشقت یا اپنے میاں کی نیک کمائی سے حسب حیثیت ہاتھ آئے اُسی پر قناعت کرنا ۔ اس سے تمہاری عزت بھی بنی رہیگی ۔ آخرت بھی سنورے گی اور ذلت سے بھی بچی ہوگی ۔ کسی نے سچ کہا ہی خدا کسی کا محتاج و قرضدار نہ رکھے ۔ یہی بڑی دولت اور خوش نصیبی کی علامت ہی

سید احمد دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ
حاضر باش علی گڈھ

عابدہ

ان آنکھوں نے بڑے بڑے سگھڑ گھرانوں کی بہو بیٹیاں دیکھیں ، ان کانوں نے ہزاروں سلیقہ شعار لڑکیوں کا سُگھڑاپا سُنا مگر جو انتظام اور سلیقہ بیٹی عابدہ میں پایا سچ تو یہ ہے کہ ایسا نہ کسی میں دیکھا اور نہ سُنا ۔

مزاج کی اچھی طبیعت کی نیک کم سخن سب کا مرتبہ جاننے پہچاننے والی ۔ ملنسار ایسی کہ جس سے ایک دفعہ مل لی اُسکے دل پر اپنی محبت کا نقش جما دیا ۔

ماشاء اللہ مشغلے ایسے اچھے کہ دل چاہے کہ پڑھے ہوڑا کرتی تھا نقات کی ایسی پابند کہ

سویرے مونھ اندھیرے اُٹھنا وضو کرنا، نماز پڑھنا۔ فجر کی نماز کے بعد سے اشراق تک تسبیح کا شغل رکھنا۔ اشراق کے بعد ایک گھنٹہ تک قرآن شریف تلاوت کرنا، دینی کاموں سے فرصت پاکر گھر کے کام کاج میں اپنی ماں کا ہاتھ بٹانا، خانگی حساب لکھنا دوپہر کو کتاب دیکھنا۔ نماز ظہر سے فارغ ہوکر سینا کاڑھنا، عصر کے وقت سے مغرب تک متفرق کام کرنا، غرض جب تک وہ نہ سوتی تھی کچھ کچھ کام کرتے رہنا۔ اسکا روزمرہ کا معمول ہو گیا تھا۔

بول چال میں متانت انداز و رفتار میں ادب ملحوظ رکھتی تھی۔ محبت والی ایسی کہ جب کوئی پرانی ملاپ دار مل گئی تو ایسی باغ باغ ہو جاتی کہ جیسے کسی کو خزانہ مل گیا ہو۔

اگرچہ اوپر تلے کے بھائی بہنوں میں ہمیشہ لڑائیاں ہوا کرتی ہیں مگر عابدہ اپنے بھائی راحت کی ایسی دلدادہ تھی کہ اُس کی بات کو نہ ٹلاتی، بھائی بھی اگرچہ کمسن اور کم سمجھ تھا مگر اللہ نے کچھ ایسا محبت کرنے والا دل اُسکے پہلو میں دیا تھا کہ یہ بھی ہر ایک سے اچھی طرح ملتا۔ اپنے دوستوں کا خیال رکھتا تھا۔ پھر بھلا عابدہ تو ماں جائی بہن تھی۔

عابدہ کی ماں تو پہلے وقتوں کی بی بی تھیں۔ سوائے ضروری مسائل کے انہیں کچھ نہ آتا تھا۔ مولوی محمد نعیم اگرچہ آزاد منش تھے اور آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے مگر ضروریات زمانہ سے باخبر تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد کی تعلیم میں اپنے مقدرت سے زیادہ صرف کیا۔ بچوں کی تعلیم میں دریا دلی کے ساتھ روپیہ اُٹھایا، عابدہ قدرتاً نیک لڑکی تھی۔ بد سلیقہ، بے ادب۔ بات بات پر لڑنے والی لڑکیوں سے پرہیز کرتی تھی۔

اول تو عابدہ کا بچپن کا زمانہ اور جوانی کا تھوڑا سا حصہ پردیس میں گذرا اگر وطن میں جتنے دنوں اور جب تک بھی رہی سب سے مل جُل کر رہی۔ اور بڑوں نے اُس کی

قدر اور چھوٹوں نے اُس کی عزت کی۔ غرض جس سے ملی، جس سے بات کی، جسکے پاس بیٹھی، سب سے دعا ہی لی۔

جب بات کرتی تھی تو گویا موںھ سے پھول جھڑتے تھے۔ اور جب خموش رہتی تھی تو موںھ غنچہ جیسے ہوتا تھا، شگفتہ مزاجی کا یہ حال تھا کہ جب کبھی ایک سادہ ہنسی کی بات کی تو اس انداز سے کہ بزرگوں کے دلوں میں وقعت اور چھوٹوں کے دلوں میں عزت اور بھی زیادہ ہوگئی۔

صائب الرای ایسی تھی کہ اسکے والدین تمام کام اُسکے مشورہ سے کرتے تھے۔ اُس کی شادی ہی کی نسبت اُس سے مشورہ نہیں کیا گیا اور اسی میں اُنہوں نے دھوکا کھایا اور اس بیچاری فرشتہ خصلت لڑکی کو کنوئیں میں ڈھکیل دیا۔

جب تک عابدہ کنواری رہی اُسکا دل رنج کے کدورت اور غم کے غبار سے پاک رہا۔ وہ اپنی نیند سوتی اور اپنی نیند اُٹھتی تھی وہ بیفکری کے ساتھ گھر کے کاروبار کو دیکھتی۔ مطالعہ کتب میں وقت گزارتی۔ نماز وظائف کا ورد رکھتی تھی۔ چہرہ خوشی اور تندرستی کے خون کی گردش سے چمکتا تھا،

مگر شادی گویا اُسکے حق میں بربادی کا پیام لیکر آئی تھی۔ اب ہر وقت غم کھانا اور خون جگر پینا آنسو بہانا یہ اُسکا مشغلہ ہے نہ کشیدہ کاری سے مطلب نہ پڑھنے لکھنے سے غرض، ہاں نماز روزہ چلا جاتا ہے۔ اور یہی کچھ اُسکے اُداس دل کا غم غلط کردیتا ہے۔ آئے دن کے صدموں نے اس غریب کو گھلا گھلا کر کانٹا کردیا۔ مگر اس ضبط کے قربان اور خود داری کے صدقے۔ ماں نے بہتیرا پوچھا۔ سنگ ساتھ والی لڑکیوں سے کھود کھود کے دریافت کرایا مگر اس اللہ کی بندی نے اپنے جلاپے کا حال نہ بتلانا تھا نہ بتلایا۔

عابدہ کا شوہر اگرچہ نام کا شریف تھا مگر طبیعت کا کمینہ خصلتوں کا رذیل عادتوں کا

ذلیل لیاقت خاک نہیں۔ باتوں کا پھوہڑ مزاج کا بُرا، اس قسم کی تابعداری کا متمنی جو ایک ذی شعور کے لیے باعث ننگ ہو۔ خفیف الحرکات اسقدر کہ جس سے ایک تعلیم یافتہ اور شائستہ خاتون کے دل کو تکلیف پہنچے۔ ضد کا یہ حال کہ جس بات کی ایکمرتبہ دُھن لگ گئی پھر کیا مجال ہے کہ اُسکے خلاف ہو۔

بیوی سے روز تکرار کبھی اُسکے چپ بیٹھنے پر خفا کبھی اُسکے کتاب دیکھنے سے ناراض، کبھی اُس کی کشیدہ کاری سے بیزار، کبھی اُس کی بول چال سے ناخوش غرض اُس غریب کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ اس بیچاری نے لاکھ اُسکو راہ راست پر لانے کی کوشش کی مگر اُس کی کوئی تدبیر کارگر نہوئی۔

ساس سُسرے بہو کا سُگھڑاپا دیکھ دیکھکر خوش ہوتے تھے۔ خصوصاً سُسرے کا تو یہ حال تھا کہ سب انتظام بہو کے سپرد کر دیا اور ساس بھی گھر سے بے تعلق ہو گئی۔ اب عابدہ بیچاری پر یہ اور مصیبت پڑی کہ روز کھانے پر جھگڑا۔ سالن کے مزہ پر تکرار کبھی برتن توڑنا کبھی سالن کی دیگچیوں میں راکھ ڈالنا، کبھی چلانا شوہر کی جانب سے شروع ہو گیا، ماں نے سمجھایا باپ نے نصیحت کی ڈانٹا مگر اس ناشدنی پر ذرا بھی اثر نہوا،

انہیں اور ایسی ہی فکروں میں یہ بیچاری دن رات پڑی گھلا کرتی تھی۔ عورت کا حال بالکل اُس خوشرنگ پھول کے مشابہ ہے کہ جو بظاہر نظر فریب معلوم ہوتا ہو مگر اسکے اندر ہی اندر کیڑا اپنا کام کر رہا ہو، اُسکے چہرہ پر رونق تو تھی مگر یہ کچھ حسن شباب کی افزونی سے نہ تھی بلکہ جانگداز اور اُستخواں سوز تپ دق کا ظہور تھا کہ جو عارضی سرخی کے پردے میں جھلک رہا تھا۔

ایکدن کا ذکر ہے کہ اُسکے سُسرے مولوی محمد حنیف تو کسی مقدمہ کی پیروی کیلیے الہ آباد گئے ہوئے تھے اور اُس کی ساس کہیں کنبہ برادری میں تقریب کے لیے گئی ہوئی تھیں اور یہ بیچاری بخار میں مبتلا اپنے کمرہ میں لیٹی ہوئی تھیں کہ دوپہر میں اسکا شوہر ''شریف''

خدائی خوار گدھے پر سوار کہیں سے آیا، آتے ہی کھانا مانگا۔ بیچاری طوعاً و کرہاً اسی بخار میں کھانا لانے کے لیے اُٹھی باورچیخانے میں گئی تو دیکھا ماما نے دیگچیاں چولھے سے اُتار کر نعمت خانے میں رکھدیں۔ جوں توں کر کے دیگچیاں نکالیں، دیکھا تو شوربہ جم گیا تھا دال ٹھنڈی ہوگئی تھی۔ ان سب چیزوں کو لیکر چولھے کے پاس گرم کرنے کے لیے آئی تو آگ ندارد، دل میں ڈری ہاتھ پاؤں میں سنسنی پیدا ہوئی۔ خوف سے جسم میں تھرتھری آگئی اور دیگچیاں چھوٹ کر گر پڑیں تمام سالن پھیل گیا۔ دیگچیوں کے گرنے کی آواز سے میاں شریف کمرے سے باہر نکل آئے دیکھا تو سالن زمین پر بکھرا ہوا ہے اور بیوی سر پر ہاتھ رکھے چپ چاپ خاموش بیٹھی ہوئی ہے۔ ایک تو ویسے ہی مزاج کا چڑچڑا تھا اُس پر بھوک کریلا اور نیم چڑھا۔ جو کچھ کہا سُنا ہوگا اُسکے بیان کی حاجت نہیں۔

بیچاری چپ گردن جھکائے سُنا کی اور سُن سُنکر زہر کے سے گھونٹ پیتی رہی آخر ضبط نہو سکا اور اُسکے قدموں پر بیہوش گر پڑی۔

اسی اثنا میں شریف کی ماں بھی آگئی تھی۔ دونوں ماں بیٹوں نے اُسے زمین سے اُٹھا کر پلنگ پر لٹایا لخلخہ سنگھایا پنکھے کی ہوا دی غرض دو تین گھنٹے کے بعد ہوش آیا، ساس نے اپنے بیٹے کو سخت سُست کہا خوب ڈانٹی اور عابدہ کو گلے لگا کر خوب پیار کیا اور دونوں میاں بیوی کو کمرہ میں تنہا چھوڑ کر چلی گئیں۔

بیوی نے موقع پاکر میاں سے کہا میں آپ کی لونڈی ہوں مجھپر آپ کی اطاعت فرض ہے۔ میں آپ کے ہر ایک برتاؤ سے خوش ہوں خواہ وہ کیسا ہی سخت کیوں نہو، مگر للہ آپ اپنی زبان کو ایسے الفاظ سے آلودہ نہ کیا کریں کہ جو ایک شریف گھرانے کیلیے موجب شرم ہوں۔ میری زندگی چندروزہ ہے، میرا وقت آگیا ہے۔ میں تھوڑی دن کی مہمان ہوں چلتے چلاتے میرے اس ستم رسیدہ دل کو نہ دکھاؤ۔ میں نہیں کہتی کہ تم میری خاطر کرو میری دلدہی کرو ہاں میری یہ عرض ضرور ہے کہ میرے ساتھ ایسا سلوک

بھی نہ کرو کہ جو اس چل چلاؤ کے وقت بھی مجھے بےچین کر دے۔ یہ یاد رکھو کہ میں تو اس دنیا میں نہونگی مگر

یاد آئینگی تمہیں میری وفا میرے بعد

بعض وقت کی بات ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اسی وقت سے عابدہ کی حالت بگڑ گئی اور صبح ہوتے ہوتے اُس کی حالت غیر ہو گئی۔ مرنے سے دو گھڑی پہلے اُسنے یہ خواہش ظاہر کی کہ اُسکے شوہر کو اُسکے پاس بلا دیا جائے۔

وہی شوہر جو اُسکا دشمن جان تھا وہی شریف جو اُس کی صورت دیکھکر آگ بگولا ہو جاتا تھا جسوقت مریضہ کے کمرہ میں آیا اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ نیک بیوی نے اُسے روتا دیکھکر سمجھایا کہ "تم میرے مرنے کا صدمہ نہ کرو، میں نے اپنی جان تمہارے اوپر قربان کی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے مرتے وقت تم کو امن میں چھوڑا۔ دنیا اور آخرت میں سُرخرو جاتی ہوں۔ بس اب میری یہ خواہش ہے کہ میرا کہا سُنا معاف کر دو اور مجھے اجازت دو کہ میں رخصت ہو جاؤں۔ میری لبوں پر آئی ہوئی جان صرف آپ کی اجازت کی منتظر ہے۔ اگر تم نے اجازت ندی تو مرنا تو لابد ہے مگر یہ جان بڑی مشکل سے نکلیگی۔ آپ اپنی زبان سے خدا حافظ کہدیجیے تاکہ یہ جان آسانی سے نکلجائے۔

شریف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "اے حور خصلت مجھے شرم آتی ہے کہ میں تجھے اپنی کہوں آہ میں نے تیری قدر نہ کی میں نے تجھ پر نا واجب ظلم اور بیجا ستم کیے اور ہائے تیری قدر اُسوقت جانی کہ جب تو مجھ سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہی ہے میں تیری وفائیں یاد کر کے تمام عمر روؤنگا یہ آنکھیں تجھے تلاش کرینگی اور جب تجھے کہیں نہ پائینگی تو آنسو بہائینگی۔ یہ میں کس مونھ سے کہوں کہ میں نے رخصت کیا۔ آہ اچھا خدا حافظ۔

یہ کہکر جب شریف نے مریضہ کے چہرے سے چادر اُٹھائی دیکھا تو سرد ہو چکی تھی، سر پیٹتا باہر نکلا اور اُس کی تجہیز و تکفین کے بعد خود بھی جیتے جی دنیا کے اسٹیج سے غائب ہو گیا، عابدہ کے بھائی راحت نے اپنی چہیتی بہن کی لوح تربت پر یہ دو شعر کندہ کرا دیئے جو آجتک راہگیروں کی آنکھوں سے خراج اشک طلب کرتے ہیں۔

کون کہتا ہے کہ دو پھول چڑھاتے جانا — کون کہتا ہے کہ دو اشک بہاتے جانا
سر اخلاص سے او ناز سے جانیوالے — میری تربت پہ ذرا ہاتھ اُٹھاتے جانا

رقمہ
منظور

چند زنانہ ورزشیں

شانے اور بازو کی ورزش

ورزش سیزدہم۔ بازوؤں کو پہلو میں بالکل ڈھیلے چھوڑ دو۔ پہلے داہنے شانہ کو پیچھے کیجانب دباؤ اور جہانتک ممکن ہو سکے پیچھے کی جانب جانے دو۔ پھر شانہ کو جہانتک ہو سکے اُٹھاؤ یعنی اونچا کرو اور پھر آگے کی جانب جہانتک جا سکے لیجاؤ اسکے بعد بازو کو چھوڑ دو کہ اپنی اصلی حالت اور موقع پر آجائے۔ اسی طرح شانہ کو چند مرتبہ گھماتے جاؤ۔ اسکے بعد بائیں شانہ کے ساتھ اسی طرح عمل کرو۔ اسکے بعد ایکبار دائیں شانہ سے اور ایکبار بائیں شانہ سے پے درپے چند مرتبہ ورزش کرو۔

ورزش چہاردہم۔ مٹھی بند کرکے ہاتھ کو سیدھا اپنے سامنے کی جانب زور سے بڑھاؤ جیسا کہ کسی کے گھونسا مارنا چاہتے ہو۔ پہلے چند مرتبہ داہنے ہاتھ سے پھر چند مرتبہ بائیں ہاتھ سے ورزش کرکے اسکے بعد دائیں اور بائیں ہاتھوں سے یکے بعد دیگرے تیزی کے ساتھ اسی طرح عمل کرو۔ اسکے بعد دونوں ہاتھوں سے ساتھ ہی اس طرح عمل کرو

بعد اسکے افقی حالت میں دائیں بائیں جانب ہوائی گھونسے مارتے جاؤ۔ بعد چند مرتبہ سکے اوپر اور چند بار پیچھے کی جانب،

گردن کی ورزش

ورزش پانزدہم۔ نقشہ جات (۸) و (۹) و (۱۰) سے مطلب بخوبی ظاہر ہوگا۔ زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں۔ جسم کو سخت یعنی تنا ہوا رکھو اور صرف گردن ہی کے عضلات یعنی پٹھوں سے کام لو۔ نقشہ (۸) کے مطابق گردن کے جوڑ سے جہانتک منڈی خم

نقشہ (۸) نقشہ (۹) نقشہ (۱۰)



ہو سکے سر کو آگے پیچھے حرکت دو۔ نقشہ (۹) میں اُسی طرح کھڑے ہوکر منڈی کو جہانتک خم ہو سکے دائیں بائیں خم کرتے جاؤ۔ نقشہ (۱۰) سے ظاہر ہی کہ شانوں کو اونچا کرکے سر کو جھکانا چاہیے۔ یہ نہایت آسان اور عمدہ ورزش ہی جس سے شانوں اور گردن کے پٹھے خوب بنتے اور مضبوط ہوتے ہیں۔

کولے اور پاؤں کی ورزش

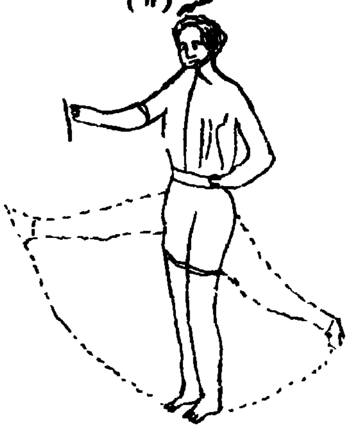
ورزش شانزدہم۔ نقشہ (۲) کے مطابق کھڑے ہوجاؤ اور پاؤں (یعنی ران سے پیر کے پنجہ تک کے) عضلات کو تنے ہوئے اور سخت رکھو اور صرف کولے کے پٹھوں سے کام لو۔ اوپر کے دھڑ کو بغیر گھٹنوں کے خم کے جہانتک ممکن ہو سکے آگے کی جانب خم کرو، جیسے

رکوع میں اور چند بار ایسا کرو۔ بعد اوپر کے نصف جسم کو پیچھے کی جانب خم کرو۔ پھر دائیں جانب اور بائیں جانب اسی طرح سے عمل کرو۔ یعنی اوپر کے دہڑ کو جھکاؤ، اسکے بعد کوٹے کو چوطرف خوب گھماؤ،

نوٹ۔ جہاں کہیں پاؤں کا لفظ استعمال کیا گیا ہی اُس سے ران کے اوپر سے پنجہ تک کو سمجھنا چاہیے۔ اور جب پیر کہیں تو مراد پنجہ سے ایڑی تک ہی۔

ورزش ہفتدہم۔ پاؤں کے پٹھوں کو ڈہیلا چھوڑ دو مگر باقی عضلات کو تنے ہوئے رکھو اور پاؤں کو کوہے کے جوڑ سے آگے پیچھے ہلاتے جاؤ جیسا کہ نقشہ (۱۱) میں دکھلایا گیا ہی

نقشہ (۱۱)

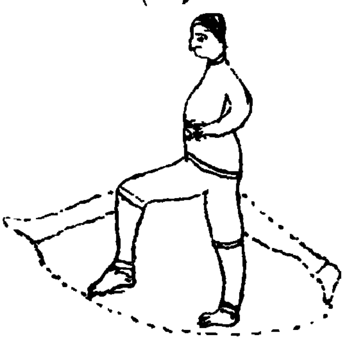


اگر اس ورزش کو بے سہارے کر سکو تو بہت زیادہ مفید ہی۔ ورنہ دیوار کو ایک ہاتھ سے ٹیکا دیکر کھڑے ہو جاؤ اور پاؤں کو ہلاتے جاؤ پہلے ایک پاؤں سے ورزش کرو بعد موقع بدلکر دوسرے پاؤں سے۔ دیوار سے بے سہارے کھڑے ہوکر ورزش کرنے میں دوسرے پاؤں کے پٹھوں پر زیادہ بار پڑتا ہی اور وہ مضبوط ہوتے ہیں۔

اس ورزش کو کسیقدر بدلکر بھی کر سکتے ہیں جیسا کہ نقشہ (۱۲) میں دکھلایا گیا ہی اس میں ران کے پٹھوں کو تنے ہوئے رکھو اور گھٹنے کے پٹھوں کو ڈہیلا چھوڑ کر حرکت دو اور ہلاتے جاؤ۔ اس سے ران اور عضلات کی ورزش ہوتی ہے۔ اس ورزش میں آگے اور پیچھے دونوں طرف عمل کرو جیسا کہ نقشہ میں نقطہ دار خطوط سے ظاہر کیا گیا ہے۔

اس ورزش کو اور طور سے بھی بدلکر کر سکتے ہیں۔ یعنی ہاتھ کو شانہ کے جوڑ سے

نقشہ (۱۲)

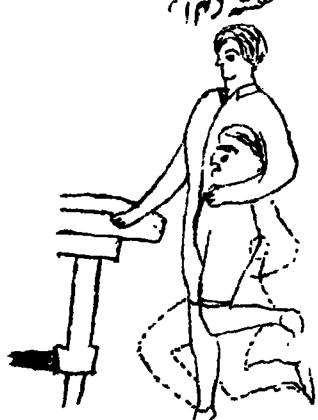


اور پاؤں کو کولے کے جوڑ سے بالکل ڈھیلا
چھوڑ دو اور دونوں کو آگے پیچھے اس طرح
حرکت دو کہ جب دو اپنا پاؤں آگے کو جائے
تو بایاں ہات پیچھے کو جائے۔ اور بالعکس جس وقت
بایاں پاؤں آگے کو جائے تو دایاں ہاتھہ
پیچھے کی طرف جائے جیسا کہ انسان چلتے وقت
ہاتھوں کو ہلاتے ہوئے چلتا ہی۔

اگر تم اپنے جسم کو ایک پاؤں پر سہار سکو تو دونوں ہاتھوں اور دوسرے پاؤں کو آگے پیچھے ہلاتے جاؤ۔ بعدہ دوسرے پاؤں کو زمین پر رکھکر جسم کو اوپر سنبھالو اور پھر اسی طرح عمل کرو۔

ورزش ہشتدہم۔ نقشہ جات (۱۳) و (۱۴) سے نہایت عمدہ حرکات ظاہر ہوتی ہیں۔ پہلے حصہ میں جیسا کہ نقشہ (۱۳) میں دکھلایا گیا ہی کمر پر ہاتھ رکھکر کھڑے ہو جاؤ۔ بعدہ ایک چھوٹی چوکی پر بیٹھکر پھر کھڑے ہو جاؤ۔ یہ اُٹھ بیٹھ کی ورزش نہایت عمدہ ہی۔ دوسرے حصہ میں یعنی بموجب نقشہ

نقشہ (۱۴)



نقشہ (۱۳)



(۱۴) سے داہنا ہاتھ میز پر رکھکر داہنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ درحالیکہ بایاں ہاتھ کمر پر ہو اور

اور بایاں پاؤں اٹھا ہوا ہو اسکے بعد گھٹنے کو خم کرکے بیٹھو جیسا کہ نقطہ دار خطوط سے ظاہر ہوتا ہی پھر کھڑے ہو جاؤ اور اسی طرح عمل کرکے موقع کو بدل دو یعنی بائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں سے ویسے ہی ورزش کرو۔ اس ورزش سے پاؤں۔ کولے ٹخنوں اور انگوٹھوں کے وہ عضلات کام میں آئینگے جو کمتر کام میں آتے ہیں۔ سترہویں اور اٹھارویں ورزش سے علاوہ ان اعضائی ورزش کے قبض کی شکایت بھی بخوبی دفع ہو جائیگی۔

ٹخنوں اور انگوٹھوں کی ورزش

ورزش نوزدہم[19]۔ سیدھے کھڑے ہو کر اپنے جسم کو انگوٹھوں پر بوجھ دیکر اٹھاؤ اور نیچا کرو یعنی انگوٹھوں پر کھڑے ہو جاؤ اور پھر پیر کے تلووں پر آجاؤ اور تلووں کو برابر زمین پر ٹیک دو۔ اسی طرح چند مرتبہ عمل کرنے سے انگوٹھوں اور ٹخنوں کے پٹھوں کی ورزش ہوگی۔ باقی دارد

راقم

مرزا مہدی خاں

وجود باری تعالیٰ

کھول کر آنکھ ذرا دیکھ تو اے نوع بشر
تجھے دنیا میں نظر آتے ہیں کیا کیا منظر
ان میں کچھ شان نرالی ہی نظر آتی ہے
غنچہ و گل، ہوں کہ اثمار، ہوں یا برگ و شجر
سلسلہ کوہ کا دیکھو تو مجسّم خوبی
کیسے انداز سے پھیلا ہے یہ تا حدِّ نظر
ہاں! ذرا آنکھ تو اوپر کو اٹھا کر دیکھو!

جگمگاتے یہ ستارے ہیں، تو روشن وہ قمر!
الغرض کوئی ہو شے، کان ہے وہ خوبی کی
ایسے نظّاروں سے ہو دنگ نہ کیوں عقل بشر؟
دیکھکر عالم امکاں کے یہ سب نظارے
پیدا ہوتا ہے سوال ایک یہ دل کے اندر
کیا یہ سب چیزیں، یونہیں بنگئی ہیں آپ سے آپ؟
یا کوئی موجد و صنّاع ہوا صنعت گر؟
سُنکے یہ مسئلہ باریک کہا سائنس نے
مادّوں سے بنیں اشیائے صغیر و اکبر
"آسمان، و مہ، و خورشید، و نجومِ فلکی
باغ، و راغ، و چمن، و نکہت گل، بادِ سحر"
"اُس سے پہلے نہ تھی دنیا نہ نشانِ دنیا
نہ نظر ہی تھی یہاں اور نہ کوئی منظر"
"دفعتاً مادہ نے ہی یہ کھلایا گلزار
یہ نہوتا تو نہ ہوتا یہاں کوئی منظر"
حل کیا مسئلہ اس طور سے جب سائنس نے
دہریوں نے کہا "ہاں شک نہیں اسکے اندر"
عقل نے سُنکے مگر اُسکے دلائل اُلٹے
کہا افسوس نہ کیوں رو دئیں ہم اس منطق پر
ایسی گمراہ سمجھ کا بھی ٹھکانا ہی کچھ ہے!
ایسی باتوں سے ہو کس لیے دانا کو حذر؟

مادّہ سے بنی ہر چیز یہ مانا لیکن!
یہ تو کیسے کہ ہوا مادّہ پیدا کیونکر؟
آخرش ہوگا کوئی اسکا بنانے والا
فعل کو بھی کہیں ہو سکتا ہے فاعل سے مفر
ہاں بس اس عالمِ امکاں کا بنانے والا
واحد و عاقل و دانا ہے خدائے اکبر!
وہ خدا جس کی خدائی ہو مبارک برتر
وہ خدا جس کی حکومت ہے ادہر اور اُدہر
جسکے احکام کی تعمیل میں یہ سب تیارے
رات دن کاٹتے پھرتے ہیں جہاں کے چکر
پس یہ لازم ہے کریں اُس کی عبادت ہم سب
اُسکے احکام سے نکلیں نہ سرِ مو باہر
کیونکہ دنیا میں اسی واسطے ہم آئے ہیں!
ہم کو احکامِ الٰہی سے ملی ہے یہ خبر!!
آرزو ہے تو یہ ہے اور دعا ہے تو یہ ہے
جادۂ مرضیِ مولیٰ ہو طریقِ اظہر

راقم
اظہر

عیادت اور تعزیت کی اصلاح

گو مجھے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنی کسی بہن کی کسی بات پر اعتراض کروں لیکن زنانی

رسموں کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں، مجھے سب بہنوں کے حسن اخلاق سے قوی امید ہے کہ وہ میری اس آزادانہ تحریر کو نظر غور سے دیکھیں گی اور میرے اظہار مدعا کیواسطے اپنی مہربانی سے اجازت دینگی۔

اے میری پیاری عزیز بہنو! عیادت ہم لوگوں کے ہاں ایک ایسی رسم پڑ گئی ہے کہ جب کوئی عزیز یا رشتہ دار بیمار ہوجاتا ہے تو اُسکے دیکھنے اور مزاج پرسی کیواسطے سب عزیز و اقارب جاتے ہیں اور اسی کو عیادت کہتے ہیں۔ جانا اور مزاج پرسی کرکے چلے آنا تو کوئی برائی میں داخل نہیں ہے بلکہ مقتضائے یگانگت اور انسانیت ہے مگر یہ کیسی بیہودہ رسم ہے کہ بیمار کے گھر جاکر صاحب خانہ کا مہمان بننا اور اسپر اپنی خاطر و مدارات کا بوجھ ڈالدینا یہ عیادت اور مزاج پرسی نہیں ہے بلکہ اُس کی بیماری پر ایک اور مصیبت کا بڑھا دینا ہے۔ گاڑی کا کرایہ جس سواری میں بیویاں آئینگی وہ صاحب خانہ ہی پر پڑیگا۔ اگر صاحب خانہ سے نہ لیا جائے تو اُسکو ایک ایسی سخت بدشگونی سمجھی جاتی ہے گویا میت کے گھر میں آئے ہیں خاطر و مدارات کے ساتھ طرح طرح کے نفیس کھانے، کھانوں کے ساتھ بازار کی عمدہ عمدہ مٹھائیاں بھی دسترخوان پر ہونی ضرور ہیں، اگر گرمی کا موسم ہے تو شربت برف لمنیڈ پلا رہے ہیں، جاڑہ ہے تو چاء بسکٹ کی بھرمار ہو رہی ہے، گھڑی گھڑی پان چلے آتے ہیں، صاحب خانہ تواضع کرتے کرتے تھکا جاتا ہے۔ اُس کی آدمیت کو تو دیکھو کہ بیمار کا خیال چھوڑ کر آپ کی خاطر تواضع میں مصروف ہے، مگر واے بیدردی کہ مہمان کے موںھ سے اتنا لفظ نہیں نکلتا کہ آپ اس قدر کیوں تکلیف اُٹھا رہے ہیں، یہ وقت خاطر و مدارات کا نہیں ہے اگر صرف دن ہی دن کیواسطے گئی ہیں تو شام کو کھانا کھلا کر بھیجنے کا فکر ہے اور بغیر کھائے چلی گئیں تو گھر بھیجنے کا اہتمام ہو رہا ہے اگر رہیں تو کتنے ہی دنوں کو ڈیرے ڈالدیے۔ صاحب خانہ کا ناک میں دم کر دیا۔ اپنے پرائے دکھڑے ہنسی مذاق طعن و تشنیع بیہودہ باتیں بیمار کی پروا نہ صاحب خانہ کا خیال، عیادت کیا ہوئی

گویا ایک قسم کی تفریح ہوئی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جس کی خبر پوچھنے آئے ہیں اُسکے پاس جا بیٹھتیں۔ ہمدردی کی باتیں کرکے اُسکا دل بڑھاتیں، طرح طرح سے تسلی دیتیں اور دلاسے کی باتیں کرتیں۔ اگر تنگی و ناداری ہو تو اس طرح کہ دوسرے کو کانوں کان خبر نہو روپیہ پیسے سے اُس کی امداد کرتیں، اسکے بجائے آپسمیں چھیڑ چھاڑ جھوٹی موٹی باتیں ہورہی ہیں، میکہ اور سسرال کے دُکھڑے روے جارہے ہیں۔ اگر ذرا پانوں میں دیر ہوئی تو پانوں کی سرخی کے بجائے غصہ سے مونھ لال ہوگیا اور حقارت کی نظر پڑنے لگی اور اسپر بھی صبر نہ آیا تو گھر جاکر اُس میں سو عیب نکالے۔

اے میری مسلمان بہنو! ذرا غور ہو کہ یہ ہمارے اخلاق اور ہماری محبت کا کیا اُلٹا برتاؤ اور قابل نفرت سلوک ہو کہ ایک شخص تو بیماری کی سخت تکلیفیں جھیل رہا ہو اور آپ ہیں کہ تمسخر اور فضول گوئی سے اپنا دل بہلا رہی ہیں۔ طرہ یہ کہ خیریت دریافت کرنے کے نام سے آئی ہیں، میرے نزدیک جس شخص میں ذرا بھی سمجھ ہوگی اور دردمندی پر توجہ رکھیگا تو ایسے تمام طریقوں پر ضرور خاک ڈالیگا اور انہیں لغو اور بیہودہ سمجھیگا۔

اس امر کا صحیح اندازہ اُسوقت ہو سکتا ہو کہ آپ کا بھی کوئی لخت جگر بیٹا یا بیٹی باپ یا بھائی خواہ میاں بیمار ہو جائے تو اُسوقت آپ کی کیا حالت ہوگی اور آپ کسقدر حیران اور پریشان ہونگے۔ طرح طرح کے فکر و الم آپکے دل پر ہونگے، غرض آپ کے ہراساں اور متردد ہونے کی کوئی انتہا نہوگی، آپ کا کھانا پینا اُٹھنا بیٹھنا سب بے خط اور بے لطف ہوگا اور یہ لو لگی ہوئی ہوگی کہ خدایا کسی طرح اس مریض کو صحت عطا فرما۔ پس ایسی حالت میں یہ عیادت اور مہمانداری ضرور آپ کو شاق اور گراں گزرے گی کہ اس سے کوئی دلجوئی کی بات نکلے گی۔

میرا مطلب یہ نہیں ہو کہ بیمار کی عیادت اور مُردے کی تعزیت نہ کیجائے کیونکہ عیادت اور تعزیت ہر شخص کے ساتھ لگی ہوئی ہو، آج میرے ہاں ہو تو کل آپکے

ہاں، اور یہ سلسلہ برابر جاری رہیگا، بلکہ اس طرح سے جانا چاہیے کہ صاحب خانہ پریشان نہو جائے اور بیمار اُلٹا گھبرائے۔ آپ اُسکا غم غلط کرنے کی جگہ خود اُسی کو تکلیف دیں اور دق کریں اُسکے رنج و غم کی پروا نہ کریں۔

یہ نہایت شرم کی بات ہے ہم کو خیال کرنا چاہیے کہ وہ شخص امیر ہے یا غریب اُسکے پاس روپیہ ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو کہاں سے لائیگا۔ مریض کی دوا درمن کون کریگا مہمانوں کی خاطر تواضع یا دیگر ضروریات میں صرف کرنے کے لیے کہاں سے آئیگا۔

اے میری پیاری بہنوں! یہ ہرگز نہ ہونا چاہیے یہ عیادت نہیں ہے بلکہ سراسر عیادت کے پردہ میں دوسروں کو تکلیف دینا اور نقصان پہنچانا ہے۔ اگر عیادت کو جائے تو اپنا کسی قسم کا اُسپر بوجھ نہ ڈالے۔ گھر سے کھانا کھا کر جائے بلکہ بٹاری ساتھ لیجائے۔ خیر اگر پان وغیرہ کی خاطر کیجائے تو چار و ناچار منظور کرے تاکہ کوئی برا نہ مانے۔ تھوڑی دیر بیٹھکر چلا آوے۔ اس طرح جانا کسی طرح خلاف اور گراں نہیں گذریگا۔ اس طرح اگر کوئی روز جائے تو بھی کچھ مضائقہ نہیں۔

اگر خدانخواستہ بیمار نہ بچا اور یہ بیماری مرض الموت ہوئی تو پھر کیا کہنا ہے اگر صاحبخانہ ہے تو گھر کی تباہی بیوہ اور یتیموں کا ساتھ اگر بہن یا بھائی ہے تو زندگی بھر کا زخم جسکا بھرنا مشکل۔ اُدہر یہ خبر گرم ہوتی ہے کہ فلاں شخص کا انتقال ہوگیا ادہر عورتوں کے غول کے غول گھر میں آکر ڈہئی دیتے ہیں۔ صاحب خانہ کو موت کے رنج و غم کے علاوہ اس مہمانداری کی اور مصیبت پڑی۔ میت کا رونا بھولکر مہمانوں کی فکر پڑگئی۔

سب سے پہلے پانوں کی ڈہولیاں منگائیں، چھالیہ بھی اچھی سُتھری آئے۔ کتھ بھی کیوڑے کا بسا ہوا منگایا جائے اور زردہ بھی مُشکی ہو پھر اُس کی بھی سیروں نہیں بلکہ منوں تک نوبت پہنچتی ہے۔ دو چار بہنیں جو قرابت قریبہ رکھتی ہیں اُن کو پاندان سپرد کیا گیا پھر کیا دیر تھی سب کے سامنے کشتی بھر بھر کے گلوریاں آنے لگیں، تھوڑی دیر میں وہ بھری

ہوئی کشتی خالی ہوگئی، پھر آئی تو ذرا سی دیر میں وہ بھی صاف۔ غرضیکہ یہ بھی ایک پورا صرف بیجا ہی۔ افسوس صد افسوس کہ اُس بیوہ مصیبت زدہ بیوی کی کچھ خبر نہیں کہ کمبخت مرتی ہی یا جیتی ہی۔ جب میت کو دفنا کر مرد واپس آئے تو حاضری کی فکر ہوئی۔ پھر کیا تھا دیگوں پر دیگیں چلی آتی ہیں مگر کسی طرح پورا نہیں پڑتا۔ بیویاں کھا رہی ہیں اور جب کھا چکیں تو چار چار پانچ پانچ مامائیں جو ساتھ لائی ہیں اُن کو کھلوایا اور گھر کے حصہ گنوا گنوا کر خوانوں میں رکھوائے اور گھر چلتے کر دیے۔

اے میری پیاری بہنو! تمہیں کبھی یہ بھی خیال آیا کہ اس مصیبت زدہ کا اس پر کیا اُٹھا ہوگا اگر غریب ہے تو اپنی عزت اور رسم کی پابندی پر اپنے کو تباہ کر دیگی اور جس طرح ہوگا قرض دام کر کے کھانا کریگی جسکا اثر آنے والی بہنوں پر کچھ نہیں پڑیگا اگر پڑیگا تو اُسی مظلومہ ستم رسیدہ پر کہ ہر طرف سے نقصان اُٹھا رہی ہی۔ جو مہینوں میں بلکہ برسوں میں بھی اُس قرض سے سبکدوش نہوگی۔ اور کھانے والوں کا کیا ہی چلتے دن جب تک اور کھلایا جائیگا کھائے چلے جائینگے۔ مگر ہماری بہنوں کو اسکا مطلق خیال نہیں، بعض بہنیں اس موقع پر یہ کہہ سکتی ہیں کہ ہم کسی پر جبر تو نہیں کرتے یا اپنے موںھ سے مانگتے تو نہیں ہیں؟

اے میری بہنوں! اس کی بابت میرا یہ عرض کرنا ہرگز خلاف نہوگا کہ سب متفق ہوکر اس قسم کی مہمانداری اور حصوں کے بینے دینے کو ترک کر دیں تو اس زیرباری اور نقصان کے بچنے سے بہت کچھ فائدہ ہی۔ امیروں کو صرف بیجا سے غریبوں کو اس زیرباری سے نجات ملسکتی ہی اور اس روپیہ سے اور سیکڑوں نیک کام نکل سکتے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ ہر قسم کے حصے بخرے کا لینا دینا ہی بند کر دیا جائے بلکہ صرف موت کے فضول حصے بخرے کو جو ضروری سمجھا جاتا ہی بالکل موقوف کر دیا جائے تو ہر ایک مسلمان بہن کے گھروں کو اس زیرباری سے نجات ملے اور قوم و ملت میں بہت کچھ آسانی اور فراغ بالی ہو جائے۔ البتہ شادی یا اور کوئی تقریب ہو تو اُس میں

حصہ لینا دینا مہمان رہنا رکھنا بُرا نہیں معلوم ہوتا ایسی تقریبوں میں روپیے کا صرف ہوجانا بھی ناگوار نہیں ہوتا۔

اب لیجیے دوسرے رشتے ناتے دار جو تعزیت کیواسطے آتے ہیں وہ عجب انداز سے خصوصاً لکھنؤ میں جس طریقہ سے یہ بہنیں تعزیت کیواسطے آتی ہیں اُس سے ہرگز تعزیت میں آنا نہیں معلوم ہوتا یعنی بڑے تکلف اور شان سے ہوتی ہیں بناؤ سنگھار کرکے اور اچھی سے اچھی پوشاک پہنکر مسّی سرمہ لگا کر شریک ہوتی ہیں۔ یہاں بہن، ماں، بیوی، بیٹی کے رونے سے شور قیامت تو برپا ہو ہی رہا ہے، مگر جب بہنیں پہونچیں تو بجائے دلجوئی اور دردمندی کے اور صبر و شکیب کی طرف توجہ دلانے اور غم غلط کرنے کی گفتگو کرنے کے اُن غمزدوں کے دُکھے ہوئے دلوں پر اور ظلم کیا جاتا ہے ایک کو ایک لپٹ لپٹ کر اور چیخیں مار مار کر روتی ہے اور جب آوازیں تھک گئیں زبان قابو سے باہر ہو گئی اور چیختے چیختے بھجا خالی ہو گیا۔ ہار کر چُپ ہو بیٹھیں۔ بعض ان میں سے رئیس زادیاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ الگ کھڑی ہوئی اپنی شان دکھاتی اور اپنے آپ کو بہت ضابط اور متحمل جتاتی ہیں۔ اگر اس واویلا سے اُنکے دل پر کچھ اثر پہنچا اور اُن کی آنکھوں میں کوئی آنسو آ بھی گیا تو رومال کی نوک کی بتّی بنا کر آنکھ کے کوئے میں رکھ کر اُس قطرہ کو جذب کر لیا کہ آنکھوں کا کاجل آنسو سے نہ بہ جائے۔ یہ بات کس قدر بُری اور بیجا ہے کیونکہ ہر مسلمان بہن بھائی ایک دوسرے کے دینی بہن بھائی ہیں، پھر کس طرح ان کا دل گوارا کرتا ہے کہ کسی کے ہاں موت ہو اور اُسکے عزیز بن ٹھن کر اُسکی تعزیت کو آئیں۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ غیر مذہب انگریز و پارسی عورتیں بھی ایسے وقت میں بناؤ سنگھار کو روا نہیں رکھتیں۔ اسی طرح ہندو مستورات بھی ایسے وقت میں ہماری بہنوں جیسے طمطراق کے لباس کو جائز نہیں رکھتیں، انگریزوں میں ماتم کے وقت سیاہ لباس پہنا جاتا ہے۔ پارسیوں میں بالکل سفید، ہم مسلمانوں میں جس زرق و برق

لباس سے آتی ہیں، اُس سے ذرا بھی غم والم ظاہر نہیں ہوتا بلکہ بناؤ سنگھار کی نمایش ہوتی ہے جو بیاہ اور شادیوں میں ہونی چاہیے، جائے غور ہے کہ جو شخص رنج والم اور مصیبت میں مبتلا ہیں وہ اُنہیں اس ٹھاٹھ سے کہ زیور میں لدی اور زرین پوشاک پہنے دیکھکر اپنا شریک غم اور ہمدرد سمجھیں گی، نہیں ہرگز نہیں بلکہ اُن کو تماشائی اور بیدرد سمجھیں گی اور اظہار رنج والم کو بناوٹ اور لغو سمجھیں گی۔

میری راے ناقص ہیں ایسے وقت میں بہت سادگی کے ساتھ سفید لباس پہنکر آنا چاہیے۔ اسکو کس طرح دردمندی اور دلجوئی سمجھی جائے کہ دکھاوٹ کے دو چار آنسو بہائے اور چلتے بنے، یہ نہ چاہیے، بلکہ اُس بہن کے پاس بیٹھکر جسکا قریبی رشتہ دار تھا ترغیب صبر دیں اور اشک شوئی فرمائیں، اُسکے مغموم اور زخمی دل کو تسلی و تشفی دیکر بہلائیں اور مرحوم کو فاتحہ خیر سے یاد کریں۔

شادی بیاہ میں جو بیہودہ رسمیں ادا کیجاتی ہیں اس میں سوائے روپیہ کی زیرباری کے چنداں بُرائی نظر نہیں آتی، غمی میں جو رسمیں ادا کیجاتی ہیں اُس میں ایمان کا بھی خطرہ ہے، سب رسمیں تو مجھے اچھی طرح سے معلوم نہیں مگر لکھنؤ میں جسقدر ایسے موقع پر دیکھنے میں آئے ہیں وہ بہت بیہودہ اور گناہ سے خالی نہیں ہیں۔

اوّل جب کوئی مرتا ہے تو تمام گھر والے اور رشتہ دار میت کی چارپائی کے اردگرد بیٹھ جاتے ہیں اور پٹی پکڑکر رونا شروع کرتے ہیں اور جب میّت کو نہلا کفنا کر باہر لیجاتے ہیں تو اُسوقت سب بیویاں ملکر میت کو ڈیوڑھی تک پہونچانے جاتی ہیں اور ایک عورت جنازہ کے ساتھ ساتھ لوٹے میں پانی بھرکر بہاتی جاتی ہے۔ جب فاتحہ کا وقت ہوتا ہے تو کورے گھڑے میں پانی بھرکر رکھا جاتا ہے۔ کھانے کے ساتھ خاصدان میں گلوریاں رکھی جاتی ہیں اور حقہ بھی ہوتا ہے۔ مرحوم کی جائے مرگ پر سب بیویاں بیٹھتی ہیں اور چالیس روز تک وہیں اکٹھی بیٹھتی ہیں۔ چہلم تک کڑھائی نہیں چڑھائی جاتی

صبح شام رونا ہوتا ہی جب تک برسی نہو کسی رشتہ دار کی شادی و خوشی میں شامل نہیں ہوتیں۔ لکھنؤ میں اس بات پر بڑا فخر کیا جاتا ہی کہ جس جگہ بیویاں مِٹی ہوں وہیں سیوم کے حصے گنوائے جائیں۔ اور دسترخوان پر کھلایا جائے تو ذلت سمجھی جائے۔ گویا کفایت کی وجہ سے دسترخوان پر کھلایا گیا۔ کیا اُلٹی بات ہی کہ خوبی کو ذلت اور ذلت کو خوبی سمجھا جائے۔ یعنی مثل بھنگن اور چوڑے چمار ذلیل قوموں کے الگ بٹھا کر کھلانے کو فخر سمجھیں اور ایک جگہ دسترخوان پر بیٹھکر کھانے کو بُرا،

چہلم کے دن جو سامان و زرِ نقد مُردہ کے نام دیا جاتا ہی وہ سب اوّل دالان میں لگایا جاتا ہی اور سب بیویوں کے دیکھ لینے کے بعد فاتحہ ہوتی ہی۔ جب مرد باہر چلے جاتے ہیں تو عورتیں موٹھ ڈھانک کر روتی ہیں پھر یہ سامان باہر بھیجدیا جاتا ہے اس ترکیب سے سوائے اسکے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی شان اور نمود دوسروں پر ظاہر کرنی ہی یا یہ کہ بیویاں خدا کے سامنے گواہی دیں کہ فلاں شخص کے نام ہمارے سامنے اتنا اتنا سامان دیا گیا ہی۔

اے عزیز بہنو! جو کچھ میں نے اس رسم کے متعلق عرض کیا ہی اُس کی بیہودگی کو آپ خود اندازہ کر سکتی ہیں یہ کسقدر سب کا بیہودہ حرکتیں ہیں کہ دنیا ہنسے اور خدا بیزار ہو۔ اگر ان بیہودہ رسموں کے توڑ دینے کے واسطے متفقہ کوشش کیجائے تو اپنے گھر میں کفایت اور دوسروں کی حقارت بھری ہنسی سے چھوٹ جائیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ کسی کام کی اصلاح و درستی میں اوّل اوّل بہت دقتیں پیش آتی ہیں اور بہت سے لوگ معترض و مخالف ہو جاتے ہیں مگر آپس کے اتفاق اور کوشش سے رفتہ رفتہ کامیابی ہو سکتی ہی۔ اگر سب بہنیں اُن رسموں کے چھوڑ دینے کا دل سے ارادہ کر لیں اور دوسری بہن کی عزت کو اپنی عزت اور اُس کی ذلت کو اپنی ذلت سمجھیں اور اُسکے فائدہ کو اپنا فائدہ جانیں تو یہ ساری بُری رسمیں آسانی سے دور ہو جائیں۔

اور یہ روپیہ جو اسوقت بُرے طریقہ سے صرف ہو رہا ہے اچھے کاموں میں خرچ ہو یعنی محتاجوں کو کھلاؤ بیواؤں کی مدد کرو۔ یتیموں کو پڑھاؤ، لولے لنگڑوں کی حاجت کو رفع کرو، مسجدوں کی مرمت کراؤ یہ بیشک دین و دنیا میں تمہاری نیکی اور بھلائی کا باعث ہوگا اور ان فضول خرچی اور بھونڈی رسموں کا موںھ کالا ہو جائیگا۔ اور میں امید کرتی ہوں کہ میری اور بہنیں میری اس راے سے اتفاق راے کرکے ان رسموں کے مٹانے میں کوشش فرمائینگی۔ فقط

رقیمہ
ج بیگم۔ از لکھنؤ

حقوق نسواں

ناظرین خاتون کو یاد ہوگا کہ خاتون کے سب سے پہلے پرچہ میں ہمارے نہایت قابل اور جوشیلے دوست مسٹر انعام الحق صاحب نے حقوق نسواں پر ایک پُر اثر اور دلچسپ مضمون لکھا تھا۔ گو وہ مضمون اڈیٹر رسالہ کی درخواست پر انہوں نے نہایت معتدل بنادیا تھا تاہم پرانے خیال کے لوگوں نے اعتراضات کیے تھے کہ رسالہ خاتون عورتوں کو آزاد اور بیباک بنانے کی غرض سے جاری کیا گیا ہے۔ گویا اُسوقت یہ بات بھی گوارا نہیں تھی کہ عورتوں کے حقوق کے متعلق اپنی زبان پر کوئی بات لائے یا قلم سے نکالے۔ اُسی کے بعد سے رفتہ رفتہ پبلک کے خیالات میں تغیر ہوتا گیا۔ یہانتک کہ اسوقت اڈیٹر خاتون کو حقوق نسواں پر کسی مضمون کا لکھنا ایک فعل عبث سا معلوم ہوتا ہے۔

ذیل کا مضمون مولوی ناظم علی صاحب نے بحوالہ آیات قرآنی لکھا ہے اور اس میں دیگر اقوام اور مذہب کے قوانین ورواج پر نکتہ چینیاں کی ہیں۔ گو ہم اس طرز کو پسند نہیں کرتے کہ اپنے مذہب کی خوبیاں دکھاتے وقت ہم دوسرے مذاہب پر حملہ بھی کریں۔ مگر

غالباً مولوی صاحب موصوف حسب وعدہ اپنی بحث میں آگے چلکر اس سے کوئی خاص نتیجہ نکالیں گے اسلیے ہم اس مضمون کو شائع کرتے ہیں لیکن حقوق نسواں پر مضمون نگاروں کی خاص توجہ کے لیے ہم ذیل کی چند اصُولی باتیں عرض کیے دیتے ہیں،

اوّل۔ یہ بات مسلمانوں کو پورے طور پر تسلیم ہی کہ مذہب اسلام سے بڑھکر کسی دوسرے مذہب نے عورتوں کے حقوق کی حفاظت کا لحاظ نہیں رکھا اسلیے محض بار بار اس بات پر زور دینے سے کچھ نفع نہیں ہی کہ اسلام اس معاملہ میں دوسرے مذہب پر فوقیت رکھتا ہی۔

دویم۔ مضمون نگاروں کو اس بات کا تجربہ ہوگا۔ اور اگر کسی نے اپنی آنکھ پہ بے انصافی کی پٹی نہیں باندھ لی ہی تو اُسکو تسلیم کرنا پڑیگا کہ جہاں اسلام نے تمام مذہب سے بڑھکر عورتوں کے حقوق کی حفاظت کی ہی۔ وہاں یہ امر نہایت قابل افسوس ہی کہ آج کل کے مسلمان عورتوں کے حقوق کی پامالی میں کسی قوم یا مذہب سے پیچھے نہیں ہیں بلکہ جو لوگ عیسائی مذہب پر حملہ کرتے ہیں اُن کو جاننا چاہیے کہ آج کل کے عیسائی ہم سے تحفظ حقوق نسواں کے بارے میں بہت بڑھے ہوئے ہیں گویا اسلام کی تعلیم پر وہ عمل کر رہے ہیں اور ہم عیسائیت کی جہالت کے زمانہ کی رسموں کے پابند ہو رہے ہیں۔

سویم۔ مضمون نگاروں کو اس بات کا پورا لحاظ رکھنا چاہیے کہ اگر وہ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کی اصلاح چاہتے ہیں تو وہ اپنے ہر مضمون میں اپنے گزشتہ زمانہ پر فخر کرنے سے کچھ اثر پیدا نہ کر سکینگے۔ ان کو چاہیے کہ موجودہ حالت اور موجودہ زمانہ کی بُرائیوں کی ہیبت ناک تصویر بھی اپنی قوم کے سامنے پیش کریں۔ اور دوسری قوموں میں جو خوبیاں اسوقت موجود ہیں وہ بھی نہایت فیاض دلی سے مسلمانوں کے سامنے پیش کریں۔ اڈیٹر

اس مسئلہ کے عظیم الشان اور اہم ہونے کے لیے صرف اتنا کہدینا کافی ہی کہ آج سیکڑوں برس ہو گئے اور متعدد سلطنتیں گذر گئیں مگر کوئی حکومت یا کوئی سلطنت انکے لیے ایسے قانون نہ بنا سکی جو قابل قدر ہوں یا جنکو قوم نے پسندیدہ نظروں سے دیکھا ہو۔ ہر حکومت کے لیے یہ مسئلہ پیش نظر رہا اور ہر سلطنت نے اسپر طبع آزمائی کی مگر افسوس ہی کہ کوئی سلطنت اسقدر مستحکم قانون نہ بنا سکی جو دو ایک صدی بھی قائم رہ سکتے۔ چنانچہ آج بھی اس مسئلہ پر لوگوں نے خیالات ظاہر کیے اور نہایت دقیقہ سنجی سے کام لیا۔ یہاں تک کہ اس مسئلہ پر متعدد کتابیں تصنیف کیں مگر نہایت افسوس ہی کہ اب بھی یہ مسئلہ لاینحل کہا جاتا ہی۔

اب گو اس مضمون کو اس حیثیت سے چھیڑنے کی کہ اسپر کوئی جدید روشنی ڈالی جائے ضرورت نہیں ہی کیونکہ اسپر ضرورت سے زیادہ کہا جا چکا ہی اور اخباری دنیا میں سب سے زیادہ یہی مضمون پامال اور معمولی سمجھا جاتا ہی۔ مگر میں نے صرف اسوجہ سے اسپر قلم اٹھایا ہے کہ تمام دوسرے مذاہب کا یہ دعویٰ ہی کہ اسلام نے عورتوں کے حقوق کو بالکل فراموش کر دیا اور اُن کو نوع انسانی سے بالکل خارج کر دیا۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسنے عورتوں کے تمام حقوق کا لحاظ کیا۔ اور ایسے قوانین بنا دیے جنکو ایک بڑی سے بڑی متمدن قوم نہیں مٹا سکتی۔

عورت جو نوع انسانی کا نصف حصہ ہی اُسکے حقوق کی نسبت دنیا میں لاکھوں قوانین بنے جو مختلف حکومتوں کے طرز عمل رہے۔ مگر ایک عجیب اور انوکھی بات یہ ہی کہ جب تک آفتاب اسلام دنیا پر روشن نہیں ہوا اس فرقہ نے اپنے تمام حقوق کی داد نہ پائی۔ رومن کا قانون جسقدر اعلیٰ اور فضل تسلیم کیا جاتا ہی وہ محتاج اظہار نہیں۔ رومن کے قانون کی فضیلت پر صرف یہ دلیل کافی ہی کہ آج یورپ جو موجودہ ترقی اور تمدن کا سرچشمہ کہا جاتا ہی جسکے قوانین اعلیٰ ترین خیال کیے جاتے ہیں۔ ان سب کا سنگِ بنیاد

رومن لا ہی۔ اس مہتم بالشان قانون میں جو عورتوں کے حقوق تھے وہ یہ تھے۔
عورت شادی کے بعد شوہر کی زرخرید جائداد ہو جاتی تھی۔ عورت کا تمام مال و متاع شوہر کی ملک ہو جاتا تھا، عورت کوئی عہدہ نہیں پا سکتی تھی، عورت جو کچھ مال و دولت پیدا کرتی تھی وہ سب شوہر کا مملوکہ ہو جاتا تھا۔ عورت کسی کی ضامن نہیں بن سکتی تھی عورت ادائے شہادت کے قابل نہ تھی۔ عورت کوئی معاہدہ نہیں کر سکتی تھی حتیٰ کہ وصیت بھی نہ کر سکتی تھی۔

یہ قانون ایک مدت تک رومن سلطنت کے طرز عمل رہا ہے اور انہیں قانون پر عورتوں کی قسمت کا فیصلہ ہوتا رہا اور عورتوں کو یہ مظالم برداشت کرنے پڑے۔ کیونکہ سلطنت کے ایک قانون کو عورتوں کا ایک ضعیف فرقہ ہرگز توڑنے کی ہمت نہ کر سکتا تھا، ایک مدت کے بعد جب رومن سلطنت نے عیسائی مذہب اختیار کیا تو ان قوانین میں کسیقدر تغیر ہوا، اور کچھ کچھ صلاح ہوئی مگر ایک ایسے قانون کی جسمیں ہزاروں طلسم ہوں جسمیں جور و ظلم کے سوا انصاف کا کوئی شعبہ بھی نہ پایا جاتا ہو۔ جو سراسر ظلم و ستم سے مرکب ہو کیا اصلاح ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ۵۸۶ء یورپ میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا۔ جس میں یورپ کے بڑے بڑے محققین شریک تھے اور اُس میں صرف یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ عورتوں کے روح ہی یا نہیں؟ جلسہ نے بڑی فیاضی اور ہمدردی سے پاس کیا کہ عورت چونکہ نوع انسانی میں داخل ہے لہذا اُسکے لیے روح بھی ہے اور وہ بھی ذی روح کہے جانے کی مستحق ہے لیکن عورتوں کے پیدا کرنے کی صرف اس قدر غرض ہے کہ وہ مردوں کی خدمت کریں اور اُن کی اطاعت کریں۔ اسکے سوا اُن سے کوئی غرض متعلق نہیں کی گئی ہے
آپ کو یہ دیکھکر تعجب ہوگا کہ ایک ایسی قوم نے جو اعلیٰ درجہ کی متمدن قوم تسلیم کیجا چکی ہے۔ کیونکر ایسے قانون مرتب کیے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی بنا ایک غلط فہمی پر ہے جسکا اثر عام لوگوں کے دلوں پر پھیل رہا ہے۔ حتیٰ کہ عیسائیوں کا بھی یہی خیال ہے

جو قوم آج تمدن کہے جانے کی مستحق ہے وہ صرف یورپین قوم ہے۔ یہ تمدن جسکو آپ عیسائی تمدن سمجھتے ہیں، فی الحقیقت عیسائی تمدن نہیں بلکہ یورپین تمدن ہے۔

ایک مدت تک انگلستان میں یہی قانون جاری رہے۔ یعنی عورت بعد شادی کے شوہر کی زرخرید لونڈی ہوجاتی تھی، عورت کی تمام جائداد شوہر کی جائداد ہوتی تھی۔ عورت خود مختار نہ تھی، عورت کسی کی ضمانت نہ کرسکتی تھی،

اسکے بعد وومن ایکٹ بنا جس میں بہت اصلاحیں کی گئیں اور ایک عظیم الشان تغیر ہوا، تاہم بہت سی بے اعتدالیاں باقی رہگئیں،

عرب جو اسلام کا سرچشمہ ہے جسکے سایۂ عاطفت میں اسلام نے اپنی زندگی کے سیکڑوں برس بسر کیے، جس کی گود میں اسلام نے پرورش پائی، وہاں بھی زمانہ جاہلیت میں ایسے ہی ناگزیر قانون بنے یعنی عورت کو کسی قسم کا کوئی حصہ نہیں ملتا تھا، عورت کسی جائداد کی مالک نہیں ہوسکتی تھی۔ عورت صاحب اختیار نہ تھی۔ ہنود میں بھی ایسے ہی رواج تھے یعنی عورت کو کوئی حصہ نہیں ملتا تھا، عورت خود مختار ہوکر کوئی معاملہ نہ کرسکتی تھی، عورت ادائے شہادت کے قابل نہ سمجھی جاتی تھی، غرضیکہ تمام قوانین میں رومن لا کے پیرو تھے اور اسی کے قدم بقدم چلتے تھے۔

یہود کے یہاں شادی کرنا درحقیقت کسی لونڈی کو خریدنا تھا۔ اور اس کی قیمت اسکے باپ کو ملتی تھی،

اب دیکھو کہ اسلام نے عورتوں کو کیا کیا حقوق دیے اور کس طرح اُن تمام مظالم کو رفع کیا جنکی تاریکی تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھی، قرآن نے سب کے پہلے بتادیا کہ مرد کو عورت پر کوئی فوقیت نہیں ہے، بلکہ دونوں برابر کی حیثیت رکھتے ہیں، اگر کسی ایک چیز میں مرد عورت کا محتاج ہے تو دوسری چیزوں میں عورت مرد کی محتاج ہے، اگر کوئی کام بغیر مرد کے ناممکن ہے تو دوسرا کام بغیر عورت کے بھی نہیں ہوسکتا، بلکہ عورت د مرد اپنے تمام تعلقات

میں اپنے تمام محتاج الیہ ہیں اپنے تمام حقوق میں ہم پلہ اور برابر ہیں،

لهن مثل الذی علیهن بالمعروف — عورتوں پر مردوں کے جو حقوق ہیں وہی عورتوں کے مردوں پر ہیں،

اسکے بعد خدا پاک نے فرمایا

هن لباس لکم وانتم لباس لهن — وہ تمہارے لباس ہیں، تم اُنکے لباس ہو،

اسکے بعد یہ ثابت کر دیا کہ عورت بیکار نہیں پیدا کی گئی بلکہ انسانی معاشرت کا جزو اعظم اور اعلیٰ ترین ذریعہ ہے۔

وخلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ — اور تمہارے لیے خود تمہاری جنس سے عورتیں پیدا کر دیں تاکہ تم اُنکے پاس آرام پاؤ اور تمہارے درمیان محبت پیدا کر دی،

ہنود اور عرب میں جو یہ رسم تھی کہ عورت کو کوئی حصہ نہیں ملتا تھا اور حق میراث میں وہ بالکل محروم سمجھی جاتی تھی اسکو کس خوش اسلوبی کے ساتھ اُٹھا دیا اور کتنے اچھے پیرایہ میں ادا کیا،

الرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون۔ — باپ اور ماں اور رشتہ داروں کے ترکہ میں جتنا مردوں کا حصہ ہے۔ اُتنا ہی عورتوں کا ہے۔

اسی طرح قرابت کے جتنے تعلقات ہیں اُن سب میں قرآن نے مرد و عورت کو بالکل ایک درجہ پر رکھا ہے یعنی جو مرتبہ ماں کو دیا ویسا ہی باپ کو بھی حق عطا کیا۔ اسی طرح بھائی بہن کو ایک ہی حیثیت پر رکھا۔ چنانچہ فرمایا۔

وبالوالدین احسانا امّا یبلغن عندک الکبر احدهما او کلاهما فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولا کریما۔ واخفض لهما — اور ماں باپ سے نیکی کرنا۔ اور جو کوئی ان دونوں میں بڈھا ہو جائے یا دونوں بڈھے ہو جائیں تو نہ اُن کو جھڑک اور نہ ڈانٹ اور اُن سے ادب کی بات کہو۔ اور اُن کے آگے پیار سے

جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمہما   عاجزی سے کندھے جھکاؤ اور کہہ کہ اے خدا ان پر رحمت
کما ربیانی صغیراً   کر جس طرح دونوں نے مجکو پالا۔

اسکے بعد چونکہ ماں کے حقوق لڑکے پر زیادہ تھے لہذا اُن کو زور دیکر بیان کیا،

وحملتہ امہ کرہا و وضعتہ کرہا   اسکو مصیبت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور مصیبت سے جنا۔

رومیوں اور ہندؤں کے یہاں جو یہ قانون تھا کہ عورت کا تمام مال و متاع شوہر کی مملوکہ ہو جاتا ہی عورت جو کچھ زر و دولت پیدا کرسکتی تھی وہ سب شوہر کی ہو جاتی تھی اسکے مقابلہ میں قرآن پاک نے کہا،

وللرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء   جو مرد کمائیں وہ اُن کا حصہ ہی اور جو عورتیں کمائیں
نصیب مما اکتسبن۔   وہ اُن کا حصہ ہی۔

اسی طرح کلام پاک میں اور بہت سی آیتیں ہیں جنسے عورتوں کے حقوق ثابت ہوتے ہیں مگر ہم تطویل کے خوف سے سب کو نقل نہیں کرتے ہیں بلکہ انہیں آیات پر اکتفا کرتے ہیں، لیکن جو شخص انصاف کی نظر سے دیکھیگا اور کسی یکطرفہ فیصلہ کو ترجیح نہ دیگا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ وہ ضرور بول اُٹھیگا کہ یہی ایک دین سچا دین ہی کہ جسنے تیرہ سو برس پہلے وہ قواعد بنادیے جنکو آج یورپ نہایت جانفشانی کے ساتھ حاصل کر رہا ہی۔

ہم انشاءاللہ عورتوں کے تفصیلی حقوق پر آیندہ بحث کرینگے۔

راقم
ناظم علی از لکھنؤ

بقیہ شاہ لیر

لیر پھر اسٹیج پر آیا

لیر۔ کیا میرے پچاس ملازم دو ہی ہفتہ میں موقوف کر دیے گئے۔

البنی۔ حضور یہ کیا بات ہی۔ آپ کیوں ناراض ہو رہے ہیں،

لیر۔ میں تم کو ابھی بتاؤنگا کہ کیا بات ہی (گانرل کی طرف مخاطب ہوکر) ہاے افسوس! مجھے سخت شرمندگی ہی کہ تجکو یہ دن لگے کہ تیری وجہ سے میرے دل پر ایسا سخت صدمہ پہنچا اور تو اس قابل ہو کہ تیری وجہ سے میری آنکھیں آنسو بہانے پر مجبور ہوں تجھ پر آسمانی گولا گرے۔ اور تیرے بیگناہ باپ کے زخموں سے نکلی ہوئی بد دعا تیرے جسم کے ہر ایک حصہ میں ایک زخم پیدا کرے! اگر میری سال خوردہ آنکھیں اس صدمہ کی وجہ سے پھر آنسو بہائینگی تو میں ان کو نوچ کر اسی خاک پر ڈال دونگا، جسکو میرے آنسو تر کر رہے ہیں۔ ہائے! کیا اب یہانتک نوبت پہنچی ہی؟ اچھا تو ایسا ہی سہی، ابھی میری ایک بیٹی جیتی ہی۔ جو ایسی ناخلف نہ ثابت ہوگی جیسی تم ہو۔ اور اپنی فرمانبرداری اور محبت سے میرے کلیجے کو ٹھنڈک پہنچائیگی۔ جب وہ تمہاری اس نالائقی اور شرارت کی بابت سُنیگی تو اپنے ناخونوں سے تیرے چہرے کی کھال جو مثل بھیڑیے کے ہے نوچ نوچ کر زمین پر ڈال دیگی۔ تم نے یہ خیال کیا ہوگا کہ میں اب بالکل بے اختیار ہوگیا اگر تو نے ایسا خیال کیا تو تیری غلطی ہی۔ میں پھر اصلی حالت اختیار کرنے والا ہوں تم کو واضح رہے۔

(لیر۔ کینٹ اور انکے ساتھی باہر چلے جاتے ہیں)

گانرل (البنی کی طرف مخاطب ہوکر) کیوں صاحب آپنے دیکھا۔

البنی۔ گانرل گو مجکو تم سے بہت محبت ہی لیکن میں اس معاملہ میں تمہارا قصور سمجھتا ہوں۔

گانرل۔ (بات کاٹ کر) صاحب آپ مہربانی سے ذرا خاموش رہیے۔ ارے اسولڈ تم کہاں ہو! (دیوانہ کی طرف مخاطب ہوکر) ارے تو صرف دیوانہ ہی نہیں بلکہ بدمعاش بھی ہی۔ چل یہاں سے چل دے اپنے آقا کا راستہ پکڑ۔

دیوانہ۔ اجی جناب چچا لیر صاحب ذرا ٹھریئے تو سہی۔ اپنے دیوانہ کو بھی ساتھ لیتے چلیے۔

دیوانہ گیت گاتا ہی۔

کلاہ دیوانگی جو رکھتا ہوں سر پر — اسے بیچ کر لاؤں رسّی ایک گز بھر
پکڑ پاؤں بندر یا دخترِ بد اختر — تو لٹکاؤں دونوں کو سولی کے اوپر

اب لیر کے پیچھے پھریں ہم بھی در در

گانرل۔ اس آدمی کو یعنی لیر کو کسی نے کیا اچھا مشورہ دیا ہی کہ ہر وقت سو سوار اپنے ساتھ رکھیے! کیا یہ کسی طرح مناسب ہے کہ سو سوار اپنے ساتھ رکھے۔ اور ذرا سے غصہ پر یا طبیعت کے خلاف کسی بات پر اپنے سپاہیوں کو ہم پر چڑھا کر لے آئے۔ اور ہماری جان کو خطرہ میں ڈالے،

اسولڈ۔ میں نے تم سے کیا کہا تھا!

البنی۔ تم خوب یاد رکھو تمہارے لیے یہ بہت اندیشہ کی بات ہی۔

گانرل۔ خیر اگر اندیشہ ہی تو ہونے دو۔ یہ زیادہ بہتر ہی بہ نسبت اسکے کہ بڈھے دیوانہ پر بھروسہ کیا جائے۔ میں جس آفت سے ڈر رہی ہوں بہتر ہی کہ اسکو پہلے ہی سے دور کر دوں۔ بہ نسبت اسکے کہ آفت میرے سر پر آجائے۔ مجھے اپنے باپ کے دل کی بات معلوم ہی۔ اور جو کچھ انہوں نے زبان سے کہا ہی سب میں نے اپنی بہن کو لکھدیا ہے اگر وہ اس بڈھے باپ کو سو سواروں کے ہمراہ اس طور پر رکھے گی جس طور پر میں نے رکھا تو (کہ اتنے میں اسولڈ پھر سامنے آتا ہی) کیوں اسولڈ تم نے میری بہن کو خط لکھا!

اسولڈ۔ حضور انور لکھدیا ہی۔

گانرل۔ اچھا کچھ آدمیوں کو ساتھ لیکر ابھی گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ اور فوراً میری

بہن کے پاس پہونچو۔ اور اُن کو اُن سب خطروں کی بابت اطلاع دو جو مجکو اپنے باپ کی طرف سے ہیں اور اپنے دل سے کچھ باتیں گھڑ کر اُن سے کہو کہ وہ خوب پکی ہو جائیں۔ چلو اب جلدی سے بھاگ جاؤ۔ اور بہت جلد واپس آنا (اسولڈ چلا جاتا ہی)

گانرل۔ (البنی سے) نہیں! نہیں! صاحب یہ بزدلانہ نرمی جو آپ برت رہے ہیں۔ گو میں اس کی بابت آپ کو الزام نہیں دیتی ہوں تاہم آپ مجھے معاف کیجیے اگر میں یہ کہوں کہ لوگ آپ کی نرمی کی کچھ تعریف تو نہیں کرتے۔ مگر یہ کہتے ہیں کہ آپ میں عقل کی بہت کمی ہی۔

البنی۔ آپ آیندہ کی بابت کہاں تک علم رکھتی ہیں۔ مگر اسے یاد رکھو کہ اکثر لوگ بہتری کی کوشش میں رہی سہی بھی کھو بیٹھتے ہیں۔

گانرل۔ نہیں تو۔

البنی۔ اچھا! اچھا! واقعات سے نتیجہ نکل آئیگا۔

پانچواں سین

لیر لینٹ اور دیوانہ اسٹیج پر آتے ہیں:

لیر (لینٹ سے) لو یہ خط لو اور فوراً گلاسٹر کے ہاں جاؤ۔ میری بیٹی اگر تم سے کوئی سوال کرے تو تم اپنی طرف سے میری بیٹی کو کچھ نہ بتانا۔ اگر اس خط کے بارے میں کچھ تم سے دریافت کرے تو تم بتا دینا دیکھو! اگر تم وہاں پہونچنے میں جلدی نہ کروگے تو میں تم سے پہلے پہنچ جاؤنگا۔

کینٹ۔ حضور! جب تک میں آپ کا خط نہ پہونچا دوں گا۔ نہ بیٹھونگا نہ سونگا۔

کینٹ چلا جاتا ہی)

دیوانہ (لیر سے)، یہ تو بتائیے کہ اگر کسی آدمی کا بھیجا اُس کی ایڑی میں ہوتا تو اُسکے پاؤں میں آبلے پڑجاتے یا نہیں ؟

لیر۔ لڑکے یہ کیا کہہ رہا ہی؟

دیوانہ۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں۔ اور آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ اگر آپ کا بھیجا آپ کی ایڑی میں پہنچ جائے تو آپ کی ایڑی میں چھالے نہیں پڑینگے۔ (یعنی دیوانہ لیر کو یہ سمجھانا چاہتا ہی کہ آپ کے بھیجا ہی نہیں۔)

لیر۔ ہا! ہا! ہا!

دیوانہ۔ اب میں دیکھونگا کہ آپ کی دوسری صاحبزادی کیا سلوک کریگی۔ میں اُسکو بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔ اُس کی مثال سگے زرد برادر شغال۔ کی سی ہی۔

لیر۔ تمہیں کیا معلوم ہی لڑکے۔

دیوانہ۔ مجھے صرف یہ معلوم ہی کہ دونوں بہنیں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں، ذرا آپ یہ تو بتائیے کہ چہرے کے بیچوں بیچ میں یہ ناک کیسی ہی۔

لیر۔ بھائی میں نہیں بتا سکتا۔

دیوانہ۔ یہ صرف اسلیے ہی۔ ناک کے ہر ایک طرف ایک ایک آنکھ ہی تاکہ اپنے دائیں بائیں سونگھ نہیں سکتا دیکھ تو لیا کرے،

لیر۔ ہائے میں نے اپنی بیٹی کارڈیلیا کے ساتھ ظلم کیا۔

دیوانہ (بات کاٹ کر)، کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ

لیر۔ نہیں،

دیوانہ۔ یہ بات تو میں نہیں جانتا لیکن میں یہ بات جانتا ہوں کہ گھونگھا اپنا گھر کس واسطے بناتا ہے۔

لیر۔ بتاؤ کسواسطے بناتا ہی۔

دیوانہ۔ سُن لیجیے! اس لیے بناتا ہی کہ اُسکے اندر آرام سے بیٹھے اور اپنی بیٹیوں کو سب کا سب دیکر آپ مارا مارا نہ پھرے۔

لیر (اب اُسکا دل رنج و مایوسی سے زخمی ہو رہا ہی) ہاں میں اپنی پُرانی حالتوں کو بھول جاؤنگا، ہاے افسوس! اسقدر اپنی بیٹی سے فیاضی و مہربانی کی ہی، اچھا دیکھو! میرے گھوڑے تیار ہیں یا نہیں۔

دیوانہ۔ آپکے گدھے گئے ہیں کہ آپ کے گھوڑے تیار کریں (گدھوں سے مطلب لیر کے ملازموں سے ہی) یہ آسمان پر جو سات تارے ایک جگہ نظر آتے ہیں انکے سات سے زیادہ نہونے کی بھی ایک معمولی وجہ ہے۔

لیر۔ وجہ صرف یہ ہی کہ وہ آٹھ نہیں ہیں۔

دیوانہ۔ ہاں بیشک آپ بہت اچھے دیوانہ بن سکتے ہیں،

لیر۔ (آپ ہی آپ) کیا جو کچھ دیا ہی اسکو مجبور ہو کر واپس لیا جاے۔ ہائے یہ ناشکرگزاری کیسی تکلیف دینے والی ہی۔

دیوانہ۔ جناب چچا صاحب! اگر آپ میرے دیوانہ ہوتے تو میں آپ کو خوب پٹواتا، کیونکہ آپ اپنے وقت سے پہلے ہی بڈھے ہو گئے۔

لیر۔ اسکا کیا مطلب!

دیوانہ۔ اسکا مطلب صرف یہ ہے کہ جب تک تم میں عقل نہ آتی تم کو بڈھا نہ ہونا چاہیے

لیر (آپ ہی آپ) ہائے! اے خدا مجھے دیوانگی سے محفوظ رکھ، میں ہرگز! ہرگز! ہرگز! دیوانہ ہونا نہیں چاہتا۔ خدا تو میرے دماغ کو، میرے دل کو ٹھیک رکھیو کہ میں دیوانہ ہو جاؤں (اتنے میں ایک مصاحب سامنے سے آتا ہی) کہو میرے گھوڑے تیار ہیں۔

مصاحب۔ ہاں حضور تیار ہیں۔

لیر۔ (دیوانہ سے) چل لڑکے،

دیوانہ۔ یہ ملازمہ جو اسوقت میرے جانے پر ہنس رہی ہے۔ اگر حالت ایسی رہی تو زیادہ دنوں تک اسکو بھی ملازم رہنا نصیب نہوگا،

(باقی آیندہ)

راقم
اڈیٹر

کرشمۂ فطرت

سلسلہ کے لیے دیکھو جون کا پرچہ

میں نے وعدہ کیا تھا کہ اس مضمون کے سلسلہ کو جاری رکھونگا، مگر علی گڈہ سے اندور آجانے کے سبب آیندہ پرچہ میں نہ لکھ سکا، امید ہی کہ یہ تاخیر معاف کردیجائیگی۔

کہر — اکثر صبح کے وقت سردی کے موسم میں ہم دیکھتے ہیں کہ مکان کے صحن میں ایک دہواں سا بھرا ہوا ہوتا ہی۔ یہ دہواں بعض وقت اتنا زیادہ ہوتا ہی کہ قریب کی چیزیں بھی صاف صاف نظر نہیں آتی ہیں، یہ آگ کا دہواں نہیں ہوتا بلکہ پانی کا دہواں ہے۔ اگر کمرہ سے نکلکر صحن میں آئیں تو اس سے ہمارے کپڑے تر ہوجائینگے۔ اسی پانی کے دہوئیں کا نام کہر ہے۔

جس کسی کو یہ شوق ہو کہ ہم بادلوں کو دیکھیں کہ وہ کیا چیز ہیں اور اُن کی اصلیت کیا ہے،

بادل و کہر ایک ہی ہیں — تو وہ کہر کو دیکھ لے، کیونکہ بادل اور کہر ایک ہی چیز ہیں، دونوں بعینہ ایک ہی طرح سے بنتے ہیں، صرف فرق اتنا ہوتا ہی کہ بادل بلندی پر بنتے ہیں اور کہر زمین کے قریب،

یہ پہلے بیان ہوچکا ہی کہ پانی کے بخارات ہوا میں کچھ نہ کچھ ہر وقت موجود رہتے ہیں

کہر کے بننے کا طریقہ و سبب

زمین کی قریب کی ہوائیں جو پانی کے بخارات سے ملے ہوئے ہیں، وہ جب سردی پاتے ہیں تو پھر پانی کی صورت میں آجاتے ہیں، جس طرح کہ شیشے کے گلاس پر جس میں برف جمی ہوئی تھی، پانی کے قطرے نمودار ہوگئے تھے کہر پانی کی بہت ہی چھوٹی چھوٹی بوندیں ہوتی ہیں، یہ بوندیں نہایت ہی ہلکی ہوتی ہیں۔ اسلیے ہوا ان کو سہارے رہتی ہے اور زمین کے قریب ابر سا گھرا رہتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کہر سے جو ابر کی صورت میں ہے پانی کی بوندیں ٹپ ٹپ گرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، جیسے اوپر کے ابر سے مینھ کی بوندیں گرتی ہیں۔ اسی طرح اس قریب کے ابر سے بھی۔

یہ کہر سورج کی تیزی زیادہ ہوتے ہی غائب ہوجاتی ہے۔ اسکا سبب یہ ہوتا ہے کہ سورج کی گرمی سے وہ چھوٹی چھوٹی پانی کی بوندیں پھر بخارات کی صورت میں ہوجاتی ہیں اور ہوا میں ملجاتی ہیں، جہاز رانی کے لیے کہر بہت خطرناک چیز ہے، اسکے سبب سے سمندر پر اندھیرا چھاجاتا ہے۔ جہاز ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے، ایک دوسرے سے لڑجاتے ہیں، اور سیکڑوں جانیں تباہ ہوجاتی ہیں، سرد ملکوں کے آس پاس کے سمندروں میں جہاں کہر سردی کے سبب زیادہ ہوتی ہے، ایسے واقعات اکثر ہوتے رہتے ہیں،

کہر اور شبنم کا فرق

کہر اور شبنم میں یہ فرق ہے کہ پانی کے بخارات جو ہوا میں ملے ہوئے ہیں اگر ہوا ہی میں سردی کے سبب جم کر پانی کی بوندیں بنجائیں تو وہ کہر ہے اور اگر وہی بخارات کسی چیز سے چھوکر اس چیز پر پانی کی بوندیں بنیں تو وہ شبنم ہے۔

پالا

جس رات کو شبنم بہت زیادتی کے ساتھ ہو اور اس رات کی صبح کو سردی بہت زیادہ ہو تو شبنم کے قطرے جم جاتے ہیں۔ اس جمی ہوئی شبنم کو پالا کہتے ہیں۔

مبارکباد

ہمنے اس سے پہلے پرچہ میں یہ خوشخبری لکھی تھی کہ ۱۹ جولائی سنہ رواں کو جناب شیخ محمد عبد اللہ صاحب اڈیٹر رسالہ خاتون کے محل مبارک میں فرزند ارجمند جلوہ افروز ہوا ہی اپکے پرچہ میں ہم اس قطعہ کو درج رسالہ کرتے ہیں جو منشی سید احمد صاحب دہلوی نے فی البدیہ بطور مبارکباد اس مولود مسعود کی تاریخ ولادت میں موزوں فرمایا

منیجر خاتون علیگڈہ

قطعہ تاریخ ہجری ولادت باسعادت فرزند ارجمند بخانہ شیخ محمد عبد اللہ صاحب دام ظلہ

ہوا شیخ صاحب کے گھر میں پسر ــ ندا آئی اعدا کا سر کا ٹکر
تھی امید جسکی بصد انتظار ــ مبارک ہو فرزند عالی تبار
۱۳۲۷ = ۱ - ۱۳۲۰

اڈیٹوریل

۱۱ اگست سنہ ۱۹۰۹ع کو انسپکٹرس صاحبہ مدارس حلقہ آگرہ نے جنکا نام مس حمیر زہی زنانہ مدرسہ علیگڈہ کا معائنہ کیا۔ مدرسہ میں انکی تشریف آوری بالکل اتفاقیہ تھی اور قصداً وہ اس طریقہ سے آئیں جسکا علم ہمکو پہلے سے نہونے پائے۔ یہ طریقہ اکثر ایسے مدارس کی نسبت اختیار کیا جاتا ہی جو گورنمنٹ سے امداد کے متمنی ہوتے ہیں۔ گورنمنٹ اپنے کسی افسر کو ایسے موقع پر بلا علم اطلاع منتظمین کے بھیجکر تحقیق کراتی ہی کہ آیا فی الواقع کوئی مدرسہ ہی بھی یا نہیں اور اگر ہی تو اس قابل ہی یا نہیں کہ اسکو امداد دیجائے۔ ہمیں گونہ ایک تعجب بھی ہوا کہ جب کہ اس سے قبل مس گانجا صاحبہ انسپکٹرس نے بھی معائنہ فرماکر گورنمنٹ میں رپورٹ کی تھی تو پھر اب دوبارہ اس طریقہ سے معائنہ کی کیا ضرورت

پیش آئی لیکن اسطرح کے اتفاقی معائنہ کو ہم اپنے حق میں بہت مفید سمجھتے ہیں کیونکہ اسطرح سے گورنمنٹ کو اور سررشتہ تعلیم کو بہت اطمینان ہو جائیگا کہ جو کچھ ہم اپنی رپورٹ شائع کرتے ہیں اور وقتاً فوقتاً گورنمنٹ کو اطلاع دیتے ہیں وہ واقعی صحیح ہے۔ اور مدرسہ اپنا کام پوری مستعدی اور کامیابی سے کر رہا ہے چنانچہ جس تاریخ کو انسپکٹرس صاحبہ تشریف لائیں ۴۸ لڑکیاں مدرسہ میں موجود تھیں انسپکٹرس صاحبہ قریب چار گھنٹہ کے مدرسہ میں رہیں اکثر لڑکیوں کے سبق سنے امتحان لیا۔ مدرسہ کو دیکھا اور دوسرے روز سکرٹری مدرسہ اُن سے ملا ملنے سے معلوم ہوا کہ وہ مدرسہ کی حالت سے بہت مطمئن اور خوش ہیں۔ چنانچہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے کوئی مدرسہ پرائویٹ انتظام کا آجتک ایسا نہیں دیکھا۔ مدرسہ کے متعلق دیگر حالات تمام انھوں نے سکرٹری سے پوچھکر نوٹ کر لیے اور وعدہ فرمایا کہ آئندہ اطلاع دیکر معائنہ کے لیے پھر آوُنگی۔

جناب مسز فیضی صاحبہ مرحومہ والدہ مس عطیہ فیضی صاحبہ و ہر ہائنس بیگم صاحبہ جنجیرہ نے ایک ناول ترکی زبان سے بنام "ناول نادربیاں" اردو زبان میں تصنیف فرمایا تھا۔ اس ناول میں اعلیٰ درجہ کا نتیجہ جو پبلک کے فائدہ کے لیے اخذ کرنا مصنفہ کو مقصود تھا وہ گناہ کے بدنتائج اور آخرکار ذلت اور پریشانی کا دکھانا مدنظر تھا۔ ہمنے یہ ناول خود پڑھا ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک دلچسپ اور عبرتناک تصنیف ہے۔ جناب زہرہ فیضی صاحبہ نے اس کی پچاس جلدیں نارمل اسکول کی امداد میں مرحمت فرمائی ہیں۔ نہایت شکرگزاری کے ساتھ ہم اس عطیہ کا اعلان کرتے ہیں اسکی اصلی قیمت ایک روپیہ تھی لیکن ہم ناظرات خاتون کے فائدہ کے لیے اسکو نصف قیمت پر فروخت کرنا چاہتے ہیں جن صاحب کو ضرورت ہو وہ دفتر خاتون سے منگا سکتے ہیں۔

ہم بڑی خوشی سے شریف بی بی کا خیر مقدم کرتے ہیں شریف بی بی ایک ماہوا رسالہ ہی جو مستورات کی دلچسپی اور فائدہ کے لیے جناب منشی محبوب عالم صاحب اڈیٹر پیسہ اخبار نے ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۹ء سے جاری کیا ہی۔ اڈیٹر صاحب کا بہت پرانا وعدہ تھا کہ وہ عورتوں کیلیے ایک اخبار جاری کرینگے۔ اب آکر اس کا ایفا ہوا۔ ہمارے پاس جولائی اور اگست کے پرچے پہونچے ہیں اور ان دونوں پرچوںمیں زمانہ حال کے مشہور نامہ نگار مرد اور عورتوں کے مختلف مضامین پر مضامین درج ہیں جس سے معلوم ہوتا ہی کہ رسالہ بہت ہر دلعزیز اور مفید ہوگا۔ اصلاحی۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ مختلف اقسام کے مضامین اسمیں پائے جاتے ہیں۔ اور ایک حصہ دوسری زبانوں سے لطیفہ وغیرہ بھی ترجمہ کرکے درج رسالہ کیے گئے ہیں غرضکہ اسکو دلچسپ اور مفید بنانیکی پوری کوشش کی گئی ہی۔ ہمارے خیال میں اس قسم کے رسالوں کی ابھی بہت ضرورت ہی۔ اور پبلک کو اڈیٹروں کی ہمت افزائی کرنا چاہیے۔ اسی قسم کے رسالے ہیں جنکے ذریعہ سے مستورات میں علم و تہذیب پھیلائی جاسکتی ہی۔ ظاہری شکل رسالہ کی بہت دلکش ہی سرورق اسکا مطلا ہی اور ۶۴ صفحہ کا اور تقطیع ۲۰×۲۶ سائز کا ہی۔ ؎۱۲ سالانہ اسکی قیمت ہی۔

اب ہمارے پاس انسپکٹرس صاحبہ کے معائنہ کی مفصل رپورٹ بھی آگئی ہی جسکو انشاء اللہ دوسرے نمبر میں شائع کرینگے۔

جناب مس عطیہ فیضی صاحبہ نے بڑی مہربانی سے نمائش کے متعلق کچھ قواعد ہدایات انگریزی زبانمیں مرقوم فرمائے ہیں جسکا ترجمہ آیندہ پرچہ میں شائع کرینگے۔

ایک زنانہ ماہواری رسالہ موسومہ الحجاب جناب قیصر صاحب کی ایڈیٹری میں بھوپال سے جون ۱۹۰۹ء سے جاری ہوا ہی گو ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے تو یہ رسالہ بہت دلکش نہیں معلوم ہوتا لیکن بلحاظ اپنے مقاصد کے اور ایڈیٹر صاحب کی خاص دلچسپی کے جو انکو زنانہ تعلیم و ترقی سے ہی ہم امید کرتے ہیں کہ رسالہ مفید ثابت ہوگا ہم اپنے ملک کے نامی مضمون نگاروں سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ ایسے رسالوں کی اپنے قلم سے امداد کریں۔ اس رسالہ کا حجم ۴۰ صفحے کا ہی اور سالانہ قیمت ۱۲ عہ ہے۔

ہم بڑی خوشی کے ساتھ رسالہ الناظر کا خیر مقدم کرتے ہیں یہ رسالہ لکھنؤ سے جناب وصی الحسن صاحب بی۔ اے و ظفر الملک صاحب علوی کی مشترکہ ایڈیٹری میں جولائی ۱۹۰۹ء سے جاری ہوا ہی۔ گو اس رسالہ کے مقاصد عام ہیں لیکن ہر رسالہ میں بہت بڑا حصہ مخصوص مضامین نسوانی کو دیا جاتا ہی۔ اور مضامین بھی زیادہ تر مشہور نامہ نگاروں کے کے قلم سے درج ہوتے ہیں جنکو پڑھکر پبلک خاص حظ اور فائدہ اٹھا سکتی ہی بالخصوص بعض بعض نظمیں بہت دلچسپ درج ہوتی ہیں ہمیں توقع ہی کہ رسالہ بہت کامیابی حاصل کریگا یہ رسالہ ۵۲ صفحہ کا ہر ماہ کی یکم تاریخ کو لکھنؤ سے شائع ہوتا ہی اور ۱۲ اس کی سالانہ قیمت ہی۔

ٹرسٹیوں کے اجلاس مورخہ ۲۲ اگست میں بعض سنڈیکیٹ کے ممبروں کے متعلق خاص صیغوں کی نگرانی کیگئی ہی۔ اسمیں کالج اور بورڈنگ ہوس اور عمارات کے جملہ حسابات کی نگرانی خاکسار ایڈیٹر رسالہ ہذا کے متعلق کیگئی ہی اور جن صیغوں کا حساب بحیثیت سکرٹری کے خاکسار اڈیٹر سے متعلق ہی مثلاً سرسید میموریل فنڈ و تعلیم نسواں

فنڈ انکی نگرانی دوسرے ممبر صاحب یعنی حاجی موسٰی خانصاحب کے سپرد کیگئی ہی۔ اس کا اعلان پڑھکر لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ خاکسار نے تعلیم نسواں کے سکرٹری شپ سے علیحدگی اختیار کی۔ حالانکہ یہ خیال بالکل غلط فہمی پر مبنی ہی۔ تعلیم نسواں کا کام اور سکرٹری شپ سے نہ خاکسار نے علیحدگی اختیار کی اور نہ ارادہ ہی۔ ممکن ہی عدیم الفرصتی کی وجہ سی اور کام کبھی چھوڑنے پڑیں لیکن تعلیم نسواں کا کام خاکسار کی زندگی کے مقاصد میں سی ایک مقصد ہی وہ کسی حالت میں نہیں چھوٹ سکتا یہ اعلان محض اسلیے کیا ہی کہ خاکسار اڈیٹر کے پاس بیسوں خط باہر سے لوگوں نے لکھے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ تعلیم نسواں کا کام کسی دوسرے کے سپرد کیا ہی۔ حسابات کی نگرانی جو دوسرے ممبر صاحب کے سپرد کیگئی ہی اس سے فی الواقع انتظام مدرسہ نسواں یا فراہمی چندہ سے کوئی تعلق نہیں ہی۔ وہ محض حساب کی درستی اور جمع خرچ کی نگرانی تک محدود ہی۔ اس سے پبلک کو یہ بھی اطمینان ہونا چاہیے کہ علیگڈہ میں پبلک کے فنڈوں کی کسقدر حفاظت کیجاتی ہی کہ اول تو خود ممبر ایک دوسرے کے حسابات کی نگرانی رکھتے ہیں حتٰی کہ انریری سکرٹری کالج کے جسقدر حسابات ہیں اسکی نگرانی دوسرے ممبروں کے سپرد ہوتی ہی اور ان سب نگرانیوں کے بعد پھر ایک شخص سرکاری طور پر سالانہ بلاکر حسابات کی جانچ پڑتال کرائی جاتی ہی اور اسکی رپورٹ اخبارات میں شائع کرائی جاتی ہی جو ممبر بحیثیت سکرٹری کے کام کرتے ہیں وہ اپنے اپنے صیغوں کی سالانہ رپورٹ شائع کرتے ہیں اور اسمیں جمع خرچ دکھلاتے ہیں مسلمانوں کے اگر تمام کام میں اسیطرح حسابات رکھے جائیں اور نگرانی اور جانچ کیجائے تو کسی کی نسبت پبلک میں کوئی کبھی شکایت پیدا نہو۔

ہم اس سے قبل بار بار خریداروں کو توجہ دلاچکے ہیں کہ وہ مفصلہ ذیل امور کو ہمیشہ

مدنظر رکھیں۔

۱۔ جسوقت کسی خریدار کا ایک جگہ سے کسی دوسری جگہ پر تبادلہ ہو تو فوراً دفتر خاتون کو اطلاع دیں۔

۲۔ اگر کسی مہینہ کا پرچہ اسکے مابعد مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک نہ پہونچے تو بذریعہ ایک پوسٹکارڈ کے اطلاع دیں کہ پرچہ نہیں پہنچا۔

۳۔ جو صاحب کہ چھ چھ مہینے کے بعد شکایتیں کرتے ہیں کہ ہمکو پرچے نہیں پہنچے ان کو خود غور فرمانا چاہیے کہ ان کی شکایت کا اتنے زمانہ کے بعد کیا تدارک ہو سکتا ہے

۴۔ بعض خریدار سالانہ قیمت ادا کرنیکے بعد اکثر بھول جاتے ہیں کہ کس مہینہ سے کس مہینہ تک چندہ ادا کیا ہے۔ ایسی حالت میں انکو یا تو میعاد گذرنے کے بعد ہمارے ویلیو پی ایبل واپس کرنے پڑتے ہیں اور یا فضول خط و کتابت کرنیکی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ہر خریدار جب قیمت ادا کر دے تو اسکو اپنے ہاں نوٹ بک میں یہ بات درج کر لینی چاہیے کہ کس مہینہ تک کا چندہ ادا کیا ہے۔

بیگمات مندرجہ ذیل نے ازراہ ہمدردی قوم، ظائف فنڈ میں مندرجہ ذیل رقومات مرحمت فرمائی ہیں۔

۱۔ بیگم صاحبہ نواب وقار الملک بہادر	عـا
۲۔ مسز حشمت اللہ	عـہ

مندرجہ ذیل چندے تعلیم نسواں فنڈ میں وصول ہوئے ہیں عطا کرنیوالے حضرات کے نام نامی مع شکریہ کے درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ عطیہ ریاست ٹونک بابتہ ماہ جون ۱۹۰۹ع	صـہ

۲۔ جناب نواب لیاقت جنگ بہادر حیدرآباد دکن۔ ؎۱۲ کلدار سکہ رائج ـ ۱۲ــ

۳ ۔ عطیہ ریاست ٹونک بابتہ ماہ جولائی ۱۹۰۹ء ـ ۵ــ

۴ ۔ مرسلہ نور محمد صاحب آنریری ایجنٹ از امرتسر ـ ۱۱ــ

رسالہ خاتون میں جو نظم جوگن کے نام سے شائع ہوئی تھی اسکو ہم نے ایک پہیلی قرار دیکر ناظرین و ناظرات خاتون سے اس کے حل کرنیکی خواہش کی تھی خاتون کی ناظرات میں سے ایک صاحبہ نے مفصل حل اس پہیلی کا تحریری ہمارے پاس بھیجا تھا ہمنے منیجر رسالہ کو دیدیا ان کے پاس سے وہ کہیں کھو گیا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ وہ صاحبہ پھر دوبارہ اس تحریر کی نقل ہمارے پاس بھیجکر ممنون فرمائینگی

گذشتہ دس سال ہمارے زندگی میں بہت ہی پر آشوب گزرے ہیں کہیں پلیگ اور کہیں قحط سالی کہیں زلزلے اور کہیں طوفان۔ و سیلاب یہ سب آفات یکے بادیگرے نازل ہوتی رہی ہیں۔ اور اس ہمارے عزیز ملک کے کروڑہا انسان کسی نہ کسی آفت میں مبتلا ہو کر ضائع ہوئے اب ہم کو دلسے خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ ادھر تو طاعون نے قریب قریب پیچھا چھوڑا ہی۔ اور ادھر عمدہ بارشوں کیوجہ سے قحط کے اندیشے سے نجات ملی ہی۔ اور امید ہی کہ اگر ہماری شکرگزاری سچے دلسے ہوگی تو خدا ہمکو ان آفتوں سے آیندہ کے لیے ہمیشہ محفوظ رکھیگا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ رفتہ رفتہ زنانہ رسالوں و رکتابوں میں معقول اضافہ ہوتا جاتا ہی پڑھے لکھے لوگوں کو عموماً اور نئے تعلیم یافتہ حضرات کو خصوصاً تعلیم نسواں کیطرف بہت زیادہ توجہ ہی۔ رسالوں اور کتابوں میں عام طور پر بلحاظ مذاق زنانہ اور مردانہ

مضامین میں کچھ تفریق کیجاتی ہے موجودہ حالت کے لحاظ سے ایسی تفریق میں ہم کوئی بڑی قباحت نہیں دیکھتے لیکن اخبارات کے اڈیٹروں اور نامہ نگاروں کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ علم جس چیز کا نام ہے وہ ایک ہی چیز ہے۔ اور عورت و مرد کے لیے مختلف علوم نہیں ہو سکتے ہیں اشیاء قدرتی یا خیالات ذہنی جنکے بارے میں انسان علم حاصل کرتا ہے وہ عورت و مرد کے لیے ایک ہی ہیں حواس خمسہ دماغ بھی خارجی یا شیعہ یا ذہنی خیالات کے بابتہ قریب قریب یکساں علم حاصل کرتے ہیں اگر عورت اور مرد میں کوئی فرق کیا جاسکتا ہے تو بلحاظ انکے کاموں کے کیا جاسکتا ہے مثلاً سپہ گری کا علم حاصل کرنیکی عورت کو اس زمانہ میں کچھ ضرورت نہیں ورا سی طور پر اپنے خانگی اس انتظام کی بابت جو عورتوں سے مخصوص ہے مردونکو تعلیم دینا ان کا وقت فضول رائگاں کرنا ہے۔ اس لیے جہانتک عام علوم فنون کی تعلیم سے تعلق ہے وہانتک مردوں و عورتوں کے رسالے یا کتابوں میں تفریق نہیں کرنی چاہیے ہم ان بزرگوں کے خیالات کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ عورت کو تاریخ یا جغرافیہ یا طبعیات یا ریاضی یا منطق یا زبانوں میں اعلیٰ قابلیت حاصل کرنیکی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن ہمارے نزدیک دلکو منور اور دماغ کو روشن کرنیکے لیے اور قوائے ذہنی کی ترقی کے لیے عورتوں کو ان علوم کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے بہ نسبت مردوں کے کیونکہ مرد باہر چلنے پھرنے سے مختلف اشیاء کے دیکھنے بھالنے سے پڑھے لکھے لوگوں کی سوسائٹی میں ملنے جلنے سے بہت سی ایسی باتوں کا علم حاصل کر لیتے ہیں جو عورتوں کو نصیب نہیں ہے عورتوں کے علم کا انحصار محض کتابی تعلیم پر ہو سکتا ہے بس کتابی تعلیم سے بھی انکو محروم کرنا انتہا درجہ کی غلطی ہے باقی جو خاص کاموں کے متعلق یا مخصوص فنون کی نسبت تعلیم کا تعلق ہے اسمیں بیشک مرد و عورت کا دائرہ کسیقدر ایک دوسرے سے مختلف ہے ایسے معلومات کے متعلق خصوصیت کے ساتھ عورتوں کیلیے یا مردوں کے لیے مضامین

لکھے جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہی ہمکو اس نوٹ کے لکھنے کی یہ ضرورت پیش آئی کہ بعض لوگوں کو ایک حقارت کے لہجے میں یہ کہتے سنا ہی کہ عورتوں کیلیے معمولی رسالے او رمضامین ہوں تو بہتر ہی اونچی باتوں کی طرف انکی توجہ دلاکر اُن کے دماغوں کو پراگندہ کرنا مناسب نہیں غالباً ایسے خیال کی بنا پر بعض مضمون نگار اور اڈیٹر عورتوں کے لیے بہت ادنے اور ہلکے مضامین لکھتے ہیں اور انمیں عام طور پر نہایت ہی معمولی خیالات درج کرتے ہیں۔ گویا کہ عورتیں مثل ننھے ننھے بچوں کے ہیں کہ وہ اعلیٰ درجہ کے باتوں کے سمجھنے کی قابلیت ہی نہیں رکھتیں۔ ایسے بزرگوں کو ہم متنبہ کرتے ہیں کہ اُن کی یہ کوشش محض فضول ہی اور محض عورتوں کی حقارت کیغرض سے ایسے مضامین اخبارات میں درج نکیا کریں

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

نمبر ۹	بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۹ء	جلد ۶

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

علیم الدین مینیجر کے اہتمام سے
مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا
۲۴ اکتوبر ۱۹۰۹ء

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اس کی سالانہ قیمت ۱؎
اور ششماہی ۱۲؍ ہے۔

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں
علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے
مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے
ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے
جو نقصانات ہورہے ہیں اُس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے
جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے
کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان
کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں
لکھے جائیں۔

۶۔ اس رسالہ کی مدد کرنیکے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے
غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

۷۔ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڈہ ہونی چاہیے۔

خاتون

مستورات کے مضامین

۱۰ جولائی سنہ ۱۹۰۹ء کے تہذیب النسواں میں بھائی بشیر الدین احمد صاحب نے ایک مضمون بعنوان نئے اخبارات تحریر فرمایا تھا جس میں ایک جملہ نے ہم مستورات کی سخت دلشکنی کی تھی اور میں نے ایک ناچیز مضمون اسیوقت لکھکر اڈیٹر صاحبہ تہذیب النسواں کے پاس بھیجا تھا شاید انھوں نے نامناسب خیال کر کے اسکو درج نہ کیا خیر۔ اب پھر ماہ جولائی کے خاتون میں بھائی ابوالکمال صاحب دیسنوی کا مضمون بعنوان مضمون نگاری میں ایک ضروری اصلاح دیکھکر مینے ارادہ کیا کہ چند سطور ضرور اس مضمون کی بابت لکھوں اور امید کرتی ہوں کہ اڈیٹر صاحب اس ناچیز سطور کو درج فرما کر ممنون فرمائینگے۔

بھائی بشیر الدین احمد صاحب نے اپنے مضمون میں تحریر فرمایا ہی کہ خاتون اور عصمت میں اکثر مرد مضامین عورتوں کے نام سے لکھ دیتے ہیں جسکی جھلک صاف

معلوم ہوتی ہے ان دو جملوں نے خصوصاً آخر کے جملے نے ہمیں سخت حیرت میں ڈالا ہے۔ فرض کیا کہ شاید بعض مرد ایسے بھی ہوں گے جو خود مضمون لکھکر مسٹر یا مسیز بنجاتے ہوں اور شاید بعض مستورات بھی ایسی ہوں گی جو مردوں سے مضمون لکھوا کر اپنا نام کرتی ہوں۔ لیکن اس بنا پر سرے سے ہر ایک مستورات کے مضمون کو صرف جھلک دیکھکر مردوں کا سمجھ بیٹھنا بھی تو ہرگز مناسب نہیں جس مضمون کی بابت علم ہو کہ یہ مرد کا ہے۔ یا راقمہ مضمون جاہل ہوں یا مضمون نگاری کی قابلیت نہ رکھتی ہوں یا اور کسی طرح معلوم ہو جائے کہ یہ مرد کا ہے اس وقت مردوں کا مضمون سمجھنا کوئی بڑی بات نہیں بلکہ میری رائے میں تو اس بات کو علانیہ طور پر ظاہر کرنا چاہیے کہ یہ مضمون مرد کا ہے تاکہ پھر کسی مسٹر یا مسیز کو اس حرکت کی ہمت نہ ہو لیکن صرف جھلک دیکھکے مردوں کا مضمون تصور کرنا خلاف انصاف و سخت نامناسب بات ہے جھلک کی بابت جو تحریر کیا ہے شروع سے میں عصمت کی خریدار ہوں لیکن اب تک کوئی مضمون مستورات کا میری نظر سے ایسا نہ گزرا جس سے مردوں کے مضمون کی جھلک پائی جائے اور مرد کا شبہ ہو اب رہا خاتون سو یہ بات سب جانتے ہیں کہ خاتون میں زیادہ تر لائق مردوں اور تعلیم یافتہ اور اعلیٰ قابلیت والی لیڈیوں کے اعلیٰ اعلیٰ مضامین ہوا کرتے ہیں اور خاتون لائق ہاتھوں میں جایا کرتا ہے پس جب کوئی بی بی خاتون میں مضمون لکھنے کا ارادہ کرتی ہیں تو اس بات کا بہت خیال رکھتی ہیں کہ مضمون کا طرز عمدہ ہو تقریر شستہ ہو خیالات وسیع۔ الفاظ چنے ہوئے ہوں اور زبان اور فارسی الفاظ وغیرہ کی خاتون میں قید نہیں بلا تامل فارسی جملے محاورے الفاظ مصرعے۔ ابیات۔ رباعی وغیرہ اور مردانہ زبان دقیق الفاظ وغیرہ مضمون میں استعمال کرتی ہیں۔ اس خیال سے کہ ہمارا مضمون لائق مضمون نگار جنٹلمینوں اور فائق لیڈیوں کے مضامین کے ساتھ جگہ پانے کے

قابل ہوجتی لامکان کوشش کرکے اعلیٰ پیرائے اور عمدہ طرز اور وسیع خیالات
کا مضمون طیار کرتی ہیں۔ آخر کبتک مستورات۔ اب ت پڑھتی رہیں اور چڑا چڑی
چوہے چیل کوّے وغیرہ کی کہانیاں کہتی اور مضمونوں میں۔ کھانا۔ پکانا کوٹنا۔
جھاڑو بہارو دینا۔ ساس نند شوہروں کا دکھڑا۔ اوئی۔ نوج۔ نگوڑا۔ موا۔ بھونڈا
وغیرہ لکھتی رہیں اب زمانہ ترقی کر رہا ہے خدا کے فضل اور حبیب پاک کے طفیل مستورات
کے خیالات بھی کچھ وسیع ہو رہے ہیں اور کچھ قلمی میدان میں کام کرتی نظر آتی
ہیں اگر اپنی کوشش و شوق سے کوئی اعلیٰ مضامین تیار کریں تو کچھ عجب نہیں اگر
مذکورہ بالا تحریر کے لحاظ سے مستورات کے مضامین سے کچھ مردوں کے
مضامین کی جھلک پائی جائے تو چنداں عجب نہیں بس صرف جھلک دیکھکے مضمون
کی بابت اپنی رائے قائم کرنا ہرگز مناسب نہیں اکثر اس سے غلطی ہوجایا کرتی ہے
ایک مرتبہ تہذیب میں ایک نظم گلگو بھائی پڑھی تھی جسکو بعض لوگوں نے مرد
کی تصور کی تھی حالانکہ وہ لکھی ہوئی ایک لڑکی کی تھی جسکی تشہادت تہذیب صاحب قبلہ نے دی تھی
کہ یہ ایک لڑکی کی ہے شاید ناظرین کو یاد ہو ایک وقت خاتون میں ایک مضمون سوکن
کا جلاپے پر بیگم صاحبہ کے نام سے چھپا تھا جسکو دیکھکر بعض لوگوں نے کہا کہ
معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک کسی غمخوار مستورات مرد نے ایک قصہ دل سے بنا کر لکھا
ہے ورنہ ممکن نہیں کہ شفیق جیسا سنگدل انسان ہو حالانکہ وہ بالکل حرف بحرف
سچا واقعہ تھا ہاں مہر النساء آخری تقریر و الدین کے دلوں پر جلد اثر کرنیکی غرض سے
مناسب جانکر۔ اس دکھیا کی زبانی راقمہ مضمون کی تھی اور در اصل مجھ خاکسار
کا تھا اس ایک واقعہ پر کیا منحصر ہے اس سے زیادہ ظلم اور افسوسناک صدہا
واقعات گزرتے ہیں جس کے خیال سے دل کانپ جاتا ہے اور ان دو مثالوں
پر کیا منحصر ہے اکثر اس غلط فہمی کے سبب مستورات کے مضامین کو مردوں کے

تصور کرتے ہیں یقیناً بہت سی بہنیں مانند میرے ایسی بھی ہونگی جنکو مضامین لکھکر
دینا تو کجا اطلاع کرنے والے بھی کوئی نہوں ایسے مضامین جو مستورات نہایت
شوق و کوشش محنت و جانفشانی سے اپنا دماغ اور اپنا وقت خرچ کرکے تیار کریں
اسکی صرف جھلک دیکھکے مردوں کا مضمون تصور کرنا صرف بے انصافی ہی نہیں
بلکہ غریب مستورات کی دلشکنی ظلم اور آیندہ کیلیے ہمت اور شوق کو کم کردینا ہی کیونکہ
جب مستورات دیکھینگی کہ ہمارے مضامین پر جو ہم نہایت شوق محنت خوشی سے لکھتی
ہیں خواہ مخواہ کو مردوں کا گمان ہوتا ہی تو آیندہ کیلیے انہیں شوق اور مضامین نگاری
کا خیال نہوگا اور ان کا دل ٹوٹ جائیگا شوق کم ہوجائیگا مستورات کو مضامین لکھنے
پر آمادہ کرنا اور انھیں شوق دلانا دل بڑھانا چاہیے نہ کہ الٹا انکا دل توڑنا شوق کم کردینا
پس میرے کل ملکی بھائیوں سے میری عرض ہی کہ صرف جھلک دیکھکے مضامین کی
بابت اپنی رائے قائم کرکے غریب مستورات کی دلشکنی نکریں کیونکہ اب بفضل خدا بہت
سی مستورات ایسی ہیں جو مردانہ طرز کے مضامین لکھنے لگی ہیں۔ نیز اپنے کل ملکی ہمقوم
بھائیوں کی خدمت میں عرض ہی کہ وہ ہرگز ہرگز خود مضامین لکھکر مستورات کا نام نکریں
مجھے حیرت ہے کہ اس سے آپ صاحبوں کا کیا مطلب ہی اس سے شاید مسلمان مستورات
کی قابلیت لیاقت ظاہر کرنی منظور ہی لیکن یہ خیال محض غلط ہی ہرگز ہرگز اس سے
مستورات کی لیاقت بڑھجائیگی مانا کہ بعض لوگوں میں شہرت ہوجائیگی کہ مسلمان مستورات
بھی مضمون نگاری میں مہارت رکھتی ہیں لیکن اونچی دوکان پھیکے پکوان سے کچھ حاصل
ایسی شہرت کس کام کی۔ اگر تھوڑی دیر غور کریں تو خود سمجھ سکتے ہیں۔ اگر حقیقی شہرت
چاہتے ہوں تو کوشش کرکے مستورات میں اتنی لیاقت پیدا کرنی چاہیے کہ جس
سے مستورات خود اعلیٰ اعلیٰ مضامین لکھ سکیں اور یوں خود مضمون لکھکر مستورات کا
نام کرنیسے انہیں کوئی فائدہ نہوگا بلکہ الٹا سراسر نقصان اور دوستی نما دشمنی ہی

کیونکہ اس سے یہاں گیہوں کے ہمراہ گھن بھی پیسا جا رہا ہے یعنی مستورات کے ہمراہ ایک مضمون کو جو وہ نہایت شوق اور کوشش سے لکھتی ہیں خواہ مخواہ کو مردوں کا گمان ہو رہا ہے۔ یہ کسقدر نا انصافی کی بات ہے کہ اپنی مستورات کی خوشی اور شہرت کیلیے کل مستورات کے مضامیں سے لوگوں کو مشکوک کر دیں۔

میں پھر دوبارہ اپنے کل بھائیوں کی خدمت میں عرض کرتی ہوں کہ گذشتہ را صلوٰۃ اور آیندہ را احتیاط کو کام فرمائیں اور ہرگز ہرگز آیندہ سے اس حرکت کو جائز نہ رکھیں امید کہ آیندہ سے پھر کبھی کوئی شکایت سنی نجائیگی۔

اب میں اپنی بہنوں کو متوجہ کرتی ہوں میری عزیز ہمقوم و ملکی بہنوں یہ کوئی تہذیب و شائستگی کی بات نہیں کہ مردوں سے مضامین لکھا کر اپنا نام کریں اس سے ہرگز ہرگز وہ خوشی نہ ہوگی جو خود اپنے لکھے ہوئے ایک سطر بلکہ جملہ سے حاصل ہوتی ہے بعض بیبیاں کتاب سے مضامین نقل کرتی ہیں مردوں سے مضامین لکھواتی ہیں اور جھوٹ موٹ کو اپنا نام کرتی ہیں یہ سخت اخلاقی جرم ہے بلکہ میرے خیال میں ایک طرح کی چوری ہے جو ایک نہایت رذیل و کمینی عادت ہے یقیناً بہنیں چوری جیسی چھچوری عادت کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں جاننا چاہیے کہ یہ بھی ایک چوری اور سخت ناجائز کارروائی ہے۔ گڑ کھائیں گلگلوں سے پرہیز چوری کو تو نفرت کی نگاہ سے دیکھیں اور علمی چوری جائز رکھیں یہ بات عقل و تہذیب کے خلاف ہے کسی حالت میں مناسب نہیں کہ دوسروں کے مضامین کو اپنے نام سے ظاہر کرنا سراسر حماقت ہے جب خود میں لیاقت نہ ہو مضامین کو اپنا کرنیسے کیا فائدہ نہیں اس سے بہتر ہے کہ خود کوشش کر کے لیاقت پیدا کریں میں امید کرتی ہوں کہ آیندہ سے بہنیں اس بات کا پورا پورا خیال رکھیں گی۔

آخر میں اپنے کل بھائی بہنوں کی خدمت میں عرض ہی کہ اگر اس ناچیز مضمون میں کوئی بات ناگوار خاطر ہو تو معاف فرماویں کیونکہ میں کچھ بُرے دل سے نہیں لکھتی امید کہ مجکو معاف فرماوینگے۔

ماہ جولائی کی خاتون کی میں بیحد منتظر تھی کہ دیکھیں جوگن کی بوجھ کیا ہی لیکن افسوس کہ کسی بھائی یا بہن نے نہیں لکھی غالباً میری طرح بہت سی بہنیں خواہش مند ہونگی پس بھائی احتشام الدین صاحب کی خدمت میں ہمشیرانہ عرض ہے کہ از راہ کرم خود ہی اسکی بوجھ لکھکر اپنی مشتاق و خواہشمند بہنوں کو شاد فرماویں۔

خاکسار رابعہ بیگم از ننڈی گاؤں

انسان اور اسکا زمانہ طفلی

جب ہم انسان کی ابتدا بلکہ اسکی بنیاد سے لیکر اسکی آن تمام کمال حالات پر نظر ڈالتے ہیں جو قرب موت یا ساکن گور ہونے تک اُسے پیش آتے ہیں اور پھر اسکی جملہ کائنات شکلی و جسمانی پر مع طلسمات اندرونی کے غور کرتے ہیں تو لاشک بلا قصد و ارادہ عام اس سے کہ اوس خالق زمین و آسماں سے فیکو ہی کیوں نہو مگر حق زبردستی پڑھوا تا ہی کہ۔

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۝

اور جس سے بڑھکر کوئی ثبوت حق اور وجود رب کی قوی دلیل ممکن نہیں یا انسان درحقیقت کیا چیز ہی صرف اسیقدر جملہ ایسا طالب غور فیلسفانہ ہی کہ صدہا متقدمین اور فلاسفر اسی بحر عمیق میں ڈوب کر کبھی ابھرنے کے ارزومند نہوئے اور اسی فکر میں عمریں صرف کر گئے اور حیرت ہی کہ خود اپنی ذات تک کو نہ پہچان سکے۔ مگر یہ کہ انسان حیوانوں میں سے

بہترین حیوان اور عام مخلوقات میں سے اشرف المخلوقات ہی وہ ایک عجیب صورت سے بطن مادر میں مضغہ گوشت اور رفتہ رفتہ نہایت دلربا شکل بنکر صفحہ ہستی پر نمودار ہوتا ہی اور اسکی جملہ اوضاع واطوار معصومانہ زبان حال سے اپنے احسن الخالقین کی مستند شہادت ہوتے ہیں۔

وہ زبان رکھکر بے زبان ہوتا ہی گوش ہوش رکھکر بلا سماعت متصور ہوتا ہی اور اہل بصیرت ہوکر بلا بصر سمجھا جاتا ہی کوئی نہیں سمجھتا اور نہ دھیان میں لاتا ہی کہ ایک بچہ زبان رکھتا ہی مگر منتظر ہی کہ اسے کیونکر جنبش دے کان رکھتا ہی مگر نہیں جانتا کہ ان اصوات مختلف کا صحیح مفہوم کیا ہی کیا ہی جو اسکے گوش گزر ہوتے ہیں اسیطرح آنکھوں سے ہر چیز کا مشاہدہ کرتا ہی دقیق دقیق تعلقات کافی غور سے پوری شہادت دیتا ہی کہ وہ اسکے متعلق علم دنیا حاصل کرنا چاہتا ہی۔

اسکی قوت مدرکہ اور حالت ممیزہ بتدریج اور سب کے پیشتر ترقی کرنے لگتے ہیں۔ وہ جملہ احساسات اور خدمات انسانی اپنے موافق بساط اپنے ساتھ لیکر پیدا ہوتا ہی اُس کے دل و دماغ میں ان مادوں اور موادکے آثار بتدریج نمایاں ہونے لگتے ہیں جس سے دانشمند والدین بہت کچھ نفع اٹھاتے اور ان مادوں کو ابتدا ہی سے عمدہ صورت میں ڈھالنا شروع کر دیتے ہیں اور اسیکا نام عمدہ تربیت ہی۔

ایک بچہ جبکہ وہ دنیا سے بیواسطہ بنا کر علیحدہ گدّے پر ڈالدیا جاتا ہی وہ مثل ایک آئینہ کے ہی جسپر تمام دنیا منعکس ہوتی ہی۔ اور جو عکس اسپر پڑتا ہی وہ بے اثر نہیں ہی یا وہ مثل جاذب کے ہی۔ اور وہ ان تمام واقعات کو برابر جذب کرتا جاتا ہی جو اُس کے گرد وپیش وقوع پذیر ہوتے ہیں اسیوجہ سے ایک عالم مصنف اور فیلسوف کا مقولہ ہی کہ بچہ تین برس کی عمر تک جسقدر سیکھتا ہی۔ اسقدر تمام عمر ممکن نہیں ہے ساتھ ہی وہ ابتدا میں ایک ایسا سادہ جاذب بلا نقش آئینہ ہوتا ہی کہ جس نقش صورت

پروہ پڑتا ہی اُسے جذب کرلیتا ہی یا وہ اسمیں اُتر جاتا ہی اور مہر نقش اسیصورت سے جمتا ہی کہ اسکا مٹانا دشوار ہی نہیں بلکہ غیر ممکن ہو جاتا ہی ان وجوہ سے یہ کہنا کہ انسان کیواسطے اصل وکل اسکی تربیت ہی ہرگز بیجا نہوگا اور وہ تربیت اسکی دانشمند ماں کے ہاتھ ہی - یا بالفاظ دیگر یہ کہ ایک انسان کی جملہ ترقیوں قابلیتوں اور سرسبزیوں کی کلید صرف ایک عورت کے ہاتھ میں ہی یہ بہت ٹھیک ہی جسکے بعد دانشمندانہ فیصلہ خود بخود ثابت کرتا ہی کہ ایک ایسی مخلوق جسکے ہاتھ میں تمام مخلوق کی یکے بعد دیگرے کلید سرسبزی ہی کسقدر دولت علم وجوہر اخلاق سے مالا مال ہونیکی ضرورت ہی اور جسکے بغیر کوئی ترقی ممکن نہیں ہی -

اکثر حضرات کو ایک ایسی مخلوق کے مشاہدہ کا اتفاق ہوا ہوگا جسکے تمام اعضا جسم انسانی بالکل صحیح وسالم ہوتے ہیں مگر اسکا انداز رفتار انسانی رفتار سے بالکل برعکس اور حیوانی ہوتا ہی اور اسکی صورت انسانی سراسر مشابہت حیوانی رکھتی ہی تعجب کے ساتھ آخر کار تحقیقات سے ثابت ہوتا ہی کہ ایام طفلی میں اسے بھیڑیا یا اسی قسم کا کوئی جانور اٹھا لیگیا تھا مگر بعوض اسکے وہ اسے لقمۂ اجل بناتا اسنے اسکی پرداخت کی اور جب وہ بچہ جوان ہوکر اسکے جائی قیام سے نکلا تو وہ باوجود انسان ہونیکی جملہ خصائل حیوانی رکھتا تھا اور یقیناً وہ بشکل انسان وبسیرت حیوان تھا - یہانتک کہ اسکی آواز ورفتار تک حیوانی تھی اس سے زیادہ اثبات دعویکے واسطے کسی مزید ثبوت کیضرورت نہیں ہی کہ بچہ بالکل آئینہ اور نہایت عمدہ جاذب ہی اُن تمام چیزوں کا جو اسکے گردوپیش وقوع پذیر ہوں - علمار علم معاشرت اور عقلار وقت بخوبی واقفیت رکھتے ہیں کہ ایک اتالیق جو بچے کیواسطے مقرر ہو اسکو بہ حیثیت اخلاق اور بلحاظ نفاست طبع کیسا پابند رکھنا لازم ہی کیونکہ وہ اس بچہ کے مدرسہ طفلی کی تنہا ماسٹر ہوتی ہی جسکی پرنسپل اسکی دانشمند ماں ہی عاقل وزمانہ شناس کبھی

مصارف اور اخراجات زائد کی پروانہیں کرتے کیونکہ یہ صرف وخرچ اُس بنیاد عمارت میں ہوتا ہی جس کی رفعت برتری اور فضیلت محض اُس کی پائدار اور وسیع بنیاد پر ہوتی ہے

بعض حکماء وقت کا یہ قول ہی کہ انسان بالطبع شریر پیدا ہوتا ہی۔ اور بالطبع نیک ہوتا ہی۔ اور اکثر اس خیال پر ہیں کہ انسان کسی جبلت وخصوصیت مزاجی کے ساتھ نہیں پیدا ہوتا اور وہ دنیا ہی میں تعلیم پاتا ہی لیکن بذات خود ایک سادہ لوح ہی۔ مگر ارسطو طالیس ایک دوسری راہ پر جاتا ہی جس کی راہ کو حضرت امام غزالی اپنی فیلسفانہ پیروی سے مستند کرتے ہیں اور جسکا منشاء یہ ہی کہ انسان میں نیکی وبدی دونوں کا مواد فطرت سے جمع ہوتا ہی اور بہ لحاظ مساوات کمی وبیشی کے ساتھ ہوتا ہے۔ مگر ایک بچہ کی مثال بالکل اُس شاخ کی ٹہنی سے مشابہ ہوتی ہی جو ایک کمسن درخت سے نکلتی ہی اور اس قدر نازک ہوتی ہی کہ ہر صورت سے مطابق منشاء اُس کی اصلاح ہوجاتی ہی۔ مگر پائدار ہونے کے بعد اُسکی اصلاح غیر ممکن اور کوشش بعوض اصلاح سبب نقصان وفنائیت ہوجاتی ہے۔

اسی طرح سے وہ آدمی کا بچہ جو حواس خمسہ اور مع خصوصیات فطرتی کے پیدا ہوتا ہے خود میں ہر چیز خام رکھتا ہی جس کی اصلاح اور جس میں مساوات یا کمی وبیشی قائم کرنا ایک عمدہ تربیت پر منحصر ہوتا ہی اور بدیوں کو زائل کرکے نیکیوں کا خمیر کرنا سراسر امکان پذیر پایا جاتا ہی، اسی وجہ سے ضرورت ہی کہ اسکے گرد وپیش ایسے سامان اور اسباب مہیا ہوں جنکا عمدہ اثر پڑتا رہے تاکہ اُس کی وہ فطرت جسکا میلان بدی کی جانب ہے کالمعدوم ہوجائے، کیونکہ وہ ہر مادہ رکھتا ہی مگر اُسے کیونکر کام میں لائے اسکے سیکھنے کا محتاج ہے اور اسی کیواسطے خود دنیا کا عکس لینے یا جذب کرنے کے واسطے وہ آئینہ یا جاذب ہے،

ایک بچہ جس وقت مدرسہ طفلی سے نکلکر علمی سکول میں بھیجا جاتا ہی اُسوقت ایک ظرف ہوتا ہی۔ عام اس سے کہ وہ ادنیٰ لوہا ہو یا اعلیٰ درجہ کا جواہرات اور سونے کا

ظرف ہو۔ جس مرتبہ اور حیثیت کا اُسکے والدین نے اُسے بنایا ہو اُسی مرتبہ اور حیثیت کا
وہ ایک ظرف مثل ہو ہر محض بغرض صیقل تعلیم و اکتساب علم کے واسطے آتا ہے اور علم کا
صرف اسی قدر فرض ہے کہ وہ اُس ظرف پر اُسکے مطابق حیثیت ملمع کر دے جسکے بعد وہ
دنیا کے روبرو معیشت کی سخت ترین پگڈنڈی یا تمدن کے وسیع ترین میدان میں
فرس تدبیر پر سوار ہو کر نقش تقدیر کی پیروی کرتا ہے۔ اور اس حیثیت سے اس میں کوئی
شک نہیں ہے کہ اولاد کی تربیت کی جو اہم ذمہ داری اُس کی والدین پر ہے اور جو استحقاق
تربیت اولاد کو اپنے والدین پر ہے وہ استحقاق تمام دوسرے حقوق پر افضل اور ذمہ داری
والدین تمام دوسری ذمہ داریوں پر بالا تر ہے۔ یہی وہ ذمہ داری اور حق قابل تلافی ہے
جس کی وجہ سے والدین کی خدمت اور اُن کے حقوق اولاد پر رکھے گئے ہیں کیونکہ
ایک بنی نوع کی تمام خوبیاں اور اخلاق انسانی بلکہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ ایک مضغہ گوشت
کو کامل طور پر انسان بنانے کی قدرت ماں باپ کے ہاتھ میں ہے اور یہی وہ احسان عظیم ہے
جس کی تلافی میں والدین کے واسطے اولاد کی جانب سے سعادت و اطاعت ہے اور جس
غفلت محسن کشی ہے جو ایک انسان کے واسطے الزام سقیم اور جرم عظیم ہے۔ لیکن وہ والدین
جو تربیت اولاد سے غافل اور علم معاشرت سے جاہل محض ہوں اور اپنی اولاد کو پیدا
کرنے کے بعد مانند حشرات الارض چھوڑ دیں کیونکر عقل تسلیم کر سکتی ہے کہ وہ اولاد کی جانب
سے سعادت و اطاعت کے مستحق ہیں۔ تمام حیوان مطلق ضابطہ فرائض خدمات
والدین سے مستثنیٰ اور مبرا نہیں۔ اور ان پر اس قسم کا کوئی قانون یا ضابطہ مسلط نہیں ہے
جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حیوان مطلق ہیں۔

لہذا وہ انسان جو بلا تربیت کامل انسان ہو نہیں سکتا اور غیر تعلیم یافتہ و بلا تربیت
انسان بلا شک حیوان محض ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایسا شخص بھی گروہ حیوانی میں شامل ہو کر
ایسے ضابطہ و قانون سے مستثنیٰ و مبرا نہ ہو۔ اور وہ والدین جو صرف والدین ہو جانا

اپنی جہل و کم علمی سے باعث مسرت و مباہات سمجھیں اور صرف توالد و تناسل پر جس میں ایک حیوان مطلق بھی اُن کا شریک او رہم شغل ہے اکتفا کریں جسکے ساتھ ہی تربیت ولاد کی اصل اہم ذمہ داری انسانی فراموش کردیں۔ کیا وجہ ہے کہ وہ اولاد سے امید وار اطاعت و سعادت ہوں جبکہ انہوں نے حیوان محض بنکر اس ضابطہ انسانی سے خود مستثنیٰ کیا ہے۔ اور کیا وجہ ہے کہ وہ مستحق خدمت اولاد ہوں جبکہ انہوں نے اپنا فرض انسانی ادا نہیں کیا، کیونکہ صرف توالد و تناسل کا حق تو حیوان کو بھی حاصل ہے اور ایسے میں نہ والدین محسن ہیں نہ اولاد زیر بار احسان بلکہ تقریباً دونوں خود غرض ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ انسان کیواسطے زندگی بطور خود ایک اہم ذمہ داری ہے جس کے وزن کو وہی دانشمند و ماہر بخوبی محسوس کرسکتا ہے جو ان ذمہ داریوں کو سمجھتا ہو اور وہی بخوبی جانتا ہے کہ انسان کیواسطے دنیا سے بڑھکر کوئی سخت ترین قوام امتحان نہیں ہے بیشک یہ دنیا انہیں غافلوں نادانوں اور طفل مزاجوں کے واسطے باعث فرصت وانبساط اور سبب عیش و عشرت ہے جو انسانی ذمہ داریوں سے سراسر نابلد ہوں ورنہ انسان جس قدر عالی مرتبہ اور دولتمند ہوتا جائیگا اگر دانشمند ہے تو بعوض عیش و عشرت کے مشکلات میں پھنستا جائیگا۔ کیونکہ جنکا رتبہ سے سوا اُن کو سوا مشکل ہے۔ اور یہ امر مسلمہ ہے کہ ایک گدا سے لیکر شاہ تک بشرطیکہ وہ دانشمند صحیح ہو کبھی غم دنیا سے خالی نہیں ہو سکتا اور دنیا میں رہکر سچی مسرت شاذ ہی حاصل کرسکتا ہے۔ جیساکہ شیخ سعدی کا مقولہ ہے۔ شعر

دیوانہ باش تا غم تو دیگراں خورند
آں راکہ عقل بیش غم روزگار بیش

راقم

احمد علی جودت، حیدرآباد دکن

کرشمۂ فطرت

سلسلہ کے لیے دیکھو ۹ اگست کا پرچہ

دیکھا جاتا ہی کہ درختوں کے پتے اور گھاس کی پتیاں مُرجھائی سی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسکا سبب یہی جمی ہوئی شبنم ہی۔ جس طرح انسان کے جسم کے ہر ایک حصہ میں چھوٹی اور بڑی رگوں کے ذریعہ خون ہر وقت دورہ کرتا رہتا ہی اسی طرح درخت کے تنہ میں یہانتک کہ چھوٹی چھوٹی کونپلوں اور پتیوں میں بھی ایک قسم کی نمی دورہ کرتی رہتی ہی جس سے پتیاں بڑھتی اور نشو و نما پاتی ہیں۔

پالا پتیوں کو جلا دیتا ہی — یہ نمی بہت چھوٹی چھوٹی رگوں کے ذریعہ سے دورہ کرتی ہی۔ پالے کی سخت سردی اُن رگوں کو جھلس دیتی ہی اور پتوں تک نمی پہنچنے کا ذریعہ جاتا رہتا ہے

بڑے درختوں کے پتے محفوظ رہتے ہیں — تو وہ پتے مرجھا کر جل جاتے ہیں۔ بڑے بڑے اور مضبوط درختوں کے پتے اس سے محفوظ رہتے ہیں۔ وجہ یہ ہی کہ ان کی رگیں مضبوط ہیں اور رگوں کو پالے کی سردی نہیں جھلس سکتی اسلیے وہ نمی برابر دورہ کرتی رہتی ہی اور وہ پتے نہیں جلنے پاتے۔

چمنوں کے ننھے ننھے پودے اور پھولوں کے درخت اسکے اثر سے مُرجھا کر بچوں کے دلوں کو افسردہ کر دیتے ہیں۔

پالے سے حفاظت — اسکا علاج یہ ہی کہ اُن پودوں اور پھولوں کے درختوں میں کھاد اور پانی خوب دیا جائے۔ اس سے اسکے پتوں کی رگیں مضبوط ہو جائینگی۔ نمی تیزی کے ساتھ دورہ کرے گی۔ جس کے سبب وہ سردی اور پالے کے اثر سے محفوظ رہیں گے۔

اولہ | یہ تو غالباً ذہن میں ہوگا کہ بادل کس طرح بنتے ہیں اور مینہ کس طرح بنتا ہے۔ اور بادلوں کی بلندی میل ڈیڑھ میل ہوتی ہے۔ سردی کے موسم میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میل ڈیڑھ میل بلندی کی ہوا سے اس سے نیچے کی ہوا زیادہ سرد ہو جاتی ہے۔ جس وقت کہ بادل بنیں اور پھر مینھ کی بوندیں زمین کی طرف آنی شروع ہوں۔ اور بہت زیادہ سرد ہوا میں سے گزریں تو سردی کے سبب وہ بوندیں جم جائینگی۔ اور اس جمی ہوئی صورت میں زمین پر گرینگی۔ ان کو ہی اولہ کہتے ہیں۔ جتنی زیادہ سردی ہوگی اُتنے ہی بڑے بڑے اور سخت اولے پڑینگے۔

مینہ کے بعد اولہ کیوں پڑتا ہے | دیکھا جاتا ہے کہ کبھی اولوں سے پہلے معمولی بوندیں پڑتی ہیں پھر ایک دم سے اولوں کی چھال پر چھال آنی شروع ہوتی ہے اور پھر اسکے بعد وہی معمولی مینھ کی بوندیں پڑنے لگتی ہیں۔ اسکا سبب یہ ہے کہ اول اول جب وہ بوندیں بادلوں سے نیچے کی طرف آنی شروع ہوئیں تو اُس وقت بادلوں سے نیچے کی ہوا زیادہ سرد نہ تھی۔ اس لیے وہ بوندیں جمنے نہ پائیں۔ پھر یکایک کسی طرف سے سرد ہوا کا جھوکا آگیا ہوگا۔ جس وقت بوندیں اس ہوا سے گزریں گی اولہ بنجائیں گی اور تھوڑی ہی دیر میں جب وہ ہوا کا جھوکا چلا جائے یا اُس کی سردی کم ہو جائے تو دوبارہ معمولی بوندیں پڑنے لگیں گی۔

جاڑے کے موسم میں اگر اولہ نہ بھی پڑے تب بھی مینھ کی بوندیں بڑی بڑی اور بھاری ہوتی ہیں | سردی میں مینہ کی بوندیں بھاری ہوتی ہیں | اسکا سبب وہی ہے کہ بادلوں کے نیچے کی ہوا زیادہ سرد تو ہے جس نے بوندوں کو جمانے کی کوشش کی۔ مگر کافی طور سے سرد نہیں ہے جس سے بوندیں بالکل جم جائیں اور اولے کی صورت میں آجائیں۔

گرمی میں ہلکی | گرمی کے موسم میں بوندیں چھوٹی چھوٹی اور ہلکی ہوتی ہیں۔ کیونکہ بادلوں کے

نیچے کی ہوا گرم ہوتی ہے۔ وہ بوندوں کو پھیلا کر توڑ ڈالتی ہے جس سے بوندیں چھوٹی اور ہلکی ہو جاتی ہیں،

برف

یہ میں پہلے کہہ آیا ہوں کہ بادل اوّل اوّل دہوئیں کی سی صورت میں ہوتے ہیں۔ پھر نئی نئی بوندیں بنتی ہیں۔ اسکے یہ ننھی بوندیں ملکر بڑے بڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ جس وقت کہ بادل کے ٹکڑے بڑے بڑے بنے ہیں اور زمین کی طرف گرنے ہی کو ہوں اور اس سے پہلے کہ ان سے مینہ کی بوندیں بنیں کہ یکایک بادلوں کے قریب کی ہوا بہت زیادہ سرد ہو جائے تو اس صورت میں وہ ٹکڑے وہیں جم جائیں گے اور اس صورت میں زمین پر گرینگے ہی کا نام برف ہے۔ اس کی صورت روئی کے گالوں کی سی ہوتی ہے۔

برف اکثر وہیں برستی ہے جہاں کی ہوا بہت زیادہ سرد ہوتی ہے۔ اونچے اونچے پہاڑوں مثلاً شملے اور ایسے ہی مقامات میں مینہ کے بجائے اکثر سردی کے موسم میں برف ہی برستی ہے۔

مینہ۔ اولہ۔ برف

مینہ۔ اولہ۔ اور برف اصل میں ایک ہی چیز ہیں۔ بادلوں کے ٹکڑے اگر بوندوں کی صورت میں زمین پر گریں تو وہ مینہ ہے۔ اگر وہ بوندیں آتے میں جم جائیں تو وہ اولہ ہے اگر بوندیں بننے سے پہلے وہ ٹکڑے ہی جم جائیں تو وہ برف ہے۔

یہی برف جو روئی کے گالوں جیسی نرم اور ہلکی ہوتی ہے اونچے اونچے پہاڑوں پر تمام سردی کے موسم میں پڑتی رہتی ہے اور یہ روئی کے گالے ایک دوسرے پر تہ بہ تہہ جمتے جاتے ہیں تو ہزار ہا من وزن کے سبب اس برف کے ڈھیر کی نیچے کی تہیں نہایت سخت پتھر جیسی ہو جاتی ہیں۔ گرمی کے موسم میں سورج کی تیز گرمی اسکے

گرمی کے موسم میں بعض دریاؤں کی طغیانی

اوپر کے حصہ کو پگھلا دیتی ہے اور اسکا پانی پہاڑی ندی

نالوں کے ذریعے دریاؤں میں آتا ہی جسکے سبب بعض دریاؤں میں گرمی کے موسم میں سردی کے موسم کی نسبت پانی زیادہ رہتا ہی۔ چنانچہ گنگا اور اٹک دریا گرمی کے موسم میں بھی خشک نہیں ہونے پاتے۔ کیونکہ ہمالیہ پہاڑ سے برف کا پانی ان میں آتا رہتا ہی۔ گنگا کے پانی کی شیرینی اور عمدگی کی یہی وجہ ہے کہ اس میں ہمالیہ پہاڑ کی برف کا نتھرا ہوا اور صاف پانی آتا ہی۔

گنگا کے پانی کی عمدگی

یخ

پہاڑوں کے بہت اونچے مقامات کی برف جہاں بوجہ بلندی کے سردی زیادہ ہوتی ہی۔ سب کی سب نہیں پگھل جاتی۔ نیچے کی تہیں باقی رہجاتی ہیں کہ اتنے میں سردی پھر آجاتی ہی اور برف پڑنی شروع ہوجاتی ہی۔ اسیلیے بعض پہاڑوں کے اونچے مقامات ہمیشہ برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔ اور ہر سال اس برف پر اور زیادتی ہی ہوتی رہتی ہی۔ اس برف کا نام یخ ہی۔

سیل یخ

یہ یخ رفتہ رفتہ زیادہ ہوتی رہتی ہی۔ مگر آخر اس کی بھی حد ہی۔ اس میں سے کچھ ٹوٹ کر اوپر سے نیچے گرتی ہی۔ اور پھر سورج کی گرمی سے اُس کی سختی کم ہوتی جاتی ہی (گری ہوئی برف) اور پگھل کر بہنی شروع ہوتی ہی۔ سب کی سب نہیں پگھلتی کچھ حصہ پھر بھی سخت رہتا ہی مگر وہ بھی اور پانی کے ساتھ بہنے لگتا ہی۔ اس برف کے ڈھیر میں ہزاروں لاکھوں من کا وزن ہوتا ہی۔ اس بہتے ہوے برف کے ڈھیر کے سامنے جو درخت پتھر یا اور کوئی چیز آجاتی ہی۔ سب کو توڑ کر آگے رکھ لیتی ہی اور آگے روانہ ہوتی ہی۔ رفتہ رفتہ سب کی سب پانی کی صورت میں تبدیل ہوجاتی ہی اور پہاڑی دریاؤں میں پانی کی غیر معمولی زیادتی کر دیتی ہی۔

دس بارہ برس ہوئے کہ ایک دفعہ دریاے گنگا میں پانی کی بیحد زیادتی ہوگئی تھی اور ڈر تھا کہ اگر اور زیادتی ہوئی تھی تو اسکے کنارے کے بعض شہر پانی میں ڈوب جائینگے۔ اسکا سبب یہی یخ کا پانی تھا، بڑے بڑے انجنیر گئے اور اس پانی کو مختلف

طرفوں میں تقسیم کر دیا۔ اس بہتے ہوئے برف کے ڈھیر کو یخ کا سیلاب کہتے ہیں اور اس کا انگریزی نام گلیشیر ہی۔ یہ سیلاب پہاڑ پر جہاں کہیں گزرتا ہی وہاں کے پتھروں کو گھس ڈالتا ہی اور ایک رستہ بنا لیتا ہی۔ بعض وقت یہ رستہ ذرا زیادہ گہرا ہوتا ہی۔ اور اس میں سے بارش کا پانی بہنے لگتا ہی اس طرح سے پہاڑی ندی نالے بنتے ہیں۔

پہاڑی ندی نالے

ان ہی روئی کے گالوں میں جب وہ جم جاتے ہیں یہ قوت پیدا ہو جاتی ہی کہ وہ پتھروں کو گھس ڈالتے ہیں۔ اسی طرح سے بادل کے ٹکڑے جب ہوا کی سردی کے سبب وہیں جم جاتے ہیں اور ٹھوس ہو جاتے ہیں تو ان میں بھی ایک بڑی زبردست قوت پیدا ہو جاتی ہی جسکا بیان میں کرتا ہوں۔

مگر یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ بادل کے ٹکڑے جس وقت جم کر ٹھوس ہو گئے تو وہ بہت بھاری ہو جائیں گے اور ہوا میں ٹھیر نہ سکیں گے۔ اسکا سبب کہ وہ کیونکر ٹھیرے رہتے ہیں آسانی سے سمجھ میں آ جائیگا۔ ایک گلاس کو پانی سے بھر دو اُسپر برف کا ٹکڑا ڈالو۔ دیکھو کہ وہ پانی پر تیرتا رہیگا اسی طرح سے برف کی ایک سل کو پانی سے بھرے ہوئے حوض میں چھوڑ دو۔ وہ بھی تیرتی رہیگی۔ اگرچہ ظاہر میں تو وہ ایک پتھر کی سی سل معلوم ہوتی ہی مگر پانی پر تیرتی رہتی ہی۔ معلوم ہو وہ پانی سے ہلکی ہی۔ یہ قدرت کا ایک عجیب کرشمہ ہی۔ قاعدہ ہی کہ جب کسی چیز کو سردی پہنچاتے ہیں تو وہ جمنی شروع ہوتی ہی۔ اور جب جمنے لگتی ہی تو سکڑتی جائیگی اور سکڑیگی تو بھاری ہوگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جم کر چیزیں بھاری ہوتی ہیں۔ اسلیے برف بھی جو جا ہوا پانی ہی پانی سے بھاری ہونی چاہیے۔ مگر برخلاف اسکے وہ اور زیادہ ہلکی ہو جاتی ہی۔

برف پانی سے ہلکی ہوتی ہی

اسکا سبب یہ ہی کہ ایک خاص حد تک سردی پہنچانے سے چیزیں سکڑتی ہیں مگر

مگر جس وقت سردی اس خاص حد سے بڑہی تو وہ چیز پھر پھیلنی شروع ہوجایگی اور پھیلنے کے باعث ہلکی ہوتی جایگی۔ یہی حال برف کا ہی۔ اسکے سمجھنے کی ایک اور آسان ترکیب ہی بعض دفعہ سردی کے موسم میں اکثر صبح کے وقت دیکھا گیا ہی کہ پانی کے مٹکے رات کو رکھے رکھے خود بخود پھوٹ گئے ہیں اسکا سبب یہ ہوتا ہی کہ ان میں پانی لبالب بھرا ہوا ہوتا ہی۔ سخت سردی کے سبب وہ پانی جمنا شروع ہوتا ہی اور جب سردی ایک خاص حد سے گزرجاتی ہی تو وہ پانی پھر پھیلنے لگتا ہی۔ مگر چونکہ مٹکا پہلے ہی لبالب بھرا ہوا ہی اسلیے وہ پھیلتا ہوا پانی جائے توکہاں جائے۔ اسلیے مٹکے کو پھوڑکر نکلجاتا ہی۔ سردی کے موسم میں کورے مٹکے پورے نہ بھرنے چاہییں۔ آبخوروں میں جو برف جمائی جاتی ہی۔ اس میں بھی یہی لحاظ رکھا جاتا ہے کہ آبخورے تھوڑے تھوڑے خالی رکھے جاتے ہیں تاکہ اندر کے دودھ یا پانی کو پھیلنے کی جگہ رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بادل کے ٹکڑے جس وقت سخت سردی کے سبب جم جاتے ہیں تو وہ پہلے کی نسبت زیادہ بھاری نہیں ہوجاتے اس لیے ہوا ان کو سہارے رہتی ہی۔ یہ خیال رہے کہ اسوقت ہوا بھی سردی کے سبب زیادہ بھاری ہوجاتی ہی۔

گرج غرض وہ جمے ہوئے بادل کے ٹکڑے ہوا پر ٹھیرے رہتے ہیں اور ہوا اُن کو ادہر اُدہر لیے پھرتی ہی مگر ہوا اتنے اوپر ایک ہی طرف سے نہیں چلتی ہی۔ کبھی اس طرف کی کبھی اُس طرف کی۔ اس طرح سے یہ جمے ہوئے بادل ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں اور چونکہ ذرا ٹھوس ہوتے ہیں تو انکے ٹکرانے سے ایک آواز نکلتی ہے۔ اسی کا نام گرج ہے۔

بجلی اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے پر رگڑو، دیکھو ہاتھ گرم ہوجائیں گے اور زیادہ رگڑے جاؤ تو ایک آگ سی نکلنے لگیگی۔ اسی طرح سے دو پتھر کے ٹکڑوں کو لو، ایک کو دوسرے پر زور سے مارو آواز تو نکلے ہی گی مگر آواز کے ساتھ آگ کی ایک چنگاری بھی

ظاہر ہوگی۔ اسی طرح جب سخت بادل کے ٹکڑے آپس میں ٹکراتے ہیں تو اُن میں سے آگ کی چنگاری نکلتی ہے۔ اسی کا نام بجلی ہے۔

جب کبھی بجلی نظر آتی ہے تو اسکے بعد ہی گرج کی آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ بجلی تو پہلے اور آواز یعنی گرج پیدا ہو۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی چیز یعنی بادلوں کے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہیں مگر بجلی کی چمک ہمیشہ پہلے دکھائی دیتی ہے اور آواز بعد میں سنائی دیتی ہے حالانکہ دونوں ایک ہی ساتھ پیدا ہوتی ہیں۔

روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے تیز ہے

اسکا سبب یہ ہے کہ بجلی کی یعنی روشنی کی رفتار آواز کی رفتار کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ اس لیے بجلی کی روشنی پہلے دکھائی دے گی اور آواز بعد میں سنائی دیگی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہلکی سی بجلی تو نظر آجاتی ہے مگر آواز نہیں سنائی دیتی۔ یہ اسی صورت میں ہوتا ہے کہ جب بادل آپس میں آہستہ سے ٹکرائے ہوں۔ یا بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ٹکرائے ہوں۔ اسوقت چمک و گرج دونوں ہلکی ہونگی۔ مگر چونکہ روشنی یعنی چمک کی رفتار زیادہ تیز ہے۔ اسلیے چمک تو دکھائی دیجائیگی۔ مگر آواز جس کی رفتار بہت کم ہے نہیں سنائی دیگی۔ جب بجلی کی چمک زیادہ تیز ہوتی ہے تو معلوم کرنا چاہیے کہ گرج کی آواز بھی زیادہ سخت ہوگی۔

برسات میں گرج چمک نہیں ہوتی

یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ گرج و چمک برسات کے موسم میں اکثر تو ہوتی ہی نہیں اور اگر ہوتی بھی ہے تو ہلکی۔ مگر سردی کے موسم میں تقریباً ہمیشہ ہوتی ہے اور اکثر بہت سخت۔

مہاوٹ میں ہوتی ہے

اسکا سبب یہ ہے کہ گرمی میں بادلوں کو اتنی سردی نہیں پہنچتی کہ وہ جم جائیں نہ وہ جمیں گے اور نہ ٹکرانے سے آواز و چمک پیدا ہوگی۔ سردی میں وہ جم جائینگے اسلیے ٹکر سے آواز و چمک پیدا ہوگی۔

بجلی کی حقیقت

یہ بجلی ویسی ہی آگ ہے جیسی پتھروں کے رگڑ سے نکلتی ہے اگر دو پتھروں کے

درمیان کپڑا رکھ دیا جائے تو اُن کی رگڑ سے جو شعلہ پیدا ہوگا وہ کپڑے کو جلا دیگا۔

جمشید آگ کا موجد | پہلے زمانہ میں جبکہ دیا سلائیاں نہ تھیں تو آگ پتھروں ہی سے نکالا کرتے تھے کہتے ہیں کہ اس طرح آگ نکالنے کا موجد جمشید بادشاہ ایران ہی۔ اس کی خوشی میں وہ ایک جشن کیا کرتا تھا۔ جسکا نام جشن سدہ ہی۔

اگر یہ ممکن ہو کہ بادلوں کے پاس بجلی نکلتے وقت کپڑا یا کوئی اور چیز رکھ دی جاے تو وہ فوراً جل جائیگی۔ وہاں تو وہاں یہ بجلی آسمان سے ٹوٹ کر زمین کی چیزوں کو جلا ڈالتی ہے اسکا سبب بھی آسانی سے سمجھ میں آجائیگا۔

ایک آتشی شیشہ لو اور اسکو سورج کے مقابل رکھکر ایک کپڑے پر اسکا عکس ڈالو اگر کپڑا کالا ہو تو بہتر ہے کیونکہ وہ تمام رنگوں کا مجموعہ ہے اور اس میں گرم ہو جانے کا مادہ سب سے زیادہ ہی۔ اس کپڑے پر تل سا بندھ جائیگا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ کپڑا اس تل پر سے جلنا شروع ہوگا۔ وہ تل کیا ہی۔ سورج کی گرمی و روشنی کا ایک جگہ اکٹھے ہونے کا نام ہے جو آتشی شیشہ کے ذریعے سے عمل میں آیا۔ اگر شیشہ نہوتا تو وہ کپڑا گرم تو ہو جاتا مگر جلتا نہیں اس سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز بغیر دو وجہوں کے نہیں جل سکتی۔ ایک تو یہ کہ کوئی چیز جلانے والی موجود ہو اور اس سے ملی ہوئی کوئی اور چیز رکھدیں۔ دوسرے یہ کہ جلانے والی اور جلنے والی چیزوں کے درمیان ایک تیسری چیز ایسی موجود ہو جو جلانے والی چیز کی گرمی کو اکٹھا کر کے جلنے والی چیز پر ڈالے۔

جب کوئی ایسی چیز ہو کہ جس میں بجلی کے اکٹھا کرنے یعنی اُس کی گرمی کو کھینچنے کا مادہ موجود ہو تو وہ بجلی اس کے ذریعے کھینچ آئیگی۔ جیسے کہ آتشی شیشہ نے سورج کی گرمی کو کھینچا تھا اور وہ بجلی وہاں آکر اس پاس کی چیزوں کو جلا ڈالیگی۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ وہ چیز جسکے ذریعے بجلی کھینچ کر آئی پہلے ہی موجود تھی۔ تو پہلے ہی کیوں نہ کھینچی۔ اور اب کیوں کھنچی۔ اسکا سبب یہ ہی کہ جب تک وہ چیز بجلی کے مقابل

ایک خاص صورت میں نہ ہوگی۔ بجلی نہ کھنچے گی۔ جیسے کہ آتشی شیشہ جب تک سورج کے مقابل ایک خاص حالت میں نہ رکھا جائے وہ گرمی کو نہ کھینچے گا۔ نوک دار چیز میں تل بچانے کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اسلیے بجلی اکثر نوک دار چیز ہی پر زیادہ گرتی ہے۔ اگر وہ نوک دار چیز اونچی بھی ہو تو بجلی کا شکار ہوے بغیر نہیں رہتی اسلیے اونچی اونچی عمارتوں کی بُرجیوں پر لوہے کا تار لگا دیتے ہیں۔ یہ تار بُرجی کی نوک سے کچھ اونچا نکلا ہوا رہتا ہے اور دوسرا سرا کہیں زمین یا کنوے میں پہنچا دیتے ہیں۔ اگر بجلی کا رخ اس عمارت کی طرف ہو تو اوپر نکلا ہوا تار کا سرا اسکو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ بجلی اس سرے پر گرتی ہے اور تار کے ذریعے زمین میں چلی جاتی ہے اس طرح عمارت کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔

بارش، ہوا، گرمی سردی وغیرہ کی بابت اور دلچسپ باتیں آیندہ پرچے میں لکھوں گا۔

راقم
صغیر علی۔ ہلکر کالج اندور

زندہ مثال

میرے بعض دوستوں نے مجھ سے بطور مشاہدہ بیان کیا کہ میں حالت سفر میں اطراف عظیم آباد میں ایسی جگہ پہنچا۔ جہاں ایک مسلمان بزرگ طویل اللحیہ مسند حکومت پر متمکن۔ اور ایک نوجوان ہندو اُن کے ہم جلیس تھے۔ جن کے طرز و طریقے و باہم کی بات چیت سے یہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان دونوں میں یقینی عزیزی و بزرگی کا رشتہ ہے۔ اور خردی و بزرگی کا جو برتاؤ چاہیے۔ ان میں نہایت مستحکم و قوی ہے۔ مجکو اختلاف مذہب پر آپس میں یہ میل و موافقت دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور اُن سے اس کا سبب پوچھا۔ اُس نوجوان ہندو نے کہا کہ آپ میرے حقیقی بزرگ و سرپرست اور ہمدرد و رہنما ہیں جنھوں نے تعلیم و تربیت دیکر آدمی بنایا۔ اور

ہم کو تو جہالت و نادانی سے بچا کر ہماری خاندانی ریاست و معیشت کو سنبھالا۔ جس کا قصہ عجیب و غریب ہے اور آپ کو مزہ مل سکتا ہے آپ سے دریافت کیجیے۔ چنانچہ وہ بزرگ معمر نوجوان کے اس کلام سے مُسکرائے اور مجکو اپنا مخاطب صحیح بنا کر یوں بیان کرنے لگے۔

میں اس کے پہلے معلم تھا اور اسی پیشے سے زندگی بسر کرتا تھا۔ اتفاق وقت سے میں بیکار ہو گیا۔ اور معلمی تلاش کرتے کرتے ان کے دروازے پر آپہنچا۔ دربانوں اور دوسرے معزز نوکروں سے معلوم ہوا کہ یہاں جگہ خالی ہے۔ اور سدا اس دروازے پر معلم رہتے ہیں۔ مگر مہینے ہی کے اندر شاگرد صاحب اُن کی پوری خدمت (زد و کوب) کر دیتے۔ اور ناکام و نامراد رخصت کرتے ہیں۔ اسی خدمت میں سارا زمانہ کٹا اور صاحبزادے عالم شباب پر پہنچ گئے مگر اللہ کے فضل سے ہنوز ایک حرف سے بھی آشنا نہیں۔ ہاں ڈنڈ مگدر کُشتی ورزش یا پتنگ بازی کا بہت شوق و کمال ہے۔ اور اسی میں سارا دن گزرتا ہے۔ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ صرف پردہ نشین بیوہ ماں باقی ہیں "رانڈ کا بیٹا سانڈ" کے مثال ہیں۔ چالیس پچاس ہزار کی معیشت ہے۔ ان صاحبزادے کے سوا کوئی اسکا نگراں و وارث نہیں۔ اس لیے بیچاری بیوہ ماں کو ان کی تعلیم و تربیت کا بہت خیال ہے۔ دلی تمنا ہے۔ مگر افسوس کہ ناکامی و بدنامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور ہم آپ کو بھی یہی مشورہ دیتے ہیں کہ اپنی عزت و آبرو کے ساتھ واپس جائیے۔ اور دوسری جگہ تلاش کیجیے۔

پہلے تو میں ان واقعات کو سُن کر بہت گھبرایا۔ پھر کچھ تامل و تشویش کے بعد تن بتقدیر ہو کر مستعد و آمادہ ہو گیا۔ اور ملازموں سے کہا کہ میں صاحبزادے کے سارے جبر و تشدد کو برداشت کر لوں گا۔ آپ ذرا اندر خبر کر دیجیے۔ مگر اُن لوگوں نے پھر وہی کہا کہ آپ سے ظلم و ستم برداشت نہیں ہو سکتا۔ ضد و حرص نہ کیجیے۔ صلاح مانیے۔ اور دوسرا دروازہ دیکھیے۔

مگر میں اسی طرح اپنی ضد پر قائم رہا۔ یہانتک کہ اس کی خبر گھر میں پہنچی اور مجکو زنانخانے کی ڈیوڑھی پر بلایا۔ ان کی بیوہ ماں پردہ کی آڑ میں کھڑی ہوئیں اور اُن ہی حالتوں کو دہرایا۔

جن کو میں سُن چکا تھا۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ اس گھر کا اس خاندان کا یہی ایک چراغ ہے جسکی تعلیم و تربیت سے صرف خاندان کا ہی نام روشن نہیں ہو سکتا بلکہ جائداد و املاک آبائی بھی قائم رہ سکتی ہے۔ اگرچہ میں محض جاہل عورت ہوں مگر علم دوست ہوں اور ان کی تعلیم کی آرزومند ہوں میں رات دن اسی فکر میں گھلتی اور خدا سے دعائیں کرتی ہوں۔ میں ہر طرح آپ کی خدمت کرنے کے لیے تیار اور آپ کی محنت و جانفشانی کا صلہ دینے کے لیے آمادہ ہوں بشرطیکہ آپ میرے لڑکے کی رہنمائی اور تعلیم دیکر میری سرخ روئی کیجیے۔ کیونکہ اگر خدانخواستہ یہ لڑکا جاہل رہا تو اپنی جہالت و ناعاقبت اندیشی کی بدولت فوراً اس خاندانی جائداد و املاک کو پھونک کر در بدر خاک پھانکے گا۔ اور چین سے مجکو قبر میں سونے نہ دیگا۔ اب اگر آپ مستعد ہیں تو بسم اللہ کتب خانہ جائیے اور اپنی جگہ بنائیے۔

چنانچہ میں ایک جاہل عورت کی یہ روشنخیالی و مآل اندیشی سُنکر بہت محظوظ ہوا۔ اسی دس روپیہ تنخواہ مقرر کر کے زنانخانہ کی ڈیوڑھی کے سائبان میں جگہ بنائی۔ اور طریقہ تعلیم و تربیت میں غوطے کھانے لگا۔ اُس دن تو صاحبزادے سے ملاقات نہیں ہوئی۔ دوسرے دن صبح کے وقت لنگ چڑھائے نکلے۔ اور اپنی قیامگاہ (اکھاڑے) کی جانب روانہ ہوگئے پھر دن بھر ملاقات ندارد۔ تیسرے دن پھر اُسی ہیئت کذائی سے اُسی وقت گھر سے برآمد ہوئے۔ میرے کہنے پر آپنے فرمایا کہ آپ کھائیے۔ اور کسی بات کی تکلیف ہو تو کہیے۔ اور روانہ ہوگئے۔

میں عجیب حیص بیص میں تھا۔ "نہ جائے ماندن نہ پای رفتن" فربہ اندام آدمی۔ چڑھتی جوانی کھیلا ہوا تیار بدن۔ کچھ عقل کام نہیں کرتی تھی۔ اسی سوچ و فکر میں رات کٹی اور صبح نمودار ہوئی مجکو بجز مڈبھیڑ و مقابلہ کے کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی۔ اور اسلیے میں بھی سویرے ہی سے لنگوٹ کس کر چادر اوڑھکر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں صاحبزادے بھی اپنے حسب معمول گھر سے برآمد ہوئے۔ میں نے روکا اور کہا کہ چار دن سے تمہارے گھر پڑا ہوں اور حرام کھاتا ہوں

تم پڑھنے کا نام نہیں لیتے۔

پڑھنے کا نام سُن کر آگ بگولا ہوئے اور مجھ سے لپٹ گئے اور زور آزمائی کرنے لگے آدھ گھنٹہ تک یہی حالت رہی۔ آخر میں غالب آیا۔ پست کیا اور لاتوں گھونسوں سے پوری مرمت کرنے لگا۔ اس طوفان بدتمیزی کی خبر اندر گھر میں پہنچی۔ ان کی مادر مشفقہ بھی دروازے تک تشریف لائیں اور بجائے ہمدردی کے خفا ہو کر کہنے لگیں کہ ایسے نالائق اولاد کے وجود سے بےاولاد کے رہنا پسند ہے۔ جس سے بزرگوں کی عزت و وقعت پر دھبہ لگے۔ اس کمبخت ناشدنی کو مار ڈالیے کہ مجکو روز روز کی کوفت سے نجات ہو۔

غرض جب اُن کی پوری مرمت ہوئی تو اپنے کرداروں پر پشیمان ہوئے۔ توبہ کی۔ اور پڑھنے لکھنے کا عہد و پیمان کیا۔ اُن کی صورت حال پر مجکو بھی رحم آیا۔ جان بخشی کی اور نہا دھو کر آدمی بن کر پڑھنا شروع کیا۔ نوجوان۔ سمجھدار وہوشیار آدمی۔ دل وجان سے محنت کی۔ اور تین چار برس میں زمانے کی ضرورت کے موافق پڑھ لکھ کر فارغ البال ہو گئے بس یہی ان کی ہسٹری ہے۔

اس قصہ کے بعد اُس نوجوان ہندو نے کہا کہ میں جو کچھ ایسے مربی ومحسن کے ساتھ سلوک کروں وہ محض ذلیل وحقیر ہے۔ اور جو کچھ ان کی خدمت کروں وہ لاشئی محض ہے۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

اس زندہ مثال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کی طرح عورتوں کو دل و دماغ۔ فہم و فراست۔ عقل وشعور دیا ہے۔ ہر طرح کی صلاحیت وقابلیت رکھتے ہیں کسی طرح مردوں سے کم نہیں اپنے نشیب وفراز کو بخوبی سمجھ سکتی اور ضرورت زمانہ کو پورا کر سکتی ہیں۔ اور خصوصاً جب مردوں کی طرح زیور علم سے آراستہ ہونگی تو ماشاء اللہ نازک خیالی وعالی دماغی میں نورٌ علی نور اور "سونے میں سہاگہ" ہوں گی۔

دوسرے یہ کہ ماؤں کا بچوں کے ساتھ زیادہ لاڈ اور پیار ناز ونعم ستم قاتل ہوتا۔ اور بسا اوقات

وہ مہلک بن جاتا ہے۔ اور اسی لیے ہر چیز میں اعتدال ہے۔ اور اعتدالی رفتار محمود ہے۔ چنانچہ حضرت سعدی فرماتے ہیں۔

وقتے بلطف گوئی و مدارا و مردمی　　شاید کہ در کمند قبول آوری دلے
وقتے بقہر گوی کہ صد کوزۂ نبات　　گہ گہ چناں بکار نیاید کہ حنظلے

م۔ ح ف دیسنوی
از بختیارپور

بچوں کی پرورش

تمہید

شادی کے بعد سب سے زیادہ خوشی کے دن وہ ہوتے ہیں جبکہ میاں بیوی پہلے پہلے ابا اماں کے نام پاتے ہیں۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ بچہ کی پیدائش کی خوشی بعض اوقات جلد اُسکے گذر جانے کے غم سے بدل جاتی ہے۔ اگرچہ ہندوستانی ماں باپ عام طور پر اپنے بچوں کی موت کا بہت رنج کرتے ہیں لیکن اُن میں سے یہ نہیں جانتے کہ وہ اُن سے کیوں چھین لیے گئے۔

بعض اسکو تقدیر پر محمول کرتے ہیں،
مسلمان موت کو خدا کی مرضی سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ خدا موت اور حیات دونوں پر قادر ہے اور اُسکے آسرے پر ہمیشہ بھروسہ رکھنا اور ہمیشہ اُس کی مرحمت کا امیدوار وطلبگار رہنا نہایت درست بات ہے لیکن باوجود اسکے اگر کوئی ماں اپنے بچے کی حفاظت کے لیے خدا سے التجا کرے اور ساتھ ہی اُس بچے کو زہر بھی چٹاتی جائے تو ایسا کرنا گویا نعوذ باللہ خدا کو مونھ چڑاتا ہے۔

بچوں کی بناوٹ اللہ تعالیٰ نے ایسی رکھی ہے کہ وہ تندرست ہیں اور بڑی عمر پائیں لیکن اگر وہ بیمار ہو جاتے ہیں یا مر جاتے ہیں تو تقریباً ہمیشہ یہ غفلت کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ ماں باپ کی طرف سے صرف محنت ہی کافی نہیں ہے بلکہ اُن کے لیے واقفیت بھی ضروری ہے۔ فرض کرو کہ ایک ماں جو ناواقف ہے کسی زہر کو مفید سمجھکر اپنے بچے کو دیدے تو وہ زہر اُس بچے کو ٹھیک اسی طرح ہلاک کردے جس طرح کہ وہ واقف ہونے کی حالت میں دیتی۔ گویا ماں کی ناواقفیت اور محنت اُس بچے کو موت سے بچانے کے لیے سفارش نہیں ہو سکتی۔ اس ملک میں بہت سے ماں باپ جاہل بڑی بوڑھیوں کی ہدایتوں پر عمل کرتے ہیں کہ جن کو پڑھنا تک بھی نہیں آتا۔ یہی سبب موت کی کثرت تعداد کا ہے۔

مفصلہ ذیل ہدایتیں ایسے عالم و فاضل ڈاکٹروں کی کتابوں سے جمع کی گئی ہیں جنھوں نے اپنی عمریں کی عمریں بچوں کی بیماریوں کی تحقیق میں بسر کر دی ہیں۔

ماں

بچے کی تندرستی برقرار رکھنے کے لیے ایک تندرست ماں کی ضرورت ہے۔ تندرستی کی بعض ضروریات حسب ذیل ہیں۔

سب سے پہلی چیز خالص ہوا کی ایک کافی مقدار ہے۔ ہندوستان کی بہت سی عورتیں اس کی احتیاج کے باعث تکلیف میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اُن کے کمرے اکثر اوقات تنگ اور چھوٹے ہوتے ہیں جن میں کھڑکیاں نہیں ہوتی ہیں۔ اور صحن ایسے ہوتے ہیں جن میں ہوا بخوبی گردش نہیں کر سکتی۔ اُن عورتوں کی حالت جو پردہ نشین کہلاتی ہیں خاص طور پر رحم کے قابل ہے۔

یہ ناپاک ہوا ہی کا اثر ہے کہ جسکے باعث اسقدر مسلمان مستورات زچہ خانے یا دق سے مر جاتی ہیں اور جب تک صورت موجودہ برقرار چلی جائے گی۔ ایسے ہی نتیجے پیدا ہوتے

رہیں گے۔ صرف یہی ضروری نہیں کہ وہ کمرہ جس میں ماں رہتی ہو خوب ہوادار ہو بلکہ یہ بھی لڑکے اور بچے دونوں کے لیے نہایت فائدہ کی بات ہوگی کہ وہ بچے کو ساتھ لیکر ہر روز تھوڑی دیر کے واسطے کھلی ہوا میں جایا کرے۔ بشرطیکہ موسم اس کی اجازت دے۔ اگر وہ باہر نہیں جا سکتی ہے تو کم سے کم اپنے بچوں کو صحن مکان میں لیجایا کرے۔

صاف پانی دوسری ضروری چیز ہے۔ ماں کے دودہ میں بڑا حصہ پانی کا ہوتا ہے اور اُس کی (یعنی پانی) کی صفات کا بچے پر بُرا یا بھلا اثر ہونا ضروری ہے۔

ماں کی غذا طاقت بخش چاہیے مگر بے حد مرغن نہ ہونی چاہیے۔ اگر مہیا ہو سکے تو اسکو بہت ساعمدہ دودہ ملنا چاہیے۔ گھر کے اندر اور صحن میں صفائی ضروری ہے کسی قسم کا کوڑا کرکٹ پڑا نہ رہنے دیا جائے۔ کسی قسم کی بدبو نہ آتی ہو۔ ہر ایک چیز جس سے بدبو پیدا ہوتی ہو دور کرا دینی چاہیے۔

دودہ پلانے والی ماؤں کے لیے سُستی اچھی نہیں ہے اُن کو ہلکی ورزش مفید ہے۔ گھر کے کام کاج ایک حد تک اس ورزش کو مہیا کر دینگے۔ لیکن جیسا کہ پیشتر بیان ہوا اگر ممکن ہو تو اس کے علاوہ کھلی ہوا میں ایک چکّر بھی لگانا چاہیے۔

بچوں کی غور پرداخت بوقت پیدائش

پیدا ہونے کے بعد بچے کی آنکھیں اوّل نئی روئی کے رویں سے باحتیاط دہونی چاہئیں اور یہ روئی بعد ازاں جلادی جائے اسکے بعد تمام بدن گرم پانی میں سر سے پاؤں تک دہونا اور کسی نرم سے کپڑے سے خشک کرنا چاہیے۔

ایک نرم کپڑا دو تین لپیٹ دیکر بدن کے گرد باندہ دینا چاہیے۔ تاکہ ناف یا نال اپنی جگہ پر قائم رہے۔ لیکن یہ کپڑا کسکر نہ باندہنا چاہیے۔

بچے کو غذا دینا

بچوں کی پرورش کے متعلق کوئی چیز اس قدر ضروری نہیں ہے جس قدر کہ اُن کی خوراک کی احتیاط اور خبرگیری۔ اس معاملہ میں بے پروائی یا غلطیاں ہونے کے باعث بچوں کی بیماریاں یا موتیں کثرت سے وقوع میں آتی ہیں۔

ماں کا دودھ پلانا۔ جبکہ ماں بچے کی پیدائش کے بعد تھوڑا سا آرام لے چکے تو بچے کو اُس کے سینہ سے لگانا چاہیے۔ جاہل لوگ خیال کرتے ہیں کہ پہلے پہل کا دودھ خراب ہوتا ہے اور اُسے نہیں دینے دیتے۔ اس کے برعکس ماں کا پہلا دودھ بچے کی پرورش بھی کرتا ہے اور اُس کی آنتوں کو بھی صاف کرتا ہے۔ وہ ہر ایک دوا سے بہتر ہوتا ہے۔ اُس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں دینی چاہیے۔ اگر دودھ دیر میں اُترے تو تھوڑا سا گائے کا دودھ جس میں اُس سے دُگنی مقدار گرم پانی کی ملائی جائے اُس وقت تک دینا چاہیے جب تک کہ ماں کا دودھ اُترے۔ بچہ کو باری باری سے سینے کے دونوں طرف لگانا چاہیے۔ اُسکو چیت لٹاکر دودھ نہ دینا چاہیے۔ بدن کے اوپر کا حصہ اونچا کرنا چاہیے۔ ایسا کرنے سے دودھ معدہ میں نیچے کو اُترتا چلا آتا ہے اور بچہ قے کم کرتا ہے۔

بہت چھوٹے بچے کو دن میں ہر دوسرے گھنٹہ کے بعد دودھ دینا چاہیے اور رات میں ہر تیسرے گھنٹہ کے بعد۔ پھر بتدریج اُسکو ذرا زیادہ دیر میں دودھ ملنا چاہیے۔ اس درمیانی عرصہ میں دودھ کے ہضم ہونے کا موقع ملتا ہے۔ رات کے وقت بچے کو بار بار دودھ پینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

کچھ عرصہ کے بعد صرف رات کو بڑی رات گئے۔ اور دن کو علی الصباح دودھ ملنا چاہیے۔ لیکن رات کو ایک دفعہ کے بعد پھر نہ دینا چاہیے۔ ماں کو چاہیے کہ مقررہ اوقات کا معمول باندھے تو بچے کو اُن ہی وقتوں کی عادت پڑ جائے گی۔

یہ بات بچے اور اُس کی ماں دونوں کے لیے مضر ہی کہ صرف رونے کے سبب سے بچے کو دودھ دیا جاتا ہی۔ بچے کے رونے کے ہمیشہ یہ معنی نہیں ہوتے کہ میں بھوکا ہوں بلکہ اُسکے یہ معنی بھی ہوتے ہیں کہ مجھے پیٹ سے زیادہ دودھ مل گیا ہی اور ایسی حالت میں اسکو دودھ پلانا اُسکے لیے اور بھی زیادہ بُرائی کا موجب ہوگا۔ بچے کے رونے کے یہ بھی معنی ہوا کرتے ہیں کہ مجھے گرمی لگتی ہی۔ مجھے سردی لگتی ہی، مجھے کسی چیز سے تکلیف پُہنچ رہی ہی، بعض مائیں خیال کرتی ہیں کہ بہت سی غذا سے بچے کا پیٹ بھر دینے سے بچہ طاقتور ہوگا۔ لیکن اسکے برعکس ایسا کرنے سے بچہ کمزور ہوتا ہی۔ اس سے بدہضمی قے، دست پیدا ہوتے ہیں اور ہزاروں بچے اس طرح مر گئے ہیں۔

عام طور پر جبکہ بچہ دودھ پیتے پیتے خود چھوڑ دے تو اسکو سینے سے علیحدہ کر دینا چاہیے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ اسکو کافی دودھ مل گیا ہی۔ بعض اوقات بچے پیاس کے سبب سے بھی پیتے پیتے رُک جاتے ہیں

اگر بچے کی پرورش کے قابل کافی دودھ ماں کے پاس نہ ہو تو تھوڑا سا گائے کا دودھ بھی دیا جا سکتا ہی۔ خاصکر رات کے وقت۔

انّا۔ اگر ماں بچے کو دودھ نہیں پلا سکتی تو اگر ممکن ہو تو ایک عمدہ دودھ پلانے والی تلاش کرنی چاہیے۔ چونکہ ماں کا دودھ بھی بچے کی عمر کے ساتھ بدلتا رہتا ہی اس لیے انّا کا بچہ بھی تقریباً اُسی عمر کا ہونا چاہیے کہ جس عمر کے بچے کے لیے وہ رکھی جاتی ہی۔ اس بات کی احتیاط رکھنی چاہیے کہ اُس کی صحت عمدہ ہو اور اُس کے پاس دودھ کافی مقدار میں ہو۔

ماں کی صحت کے متعلق جو ہدایات بیان ہوئیں وہ انّا کے متعلق بھی ہیں۔ انّاؤں کی حد سے زیادہ کھانے اور حد سے زیادہ سستی کی زندگی بسر کرنے کی طرف رغبت پائی جاتی ہی جو بچے کے لیے مضر ہی۔

ہاتھ کی بنائی ہوئی غذا اگر مندرجہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت ممکن نہو تو آخری تدبیر یہ باقی رہجاتی ہی (یعنی مصنوعی غذا)، لیکن جو بچے اس طریقہ سے پالے جاتے ہیں اُن میں بہ نسبت اُن بچوں کے جن کو پینے سے دودھ ملتا ہی زیادہ موتیں ہوتی ہیں۔ انسانی دودھ کی ایک ذراسی مقدار بھی ایک بڑے فائدہ کی چیز ہی

پہلے مہینے میں خالص گائے کا دودھ ایک حصہ اور گرم پانی دو حصہ ملا کر دینا چاہیے۔ دوسرے اور تیسرے مہینے میں دودھ اور پانی برابر وزن میں دیے جائیں۔ چوتھے مہینے میں دو حصہ دودھ اور ایک حصہ پانی۔ چوتھے مہینے کے بعد خالص دودھ کا استعمال ہوسکتا ہی لیکن بعض صورتوں میں ممکن ہی کہ یہ زیادہ بھاری ہو۔ ایسی صورت میں پانی کی مقدار ذرا زیادہ کر لینی چاہیے۔

اگر ممکن ہو تو یہ دودھ بھی اول مرتبہ کا ہو اور ایک ہی تندرست گائے سے حاصل ہوتا رہے۔ بعض اوقات دودھ کے ساتھ خراب پانی ملا دیا جاتا ہی۔ یا بعض اوقات گائے خراب پانی پی جاتی ہی۔ اسلیے دودھ کا جوش کرانا ایک عمدہ احتیاط ہی۔ جوں ہی کہ دودھ میں جوش آجائے اُسکو آگ پر سے الگ کر لینا چاہیے۔

شیشے کی دودھ پلانے والی بوتلیں بڑے بڑے شہروں میں ملجاتی ہیں۔ جو زیادہ سیدھی سادی ہوتی ہیں وہی سب سے اچھی ہوتی ہیں جن میں نلکیاں لگی ہوئی ہوتی ہیں اُن کو نہ لینا چاہیے کیونکہ اُن کو صاف کرنا مشکل ہی۔ جب کبھی بوتل سے دودھ دیا جاے ہر دفعہ اُسکو خالی کر کے بخوبی صاف کرنا چاہیے۔ اُس کی چُسنی کو بھی علیحدہ کرنا چاہیے۔ اور خوب دھو کر کسی صاف کپڑے سے خشک کر دینا چاہیے۔ اگر یہ چیزیں ذراسی بھی میلی رہجائیں تو ان کے سبب سے دودھ کھٹا ہوجاتا ہی۔ اور کھٹا دودھ بچے کو ریاح اور مروڑ کی تکلیف میں اور دیگر بُرے امراض میں مبتلا کر دیتا ہی۔

بوتل پر چُسنی لگا کر دودھ کھینچنا بہ نسبت چمچے سے پلانے کے بہتر ہی۔ کیونکہ چوسنے سے

منھ میں وہ لعاب جس کو انگریزی میں دسایوا ، کہتے ہیں آتا ہی۔ اور دودھ کے ساتھ ملکر اُسکو بہتر طریقہ سے ہضم کرا دیتا ہی۔ بوتل سے دودھ پلانے میں بھی بچے کو اُسی طرح لٹا کر دودھ پلانا چاہیے جس طرح کہ چھاتی سے پلانے میں لٹایا جاتا ہے (جیسا کہ اوپر بیان ہوا)

بچے کی غذا اُس وقت تک جب تک کہ اُسکو اور غذا دینے کا زمانہ نہ آجاے صرف دودھ ہونا چاہیے۔ جیسا کہ دودھ چھوڑانے کے بیان میں ذکر ہوگا۔ ہاتھ کی دی ہوئی غذا میں سے ارارُوٹ یا ایسی اور غذاؤں کے استعمال سے اکثر موتیں واقع ہوئی ہیں کیونکہ ان میں پرورش کرنے والے اجزا نہیں ہوتے۔

بچوں کو کوئی منجمد[1] غذا اُسوقت تک نہ دینی چاہیے۔ جبتک کہ وہ دانت نہ نکالیں بچے کو خاموش کرنے کے لیے اُسکو خالی بوتل چوسنے کے لیے کبھی نہ دینی چاہیے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے پیٹ میں درد، ریاح اور دست پیدا ہوجاتے ہیں۔

صفائی کی عادتیں

ایک چھوٹے سے بچے کو بھی مقررہ عادتیں رفع حوائج کی سکھانی چاہییں۔ تین مہینے یا اس سے زیادہ کے بچے کو ۲۴ گھنٹے میں کم سے کم بارہ مرتبہ رفع حاجت کے لیے اُٹھانا چاہیے۔ بچہ اکثر اس لیے رویا کرتا ہی کہ وہ گیلا ہوجانے کے باعث بے چین ہوجاتا ہی صفائی کی عادتیں ماں اور بچے دونوں کے لیے مفید ہیں۔

رفتہ رفتہ بچہ اشارہ کرنے لگے گا اور رفع حاجت کے لیے رویا کریگا۔ ہر مرتبہ فراغت ہونے کے بعد اُسکو دہو کر پونچھ دینا چاہیے۔ جب بچہ ذرا بڑا ہوجائے تو ایک ننھی کرسی جس میں ذرا سا چھید ہو استعمال کیجائے۔ جسپر بیٹھ کر بچہ رفع حاجت کرسکتا ہی اور نیچے کوئی تسلہ رکھا ہوتا ہی۔

---

[1] منجمد ہر ایک ایسی چیز کو کہتے ہیں جو پانی یا دودھ وغیرہ کی طرح بہنے والی نہ ہو۔

دہونا اور نہلانا

جلد میں بے شمار نہایت چھوٹی چھوٹی نالیاں ہیں جن میں سے فاضل مادہ خارج ہوتا رہتا ہی اور اگر یہ مادہ بدن کے اندر رہ جائے تو نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ میل ان نالیوں کے مونھ بند کر دیتا ہی۔ بچے کی جلد کو کامل صحت میں رکھنے کے لیے اُسکو چوبیس گھنٹہ میں کم سے کم ایک مرتبہ (اور اگر ممکن ہو تو بہتر ہوگا دو مرتبہ) سر سے پاؤں تک نہلایا جائے۔

پانی سہتا سہتا یا گنگنا ہونا چاہیے۔ ٹھنڈا پانی بچے کو سخت تکلیف دیتا ہی لیکن گرم پانی بھی مضر ہی۔ ہاتھ بہ نسبت جسم کے دوسرے حصوں کے گرمی کی زیادہ برداشت کر سکتا ہے۔ پانی کی گرمی کا اندازہ کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہی کہ اُس میں کُہنی ڈالکر دیکھو کیونکہ اکثر اوقات وہ پانی جو پیٹھ کو یا بازوؤں کو کھولتا ہوا معلوم ہوتا ہی اُنگلیوں کو گنگنا معلوم ہوتا ہی۔

نہلانے کی ٹب میں بٹھانے سے پہلے بچے کا سر تر کر دینا چاہیے لیکن خشک نہ کرنا چاہیے۔ پھر ایک نرم سا کپڑا لیکر جو خوب تر ہو اُسکے سارے بدن کو صاف کر دو خاصکر اُسکی بغلوں کو اور رانوں کے درمیان کی جگہ کو۔ پھر پانی اُسکے سارے بدن پر اور خاصکر پیٹھ پر ڈالو اس سے بچے میں طاقت آتی ہی۔ بعد ازاں جلد کو نرم تولیوں سے خوب خشک کر دینا چاہیے سرد ہوا کا احساس اُس شخص کو جو نہا رہا ہو خاص طور پر ہوتا ہی۔ بچوں کے لیے اسکی خاص طور پر احتیاط کرنی چاہیے۔

سونا

اول اول بچہ سارے دن سویا کرتا ہی بجز اُس وقت کہ جب وہ دودھ پیتا ہی۔ رفتہ رفتہ اُسکے جاگنے کے گھنٹے بڑہتے جاتے ہیں۔ اور جب وہ اس حالت پر پہنچ جائے تو یہ ایک پسندیدہ بات ہوگی کہ اسکو مقررہ اوقات پر سونے اور دودھ پینے کی عادت ڈالی جائے اسکو سدھایا جائے کہ اپنی بڑی بڑی نیندیں رات کے وقت لیا کرے۔ چھ مہینے کی عمر میں

اُسکو دن میں تین نیندوں کی ضرورت ہوگی۔ لیکن رفتہ رفتہ اول اور آخر کی نیندیں کم کر دینی چاہییں۔ دوپہر کی نیند اُس وقت تک جاری رکھنی چاہیے۔ جب تک کہ بچہ تین سال کا ہو جائے۔

نیند پیدا کرنے کی تمام تدابیر بُری ہیں۔ بچے کو آہستہ آہستہ ہلانے اور میٹھی میٹھی لوریں دینا اور سلانے کے لیے تھپکنا ٹھیک نہیں ہی۔ اگر ابتدا سے بچے کو بغیر کسی زیادہ توجہ کے سونے کے لیے صرف لٹا دیا جایا کرے تو وہ بالکل ایسی ہی جلدی اور ایسی ہی آسانی سے سو جایا کرے کہ جیسا وہ کسی کی مدد سے سُلایا جاتا ہی لیکن اگر اسکو بیکار پھرنے وغیرہ کی عادت ڈالدی جائے تو جب کبھی ایسا نہیں ہوگا بچہ روئے گا اور خفا ہوگا کیونکہ اُسکی آدھی نیند جاتی رہے گی۔

بچے کے لیے یہ زیادہ حفاظت اور تندرستی کی بات ہی کہ وہ الگ اپنی ایک تنہا ہی پلنگڑی پر سووے بہ نسبت اسکے کہ وہ اپنی ماں یا دائی کے پاس سووے۔ ایسا کرنے سے اُسکو صاف ہوا کی زیادہ مقدار مل جاتی ہے کیونکہ اسکو اس خراب ہوا کا سانس نہیں لینا پڑتا جو اُس کی ماں یا انا کے نتھنوں میں سے نکلتی ہی۔ اُسکے سر کو ایسا نہ ڈھکنا چاہیے کہ وہ آزادی سے سانس نہ لے سکے۔ موُنھ اور ناک بالکل آزاد ہونے چاہییں۔

کسی قسم کا خواب آور شربت ہرگز ہرگز نیند لانے کے لیے نہ دینا چاہیے کیونکہ اُن میں افیون ہوتی ہی۔ بچہ سوتا ہی لیکن یہ ایک قسم کی خوفناک نیند ہوتی ہی جو ہمیشہ نقصان دہ ہوتی ہی اور بعض اوقات موت کا باعث ہوتی ہی۔ بعض اوقات انائیں بچوں کو اس لیے افیون دیدیا کرتی ہیں کہ وہ ان کو تکلیف نہ دیں۔ لیکن اس کارروائی پر اُن کو سخت ملامت کرنی چاہیے۔

جب بچہ سوتا ہو تو اُسکو غل شور سے چونکانا نہیں چاہیے اور اُسکو آہستہ آہستہ جگانا چاہیے نہ کہ یکایک۔ اُس کی آنکھوں کو اچانک روشنی کی چکاچوند کے سامنے نہ کرنا چاہیے۔

پوشاک

کپڑے بچے کے گرم اور نرم ہونے چاہییں۔ وہ اس قدر ڈھیلے اور چھوٹے ہونے چاہییں کہ بچے کے ہاتھ پاؤں آزادی کے ساتھ حرکت کرسکیں۔ پوشاک کی چستی جسم کے کسی حصہ میں اچھی نہیں ہے۔ اس سے سانس لینے کی آزادی رُک جاتی ہے اور بچہ بے چین ہوجاتا ہے۔ پنوں کا استعمال ترک کرنا چاہیے۔

بچے بہ نسبت بڑے آدمیوں کے سردی کی برداشت کم کرسکتے ہیں۔ بجز نہایت سخت گرم موسم کے اُن کے جسم ڈھکے رہنے چاہییں مگر سر کو اس قاعدہ سے مستثنیٰ سمجھا جاوے۔ سوتی کپڑے بچوں کے پہنانے کے لیے عمدہ ہوتے ہیں۔ سرد موسم میں خاصکر رات کے وقت اور برسات کے موسم میں اونی کپڑے پسندیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ رات کے وقت جو کپڑے پہنائے جائیں وہ دن کے کپڑوں سے مختلف ہونے چاہییں۔

کپڑے ہمیشہ صاف رکھنے چاہییں یعنی اُن میں کوئی بدبو نہو۔ نہ میل نہ کسی اور چیز کے داغ یا دھبے ہوں۔ صفائی کے لحاظ سے تکیوں کی اکثر بے غوری کی جاتی ہے اُن پر غلاف ہونے چاہییں۔ غلاف باقاعدہ دُھلنے چاہییں۔

ٹیکہ لگوانا (ویکسی نیشن)

چیچک ایک نہایت گھنونی اور مہلک بیماری ہوتی ہے۔ ہندوستان میں کوئی ماں یہ نہیں کرسکتی کہ میرے ایک لڑکا ہے جب تک کہ اس لڑکے کے چیچک نکل چکے۔

سیتلا کی سب سے بڑی حفاظت ویکسی نیشن ہے جسکو ایک انگریز ڈاکٹر نے تقریباً سو برس ہوئے کہ دریافت کیا تھا۔ یہ لفظ لاطینی ویکسا سے نکلا ہے جسکے معنی گائے کے

کیونکہ وہ مادہ جو پہلے استعمال کیا جاتا تھا اوّل اوّل گائے کے تھن سے حاصل کیا گیا تھا اور لوگوں کے اب بھی بعض اوقات گائے کے مادہ سے ٹیکے لگائے جاتے ہیں -

احتیاط کی کمی کی وجہ سے جاہل لوگ وکسی نیشن کو فضول خیال کرتے ہیں -

بعض اوقات عمدہ مادہ کا استعمال نہیں کیا جاتا - یا چھوٹے چھوٹے دانے پھوٹ جاتے ہیں - اگر وکسی نیشن کا عمل پورا پورا ہو جائے تو ٹیکا دئے ہوئے یعنی ٹیکہ لگے ہوئے بچوں میں سے بہت تھوڑوں کے چیچک نکلتی ہے - اور وہ بھی ہلکی قسم کی نکلتی ہے -

جلد میں چار نشتر لگنے ضروری ہیں اور چند روز تک اُن کو رگڑ سے محفوظ رکھنا ضروری ہے - اُن پر کسی قسم کی دوا لگانی نہیں چاہیے دسویں دن کے قریب آبلے پھوٹ جاتے ہیں اور بچہ بہت جلد بالکل اچھا ہو جاتا ہے -

بچوں کے ٹیکہ اچھی طرح سے اُسوقت لگتا ہے جب تک کہ اُن کی عمر تین ماہ سے کم ہو - اُسوقت تک اُن کو بہت تکلیف نہیں ہوتی اور وہ آبلوں کو کھجا نہیں سکتے کہ جس کی نسبت خاص احتیاط کی جایا کرتی ہے -

اسکے علاوہ یہ ایک فائدہ کی بات ہے کہ وکسی نیشن کا عمل دانت نکلنے سے پہلے ختم ہو جائے - وکسی نیشن کا عمل سن بلوغ کے بعد مکرر ہونا چاہیے - اس طرح تقریباً کامل حفاظت حاصل ہو جاوے گی -

باقی آیندہ

عرب کی عورتیں

اور

فنِ تنقید

تنقید ایک اصطلاحی لفظ ہے - اسکے معنی اُردو میں نکتہ چینی ہو سکتے ہیں - لیکن تنقید ذرا

وسیع معنوں میں آتا ہے۔ عام طور پر کسی تصنیف یا شعر میں حسن و قبح کی جانچ اور پہچان کو تنقید کہتے ہیں۔ جس شخص کو دوسروں کی تصنیف یا کلام میں نقص کالنے کی قدرت ہو یا دوسروں کی تصنیف میں خوبیاں دیکھ سکے وہ خود بہت ہی قابل اور صحیح مذاق رکھنے والا ہوگا

دیکھیے کسی زمانہ میں عرب کی عورتوں کو یہ قدرت حاصل تھی۔ لیکن اب کُل اسلامی دنیا میں ایسے مرد بھی بہت ہی کم ہیں۔

اڈیٹر

جدید تعلیم یافتہ گروہ اگرچہ علمی میدان میں یورپ کے قدم بقدم چلنا چاہتا ہے لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ وہ ابتک یورپ کی علمی شاہراہ سے بہت دور ہے یورپ میں آج مختلف علوم و فنون پڑھائے اور پڑھے جاتے ہیں مختلف مذاق کے لوگ نہایت کثرت سے موجود ہیں۔ مردہ زبانیں زندہ کیجا رہی ہیں۔ لیکن ایک گروہ کے خیالات دوسرے گروہ کے خیالات سے کبھی نہیں ٹکراتے۔ بلکہ ایک آزادانہ روش ہے۔ جسپر ہر شخص بغیر کسی قسم کی روک ٹوک کے چلا جارہا ہے۔

لیکن آجکل ہندوستان میں جدید علوم و فنون کے ساتھ ساتھ صرف ایک عربی زبان کی تعلیم جاری ہے۔ اُس پر اس بیدردی کے ساتھ حملے ہورہے ہیں کہ اگر مذہب جیسی طاقتور چیز بیچ میں حائل نہ ہوتی، تو ابتک یہ شیشہ چور چور ہوجاتا۔

جدید علوم و فنون کے جو نتائج ہیں، ان کے لیے کسی استدلال کی ضرورت نہیں، بلکہ زمین پر ریل۔ سمندر میں جہاز، آسمان پر برق، غرض تمام کائنات اُس کی شہادت دینے کو موجود ہے۔ اسلیے اس کی گرم بازاری ایک قدرتی چیز ہے، لیکن عربی علوم و فنون کے فوائد کی کوئی محسوس اور عینی شہادت نہیں پیش کیجا سکتی۔ اس لحاظ سے جدید تعلیم یافتہ گروہ کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں پیدا ہوسکتی۔

صرف عربی شاعری ایک ایسی چیز ہے، جس کی نسبت یہ گروہ صرف اس قدر ایمان بالغیب رکھتا ہے کہ اس میں جوش اور واقعیت ہے۔ اور آزادی و شرافت کے جوہر کو اُبھارتی ہے۔ لیکن یہ جو کچھ ہے عرب کے فطری جذبات کا اثر ہے، ورنہ فن کی حیثیت سے اہل عرب جیسی جاہل قوم نے کسی چیز کو کبھی ترقی نہیں دی۔ اس بنا پر ہم اس مضمون میں دکھانا چاہتے ہیں کہ عرب میں شاعری ہمیشہ حیثیت فن کے موجود رہی، اور یہ ایک ایسا عام فن تھا کہ اس الرو یی یث جس میں جوان، بوڑھے، بچے، مرد، عورت سب برابر کے شریک تھے۔ یہاں تک کہ یہ ذوق انسانوں سے متعدی ہو کر حیوانات تک میں سرایت کر گیا تھا، تمام دنیا جانتی ہے کہ اونٹ نغمہ و ترنم سے بہ نسبت تمام جانوروں کے زیادہ متاثر ہوتا ہے اسی بنا پر عرب میں اونٹوں کے لیے حدی خوانی کا عام رواج ہے۔ لیکن اس بے زبان جانور کا یہ وجدانی ذوق غالباً عرب کی اُس آب و ہوا کا اثر ہوگا، جس میں عام طور پر شاعری سرایت کر گئی تھی۔

شاعری کے متعلق اسلام کے علمی دور میں جو علوم و فنون پیدا ہو گئے اُن میں سب سے زیادہ وسیع فن تنقید ہے، اہل عرب کو ابتدا ہی سے اس فن میں اس قدر کمال تھا، کہ اگر صرف شعرای عرب کے اقوال اکیجا کر دیے جائیں تو اس فن کی ایک مستقل کتاب مرتب ہو جائے لیکن خاتون کے موضوع کے لحاظ سے ہم اس مضمون میں صرف اُن اشعار کا ذکر کرتے ہیں جن میں عورتوں نے داد تنقید دی ہے۔ اور اسی کے ساتھ ہم یہ بھی دکھائینگے کہ عربی شاعری پر عورتوں نے کیا احسان کیا۔

اہل ادب نے امرؤ القیس کو عربی شاعری کا سب سے بڑا شاعر تسلیم کیا ہے، امرؤ القیس کو خود بھی اپنی شاعری پر ناز تھا۔ اور اس بنا پر وہ اکثر شعرا کے مقابلہ پر آمادہ رہتا تھا، اتفاق سے ایک مرتبہ علقمہ سے اُس کا مقابلہ ہوا، دونوں نے سیر و شکار، اور گھوڑے کی تعریف میں قصیدے لکھے، خود امرؤ القیس کی بی بی اُم جُندب حَکم قرار پائی، امرؤ القیس نے یہ شعر پڑھا،

فللساق الهوبٌ وللسوط دِرّةٌ ‏ ‏ ‏ وللزجر منه وقع اهوج منعب

گھوڑے کو مہمیز کیا، کوڑے ما... ‏ ‏ ‏ ... وانٹ ... رہا

اس کے متعلق ام جندب نے یہ فیصلہ کیا کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گھوڑا اپنی رفتار میں کمی کرتا تھا، اس لیے ان چیزوں کی ضرورت پیش ہوئی، اور یہ مقام مدح کے منافی ہے۔ لیکن علقمہ نے اُسکے مقابل میں یہ شعر لکھا،

فاقبل هوی ثانیاً من عنانه ‏ ‏ ‏ یمر کمر الرائح المتحلب

وہ اپنی باگ کو موڑتا ہوا آگے بڑھا ‏ ‏ ‏ اس طرح جلد جلد جاتا تھا، جیسے شام کا، ودھ دو لا جرد ا؟

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ علقمہ کا گھوڑا بے تکلف بغیر کسی قسم کے اشارے کے چلا جا رہا تھا اس بنا پر اُم جندب نے نہایت آزادی ور انصاف کے ساتھ اپنے شوہر کے مقابل میں علقمہ کو ترجیح دی،

چونکہ علقمہ نے عرب کے سب سے بڑے شاعر کے مقابل میں کامیابی حاصل کی تھی اس لیے وہ علقمہ الفحل کے لقب سے مشہور ہوا،

اسلامی شعرا میں کثیر غزل کا بہت بڑا اُستاد گذرا ہے وہ اعزہ کو چاہتا تھا اس لیے اُس نے اپنی شاعری کا موضوع صرف اُسی کو قرار دیا تھا، ایک مرتبہ وہ عبدالملک بن مروان کے دربار سے آرہا تھا، اتفاق سے اُسکو راستے میں ایک بڑھیا ملی۔ جو اُپلے پر آگ لیے جارہی تھی، بڑھیا نے پوچھا تم کون ہو؟ کثیر نے نام بتایا، اُس نے کہا کیا تمہیں نے یہ اشعار کہے ہیں،

فما روضة زهراطيبة الثرى ‏ ‏ ‏ يمج الندى جثجاثها وعرارها

ایک سرو سبز اور تروتازہ باغ ‏ ‏ ‏ جسکے سبزہ زار سے طراوت ٹپک رہی ہو

باطيب من اردان عزة موهناً ‏ ‏ ‏ اذا اوقدت بالمندل الرطب نارها

عزہ کی آستینوں سے زیادہ خوشبودار نہیں ہے ‏ ‏ ‏ جبکہ آگ پر اُسکے سامنے عود سلگایا جائے

کثیر نے جواب دیا ہاں، بڑھیا نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ عزہ ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ عود کو اگر اس اُپلے پر رکھدو تو یہ بھی خوشبو دیگا، اسلیے تم کو امرؤالقیس کا تتبع کرنا چاہیے تھا جس نے یہ شعر کہا ہے۔

الم ترایانی کلما جئت طارقاً وجدت بہا طیبا وان لم تطیب

دستو کیا تم نہیں جانتے کہ میں جب رات کو، معشوق کے پاس آتا ہوں تو اُسکے بدن سے خوشبو پاتا ہوں گو اُسنے خوشبو نہ لگائی ہو

یہ اعتراض فن تنقید کے اس اصول کے بنا پر تھا کہ مدح میں صفات خاصہ کا ذکر کرنا چاہیے لیکن کثیر نے ایک ایسے وصف کا ذکر کیا ہے جو عام ہے،

خنسا، جو عرب کی مشہور مرثیہ گو ہے، جب اُسکے سامنے حسان بن ثابت کا یہ شعر پڑھا گیا،

لنا الجفنات الغر یلمعن بالضحیٰ واسیافنا یقطرن من نجدۃ دما

ہمارے یہاں سفید رنگ کے پیالے ہیں جو دوپہر کو جگمگاتے ہیں، اور ہماری تلواریں خون ٹپکاتی ہیں

تو اُس نے فوراً یہ اصلاح دی،

لنا الجفنات البیض یلمعن بالدجی واسیافنا یجرین من نجدۃ دما

ہمارے یہاں سفید رنگ کے پیالے ہیں جو تاریکی میں چمکتے ہیں، اور ہماری تلواریں خون بہاتی ہیں،

کیونکہ غرہ اس سپیدی کو کہتے ہیں جو دوسرے رنگ کے ساتھ مخلوط ہو، اس لیے اسکے بجائے بیض کا لفظ ہونا چاہیے، جو لغت میں خالص سفیدی کے لیے موضوع ہے دوپہر کے وقت کسی چیز کا چمکنا بڑی بات نہیں، اُس وقت تو ہر چیز چمکتی ہے، اسلیے تاریکی کا ذکر زیادہ موزوں ہے، یقطرن کے بجائے، یجرین کا لفظ زیادہ مناسب ہے کیونکہ خون کے جاری ہونے میں بہ نسبت ٹپکنے کے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے،

خنسا کے یہ اعتراضات اگرچہ اہل ادب کے نزدیک صحیح نہیں، تاہم ان سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اہل عرب ہمیشہ شعر کو تنقیدی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور کھوٹے کھرے

کو پر کھتے تھے،

اس قسم کے نکتے اگرچہ فن ادب کی جان ہیں، تاہم عرب کی عورتوں کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ یہ ہے کہ انواع شاعری کی سب سے بڑی صنف (مرثیہ) صرف عورتوں کی ساختہ و پرداختہ ہے، اصناف شاعری میں مدح و غزل، ہجو، مرثیہ، ہمیشہ شعرا کے دل و دماغ کا جولانگاہ رہے ہیں، ان میں غزل سے عورتوں کو چنداں تعلق نہیں، ہجو میں چونکہ فحش گوئی اور بدزبانی کا شائبہ موجود ہے، اس لیے یہ بھی عورتوں کے مناسب نہیں، اہل عرب کے قصائد میں زیادہ تر معرکہ کارزار، مفاخرت، بیابان گردی کا ذکر ہوتا ہے اور عورتوں کو ان چیزوں سے کوئی سروکار نہیں، اب صرف ایک مرثیہ رہجاتا ہے جو خاص عورتوں کا حصہ ہے، کیونکہ عورتیں بہ نسبت مردوں کے عموماً رقیق الطبع ہوتی ہیں، اور کیونکہ ضروریات زندگی میں وہ ہمیشہ غیروں کی محتاج رہتی ہیں، اس لیے موت و زندگی کا اثر نسبتہً انہیں پر زیادہ پڑتا ہے۔ اور یہی چیزیں مرثیہ کی جان ہیں، یہی وجہ ہے کہ عرب کے مرثیہ گویوں میں خنسار کا جواب نہیں پیدا ہوا، خنسار کے علاوہ اور بھی بہت سی عورتوں نے مرثیے لکھے ہیں جو درد و غم کا مرقع ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہندوستان میں اب ایک بھی ایسی خاتون نہیں جو صحیح طور پر عربی زبان سمجھ سکے،

فاعتبروا یا اولی الابصار

محمد عبدالسلام متعلم درجۂ تکمیل ندوۃ العلما
لکھنؤ

اڈیٹوریل

ہم کو لندن سے محمد نور الحسین خانصاحب نے نہایت درد انگیز خبر دی ہے کہ اُن کی

ہمشیرہ صاحبہ امت الفاطمہ کا جو رسالہ خاتون کی ایک بڑی سرگرم خریدار تھیں بعمر ۲۱ سالہ حیدرآباد میں انتقال ہوگیا انّا لِلّٰہ وانّا اِلیہ راجعون مرحومہ کی شادی ہوئے صرف ایک سال ہوا تھا، ہم نہایت رنج اور دلی ہمدردی سے اس مرحومہ کا اظہار ماتم کرتے ہیں۔ مسٹر نورالحسن خاں صاحب جو مرحومہ کے بھائی ہیں اور جنکے خط کے ایک ایک لفظ سے اُن کے دلی رنج کا پتہ چلتا ہے اُنہوں نے مبلغ تین روپیے اس غرض کے لیے ہمارے پاس بھیجے ہیں کہ ہم مرحومہ کی یادگار میں سال بھر کیلیے کسی غریب لڑکی کو یہ رسالہ دیا کریں اور اس یادگار کا نام اُنہوں نے فاطمی یادگار رکھا ہی۔ ہم اُن کے ارشاد کی تعمیل اسی ماہ سے کرینگے۔ امید ہی کہ خاتون کی ناظرات مرحومہ کے حق میں دعاء مغفرت کرینگی۔

اس رسالہ میں ہم کو ایک اپنے عزیز دوست خاتون اور تعلیم نسواں کے بڑے حامی نوجوان کالج کے طالب علم مسٹر ملا احمد صاحب کے بیوقت انتقال کا ذکر کرتے ہوئے ناظرات و ناظرین کو یاد دہانی کرنی ہی کہ مرحوم وہی نوجوان تھے جو اپنا خلص خدنگ کیا کرتے تھے اور جنھوں نے خاتون کے لیے منظومہ رقیہ کی داستان لکھنی شروع کی تھی جسکے کچھ حصے خاتون میں شائع ہو چکے ہیں اور جسکو ختم کرنے کی اُن کو موت نے اجازت نہیں دی،

مرحوم کی عمر مشکل سے ۲۰ سال کی ہوگی۔ ایم اے او کالج میں فورتھ ایر میں تعلیم پاتے تھے۔ اور امسال یقینی پاس کرتے۔ تعطیل کلاں میں وہ صرف امتحان کی تیاری کی غرض سے کالج میں رہ گئے تھے کہ اگر گھر جاؤں گا تو ٹھیک تیاری نہیں کر سکوں گا۔ لیکن کچھ بہت دنوں تک امتحان کی تیاری نہیں کرنے پائے تھے کہ اُن کو سفر آخرت کی تیاری کرنی پڑی،

وسط اگست میں اُن کو بخار آیا۔ بخار کیا آیا پیغام اجل آیا کہ جس تاریخ سے چڑھا آخر دم تک ایک حالت پر رہا اور جان لیکر ہی اُترا۔ مرحوم کی والدہ کو اور عزیزوں کو اس جانکاہ واقعے سے جو کچھ صدمہ ہوا ہوگا اُسکا اندازہ ہر وہ شخص بخوبی کر سکتا ہے جس کا کوئی عزیز ایسی حالت میں کہ اُس سے آیندہ امیدیں وابستہ ہوں دنیا سے گذر گیا ہو۔

تعلیم نسواں کے متعلق مرحوم کی بہت بڑی خدمات تھیں۔ دو مرتبہ مرحوم چندہ جمع کرنے کے لیے ڈپوٹیشن میں گئے۔ کراچی اور امرتسر کی کانفرنس کے موقع پر نمایش کی ترتیب اور سجانے میں پوری مدد دی۔ خاتون کے لیے خریدار بھی بہم پہنچائے اور جبکہ اس بات کی پوری امید تھی کہ جب وہ طالب علمی سے نکل کر دنیا میں آئینگے تو تعلیم نسواں کے حامیوں کے گروہ کے بڑے رُکن ہونگے۔ کہ اُن کو سفر آخرت پیش آگیا اور ہم سے مفارقت کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیہ رَاجِعُون۔

ہم جانتے ہیں کہ ناظرین وناظرات خاتون ہمارے اس عزیز دوست کی ایسی بے وقت اور سخت موت پر ضرور رنجیدہ ہونگے اور اُس کے ساتھ ہی ہم اُن سے خواہش کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اللہ جل شانہ کے حضور میں اس مرحوم کی مغفرت کے لیے دعا مانگیں۔ عزیز اور دوست اور ہمدرد بجز اس کے اور کیا کر سکتے ہیں۔

ہم نے گذشتہ پرچے میں وعدہ کیا تھا کہ ہم جناب مس عطیہ فیضی صاحبہ کے اُن قواعد کا ترجمہ شائع کرینگے جو اُنھوں نے نمایش کے متعلق تحریر فرمائے ہیں لیکن افسوس کرتے ہیں کہ اس پرچہ میں بوجہ مجبوری شائع نہ کر سکے۔ اکتوبر و نومبر کے پرچہ میں ضرور شائع کرینگے۔

گذشتہ نمبر میں ہم نے زنانہ اسکول میں جناب انسپکٹرس صاحبہ مدارس

حلقہ آگرہ کی اتفاقیہ تشریف آوری کا حال لکھتے ہوئے وعدہ کیا تھا کہ آیندہ پرچے میں اُن کی مفصل رپورٹ شائع کرینگے۔ اُن کی رپورٹ حسب ذیل ہی۔

رپورٹ معائنہ محمڈن گرلز اسکول

یعنی زنانہ مدرسہ اسلامی علیگڈھ

معائنہ مورخہ ۱۱۔ اگست ۱۹۰۹ء علیگڈھ

تعداد طلبا درج رجسٹر ۷۹ تعداد طلبا بروقت معائنہ ۷۰

جس وقت نو بجے صبح میں نے معائنہ کیا تمام لڑکیاں اُس وقت تک اسکول میں نہیں پہنچی تھیں۔ کیونکہ اسکول کا وقت دس بجے سے شروع ہوتا ہی۔ دیگر اسکول اس ضلع کے ۷ بجے صبح سے ۱۱ بجے صبح تک ہوتے ہیں۔ اس اسکول کا انتظام ایم، اے او کالج کمیٹی کرتی ہے آنریری سکرٹری یعنی مولوی شیخ عبداللہ صاحب ذاتی طور پر اسکول کی صلاح و فلاح میں دلچسپی لیتے ہیں۔ اُن کی اہلخانہ اور ہمشیرگان بھی اپنی کچھ نہ کچھ نگرانی روزانہ اسکول میں رکھتی ہیں۔

اس اسکول کے اخراجات لوگوں کے پرائیویٹ چندہ سے ادا ہوتے ہیں اور اس کی مالی استقامت بظاہر مستحکم ہی۔

مندرجہ ذیل رقوم سے منیجر کے یہاں کے مطابق اسکول کی آمدنی ظاہر ہوتی ہے۔

۱۔ ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال یکمشت عطیہ نقد پانچہزار روپیہ

۲۔ بھوپال کی ریاست سے ... ... ایک ہزار چار سو سالانہ

۳۔ ریاست ٹونک سے .. .. چھ سو روپیہ سالانہ

۴۔ ریاست بھاولپور سے .. .. چھ سو روپیہ سالانہ

۵۔ خیر پور سندھ سے .. .. چھ سو روپیہ سالانہ

ماسوائے پانچ ہزار روپیہ نقد عطیہ یک مشت کے، دیگر تمام رقوم سالانہ مقررہ ہیں جو ملتی رہینگی۔ ایک بڑی بلند پرواز اسکیم ایک بورڈنگ اسکول تعمیر کرنے کے لیے تیار ہو رہی ہے۔ جس میں تمام ہندوستان کے مسلمان شرفا کی لڑکیاں پڑھ سکیں گی۔ پرائیویٹ چندہ سے مبلغ ۲۵۰۰۰ ہزار روپیہ جمع ہو چکا ہے اور اس رقم میں مبلغ ۱۵ ہزار روپیے کا اضافہ گورنمنٹ نے کر دیا ہے اور اسکول کے لیے موقعہ اراضی کا کچھ حصہ مبلغ چھ ہزار روپیہ قیمت میں خریدا جا چکا ہے۔

اس وقت اسکول اسٹاف میں تین اعلیٰ درجہ کی مسلمان خواتین ہیں۔ دو نے ورنیکلر مڈل امتحان پاس کیا ہے۔ جن میں سے ہیڈ معلمہ بڑی استانی نے ایک سال تک لاہور کے ٹریننگ اسکول میں تعلیم پائی ہے۔ تیسری کے پاس کوئی سند نہیں۔

تنخواہیں یہ ہیں۔

اول استانی	تیس روپیہ ماہوار
معلمہ دوم و سوم	فی کس بیس روپیہ ماہوار

کمیٹی نے دو اور استانیوں کے تقرر کی منظوری دی ہے اور اس کے لیے مناسب استانیوں کی تلاش میں ہے۔ اگر اعلیٰ درجہ کی قابل استانی ہو تو اسکو پچاس روپیے ماہوار تک دیا جائیگا۔

عمارت اسکول کی ایک کرایہ کا مکان ہے لیکن اسکول کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ وسیع کھلا ہوا۔ روشن اور ہوادار مکان ہے۔ مناسب حال فرنیچر

اور تعلیمی آلات و سامان اسکول میں فراہم کیے گئے ہیں اور شاگردوں کو کتابیں سلیٹ تختیاں وغیرہ بلاقیمت دی جاتی ہیں۔

نقشہ انضباط اوقات (ٹائم ٹیبل) سے مجھے اسکول کے کام کی تقسیم کا اندازہ ہوا اور میں نے اُس کو اچھا پایا۔ داخلہ کا کوئی رجسٹر ابھی تک نہیں بنایا گیا۔ حاضری کے رجسٹر مختلف جماعتوں کے لیے موجود ہیں۔ لیکن پورے طور پر اندراج نہیں ہوتا۔ میں نے استانی کو عمدہ طور پر رجسٹروں کے رکھنے کے متعلق ہدایات دی ہیں۔

موجودہ صورت جو درجہ بندی کی ہے اُس سے غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ رجسٹر سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک صیغہ اعلیٰ ابتدائی ہے۔ یعنی صیغہ اپر پرائمری۔ لیکن درجہ اول و دوم گورنمنٹ اسکولوں کے ابتدائی تیاری کے صیغہ (پریپریٹری) کے مشابہ و مقابل ہیں۔ اور درجہ ہائے سوم و چہارم تمام اور پرائمری صیغوں سے بہ لحاظ لیاقت زیادہ ہیں۔

پڑھنا۔ لکھنا اور ابتدائی حساب اچھی طرح سکھایا گیا ہے۔

میری تاریخ معائنہ پر امتحان میں جو تحریری اور تقریری ہر دو طور پر لیا گیا۔ بہت معقول نتیجہ ظاہر ہوا۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں حروف تہجی کو خواہ کسی ترتیب کے ساتھ اُن کو دکھایا جائے فوراً پہچان کر سکتی تھیں۔

پڑھائی بہت اعلیٰ درجہ کی اور باقاعدہ ہوتی ہے۔

مجھ کو یہ دیکھکر حقیقت میں بہت خوشی ہوئی کہ یہ اتنا بڑا اسکول ہے جس میں اتنی تعداد شریف زادیوں کی پڑھتی ہے۔

بعض لڑکیاں ۱۱ اور ۱۲ برس کی عمر تک کی ہیں۔ پردہ کا نہایت سخت انتظام ہے لڑکیوں کے لانے اور لیجانے کے لیے پردہ پوش ڈولیاں استعمال کی جاتی ہیں۔

اور ایک ماما بھی اُن کے ساتھ جانے کے لیے ملازم ہے۔

اس کو یقیناً فیاضانہ عطیہ ملنا چاہیے تاکہ جو اسکیم مدنظر ہے اُسکو کامیابی کے ساتھ پورا کیا جاوے۔ ایسی حالت میں بھی درحقیقت میں اُسکو ایک بہت کامیاب اسکول خیال کرتی ہوں۔ اگرچہ ہنوز شیرخوارگی کی حالت میں ہے۔ اس کی ابتدا ہوئے ابھی تین سال بھی نہیں ہوئے۔

(دستخط) اے چیمبرز صاحبہ
انسپکٹرس گرلز اسکولز حلقہ آگرہ

نقل بخدمت منیجر محمڈن گرلز اسکول
زنانہ مدرسہ اسلامی علیگڈھ ارسال شد
مورخہ ۲۸۔ اگست سنہ ۱۹۰۹ء

حضور عالیہ جناب بیگم صاحبہ والی بھوپال دام ملکہا و اقبالہا کی فیاضی سے قوم کو بہت بڑا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ حضور عالیہ نے اس سے قبل مدرسۂ نسواں علیگڈھ کو مبلغ چودہ سو روپے کی دائمی و مستقل گرانٹ عطا فرما رکھی ہے اور اب حضور عالیہ نے ۲۲۰۰ روپیہ سال کا نفقہ فنڈ کے لیے عطا فرمایا ہے۔ حضور عالیہ قوم کے شکریہ کی مستحق ہیں۔

گورنمنٹ سے جو ماہواری امداد زنانہ مدرسہ کو ملتی ہے گذشتہ سال چند وجوہات سے جن میں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اول ضلع علی گڈھ مرادآباد کے حلقہ کے متعلق تھا اور پھر آگرہ کے متعلق کردیا گیا۔ ہم کو وہ امداد نہیں ملی تھی اور بحق سرکار سیاہہ ہوگئی تھی ہم نے اس معاملہ میں جناب ڈائرکٹر صاحب سے خط و کتابت کی اور یہ ثابت کردیا کہ اس میں ہماری کسی قسم کی غفلت نہیں ہوئی تو جناب ڈائرکٹر صاحب نے مہربانی سے امسال کے

بجٹ میں سے سال گذشتہ کی امداد یکمشت عطا فرمائی ہی۔ ہم گورنمنٹ کے اور جناب ڈائرکٹر صاحب کے تہ دل سے ممنون ہیں۔

یکم اکتوبر سے ایک ماہ کے لیے حسب قاعدہ زنانہ مدرسہ بند کیا گیا۔ اب یکم نومبر کو مدرسہ کھُلے گا۔

زنانہ لٹریچر

زنانہ لٹریچر سے ہمارا یہ مطلب ہے کہ عورتوں کے مضامین جو خود عورتوں نے لکھے ہوں یا عورتوں کیواسطے مردوں نے لکھے ہوں دونوں صورتوں میں جو مضامین یا کتابیں ہونگی وہ زنانہ لٹریچر میں آسکتی ہیں۔ لیکن اس میں ایک بات کی خاص احتیاط کی ضرورت ہی وہ یہ ہی کہ مضامین خواہ مرد لکھیں یا عورتیں اُس میں پڑھنے والوں کو دہوکہ نہونا چاہیے یعنی مردوں کے لکھے ہوئے مضامین عورتوں کے فرضی نام سے ظاہر نہیں ہونے چاہییں کیونکہ اس میں اول تو قوم کو عورتوں کی علمی ترقی کا اندازہ کرنے میں غلط فہمی ہوگی۔ دوسرے آیندہ نسلیں عورتوں کی موجودہ حالت کا غلط اندازہ کرینگی۔ اور تیسرے خود اُن لوگوں کے اخلاق پر جو فرضی مضامین عورتوں کے نام سے لکھیں گے غلط بیانی کا ایک سیاہ رنگ لگجائیگا۔ ایسے مضامین کے لکھنے میں کچھ ہرج نہیں ہی کہ کسی عورت کے حالات کسی عورت ہی کی طرف سے لکھکر کوئی شخص یہ لکھدے کہ زبانی فلاں شخص کے لکھا گیا۔

اب خدا کے فضل سے ایک بڑا گروہ عورتوں کا کچھ نہ کچھ تعلیم حاصل کر چلا ہی اور اکثر بیبیاں بلا امداد کسی مرد کے عمدہ عمدہ مضامین لکھ سکتی ہیں۔ ہمیں مطلق کچھ ہرج نہیں کہ بیبیاں

مردوں سے واقعات وغیرہ کے متعلق امداد لے لیا کریں اور وہ خود مضمون لکھا کریں یہ بات ہم نے شکایت کے طور پر نہیں لکھی ہے بلکہ احتیاط کے طور پر۔

اور دوسرے اس بات کی ابھی سے احتیاط رکھنی چاہیئے کہ انگریزی یا فرنسیسی لٹریچر کی طرح کہیں ہمارا لٹریچر آگے چلکر محض خیالی افسانوں کا مجموعہ نہ بن جائے۔ جس سے دل و دماغ دونوں پر برے اثر پڑیں۔ زنانہ لٹریچر کے متعلق مضامین لکھنے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مضامین میں اس بات کا لحاظ رکھیں کہ ایک عمدہ اخلاقی اور مذہبی بنیاد پر ہمارا لٹریچر قائم ہو۔ جس سے کہ موجودہ آئندہ نسلوں کو فوائد پہنچیں۔ ملک میں زنانہ رسالوں کی کثرت ایک نیک فال ہے جس کے ہم بڑے زور سے حامی و مددگار ہیں لیکن اسکے ساتھ ہی ایسے رسالوں کے اڈیٹر صاحبان و نامہ نگاران صاحبان کو اپنے اس نوٹ کی طرف خاص توجہ دلاتے ہیں۔

نصاب نسواں

شکر ہے خدا کا کہ نصاب چھپنا شروع ہو گیا ہے۔ شاید دوسرے خاتون کی اشاعت تک قاعدہ چھپکر تیار ہو جائے۔ اور سال کے ختم ہونے تک دو ریڈریں اور تیار ہو جاوینگی۔ ہم پبلک کے سامنے اعتراف کرتے ہیں کہ اس میں تاخیر ضرور ہوئی ہے لیکن اسکا بھی پبلک کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم نے کام کے جلد شروع کر دینے میں اور اپنی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ مگر ہماری قوم کے تعلیم یافتوں میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کی زندگی کا مقصد بجز اسکے اور کچھ نہیں ہے کہ تعلیم حاصل کر کے ملازمت حاصل کریں۔ جہاں اُن کو کوئی ملازمت مل گئی۔ بس وہ اپنی معراج کو پہنچ گئے۔ اُن سے کسی مدد کی توقع نہیں ہو سکتی۔

دوسرے گروہ کے وہ بزرگ ہیں جنھوں نے قدیم عربی و فارسی کی تعلیم حاصل

کرکے علمی دنیا میں اعلیٰ مدارج حاصل کیے ہیں۔ لیکن اب وہ ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتے۔ اور نہ اس قسم کی تصنیف وتالیف کے لیے ان کو تکلیف دینا ان کی شان اور وقار کے شایاں ہے۔

تیسرا گروہ جو بہت ہی کثیر التعداد ہے وہ گروہ ہے جنھوں نے کچھ اُردو فارسی یا انگریزی کی شُد بُدہ حاصل کرلی ہے اور نامہ نگاری اور اخبارات میں اپنا نام لکھا ہوا دیکھنے کے شوق میں دنیا میں بڑے سے بڑا کوئی پولیٹکل یا سوشیل مضمون نہیں جس پر وہ قلم نہ اُٹھاتے ہوں اور زمین وآسمان کے قلابے نہ ملاتے ہوں لیکن اُن کا سرمایہ علم ایسا نہیں کہ وہ کوئی ایسی چیز لکھ سکیں۔ جو دنیا میں کچھ عرصہ کے لیے قائم بھی رہ سکے۔

ایسے لوگوں سے اگر ہم مدد لینا چاہتے تو سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مل سکتے تھے۔ لیکن ہم اس گروہ کے بزرگوں کو کسی ایسے اہم معاملہ کے لیے تکلیف دینا پسند نہیں کرتے۔ ہم کو صرف اس بات کی ضرورت تھی کہ کوئی صاحب بیٹھکر ہمارے علی گڈھ کے چند دیگر اصحاب کے خیالات کو جو ان کے بچوں کی تعلیم کے متعلق قائم ہو چکے ہیں عمدہ اور شستہ عبارت میں ضبط تحریر میں لے آویں اور اس کام کو ہم اپنی نگرانی میں اس غرض سے چاہتے تھے کہ ہم ساتھ ساتھ نگرانی اور کمی بیشی بھی کرتے جائیں۔ اسی تلاش میں بہت وقت گذر گیا۔

اب ہم کو اس بات کی خوشی ہے کہ جن صاحب نے علی گڈھ میں رہکر اس کام کو انجام دینا منظور کیا ہے وہ اس کام کے اہل ہیں۔ پبلک اُن کو بخوبی جانتی ہے ہم اُن سے مطمئن ہیں۔ اور امید ہے کہ یہ کام نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام کو پہونچے گا۔

بیگمات مندرجہ ذیل نے از راہ قومی ہمدردی وظائف فنڈ میں مندرجہ ذیل رقومات مرحمت فرمائی ہیں۔

۱۔ جناب بیگم صاحبہ نواب وقار الملک بہادر .. .. عا؎

۲۔ جناب مسیز حشمت اللہ صاحب .. .. عہ؎

۳۔ جناب مسیز عبد اللہ صاحب .. .. للعہ؎

مندرجہ ذیل رقومات تعلیم نسواں فنڈ میں وصول ہوئی ہیں۔ عطا کرنے والے حضرات کا دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

۱۔ عطیہ ریاست ٹونک بابتہ ماہ اگست ۱۹۰۹ء .. .. صہ؎

۲۔ مرسلہ مسٹر نور محمد آنریری ایجنٹ .. .. ما؎

۳۔ جناب حامد علی صاحب از حیدر آباد سندھ .. .. صہ؎

۴۔ مرسلہ جناب محمد علی صاحب از سندھ .. .. مالر؎

زنانہ مدرسہ

ہمیں زنانہ مدرسہ کے لیے تین اُستانیوں کی ضرورت ہی۔ اگر کسی اُستانی نے مڈل پاس کرنیکے بعد نارمل اسکول کی سند حاصل کی ہو تو اسکو تیس روپیے ماہوار اور مکان دینگے اور اگر صرف مڈل کی سند حاصل کی ہو تو پچیس روپیے ماہوار دینگے اور اگر بلا مڈل کی سند حاصل کیے کوئی اُستانی ہم کو اپنی قابلیت کا ثبوت دیسکیں کہ وہ بچیوں کو پڑھا سکتی ہیں تو ہم اُن کو بیس روپیے ماہوار دینگے مکان ہر حالت میں مفت ملے گا۔ درخواستیں یکم نومبر تک راقم کے پاس آنی چاہییں۔

خاکسار
عبداللہ

آنریری سکرٹری صیغہ تعلیم نسواں سکشن
علی گڈھ

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

نمبر ۱۰	بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۹ء	جلد ۶

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

منشی علیم الدین منیجر پریس کے اہتمام سے
مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا
مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۹ء

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت دو روپے اور ششماہی ۱۲ آنہ ہے

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہورہے ہیں اُس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶۔ اس رسالہ کی مدد کرنیکے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

۷۔ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڈہ ہونی چاہیے۔

خاتون

بچوں کی پرورش

سلسلے کیلیے دیکھو ستمبر کا پرچہ

ہوا خوری

بچہ ایک پودے کی مانند ہی۔ وہ بغیر کافی میدان کی ہوا اور روشنی کے طاقت نہیں پا سکتا۔ علاوہ اسکے کہ گھر میں تازہ ہوا کی ایک کثیر مقدار اُس کو ملے۔ بچے کو ہر روز جب موسم اجازت دے صبح اور شام باہر لیجانا چاہیے۔ اگر بچے کو کافی پوشاک پہنائی جائے تو پندرہ دن کے بچے کو بھی اس طرح ہوا کھلائی جا سکتی ہی۔ اُس کو سورج کی شعاعوں سے محفوظ رکھنا چاہیے۔ اور بعد غروب آفتاب اُسکو باہر نہ رہنے دینا چاہیے۔ انّا بیٹھکر اپنے ملاقاتیوں سے باتیں نہ کرنے پائے کیونکہ چلنے میں اُس کی حرکت بچے کے لیے ورزش ہوتی ہی۔ بچے کو ہر دس منٹ کے بعد ایک بازو سے دوسرے بازو کی طرف بدلنا چاہیے۔

ورزش

لیٹنے اور بیٹھنے کی وضع کا بدلا جانا اور آہستہ آہستہ حرکت کرنا تندرستی کے لیے ضروری ہی۔ بچے کو عام طور پر اس طرح لٹانا چاہیے کہ وہ اپنے اعضا کو آزادی کے ساتھ حرکت دے سکے۔ بچہ متواتر اپنی ماں کی آغوش میں نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس سے اس کو نقصان پہنچتا ہی اور ماں کو بہت سی غیر ضروری تکلیف ہوتی ہی۔

بچے کو آہستہ آہستہ ہلانا جلانا خوشگوار اور مفید ہی لیکن زور کی حرکت سے احتراز چاہیے۔ بچے کو کھینچنا یا ہاتھ پکڑ کر اٹھانا نہیں چاہیے۔ کیونکہ بچے کے اعضا ذرا سے جھٹکے میں اتر جاتے ہیں۔ بچوں کو چلنا سکھانا نہیں چاہیے ان کی ہڈیاں نرم ہوتی ہیں اور اگر بہت جلد ان کو کھڑے رہنے یا چلنے پر مجبور کیا جائے تو ان کی ٹانگیں جھک جاتی ہیں اور ان کی پشتیں بدنما ہو جاتی ہیں۔ بہتر طریقہ بچے کو چلنا سکھانے کا یہ ہی کہ وہ اپنے آپ سیکھے۔

بچوں کو خاموش رہنے پر مجبور نہ کرنا چاہیے۔ اُن کو جس قدر زور سے اُن کا جی چاہے غل مچانے اور شور کرنے کی اجازت دینی چاہیے۔ اس سے اُنکے پھیپھڑے مضبوط ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ایک قیمتی ورزش ہے۔

دانت نکالنا

بچہ بے دانت کا پیدا ہوتا ہی لیکن اُس کے جبڑوں میں دانتوں کے دو سیٹوں (لڑیوں) کے بیج چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ پہلے سٹ کے دانت چھوٹے ہوتے ہیں اور گر جاتے ہیں۔ اور دوسرے سٹ کے بڑے اور پائدار ہوتے ہیں۔

پہلے سٹ میں بیس دانت ہوتے ہیں وہ عام طور پر دو دو کی جوڑی بنا کر نکلنے

ہیں۔ اور نیچے کے جبڑے کے دانت عام طور پر اوپر کے جبڑے کے دانتوں سے پہلے نکلتے ہیں۔

پہلے پہل کے دانت چھ مہینے کے قریب اور سب سے پیچھے چوتھیا تیئیسویں مہینے کے قریب نکل آتے ہیں لیکن یہ وقت سب صورتوں میں یکساں نہیں ہوتا

دانت نکلنے سے پہلے سانوا (لعاب دہن) بچے کے مونھ سے کثرت کیساتھ نکلا کرتا ہی اور اس کے ساتھ مسوڑوں کا پھولنا اور اُن کی سوزش۔ بچہ اکثر اپنی اُنگلیاں یا اور جو کچھ اُس کے ہاتھ لگ جائے اپنے مونھ میں گھسیڑ لیتا ہی۔ اُس کی پیاس بڑھ جاتی ہے اور وہ ماں کے دودھ پلانے والے حصے کو زیادہ کثرت کے ساتھ مونھ میں رکھتا ہی۔ اگرچہ معمول کی نسبت کچھ عرصہ تک سوتے رہتا ہی۔ وہ چڑچڑا اور بے چین ہوجاتا ہی۔ قے اور دستوں کی خفیف شکایت بھی اکثر ہوجاتی ہے۔

جبکہ بچہ دانت نکال رہا ہو اُس کو کُھلی ہوا میں بہت زیادہ رکھنا چاہیے اور اُسکو خوب ورزش کرنے دیجائے۔ اُس کو حد سے زیادہ نہ کھلایا جائے لیکن پانی وہ جتنا پینا چاہے تھوڑی تھوڑی مقدار میں اُسکو پینے دینا چاہیے۔ پانی سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے کہ سوزش کرنے والے ننھے سے مونھ اور ننھے ننھے مسوڑوں کو ٹھنڈا کرسکے۔ بچے کے دستوں کو بند نہ کرنا چاہیے لیکن اس کے برعکس متواتر دستوں کی ڈاک لگنے سے بھی حفاظت کی جائے۔ ماں کو چاہیے کہ احتیاط سے اپنی صحت غذا کی خبر رکھے۔

جب بچے کے دانت نکل رہے ہوں تو کوئی سخت چیز اُس کو کاٹنے کے لیے نہ دینی چاہیے اس سے مسوڑے سخت ہوجاتے ہیں اور بعض اوقات دانتوں کی نوکیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اس غرض کے لیے انڈیا ربڑ کا ایک ٹکڑا بہت اچھا ہوگا۔ لیکن بچے کا انگوٹھا نہایت آرام دہ اور بہترین مسواک ہی۔ اُسکے چوسنے سے

بچے کو بہت آرام حاصل ہوتا ہی۔ لیکن جب ضروری معلوم ہو تو یہ عادت بند کر دینی چاہیے یہ اس طرح ہو سکتا ہی کہ اُس کے انگوٹھے کو کوئی تلخ چیز لگا دی جائے۔ مسوڑوں کو انگلیوں سے آہستہ آہستہ ملنے سے بھی کچھ آرام حاصل ہوتا ہی۔

جب مسوڑے بہت سرخ اور گرم اور سوجے ہوئے ہوں تو اُن کو کسی ڈاکٹر سے ذرا سا چیرہ دلوا دینا چاہیے۔ وہ بہت تکلیف نہیں دیتا۔ وہ بچہ جو پیشتر رویا کرتا تھا اسکے بعد اکثر مسکراتا رہے گا۔

جب دانت مشکل سے نکلتے ہوں تو بچے کو تازی ہوا بافراط ملنی چاہیے۔ اُس کو حد سے زیادہ خوراک نہ ملنی چاہیے اور صرف دودھ دینا چاہیے۔ جب کبھی بچہ روئے اُسی وقت کچھ نہ کچھ غذا دینے سے بہت سے نقص پیدا ہوتے ہیں۔ بچے کے سر پر ٹھنڈے پانی کا اسپنج صبح و شام پھیرنے سے بھی بہت فائدہ ہوتا ہے۔ سر ٹھنڈا رکھنا چاہیے۔

جب دانت مشکل سے نکلتے ہیں تو بعض اوقات تشنج پیدا ہو جاتا ہی۔ چہرہ کے پٹھے اینٹھتے ہیں۔ سر اور گردن پیچھے کی طرف اکڑ جاتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں بچہ زور زور سے پھیلاتا و سکیڑتا ہی۔ آنکھیں پھٹی پھٹی ہو جاتی ہیں اور ڈگر ڈگر کرتی ہیں۔ یہ حالت چند منٹ یا دقیقہ کے بعد چند گھنٹے تک برقرار رہ سکتی ہی بچے کو فوراً ایسے حمام میں بٹھانا چاہیے جو اس قدر گرم ہو جس قدر کہ کُہنی آسانی سے برداشت کر سکے۔ سر ایک کپڑے سے ڈھانک دینا چاہیے جو سرد پانی میں تر ہو۔ جب بچہ حمام میں ہو اُسکے چہرے پر ٹھنڈا پانی چھڑکنا بھی مفید ہی۔ تشنج کی حالت میں بچہ بے ہوش ہوتا ہے اور تکلیف کو محسوس نہیں کرتا ہی۔

جب دورہ ختم ہو جائے تو سب کو بالکل چپ چاپ کر دینا چاہیے اور نیند لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جب تک کہ نیند نہ آئے یہ اندیشہ رہتا ہی کہ دورہ پھر

نہ اُٹھ آئے۔ اس کے بعد تھوڑا سا ارنڈی کا تیل دیا جا سکتا ہے۔

دانت نکلنے کے ابتدا میں کانوں کے پاس اور چہرہ پر اور جسم کے دیگر حصّوں پر اکثر پھنسیاں نمودار ہو جاتی ہیں۔ عام طور پر اُن کی کچھ پروا نہ کرنی چاہیے کیوں کہ وہ زیادہ سخت شکایتوں کو روکتی ہیں اور اس لیے مفید ہیں۔

جیسا کہ بیشتر بیان ہوا تازہ ہوا کی کافی مقدار نہایت ضروری ہے۔ شہروں میں بہ نسبت دیہات کے دانت نکلنے والے بچے دُگنی تعداد میں مرجاتے ہیں۔

دودھ چُھٹانا

بچّے کے دودھ چُھٹانے کا زمانہ تھوڑا سا ماں کی اور تھوڑا بچّے کی حالت پر منحصر ہے اگر بچے کی حالت اچھی نہیں ہے تو بچّے کا دودھ نویں مہینے یا اس سے بھی پہلے چھٹا دینا چاہیے۔ لیکن اگر ماں کی صحت اچھی ہے اور بچہ کمزور ہے تو چند ماہ زیادہ تک دودھ دیا جا سکتا ہے۔ جب بچے کے دانت نکل رہے ہوں تو دودھ نہیں چھٹانا چاہیے۔ دانتوں کا نہ نکلنا بھی ایک تاخیر کی علامت ہے لیکن بطور ایک عام قاعدہ کے سال بھر سے پہلے دودھ نہ چھٹانا چاہیے۔ اس کے بعد ماں کا دودھ صفات میں کمزور ہو جاتا ہے اور بچے کو پرورش کرنے کے قابل نہیں رہتا ہے۔

بچّے کا دودھ یکایک نہیں چھٹانا چاہیے بلکہ بتدریج۔ اُس کو آہستہ آہستہ علاوہ ماں کے دودھ کے اور خوراک کا بھی عادی بنانا چاہیے۔ جب بچّہ سات مہینے کا ہو تو اُس کو دن میں دو دفعہ کسی اچھی گائے کا عمدہ دودھ گرم پانی ملا کر دینا چاہیے۔ جب بچّہ اور بڑا ہو جائے تو دودھ میں اور بھی کم پانی ملانا چاہیے اور اُس میں تھوڑا سا خوب پکا ہوا حریرہ یا تھولی ملا کر اُس کو گاڑھا کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ بیشتر بیان ہوا۔ ارارو ٹ کافی پرورش کے اجزا نہیں رکھتا۔ اس کا استعمال نہیں چاہیے۔

اوّل اوّل ماں کو چاہیے کہ بچے کو رات کے وقت دودھ دینے سے احتراز کرے اور کچھ عرصہ کے بعد وہ بچے کو دن میں صرف دو دفعہ صبح اور شام کو دودھ پلائے دودھ کی مانگ جوں جوں کم ہوتی جائے گی ووں ووں دودھ پیدا بھی کم ہوگا۔ اگر بچہ بجز دودھ کے اور غذا سے انکار کرے تو اُس کو بھوکا ہو جانے دو اور پھر وہ مان جاے گا۔

سوجی۔ چاول اور سیدھی سادھی روٹی (مراد ڈبل روٹی سے ہے) سب عمدہ غذائیں ہیں۔ لیکن جب تک کہ بچہ اٹھارہ ماہ کا ہو۔ جوش دیا ہوا دودھ اُس کی غذا کا جزو اعظم ہونا چاہیے۔ جب تک کہ بچوں کے دانت نہ نکل چکیں اُس وقت تک اُن کو کوئی منجمد غذا نہیں دینی چاہیے۔ مٹھائی۔ کڑھی۔ مصالحہ دار چٹ پٹی غذا۔ کچے پھل چھوٹے بچوں کے لیے بہت مضر ہیں۔ بہت سے بچے اس لیے مر جاتے ہیں کہ اُن کے والدین اُن کو اپنی غذائیں دے دیتے ہیں جس سے اور دیگر شکایات پیدا ہو جاتی ہیں۔

بچوں کو بڑے آدمیوں کی غذا دینا بعینہ ایسی ہی عقلمندی کی بات ہوگی جیسی کہ اُن کو بڑے آدمیوں کا کام دینا۔ چاء اور قہوہ بچوں کے لیے عمدہ نہیں ہیں اور ہر ایک نشہ پیدا کرنے والی پینے کی چیز اس سے بھی بدتر ہے۔

بچوں کے لیے دعا

صبح اور شام اُن کی صحت و سلامتی کے لیے حق تعالےٰ سے دعا مانگنی چاہیے۔

رقم
انتظام الدین

ایک مظلومہ کی سرگذشت

ایام طفلی ہر شخص کے حصۂ عمر میں سب سے زیادہ بے فکری اور خوشی کا زمانہ ہوتا ہے اس میں شک نہیں کہ بچپن میں وہ چین اور آسائش اور بے فکری نصیب ہوتی ہے جو ہفت اقلیم کے شاہنشاہ ہونے پر بھی ممکن نہیں۔

لڑکیوں کے لیے بچپن کے بعد کنوارپن بھی غنیمت ہے۔ شادی کے بعد کا تو خدا مالک ہے۔ وہ لڑکیاں بہت خوش نصیب ہیں جن کو سسرال بھی اچھا نصیب ہوتا ہے جہاں ماں باپ کے گھر سے زیادہ چین آرام بے فکری نصیب ہوتی ہے اور وہاں سے زیادہ اُن کی خبرگیری کیجاتی ہے ورنہ بیچاری بدنصیب لڑکیوں کے لیے تو سسرال ہی دنیا میں دوزخ بن جاتا ہے۔ شادی کے بعد سسرال میں آنا لڑکی کے لیے گویا دوسرے جنم میں آنا ہے۔

جہاں میاں کے خویش و اقارب نوکر چاکر سب کے سب اس کے لیے بالکل اجنبی ہوتے ہیں اور یگانگت ہونے تک بالکل بے چینی سے بسر ہوا کرتی ہے۔ قدم قدم پر جی گھبراتا ہے اور ہمیشہ آیندہ کا خیال لگا رہتا ہے۔ میاں کا بُرا ہونا ہی لڑکی کے لیے دنیا میں سب سے زیادہ برباد کر دینے والی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اُس کے لیے ساس سسرے وغیرہ کا بھی بُری نظر سے دیکھنا سم قاتل کا اثر رکھتا ہے۔

اس لیے والدین کو لازم ہے کہ وہ اپنی نور دیدہ کی سسرال کے نزدیک کے رشتہ داروں سے مرض (نسبت کے متعلق) اور اُن کے مزاج وغیرہ سے واقفیت حاصل کرلیں پھر دیکھیں کہ ایسے مزاج والوں کے ساتھ لڑکی خوشی سے زندگی بسر کر سکیگی یا نہیں۔ اگر لڑکی کا مزاج ویسا ہی ہو جیسا کہ سسرال والوں کا ہے تو بہتر ورنہ لڑکی

کی زندگی برباد ہو جائے گی۔

اُن کا جدا مزاج ہی میرا جدا مزاج　　　پھر کس طرح سے ایک ہو اچھا بُرا مزاج

ساس سُسروں کو چاہیے کہ حتی الامکان اپنی بہو کی دجواُن کے پاس بیکس و تنہا ہی) خبرگیری کریں اور سہواً کوئی چھوٹی موٹی خطا بھی سرزد ہو جایا کرے تو چشم پوشی کیا کریں بُردباری اور خطا پوشی سے جس قدر رعب ڈر اور غیرت قائم رہ سکتی ہی اسی قدر اُس کی بے وقعتی ہر بات پر ٹوکنے اور ہر قصور پر ڈانٹنے سے ہوتی ہی۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد میں ایک چشم دید دردانگیز واقعہ بیان کرتی ہوں۔ جس میں صرف ساس کی مرضی کے خلاف مرضی شادی ہونے سے ایک معصوم لڑکی نے شماتت و طعن برداشت نہ کرکے جان دیدی۔ شماتت و طعن فکر سے زیادہ آدمی کو پگھلا دیتی ہی۔ خوش مزاج کو بدمزاج ہاتھی کو چیونٹی بنا دیتی ہی۔

ہمارے محلہ میں ایک شریف شخص رہتے تھے جن کے تین لڑکیاں اور دو لڑکے تھے جن میں سے دو لڑکیوں کی شادی اُن کے حین حیات کھاتے پیتے گھروں میں ہوئی۔ دوسری لڑکی کی شادی کے چند دن بعد اُن کا انتقال تمام خاندان کی بربادی و پریشانی کا باعث ہوا۔ اب بڑے لڑکے کو نوکری کی تلاش میں پریشانیاں اور تکالیف درپیش ہوئیں۔ اللہ اللہ کرکے چھوٹی نوکری مل گئی جس سے بسراوقات ہونے لگی۔

سب کے دل ٹھکانے لگنے پر چھوٹی لڑکی کی شادی کی فکر ہونی لگی۔ پیغام آنے لگے جن میں سے ایک پسند آیا۔ لڑکا پڑھا لکھا عقلمند لڑکے کے والد بھی اس نسبت سے بہت راضی و خوش لیکن برعکس والدہ سخت ناراض۔

لڑکی بہت خوش مزاج سلیقہ شعار عقلمند صورت و سیرت میں بے عیب غصہ اور تکبر نام کو نہیں۔ رنج کوسوں دور مختصر آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری،

شادی کے دن قریب آئے۔ مقررہ روز شادی ہوئی۔ چند روز کے لیئے عیش و آرام نصیب میں تھا کہ وہ ساس کی نفرت اور غصہ کا شکار بن گئی۔ آئے دن کے لڑائی جھگڑوں سے ناک میں دم تھا۔ جب ساس دیکھتی کہ بہو خوش ہے ایک ایسی بات کرتی جس سے اُسکا دل گھائل ہوجاتا۔ خوشی رنج و غم سے بدل جاتی۔ گھنٹوں اپنی قسمت پر روتی۔ میاں کو اپنی بی بی سے بہت محبت تھی۔ اُس کو آزردہ دیکھکر ہمیشہ اُس کی خاطرداری کرتا اور تسلی کرتا اس کے سوا وہ کیا کرسکتا تھا۔ ماں کا اطاعت گذار تھا بی بی کی طرف داری کبھی نہ کرتا۔ بی بی پر بھی خفا نہو سکتا کیوں کہ اُس کا کچھ قصور ہی نہ ہوتا۔

ساس کی اس خفگی کے باعث بہو کی بدنامی زیادہ ہونے لگی سُننے والوں کو کیا خبر کہ کس کا قصور ہے مصیبت اکیلی نہیں آتی اوپری لوگوں کی اشتعالک سے ساس اور بھڑکتی اور ایک کی جگہ چار سُناتی۔ بیچاری کے دن اسی طرح رنج و غم میں بسر ہونے لگے۔ مگر شاباش اسپر بھی اگر کوئی بہو سے پوچھے تو ہمیشہ ساس کی تعریف کرتی۔

رنج و غم ضبط کرتے کرتے تپ دق شروع ہوگئی جس سے بہت ناتوان ہوگئی صورت پہچانی نہیں جانے لگی۔ ایک دن جبکہ وہ ہمارے ہاں کسی رسم میں آئیں تو موقع پاکر میں نے نہایت اسرار اور منت و سماجت سے پوچھا کہ بہن تمہاری حالت روز بروز کیوں ابتر ہورہی ہے تو رو کر کہنے لگی۔

طعن کے تیروں سے دل چھلنی بنا دیتی ہیں وہ | بول سکتی میں نہیں لاکھوں سُنا دیتی ہیں وہ
بات وہ کرتی ہیں جو مانند نشتر کے چبھے | زخم دل پر اور اک چرکا لگا دیتی ہیں وہ
دیتی ہیں صبح و مسا طعنے مجھے ہر بات میں | غنچۂ دل کو میرے ہر دم بجھا دیتی ہیں وہ

میں نے بہت تشفی اور دلاسا دیا خداحافظ کرکے وہ گھر چلی گئیں جہاں سے چھ روز بعد خبر آئی کہ بیچاری ہمیشہ کے لیے ہم سب سے جدا ہوگئی۔

پھول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

چہلم کے بعد ساس نے اپنی نور نظر کی دوسری شادی کی۔ اس لیے بہو نے اپنی سوکن کا خوب بدلا لیا۔ اگر ساس ایک کہتی تو یہ چار سُنا دیتی، ساس کا بالکل ادب نہ کرتی اور نہ اُس کی بات کی پروانہ کرتی جس سے ساس کو انتہائی رنج ہوتا اور اپنی مری ہوئی بہو کو یاد کر کر کے روتی مگر اب پچھتائے کیا حاصل!

یہ بالکل خیال خام ہے کہ بُرائی کا عوض حشر ہی کے روز ملیگا نہیں نہیں سب اپنے کیے کی سزا اسی دنیا میں پاتے ہیں۔

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

اس ساس پر کمال حیرت ہے جس نے اپنی فرماں بردار بہو کو جلا جلا کر مار ڈالا اور اُس کی پروانہ کی کہ اس کو ایک دن خدا کو موںھ دکھانا ہے شاید وہ اور جاہل ساسوں کی طرح سمجھتی تھی کہ بہو مثل کنیز کے ہے جس پر ہم کو پورا اختیار حاصل ہے جیسا چاہیں کہیں جیسا چاہیں اُسکے ساتھ سلوک کریں لیکن۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درِ حق بھر استقبال می آید

مسز آغا یاور علی
آغا منزل۔ حیدرآباد دکن

محاصرہ

(۱)

آدم اپنے غار میں محصور کر لیا گیا۔

ایک جڑ تھی جو دشت وجبل میں سیلاب جیسی سرعت سے پھیل گئی۔ چرندہ پرندہ درندہ جس نے سنا خوشی سے اُچھل پڑا۔ ہر ذی حیات پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ آخر ہر جگہ دو چار تجربہ کار جانوروں نے خوشی کے جذبات کو دبا دبا کر اور بڑی مشکل سے جوش انبساط پر قابو پا کر اس خبر کے بیان کرنے والوں سے یہ سوالات کرنے شروع کیے "کیا آدم واقعی محصور ہے؟"

"کس نے محصور کیا؟"

"اب نکل تو نہیں سکتا؟" وغیرہ وغیرہ۔

اصل یہ ہے کہ جس زمانے کی تاریخ ہم لکھ رہے ہیں اسوقت دنیا میں حیوانات کا عمل تھا۔ ہزارہا انواع تھیں جو اپنے اپنے علاقوں پر حکمرانی کر رہی تھیں اور ہر ذی روح اتنی کامل آزادی کا مالک تھا کہ فی زمانہ انسان کے تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ گھنے جنگلوں اور پھیلے ہوئے بیابانوں پر شیر فرماں روائی کرتا تھا۔ مگر اس کی شخصی حکومت علاوہ جنگلوں یا میدانوں کے صرف چند حیوانوں پر محدود تھی۔ جنہوں نے ملک ضیغم کی خدمتگاری قبول کر لینے سے حیوانی آزادی پر ایک بدنما داغ لگایا تھا۔

ملک مذکور کی خونخواری اور غضبناکی سے جنگل کے چھوٹے بڑے سب کانپتے تھے۔ اور جہانتک ممکن ہوتا اُس سے کوسوں دور رہتے۔ پھر بھی ہر ہفتے میں ایک آدھ بے زبان اُس کے خون آشام چنگل کا شکار ہو ہی جاتا تھا۔

بہت سے حیوانات اور بھی تھے جنہیں ملک ضیغم کی برابری ورشتہ کا فخر حاصل تھا اور گو ملک موصوف تکبّر سے اُن کو اپنے سے ادنیٰ اور ذات کا نیچ کہتا۔ تاہم کبھی کبھی اُس کا غرور ٹوٹ جاتا تھا۔ وہی نیچی ذات والے ایسی ایسی زک دیتے کہ اُس کی ساری شیخی ٹپاخ ناک کے رستے نکل جاتی۔

شہنشاہ اژدریا اژدہا۔ دوسرا خود پسند اور زبردست حکمراں تھا۔ جس کا

دار السلطنت پہاڑوں یا ناقابل گذار جنگلوں میں ہوتا تھا۔ یہ وحشت ناک جانور باوجود اتنے تن و توش کے بھوک کے وقت تو مثل آندھی کے تیزی سے پہنچ جاتا تھا۔ مگر آپ کا قیلولہ اللہ کے فضل و کرم سے ہفتوں میں بھی جا کر ختم نہوتا تھا۔ چنانچہ جنگل کے اہل الرائے بھی اس کی سستی اور بے ڈھنگی پن کے قائل تھے۔

اسی شہنشاہ کے بھائی بند یعنی سانپ جو ایک انچ سے لگا کے ۳۶۰ انچ تک طویل و قد آور ہوتے تھے۔ دنیا کے ہر کھونٹ میں اور چپے چپے پر پھیلے ہوئے تھے ان کی مختلف اقسام کے افراد کو حسن و جمال میں مخلوقات عالم کے اشرف ترین اقوام میں سے تھے۔ لیکن زہریلے بھی اس بلا کے تھے کہ جس کو ایک دفعہ چٹک لیا پھر اس کی نیند نہ بھری (اس زمانہ میں نیند نہ بھرنے سے موت مراد ہوتی ہے) ان کی اقوام مہذب جانوروں کی طرح تمدن کی برکتوں سے بھی نا آشنا نہ تھیں۔ لہذا ان میں لڑائی جھگڑے اور کشت و خون کی وارداتیں کم ہوتیں۔

ایک زبردست خاندان اور بھی تھا۔ جو زور و قوت کے علاوہ عقل و تمیز میں بھی فائق تھا۔ اور باقاعدہ طور پر اپنے یہاں حکمراں بھی منتخب کرتا تھا۔

یہ ہاتھیوں کا خاندان تھا۔ جن کے فرماں روا راجہ و مہاراجہ کے لقب سے ممتاز تھے ان راجے مہاراجوں کی شیروں سے اکثر جنگ رہتی تھی۔ سچ یہ ہے کہ شیر کا ہمہمہ اور رعب و دبدبہ اس کے ساتھ شجاعت و قوت ایسی چیزیں تھیں کہ اکثر لڑائیوں میں تو راجے مہاراجے غنیم کی گرج سنکر خاموشی سے واپس ہو جانا ہی بہتر سمجھتے تھے۔ اور اگر شامت اعمال سے کبھی ہمت باندھکر غیرت کے جوش میں دشمن سے جنگ و پیکار کے لیے ڈٹ جاتے تو اس غضب ناک پنجے اور دہاڑ کی تاب نہ لا سکتے۔ جو ایک طرف تو بقدر دس سیر کے جسم کا وزن گھٹا دیتی اور دوسری جانب مہیب گونج سے ہوش و حواس تک بگاڑ دیتی۔

اونچے اونچے درختوں پر پرندوں کی آبادیاں تھیں جو تہذیب و معاشرت میں چار پاؤں والے جانداروں سے آگے تھے۔ اور علاوہ درختوں کے موسم و مناظر کا لطف اُٹھانے کے لیے پہاڑوں پر بھی نظر آجایا کرتے تھے۔

ان کی بہت سی قسمیں خوبصورتی اور گانے میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھیں۔ اور جذبات لطیف کی نعمت سے بھی محروم نہ تھی۔ ان کے علاوہ ایک قوم اور بھی تھی۔ جو بلحاظ عقل و تدبیر کے خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

یہ تھے بندر اور ان کی مختلف قسمیں۔ ان حضرات کے لیے جنگل کے لغت میں خاص خاص الفاظ مقرر تھے جو ہماری زبان میں چور، گٹکٹ، دہوکے باز وغیرہ الفاظ سے ظاہر ہو سکتے ہیں۔

یہ نام بے بنیاد نہ تھے۔ کیونکہ صاحبان موصوف ہمیشہ اُس چالاکی اور دانشمندی کو جو خدا نے ان کو عطا کی تھی جعلسازی دغابازی اور فریب دہی میں استعمال کیا کرتے تھے، خصوصاً جس بات سے جنگل کے باشندے بہت تنگ آگئے تھے۔ وہ اُن کی ستم ظریفی تھی۔ اب مثلاً ایک بکری خاموشی سے چراگاہ میں چرتی پھرتی ہے۔ ایک درخت سے دبے پاؤں اُترے۔ اور ایک ہی چھلانگ میں اُس کی پیٹھ پر تھے۔ اب وہ غریب بہتیرا بھاگتی ہے۔ موٹھ پھاڑ پھاڑ کے غل مچاتی ہے۔ آپ بیٹھے مسکرا رہے ہیں۔ خوب تھکا چکے اور بھاں بھاں سے دل بھر گیا تو دہم سے کود ے۔ مگر کودتے وقت ایک چٹکی اس زور سے لی کہ بیچاری بکری بلبلا ہی تو گئی۔

اس قسم کی ایذا رسانیاں اور شرارتیں بالکل عام تھیں۔ اکثر بلکہ ہر ہفتے جانوروں کی پنچایت جُڑتی۔ کمیٹیاں ہوتیں۔ ان شکایات کے انسداد کے لیے تدابیر سوچی جاتیں لیکن بعض مسلمان بھائیوں کی طرح کوئی ریزولیوشن اتفاق کیساتھ پاس نہوتا۔ کیونکہ بدنصیبی سے بہت سے جانور بھی نفسانیت حسد کے امراض میں مبتلا تھے۔

بہر حال بندروں کی جماعت باوجود ظلم و ستم کے بھی روز بروز سرسبز ہو رہی تھی اور جس عہد کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت نہایت باضابطہ اور ترقی یافتہ قوم تھی چنانچہ اسی سبب سے پچھلی صدی میں علامہ ڈاروِن مرحوم نے نہایت وثوق کے ساتھ بیان فرما دیا کہ انسان بندروں کی اولاد ہیں۔ درگو زمانہ کے اثر نے ہماری دُم غائب کر دی ہے۔ تاہم بندروں کی فرزندی سے انکار کرنا اپنی شرافت میں شک لانا ہے۔ حیوانات عالم کی یہ کیفیت تھی کہ ایک نئی قسم کا جانور ان میں نمودار ہوا۔ صورت میں بے دُم کا بن مانس لیکن فہم و فراست میں سب سے تیز۔

جانوروں کو تو اپنے کاموں اور فرائض سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ بے فکرے انسانوں کی طرح ہر شے کی ٹوہ میں لگے رہتے۔ لیکن اس جانور کی موجودگی ہی ایسے طور پر ظاہر ہوئی تھی کہ بہت جلد سب کو خبر ہو گئی۔

ہوا یہ کہ آدم کی ایک بھیڑیے سے جھڑپ ہو گئی جس نے اپنے سارے بھائی بندوں کو جمع کر کے آدم پر چڑھائی کی۔ لیکن آدم نے تدبیروں کے جوڑ توڑ اور نئی نئی قسم کے ہتھیاروں کی مدد سے اس خونخوار لشکر کو تن تنہا شکست فاش دی۔ افسوس ہے کہ اس جنگ کے تفصیلی حالات اب نایاب ہیں۔ مگر یہ یقینی ہے کہ اس ایک ہی معرکہ سے تمام جنگل میں آدم کی دھاک بیٹھ گئی۔ ہر طاقتور اور مہذب قوم پر اُس کا رعب چھا گیا۔ اور وہ سب کی نظر میں قابل وقعت سمجھا جانے لگا۔ ایسے ہی جیسے جاپان روس کو شکست دیتے ہی یورپ کی مہذب برادری میں شامل کر لیا گیا ہے۔

یہ سب کچھ تھا۔ لیکن دراصل جنگل کے آزاد اور لاڈلے بچے آدم کی خودسرانہ اور جابرانہ حرکتوں سے کچھ خوش نہ تھے۔ درندوں کو مار مار کے وہ اُن کی کھال کھینچ لیتا تھا۔ پرندوں کو جہاں تہاں شکار کر کر کے کھا جاتا تھا۔ چرندوں کو اپنا غلام سمجھتا تھا اُن کے بچوں کا حق غصب کر کے اُن کا دودھ تک چٹ کر جاتا تھا۔ غرض کوئی متنفس

اُس سے خوش نہ تھا۔ ہر جگہ اُس کا ہاتھ پہنچتا اور جانوروں کو آزار پہنچاتا تھا۔ درختوں پر وہ چڑھ جاتا۔ پہاڑوں پر وہ پہنچ جاتا اور جنگل تو خاص اُس کے قبضہ میں ہی تھے۔

اُس سے دلی نفرت اور سخت ناراضگی روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ ہر قبیلہ و جماعت کے جوشیلے اور غیرت دار نوجوان اپنی اپنی قوم کو اُبھارتے اور اشتعال دلا دلا کر بدلہ لینے کے لیے آمادہ کرتے پھرتے تھے۔ انقلاب پسند انجمنیں جا بجا قائم کیجاتیں۔ اور زبردست آدم کے پنجے سے رہائی کی نسبت خوب بحثیں ہوتیں۔

آخر کار سالہا سال کی لگاتار کوششوں اور طرح طرح کی ریشہ دوانیوں کی بدولت یہ عداوت رنگ لائی اور ایک خوفناک آتش فشاں پہاڑ کے مواد کی طرح پھوٹ نکلی۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ۲۱۲۴ سنہ قبل محمدی کے موسم سرما میں جبکہ آدم اپنے کوہستانی گھر سے بہت کم باہر نکلتا تھا۔ ایک تاریک اور برفانی شب کو مختلف اور ہزارہا حیوانات جوق جوق اُس پہاڑ پر دفعتاً پہنچگئے، آدم کا سکونتی گھر گھیر لیا۔

آدم آرام سے بے خبری کی گہری نیند سو رہا تھا اور باہر اُسکی ہلاکت کے سامان ہو رہے تھے۔ جا بجا مورچے قائم کیے جا رہے تھے۔ اور سخت احتیاط و سرگرمی کے ساتھ اُسکا محاصرہ کیا جا رہا تھا۔

اصل یہ ہے کہ جنگل کی تاریخ میں ایسا عجیب معرکہ شاذ کیا کبھی ہوا ہی نہ تھا۔ ہمیشہ کے جانی دشمن اور سدا کے خون کے پیاسے آپس میں محبت اور جوش سے بغلگیر ہو رہے تھے۔ اور اپنی غرض مشترک کی پیروی میں تمام گزشتہ نفاق اور عداوتوں کو بھلا کر برادرانہ حیثیت سے گلے مل رہے تھے۔

محاصرہ کے اہتمام سے ذرا اطمینان ہوا تو سرداران فوج ایک خاص مقام پر جمع ہوئے تاکہ آدم کے قتل کے متعلق مشورے کریں۔

اس جلسہ کے صدر نشین بالاتفاق طامر پاشا بنائے گئے جو شہنشاہ اژدہا کے چھوٹے بھائی ہونے کے علاوہ ذاتی شجاعت اور فراست میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے صاحب موصوف نے چبوترہ پہ آتے ہی حاضرین کو مخاطب کیا۔ اور نہایت موثر الفاظ میں ایک پُرزور تقریر کی۔

وہو ہذا

یا معاشر الدہشت والجبال!

"گذشتہ زمانے کے واقعات اور حالات معلوم کرنے کے بعد یہ باور کرنے میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ جانداروں کا کوئی گروہ یا کوئی فرقہ جب کبھی پھنس جاتا ہے۔ اور باوجود اُن نیک نفوس کی انتہائی کوششوں کے جنھیں خداوند جل و علا گویا متعین کرتا ہے بدکاریوں کی بیخکنی اور فساوات فی الارض کے استقبال کے لیے۔ وہ گروہ اُن صلاحات کو قبول نہیں کرتا۔ یا اپنے گناہوں سے تائب نہیں ہوجاتا۔ تو پھر وہ افسوسناک وقت آتا ہے۔ جب بجائے مصلحین و ناصحین کے شیاطین و بلیات خبیثہ کا تسلط ہوتا ہے۔ ناپاکیزگی اور بداعمالی حیوانی قلوب کو اپنی نجاست و تعفن سے بھر دیتی ہے۔ اب خدائے جابر و قہار کا غضب مختلف اشکال میں نازل ہوتا ہے اور اپنے نافرمان بندوں کو نہایت ذلت کے ساتھ رگید رگید کر آخر کار فنا کر دیتا ہے۔ علامہ ابوالفرس الخلدی، جن کی خداداد شہرت توضیح مزید کی محتاج نہیں۔ اپنی کتاب قانون میں فرماتے ہیں کہ "جس طرح امراض متعدی کے کیڑے خاص خاص اسباب سے کُرّۂ ہوا میں پیدا ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح بداعمالی کے بھی مادّی طور پر جرم موجود ہیں جو پیدا ہوتے ہیں ہمارے اسلاف کی بدعنوانیوں سے اور حیوانات کے خون میں پلتے اور پھولتے رہتے ہیں۔ اور یہانتک محرک ہوتے ہیں بداعمالیوں کے کہ آخر کار وہ ہستی ہلاک ہوجاتی ہے۔

یہی کیڑے آیندہ نسلوں اور ہمنشینوں میں بھی یوں ہی منتقل ہو جاتے ہیں جیسے تاعون یا دق کے کیڑے۔

جب کبھی ہم گنہگاروں کو بداعمالی کے مرض میں مبتلا دیکھتے ہیں۔ مگر اُن کی اولاد کو نیک و صالح پاتے ہیں (جیسا کہ کم ہوتا ہی)، تو ہمیں قدرتی طور پر تعجب ہوتا ہی۔ اس تعجب پر غور کیا جاسے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے اسلاف جو قوانین فطرت و طبیعات وغیرہ کے اصول و فروع سے خوب واقف تھے۔ اس بات کو جانتے تھے کہ جیسے طاعونی مریضوں کے معالجین یا ہم صحبت لوگوں کا اُس مرض سے بچا رہنا تعجب کے قابل ہی۔ اسی طرح بداعمالوں کے اعزا و اقارب یا متعلقین کا اس مرض سے محفوظ رہنا بھی حیرت ناک ہی۔ اور آجکل اگرچہ اس سبب کو لوگوں نے فراموش کر دیا ہی۔ تو بھی جب کبھی وہ کسی بدکار مخلوق کی اولاد میں نیکوکاری کی صفات پاتے ہیں تو حیرت ضرور کرنے لگتے ہیں۔ گو اس بات کا جواب نہیں دے سکتے کہ یہ حیرت ہوتی کیوں ہی۔

صاحبو! مجھے ڈر ہی کہ کہیں ہماری بستیوں میں بھی یہی وبا نہ پھیلی ہوئی ہو۔ میں تو جدہر نگاہ ڈالتا ہوں اپنے بھائی بندوں کو سیاہ کاری میں آلودہ ہی دیکھتا ہوں۔ جسکے عقوبت اور عذاب نہ صرف کردہ گناہ نفوس تک محدود ہی بلکہ ہماری آیندہ نسلوں اور معصوم بچّوں کو بھی اذیت دیگا۔

حضرات! مجھے یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ ہمارے ممالک میں آجکل اموات کی تعداد ہمیشہ سے زیادہ ہی۔ اور نہایت خوفناک امراض کے علاوہ بداخلاقی اور مذموم خصائل بالکل عام ہوتے جاتے ہیں، مگر صاحبو! یہ بلائیں تو خود ہماری پیدا کی ہوئی ہیں۔ میں اسوقت ذکر کرنا چاہتا ہوں اُس بلا کا جو گویا ربّانی غضب کے طور پر نازل ہوگئی ہی کہ ہم کو تباہ اور غارت کر دے۔

یہ وہ قہرناک ہستی ہی جسے ہم آدم کے نام سے اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور گو باوجود

بے حد تفحص کے آجتک یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ ہی کون اور کہاں کا باشندہ ہے تو بھی ہمارے دل اُن اذیتوں اور تکلیفوں سے بہت خوب واقف ہیں جو اُس جابر حیوان سے ہم کو پہنچی ہیں اور جسکے کُلّی انسداد کے واسطے آپ جیسے معزز سرداروں نے آج یہاں جمع ہونے کی تکلیف گوارا فرمائی ہی۔ بلاشبہ ہم کو شیخ اقبال (دلگر بگڑ) کا نہایت شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ جنھوں نے باوجود طرح طرح کی مشکلات کے جو بدنصیبی سے خود ہمارے ہی بھائی بندوں نے پیدا کردی تھیں۔ اپنی مساعی جمیلہ اور سر توڑ کوششوں کو جاری رکھا۔ اور آخر آج سچّے اور دردمند دل کی عظیم الشان مگر شریفانہ آرزو برآئی (نعرہ ہائے تحسین و مسرت)

ہمیں اپنے چھوٹے بھائیوں شغال اور روباہ کے قبائل کے احسان کا اعتراف بھی لازم ہے جنھوں نے پیغامبری اور رسد رسانی میں نہایت مفید امداد دی۔ شاباش شاباش،

میں حکومت میمونیہ کے ذمہ دار حکام کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے آیندہ ہماری اخوت میں شریک ہونے کا عہد وثوق کیا ہی۔ بدقسمتی سے پچھلے واقعات نے ہماری اکثر جماعتوں کو صاحبان موصوف سے بدظن کر دیا تھا۔ اور شاید ہماری شکایات کی نسبت آجتک جتنے عذر اور تاویلات کی گئیں وہ بھی بالکل ناکافی اور بھونڈی تھیں۔ کیوں کہ ہمارے لائق بھائی جس شے کو مصلحت کہتے ہیں اور جائز سمجھتے ہیں وہ صداقت شعار ابناے بادیہ کی نگاہ میں ذلیل مکاری اور دغابازی کا نام ہے مگر جو کچھ ہو ہم اُن کے وعدے پر ایک دفعہ اور بھروسہ کرتے ہیں اور اپنے اتحاد صدگانہ[1] میں شریک کیے لیتے ہیں۔ امید ہی کہ برادران مذکور بھی اپنے معاہدے کو آیندہ نہ توڑینگے۔

حضرات! اب مجھے چند لفظ اپنی موجودہ حیثیت اور حالت کی نسبت عرض کرنے کی اور اجازت دیجیے۔

ہم بفضل خدا اس وقت تک اپنے مقصد میں گویا بالکل کامیاب ہیں۔ آدم محصور ہے

[1] معلوم ہوتا ہی کہ پوری سو سلطنتوں کی متحدہ طاقت استعمال کیجا رہی تھی۔

اور گوشنا ہی کہ اُس کے کھڈ میں اس قدر اغذیہ فراہم ہیں۔ جن کی مدد سے وہ ممکن ہے کہ دو تین ہفتہ تک محصور رہ سکے۔ لیکن اس کے بعد بالیقین وہ ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ اور ہم جس طرح اور جب چاہیں گے اُسے ہلاک کر ڈالیں گے۔ اگرچہ وہ اس وقت تقریباً ہمارے قبضے میں آچکا ہی تو بھی شرافت اور شجاعت اس کی مقتضی ہی کہ اس کو ایک موقع اور دیا جائے کہ وہ بے لڑے بھڑے اگر چاہے تو اب بھی ہماری حد سے ہمیشہ کے لیے چلا جائے۔ ورنہ آیندہ اتحاد و صلح کا دروازہ بند ہو جائیگا۔ اور قسمت یا قوت ہمارا اور اُس کا فیصلہ کریگی۔

(نعرہ ہائے بے اختیار)

(باقی دارم)

سید ہاشمی

اُجڑا دیار

پُرانی دِلّی

یوں تو دلّی دروازہ سے نکلتے ہی عمارتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہی لیکن جب تین میل مسافر رستہ طے کر لیتا ہی تو کچھ اور ہی کیفیت اُس کی آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہو جاتی ہی۔ ہم اسوقت اُس پُل پر کھڑے ہیں جو ہمایوں کے مقبرے سے تقریباً دو سو قدم اور حضرت سلطان جی کے مزار سے سو قدم کے فاصلہ پر ہی۔ یہ نہر کا پل ہی لیکن آجکل نہر بھی اس اُجڑے دیار کے غم میں آنسو بہاتے بہاتے خشک ہو گئی ہی۔ یہ مقام جس طرح پُرانی دہلی کا وسط ہی اُسی طرح کہنہ اور قدیمی یادگاروں کا صدر ہی۔

ہماری آنکھوں کے سامنے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کا مزار ہی جس سے قدمبوس ہونا ضروری ہی۔ چنانچہ ہم سب کے سب اول انہیں کے قدموں کو بوسہ دینے کی غرض سے روانہ ہوتے ہیں اور احاطہ میں پہونچتے ہی سب سے اول حضرت کے قدم لیے۔

چاروں طرف عمارات قدیمہ اپنی جانب کھینچتی ہیں۔ ایک کونہ میں جہان آرا کا مزار ہی جسنے تمام اپنی املاک حضرت کے قدموں پر نثار کر کے یہ جگہ حاصل کی ہی۔ یہ خاتون عالمگیر کی خواہر نیک اختر ہی جس کی لحد زمردین پر سبزہ ہمیشہ اپنی بہار دکھاتا رہتا ہی۔ سرہانے سنگ مرمر کی ایک لوح نصب ہے۔ جسپر سنگ موسیٰ کی پچہ کاری سے یہ وصیت کندہ ہی۔

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا

کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

اسی کے برابر دلی کا رنگیلا بادشاہ محمد شاہ معہ اپنی بیوی کے آرام کر رہا ہی۔ رنگیلے کی قبر اور قبر کا احاطہ دونو سنگ مرمر کے ہیں اور ہندوستانی صنعت کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ اس کے قریب شہزادہ جہانگیر بابر وغیرہ کی قبریں ہیں جو بلحاظ حُسن خوبی اپنی آپ ہی نظیر ہیں، احاطہ اور کیواڑیاں کے بھی سنگ مرمر کے ہیں اور نہایت نفیس ہیں۔ سنگ مرمر کے پھول جو اس میں بنائے گئے ہیں ایسے عجیب اور قابل دید ہیں کہ سبحان اللہ انگریز لوگ اس نفاست اور گلکاری کو دیکھکر تعجب کرتے ہیں۔

اس احاطہ سے نکلکر دوسری طرف حضرت امیر خسرو طوطی ہند کا مزار ہی۔ گائڈ لوگ جب انگریزوں سے اس مزار کا تعارف کراتے ہیں تو ان کو باغ و بہار کا مصنف بتاتے ہیں۔ لیکن جہانتک میرا خیال ہی یہ بات کسی تاریخ سے ثابت نہیں۔ خسرو حقیقت میں خسرو ملک سخن تھے۔ ان کے شیرنی کلام کے متعلق ایک حکایت لکھی ہی۔

کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی آپکے پیر نے ایک روز جبکہ بیحد خوش تھے فرمایا خسرو کیا چاہتے ہو۔ امیر صاحب نے جواباً عرض کیا شیرنی کلام۔ حضرت کے سامنے ایک طباق پر از شکر رکھا ہوا تھا اُٹھا کر آپکے سر پر ڈالدیا جس سے تمام کپڑے وغیرہ پُر از شکر ہوگئے۔ حضرت نے فرمایا کہ خسرو! اب تم شکر بار ہوگئے۔ امیر صاحب اپنے پیر حضرت محبوب الٰہی کے عاشق زار تھے اور تمام مریدین میں انہیں کو یہ بات حاصل تھی کہ جب اور جس حالت

میں چاہتے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو سکتے تھے احاطہ مزار میں ہی آپ کے بھانجے جناب شمس الدین ماہرو کا مزار ہے جو بوجہ اپنی حسن و خوبی اور حسن صورت کے حضرت محبوب الٰہی کو بیحد عزیز تھے۔

حضرت امیر خسرو کے احاطہ کے سامنے ایک پوشیدہ مقام میں مولانا ضیاء الدین برنی (مصنف تاریخ فیروز شاہی) کا مزار ہے۔ جس سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ چونکہ میں بمبئی سے عمارات و مزارات دہلی کے متعلق ایک نہایت نادر کتاب اپنے ساتھ لیتی گئی تھی۔ اس لیے مجھے نہایت آسانی ہوئی۔ اگرچہ ان بزرگ کا نام غیر مشہور نہیں ہے لیکن قبر ایک ایسے کونہ میں واقع ہے کہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ یہ بھی حضرت سلطان الاولیا کے مریدین میں سے ایک مشہور مورخ گذرے ہیں۔ جن کی تاریخ دانی اور قابلیت کا اندازہ ان کی تاریخ فیروز شاہی سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ عجب نہیں کہ ان کی اور بھی تصانیف ہوں۔ لیکن ہماری نظر سے تاریخ فیروز شاہی کے سوا دوسری کتاب نہیں گذری۔ کاش اگر یہ بزرگ یورپ اور امریکہ جیسے مقام پر ہوتے تو زمانہ دیکھتا کہ کس طرح ان کا نام ہر فرد کی زبان پر ہوتا آج کوئی ان کی قبر سے بھی واقف نہیں۔

امیر خسرو کے احاطہ کے دائیں جانب خواجہ اقبال (جو حضرت سلطان الاولیا کے مقبول خادم تھے) آرام فرما رہے ہیں انہیں کی نسبت شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے نے اپنی نظم میں اشارہ کیا ہے۔

محو اظہار تمنائے دل ناکام ہوں
لاج رکھ لینا کہ میں اقبال کا ہمنام ہوں

حضرت سلطان المشائخ کی تاریخ وفات بھی مسجد کے صدر دروازہ میں کندہ ہے۔ یہ مسجد جس میں (بقول مشہور) ایک سونے کا کٹورہ بھی لٹک رہا ہے اصل میں حضرت محبوب الٰہی کے مدفن کا مقام تھا جو شاید غیاث الدین تغلق نے بنوایا تھا۔ یہ عمارت چھ سو برس کی بنی ہوئی ہے

دائیں بائیں درجے حضرت کے وصال کے بعد بنائے گئے ہیں۔ حضرت کا وقت وصال ہوا تو لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ میرے لیے آسمانی گنبد کافی ہی مجھے اس عالیشان عمارت کے نیچے دفن نہ کرنا۔ چنانچہ حسب وصیت حضرت کو اس مقام پر دفن کیا گیا جہاں موجودہ درگاہ ہی۔ پہلے یہاں کوئی عمارت نہ تھی۔ لیکن عقیدتمندوں نے حضرت کے وصال کے بعد اس مقام پر عمارتیں بنانی شروع کیں۔ حضرت کی تاریخ اس قطعہ کے مصرع رابع سے نکلتی ہی۔

نظام دو گیتی شہ ماوطیں — سراج دو عالم شدہ بالیقیں
چو تاریخ فوتش بجستم زغیب — ندا داد ہاتف شہنشاہ دیں

مادۂ تاریخی شہنشاہ دیں ہی۔ احاطہ کے باہر باوڑی ہی یہ بھی حضرت کے زمانہ کی عمارت ہی یہی وہ باوڑی ہی جس کی وجہ سے حضرت مخدوم نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کو چراغ دہلی کا روشن خطاب عطا ہوا تھا۔

اس مجبوبہ احاطہ سے نکلکر ہم اُس طرف کو جاتے ہیں جس طرف آجکل ریل کے آتے جاتے ایک مستطیل اور حد نظر تک جانے والی لوہے کی لین لگی ہوئی ہی یہاں بھی بے شمار عمارات شکستہ حالت میں پڑی ہوئی ہیں سب سے ذیادہ عبد الرحیم خان خاناں کے گنبد کی ہی جس نے اپنی زندگی میں نہ معلوم کتنے غربا اور محتاجوں کو فیض پہنچایا ہوگا۔ اس ہی شخص کی روح فریاد کرتی ہی لیکن کوئی اس کی آواز کو نہیں سنتا۔ افوہ کس قدر درد انگیز اور تکیف دہ منظر ہی آخر ہم سے اس دردناک کی کیفیت کو نہ دیکھا گیا۔ اور ہمارا قافلہ پھر اُسی پل پر پہنچ گیا۔ جہاں سب سے اول ہم نے ناظرین کو نگاہ بازی کی تکلیف دی تھی۔

ہمارے زنانے قافلہ کی راے ہوئی کہ ہمایوں کے مقبرہ کی طرف چلنا چاہیے، چنانچہ ہمارا گروہ کا گروہ اُسی طرف چلدیا۔ راستہ میں عیسیٰ خاں کا کوٹلہ پڑتا ہی جسکو ایک نظر دیکھنا ضروری ہی۔ صحن نہایت فراخ ہی اور چاروں طرف [illegible]

گورمنٹ کی جانب سے چند ملازم رکھے گئے ہیں۔ یہاں سے فاتحہ پڑھ کر نکلے تو سامنے ہمایوں کا مقبرہ معلوم ہو رہا تھا۔ اللہ اللہ کیا شاندار مقبرہ ہے۔ یہ وہی ہمایوں ہیں جن کے عہد میں میاں بھشتی جی کی بن آئی تھی۔ اور تین دن کے لیے چمڑے کا سکہ چل گیا تھا۔ آج اُن کی کس مپرسی کو دیکھ کر کس قدر صدمہ ہوتا ہے۔ نیچے کے درجے میں مختلف قسم کی پھلواریاں مع بے پانی حوض تر شا ہوا سبزہ اپنی بہار دکھا رہا ہے۔ دوسری منزل پر بادشاہی حرموں کی قبریں ہیں جو مقبرہ کے چاروں طرف بنی ہوئی ہیں۔ تیسرے درجے پر چڑھنے سے ہمارے زنانے قافلے میں عجب دل لگی ہوئی۔ کبھی اس قسم کی سیڑھیوں پر جیسی یہاں کی ہیں چڑھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ ہم سب کے سب ہانپنے لگیں اور میرا تو یہ حال ہو گیا کہ پسینہ پسینہ ہو گئی۔

اس درجے پر چڑھنے سے اس رفیع الشان عمارت کی دوسری حالت نمایاں ہوتی ہے۔ مرحوم دارا شکوہ کی قبر بھی یہیں ہے۔ قبریں تو اور بھی بہت ساری ہیں۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس کس کی ہیں۔ مقبرہ کے چار درجے ہیں پہلا درجہ سب سے نیچے ہے جو حقیقت میں تہ خانہ ہے۔ یہاں ہمایوں کی اصلی لحد ہے اوپر کی شان و شوکت سے قطع نظر ایک نہایت بھیانک مقام ہے جس میں اُس اولوالعزم بہادر بادشاہ کی خاک پڑی ہوئی ہے۔

یہاں بہت کم آدمی آتے ہیں۔ خصوصاً عورتوں کی ہمت ہرگز نہیں پڑتی۔ ہم تو سب کے سب ہمت باندھ کر لالٹین کی مدد سے گرتے پڑتے پہنچ ہی گئے۔ یہ جگہ اس قدر تاریک ہے کہ بلا روشنی کی امداد اور دو چار ہمراہیوں کے اندر جانے کی ہمت نہیں پڑتی۔ حسرت ناک اس قدر ہے کہ لفظوں کے ذریعہ سے خاکہ کھینچنا محال ہے۔

اللہ اللہ ایک زمانہ وہ ہو گا جبکہ بڑے بڑے شاہان عالم اور عالی قدر اُسکے سامنے گردن جھکا کر گذرتے ہوں گے اور آج وہ وقت ہے کہ کوئی اُس کی قبر پہ فاتحہ پڑھنے والا بھی نہیں۔

منظرِ گورِ غریباں ہے مقامِ حسرت　　بیکسی ہے کہیں نالاں کہیں گریاں عبرت

یہ منزل سب کو طے کرنی ہے۔

یہاں سے نکل کر ہمارا قافلہ پھر اُسی پل پر آگیا اور پچاس قدم کے فاصلہ کی عمارت چونسٹھ کھمبہ کی طرف چلنے لگے ہیں جہاں مرزا عزیز کوکلتاش کا مرقد ہے۔ اسی احاطہ میں ایک طرف شکستہ حالت میں مرزا غالب پڑے ہوئے ہیں، خدایا یہ لوگ کہاں گئے۔ ان کو کس طرح پہچانا جائے۔ دیکھنا ان کے مزار کے تکیہ پر کیا لکھا ہے۔

رشک عرفی و فخر طالب مُرد
اسد اللہ خان غالب مُرد

کاش اگر اہل فن اس طرف توجہ کریں تو ان کی یہ شکستہ حالت نہ رہے۔ میر مہدی علی مجروح ان کے شاگرد رشید نے بھی فقط ایک قطعہ کندہ کرا کر ٹال دیا ہے۔ قطعہ کے مصرع چہارم سے تاریخ انتقال نکلتی ہے۔

کل میں غم و اندوہ میں با خاطر محزوں ۔۔۔ تھا تربت اُستاد پہ بیٹھا ہوا غمناک
دیکھا جو مجھے فکر میں تاریخ کے مجروح ۔۔۔ ہاتف نے کہا گنج معانی ہے تہ خاک

ہندوستان کے شکسپیر غالب تو سب پر غالب تھا اُردو جس قدر تیری خدمات کا شکریہ ادا کرے کم ہے۔ ضرورت ہے کہ تو پھر ایک مرتبہ زندہ ہو اور زبان اُردو کی کاکلوں کو جو پریشان ہوگئی ہیں صحیح استعارات کے باریک کنگھے سے سُلجھا کر درست کر دے۔

مرزا غالب کی ابتدا اور انتہا دونوں ظاہری حالتیں یکساں رہیں۔ افسوس جیسی اُنکی قدر ہونی چاہیے تھی ویسی نہ حالت حیات میں اور نہ بعد مرگ اُن کی قدر ہوئی۔ آج یہ نامور شخص ایسی حالت میں پڑا ہوا ہے کہ کوئی اُس طرف فاتحہ پڑھنے کے ارادے سے بھی نہیں جاتا۔

خدا کرے قوم میں احساس پیدا ہو اور جس طرح کوشش کرکے قبر ذوق کی درستی کرادی گئی ہے (ملک الشعرا اُستاد ذوق کی قبر جدید دہلی یعنی شاہ جہاں آباد سے تقریباً

دو میل کے فاصلہ پر جانب غرب نبی کریم میں جو اب قدم شریف کے نام سے مشہور ہی موجود ہے
جو حال ہی میں درست کرائی گئی ہے) اسی طرح اس نشانی کو بھی اس قابل بنا دیا جائے کہ کچھ
دنوں دستبرد زمانہ سے محفوظ رہے۔ ورنہ اندیشہ ہی کہ کہیں یہ مٹی کا ڈھیر معدوم نہ ہو جائے
اور ہم اس قابل یادگار کو کھو بیٹھیں۔

یہاں سے واپس آکر پھر ہمارا قافلہ اُسی پل پر آگیا ہی ہمارے نظر کے سامنے تقریباً سو قدم
کے فاصلہ پر منصور کا مقبرہ ہی جو سفید انڈے کی مثل چمک رہا ہی۔ یہاں سے جہانتک نظر
کام کرتی ہی عمارات کا سلسلہ چلا گیا ہی۔ آہ ان مکانوں کے مکین کہاں گئے۔

دلی خاک پاک دلی تو کبھی کوئی چیز تھی لیکن آج مرقع عبرت و حسرت ہی جسکو دیکھکر ہر ایک
اہل دل آنسو بہاتا ہی ذرا آنکھیں بند کیجیے دیکھیے تو کیا سماں نظر آتا ہی۔ دورویہ بازار آراستہ ہیں
کٹورا کھنک رہا ہی۔ امیرزادے شہزادے اپنی اپنی سواریوں پر معہ خاص گارڈ کے چاندنی
سیر کناں پھر رہے ہیں۔

ناگاہ ہٹو بچو کی آواز آتی ہی ذرا نظر اُٹھانا۔ آہا ظل سبحانی کی سواری کی آمد ہی۔ سب
اول خواجہ سرا زرق برق وردیوں سے سجے ہوئے نکلے۔ نقیب چوبدار علم بردار ا
اپنے قاعدہ سے الگ صف بستہ پَرے جمائے ہوئے چل رہے ہیں۔ ظل سبحانی ایک
میانہ میں رونق افروز ہیں۔ کہار جگمگ جگمگ کرتی ہوئی وردی سے سجے ہوئے ہیں
ہر کہار کے سانس کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نکل رہا ہی۔ واہ واہ کیا نورا
صورت ہی۔ سر پر مغلئی عمامہ سفید نورانی ڈاڑھی۔ آناً فاناً سواری نکل گئی۔ اس منظر کا
خیال میں دیکھنا تھا کہ چیخ نکل گئی۔ آنکھ کھولکر دیکھا تو وہی موکا مقام سامنے حضرت محبوب الٰہی کا مزار
ہمایوں کا مقبرہ دل گھبرانے لگا اور میں معہ اپنی سہیلیوں کے اپنی فرودگاہ پر واپس آگئی۔

راقمہ مس زیبا ساکن متھرا
مقیم بمبئی

مسلمان مستورات کا موجودہ حال

دنیا میں خدا نے طرح طرح کی مخلوق کو پیدا کیا اور سب کا جدا جدا حق مقرر کیا۔ انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور عقل و دانش سے مزین اور علم سے آراستہ کیا۔ اگر انسان محض ایک علم ہی سے بے بہرہ رہتا تو سب سے زیادہ اچھی بات جو دنیا کے لیے زیب اور فرض ہے اُسی کو بھول جاتا یعنی اپنے خالق ہی کو نہیں پہچان سکتا۔ بغیر علم کے خدا کی خدائی اور بندہ کی بندگی دل پر نہیں کھلتی۔ جو بندہ خدا کی وحدانیت اور قدوسیت خدائی اور رزاقی کو نہ جانے گا۔ وہ اور کیا جانیگا کہ مجھے اُس کی عبادت کرنی واجب ہے یا نہیں اور ہے تو کس واسطے ہے۔ جو شخص یہ بھی نہ جانے کہ ہمارا کوئی پیدا کرنے والا ہے یا نہیں اور اگر ہے تو وہ کیسا ہے کیا خوبیاں اُس میں ہونی چاہیے اور کیا کیا برائیاں ہیں کہ اس میں نہ ہونی چاہیے پھر وہ اُس کی عبادت کا طریقہ کیا جانیگا۔ مختصر یہ کہ مصرع

کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

آج دنیا کی ترقی محض علم کی بدولت ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ علم کی ترقی کسی فرقہ اور کسی مذہب اور کسی ملک میں محض ایک جماعت سے نہیں ہوئی۔ تواریخ کے صفحے شاہد ہیں کہ جب ترقی ہوئی تو اُس وقت مرد اور عورتوں دونوں نے تعلیم حاصل کی۔

سب سے پہلے عرب کو لیجیے کہ جب عرب میں علم کا چرچا تھا۔ جب عرب علم کے زیور سے آراستہ تھا۔ جب عرب نے تمام فنون میں سب سے بہتر ترقی کی اور محض ترقی ہی نہیں کی بلکہ ساری دنیا سے اپنی ترقی کا اقرار کرا لیا۔ وہ وہ وقت تھا جبکہ عرب کی عورتوں میں اتنا علم تھا کہ بچہ ماں کی گود ہی میں معمولی کتابوں کی تعلیم پا چکتا تھا۔ اگر ان تمام باتوں کو علیحدہ بھی کر دیجیے اور اسوقت کی حالت پر غور کیجیے دنیا کے راستہ کو ملاحظہ فرمائیے تو یہ مطلب صاف ہو جاتا ہے

یہ مسلّطے شدہ ہی کہ آج انگریزوں سے زیادہ ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ کوئی قوم دنیا میں نہیں ہی۔ ان میں بھی عورتوں کی جماعت نہ صرف تعلیم یافتہ بلکہ ڈگری یافتہ ہوا کرتی ہیں۔ دیکھیے ولایت انگریزی سے جو چیزیں بن کر آتی ہیں اگر دو پیسہ کی ریل یعنی تاگوں کی پھرکی یا سوئی کی پڑیا ہوتی ہی تو اُسے بھی اس خوبصورتی اور صفائی سے بناتے ہیں کہ یہاں اُن پر آنہ اور روپیہ خرچ کریں جب تیار ہو۔ اس کا سبب فقط یہی ہی کہ اس کام کے کرنے والے سب پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔ پس اسی طرح اگر یہاں بھی علم کی روشنی ہوجائے تو پھر رونا کاہیکا رہے۔

بچوں کے شروع کا زمانہ ماؤں کی گود میں گذرتا ہی اور اُن کی تعلیم جو اُس وقت میں ہوتی ہے وہ ایسی ہی ہوتی ہی اور اسکا اتنا ہی اثر ہوتا ہی جیسے چینی کے برتن پر چین کے رنگ کا اثر۔ یا یوں کہیے کہ بچپن میں بچوں کی طبیعت نرم اور دل مثل گلاسے ہوئے کندن کے ہوتے ہیں۔ اُسوقت جیسی اُن کی تعلیم اور تربیت ہوتی ہی ویسی ہی اُس کی تاثیر ہوتی ہی۔

یہ بات میرے سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر دنیا کے ایک خاص حصہ یعنی ہندوستان میں اور اس میں بھی ایک مخصوص فرقہ یعنی مسلمانوں میں اور اُس میں بھی ایک عورتوں کی جماعت علم سے کیوں محروم رکھی جاتی ہی۔

پھر خیال فرمایئے کہ جن ماں باپ کی اولاد لڑکا۔ انہیں کی اولاد لڑکی۔ جیسے ناک، کان ہوش و حواس اُسکے ویسے ہی۔ پھر اس کے کیا معنی کہ لڑکا تو پڑھے لکھے اور لڑکی اَن پڑھ رہے۔ مگر وقت یہ ہی کہ اس بیچاری کے حال پر توجہ ہوتی ہی نہیں۔ مجھے اس وقت ایک قصہ کا لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہی۔ بعد کو یہ بھی ضرور دکھلادوں گی کہ عورتوں کی جہالت کا کیا اثر ہی اور اُس سے کیا نقصان ہوتا ہے۔

میرے ایک دوست نے مجھ سے یہ قصہ بیان کیا اور سچ تو یہ ہی کہ میں اُسے سُنکر بیتاب ہوگئی وہ یہ ہی کہ اُن کے والدین کو اجمیر کا سفر پیش آیا یا یوں کہو کہ اجمیر شریف کے عُرس کی شرکت کا شوق دامنگیر ہوا۔ یہانتک تو مضائقہ نہ تھا۔ مگر طرفہ یہ کہ اپنی بیوی کو بھی تنگ کیا بلکہ حکم دیا

کہ ہمراہ چلو۔ شرم کا برا ہو زبان سے کچھ نہ نکلا اور ساتھ ہوتے ہی بن پڑا۔

سب سے پہلی جو مصیبت اُس بیچاری کو اُٹھانی پڑی وہ سفر کی تھی۔ کیونکہ ہمارے یہاں خیر سے برقع کا زیادہ رسم و رواج ہی نہیں۔ اگر مجھ سے اس کا ذکر پہلے یا ہوتا تو شاید میں دہلی کے برقع کو ضرور صلاح دیکر منگوا دیا ہوتا۔ مگر یہ بات اُسوقت معلوم ہوئی جب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ بہرحال لوگ روانہ ہوئے۔

کس وقت سے لوگ اجمیر پہونچے۔ اب زیارت کرنا نہایت ضروری بلکہ فرض۔ سب لوگ گئے مگر اُس بیوی کا بیان ہے کہ میرا قدم محض ایک خیال سے باہر نہ نکلتا تھا وہ یہ کہ میں سوچتی تھی کہ آخر لاکھوں آدمی اور مردوں کے درمیان سے گذر کر زیارت کرنا یہ عورتوں و کس شرع سے اجازت ملی ہے۔ میرے ساتھ کی اور عورتیں تو گئیں مگر میں نے اسے خلاف شرع خیال کر کے پرہیز کیا۔

مگر بالآخر یہ سوچا کہ یہاں آکر بغیر کچھ دیکھے ہوئے ہی لوٹ جانا نہایت حماقت ہوگی لہذا ایک روز رات کو جب لوگ سوگئے تو کسی طرح نکلکر نزدیک دور سے کچھ دیکھ لیا۔ اور پھر واپس آئی مگر سوچتی یہ تھی کہ آخر یہ عورتیں پردہ نشین یہاں کیسے آتی ہیں اور وہ مرد جوان کو اس لاکھوں مردوں کی جماعت میں لاکر زیارت کراتے ہیں، کیسے ہوتے ہیں۔

مجھے نہایت افسوس معلوم ہوا اور مکان واپس آکر اب یہ ڈھونڈھنا شروع کیا کہ شاید کسی کتاب میں اسکا حکم ہو مگر بہت ساری کتابیں دیکھیں اور تلاش کیں مگر یہ مسئلہ نظر سے گذرا ہی نہیں۔ اگر میری بہنوں میں سے کسی کو معلوم ہو تو لکھکر مجھے سرفراز کریں۔ میں بیحد ممنون بے انتہا مشکور بے غایت خوشنود ہونگی۔

عورتوں کی جہالت سے خرابی یہ ہے کہ رسم و رواج کی اس درجہ پابند ہیں کہ رسم و رواج کی کسی بات کو چھوڑنا گویا نعوذ باللہ ایسا ہی کہ خدا اور رسول کے کسی حکم سے سرتابی کرنا۔ اب اگر کوئی شوہر تعلیم یافتہ بھی ہے تو مجال نہیں کہ رسم و رواج کی کسی بات کو بھی اُٹھا سکے کیونکہ

بیگم صاحبہ اندر سے آفت ڈہائیں اور خاصی قیامت برپا کریں۔ اسکا اثر یہ ہوتا ہی کہ چاہے کتنی ثروت ہو سب تھوڑے ہی دنوں میں یا تو برابر ہوجاتی سب یا باوجود آمدنی کے بھی ہمیشہ بدسلیقگی سے تکلیف اور تردد ہی میں بسر ہوتی ہی۔ اور برعکس اس کے اگر کسی گھر میں شاذونادر کوئی عورت تعلیم یافتہ ہوتی ہی تو وہ علاوہ رسم ورواج ترک کرنے کے ہمیشہ سوچتی رہتی ہی کہ کیا ایسی ترکیب کروں جس سے نہ صرف میرا گھر بلکہ بستی کے گھروں میں علم کی روشنی پہونچے اور تاریک خیالی اور اُس کے ساتھ گھر کی پریشانی دور ہو۔

خدا سے دعا ہی کہ علی گڈہ کے مدرسہ تعلیم نسواں کو ترقی ہو اور وہاں دور دور سے لڑکیاں اُسی طرح جائیں جیسے دور دراز کے لڑکے کالج میں بغرض تحصیل علم آتے ہیں۔ وہاں کا مدرسہ تعلیم نسواں بھی اُسی طرح ترقی اور شہرت پکڑے جیسے کالج۔ اور عورتوں میں علم کی روشنی اُسی طرح پھیلے۔ جیسے کالج کی بدولت آج مسلمان مردوں میں ایک خاص جماعت تعلیم یافتہ نظر آنے لگی ہی۔ آمین۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

راقمہ
دبیر بیگم از پٹیالہ

ہر دو مکان کا فوٹو اور تعلیم نسواں

ناظرین آج آپ کے آگے دو تصویریں پیش کرتی ہوں۔ ایک تو یہ مکان ہے جس کی دیواریں اس قدر اونچی ہیں کہ ہوا کا گذر بہت مشکل سے ہوتا ہی اور اندر مکان کے تمام اسباب نہایت بے ترتیبی کے ساتھ بھرا ہوا ہی۔ ہر ایک کونہ میں بہت سا کوڑا نظر آرہا ہی۔ قدمچے رستہ ہی میں لڑکوں کے واسطے بنے ہیں۔ جہاں سے اس قدر بو آرہی ہی کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ ایک طرف کچھ کھلے ہوے برتن پانی کے رکھے ہیں جو شاید کئی مہینے سے تبدیل

نہیں کیے گئے۔ یہانتک کہ اب وہ بالکل سیاہی مائل ہوگئے ہیں جنکے دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔

نیز ایک طرف کچھ بچے کھیل رہے ہیں ہاتھ پاؤں میں زیور تو ضرور پہنے ہوئے ہیں مگر بدن پر ایک رومال تک نہیں بالکل ننگے کھیل رہے ہیں اور اماں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی ہیں۔ اور بدن پر ایک ایک انچ کے قریب میل ہی اور بدبو اس قدر آتی ہے کہ پاس جانے کو کیا بلکہ دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ اور ہر دو کے اوپر اس قدر مکھیاں ہیں کہ جنکا کچھ بیان نہیں اور وہ بیماری کو بلاتی ہیں کہ آؤ یہ تمھارے واسطے اچھا موقع ہی جلدی آؤ۔

گھر میں کچھ اور بھی مستورات جمع ہیں ایک تو کڑاہی سے پوچھ رہے ہیں بیٹھی ہی اسکو آئیوالے تہوار کی فکر پڑ رہی ہے۔ اور تمام گھر میں دھواں ہو رہا ہے مگر وہ اللہ کی بندی بالکل نہیں گھبراتی دیکھیے کہ دوسری کیا کرتی ہیں۔

اچھا ناظرین اب سنو یہ کیا کرتی ہیں ایک گوبر کی ڈلیا آگے رکھے ہوئے ہی گھر لیپنے کی پڑی ہوئی ہی کہ مٹی تیار ہوجائے تو میں کام میں مصروف ہوجاؤں اسیطرح تمام اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔

اگر خدانخواستہ کسی بچے کی طبیعت بیمار ہوگئی تو ماں کو پورا یقین ہوگیا کہ کسی کی نظر ہے یا کوئی آسیب سر پہ سوار آیا ہی۔ اور جھاڑنا پھونکنا اور ملاں بلانے شروع ہوگئے۔ ڈاکٹر کا تو نام تک نہیں لیا جاتا صرف جہالت کی بات ہی۔ اگر کوئی خواندہ صورت ہوتی تو فوراً ڈاکٹر بلایا جاتا۔ آخر بچہ بیچارا جان ہی دیگیا اور دنیا سے چل بسا۔ اور بچوں کی ایسی بری عادت کہ اگر کوئی سر پٹک جائے مگر وہ نہ بولیں۔ ایک چپ اختیار کرلی ہی۔ ایسی عادت والدہ اور والد نے سکھائی۔

اچھا پیاری بہنو اب تم کو دوسرا فوٹو دکھایا جائے۔

ایک اور مکان ہی ہم پھرتے پھرتے اُدھر جا نکلے کیا دیکھتے ہیں کہ اس مکان

کے آگے کچھ تو سبز گملے رکھے ہوئے ہیں تھوڑا سا باغ بھی ہے ۔ ہم کو شبہ گذرتا ہے کہ یہ کسی یورپین لیڈی کا مکان ہے یا عیسائن کا۔

آگے جب ہم گئے تو ہمارا قدم باغ میں گذرا تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ بچے کھیل رہے ہیں جو نہایت پیارے اور بھولے ہیں اور صاف ستھرے ہیں۔ خود بخود دل چاہتا ہے کہ گود میں اٹھالیا جائے۔

نہایت خوبصورت اور عمدہ سفید پوشاکیں پہنے ہوئے کھیل کود رہے ہیں۔ آسمان پر ابر ہے جس کی وجہ سے یہ بچے بہت ہی پیارے اور بھلے معلوم ہوتے ہیں ہم کو دیکھتے ہی سلام کیا اور ہاتھ ملایا ہمارا دل نہایت خوش ہوا۔ ہر طرف سے تازی ہوا آتی ہے کسی جگہ سے رکاوٹ نہیں ہے اندر مکان کے نہایت صفائی سے ہر چیز اپنی اپنی جگہ پر چنی ہوئی سلیقہ سے نظر آتی ہے۔

اندر کمرے کے کچھ لیڈیاں بھی ہیں۔ کچھ تو عمدہ کپڑے رکھے ہوئے سینے میں مشغول ہیں اور ایک الگ بیٹھی ہوئی ہے کہ جسکو اپنی کتاب کے مطالعہ کرنے کی وجہ سے آنکھ اٹھانے کی فرصت نہیں۔ ایک اپنے بچے کو تعلیم دے رہی ہے۔ لڑکیاں صبح سے اٹھکر اپنے مدرسہ کی تیاریاں کر رہی ہیں۔ اور سب بچے نہایت ہی تندرست نظر آتے ہیں اور بشاش وچالاک ہیں۔

مگر دوسری بیگم کے بچے دیکھو جسکا ہم پہلے فوٹو دکھا چکے ہیں ہمیشہ بیمار اور بری عادت بالکل بدتمیز گذرے ہیں۔ ان لیڈیوں کے بچے ایسے ہوشیار کہ دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔

ناظرین! آپ کے سامنے دونوں فوٹو پیش کر دیے ہیں آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ایک تو آپ کے ہندوستانی بھائیوں کے مکان کی حالت ہے۔ اور دوسری اہل یورپ کے مکان کی ہے۔

اب میں آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ جو ایک مکان کی یہ کیفیت اور دوسرے میں یہ مصیبت۔ اس کی وجہ سوائے علم کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

ایک مکان کی لیڈیاں تعلیم یافتہ ہیں۔ دوسرے کی بیگم بالکل جاہل ہیں اور اُن کے خیالات بھی جاہلانہ ہیں۔ جو لیڈیاں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ اُن کے خیالات بھی اعلیٰ درجہ کے اور نہایت وسیع ہیں۔

میری معزز بہنو! و بھائیو! اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم تعلیم سے محروم رکھے جاتے ہیں کیا ہماری قسمت میں تعلیم نہیں ہے۔ افسوس جس طرح لڑکوں کے لیے کوشش کیجاتی ہے اسی طرح ہمارے لیے بھی کوشش کیجائے تو کیا اچھا ہو اور ہم آپ کو نہایت خوش نصیب سمجھیں۔

تاہم شکریہ ادا کرتے ہیں کہ رسالہ تہذیب نسواں اور رسالہ خاتون اور عصمت کی وجہ سے ہم بھی کچھ قلم سے تحریر کر لیتے ہیں۔ خدا ان رسالوں میں برکت دے آمین ثم آمین۔

اب مضمون طویل ہو گیا ہے اس لیے اجازت چاہتی ہوں۔ اگر خدا لایا تو پھر ملیں گے۔ خدا حافظ۔

تعلیم کی بابت یہ کہنا چاہیے۔ ؎

حسن اور عقل یہ دونوں ہی خدا دیتا ہے
علم زیور ہے وہ دونوں کو جلا دیتا ہے

راقمہ
مسز زماں مہدی خاں

بقیہ شاہ لیر

(ایکٹ دوسرا)

(شہزادہ گلاسٹر کے قلعے میں ایک مکان)
ایڈمنڈ اور کیورن اسٹیج پر آتے ہیں

ایڈمنڈ۔ آئیے کیورن صاحب! مزاج شریف۔

کیورن۔ تسلیمات عرض آپکے مزاج شریف کیسے ہیں۔ میں نے ابھی آپکے والد صاحب کو اطلاع دی ہے کہ شہزادہ کارنوال اور شہزادی رنگین اُن کی بیگم صاحبہ آج شب کو یہاں پہونچینگے۔

ایڈمنڈ۔ اسوقت انکے آنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہی؟

کیورن۔ مجھے تو کچھ معلوم نہیں آپنے ہی تو افواہا کچھ نہ کچھ سنا ہوگا۔ میرا مطلب اُس افواہ سے ہی۔ جواب تک لوگ کھُل کر زبان پر نہیں لاتے اور جس کی بابت صرف کانا پھونسی ہوتی ہی۔

ایڈمنڈ۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں سُنا۔ مہربانی سے بتلائیے توسہی کیا بات ہی۔

کیورن۔ کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ شہزادہ کارنوال اور شہزادہ البنی میں جنگ چھڑنے کا اندیشہ ہی۔

ایڈمنڈ۔ میں نے تو ایک لفظ بھی نہیں سُنا۔

کیورن۔ خیر آپ کو رفتہ رفتہ معلوم ہوجائیگا۔ خدا حافظ اس وقت تو میں جاتا ہوں۔

(کیورن چلا جاتا ہے)

ایڈمنڈ (آپ ہی آپ) ہاں تو آج شب کو شہزادہ کارنوال بھی آنے والے ہیں! اچھا ہوا بہت اچھا ہوا۔ یہ سب سامان خود بخود میرے حق میں اچھے پیدا ہو رہے ہیں۔ میرے باپ نے

میرے بھائی کی گرفتاری کے لیے پہرے دار مقرر کیے ہیں۔ تو میرا معاملہ بہت ہی نازک ہے لیکن اب اسکا انجام دینا بھی لازمی ہو گیا ہے۔ امید ہے کہ میری قسمت بڑی سرعت سے میری مدد کریگی۔ بھائی صاحب تو مجھے صرف ایک لفظ عرض کرنا ہے کہ آپ اپنی جگہ سے سرکیے

بھائی صاحب میں کیا کہہ رہا ہوں؟

(اتنے میں ایڈگر سامنے سے آتا ہے)

بھائی صاحب یہاں سے بھاگئے! والد صاحب آپ کی تاک میں لگ رہے ہیں اُن سے کسی نے کہدیا ہے کہ آپ یہاں چھپ رہے ہیں۔ اب اسوقت اندھیرا ہے آپ آسانی سے بھاگ سکتے ہیں۔ کیا آپنے شہزادہ کارنوال کے خلاف کوئی بات تو نہیں کہی وہ آج شب کو ریگن کے ہمراہ یہاں پہونچینگے۔ ذرا یاد تو کرو تم نے شہزادہ البنی کی جانب داری میں اُنکے خلاف کوئی بات تو نہیں کہی۔

ایڈگر۔ مجھے اسکا یقین ہے کہ میں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

ایڈمنڈ۔ اب معاف کیجیے۔ میرے والد صاحب آ رہے ہیں۔ دکھاوے کے لیے تلوار کھینچکر مقابلہ کرتا ہوں۔ ا۔ ظاہرا تم بھی مقابلہ کرو (شور مچاتا ہے) پکڑ لیا۔ پکڑ لیا! آؤ میں تم کو والد صاحب کے پاس لیے چلتا ہوں۔ ارے کوئی روشنی تو لاؤ۔ ادھر۔ اُدھر (آہستہ سے) ایڈگر بھاگ جاؤ۔ بھائی بھاگ جاؤ (زور سے) ارے روشنی لاؤ آپ جائیے خدا حافظ

(ایڈگر چلا جاتا ہے)

میں ذرا سا خون تو اس تلوار سے اپنے جسم میں سے نکال لوں! تاکہ معلوم ہو کہ میں نے ایک سخت مہم فتح کی ہے۔ یہ تو ذرا سا خون ہے۔ شرابیوں کو میں نے دیکھا ہے اس سے زیادہ خون نکالتے ہیں شور مچاتا ہے، حضور والد صاحب والد صاحب، ارے پکڑیو پکڑیو۔ کیا کوئی بھی میری مدد کو آتا ہے

(گلاسٹر معہ نوکروں کے اور مشعل کے ہیچ پر آتا ہے)

گلاسٹر۔ کیوں ایڈمنڈ وہ ناخلف مردود پاجی کہاں ہے۔

ایڈمنڈ۔ حضور ابھی وہ اندھیرے میں کھڑا تھا ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی اور کچھ پڑھ پڑھ کر چاندی کے دیوتا کو اپنی مدد کے لیے آمادہ کر رہا تھا (یعنی جادو کر رہا تھا)

گلاسٹر۔ ابھی بتاتے کیوں نہیں کہ وہ کہاں ہے۔

ایڈمنڈ۔ صاحب یہ دیکھیے میں آپ خون میں لت پت ہوں۔

گلاسٹر۔ ایڈمنڈ تم بتاتے کیوں نہیں کہ وہ پاجی کہاں گیا۔

ایڈمنڈ۔ حضور اس راستے سے بھاگ کر گیا ہے جبکہ وہ کسی طرح مجکو....

گلاسٹر (بات کاٹکر) ارے دوڑیو اسکے پیچھے (نوکر پیچھے بھاگتے ہیں) تم نے یہ کیا کہا کہ جبکہ وہ کسی طرح مجکو....

ایڈمنڈ۔ یعنی جب کسی طرح بھی حضور کے قتل کرنے پر مجکو آمادہ نہ کرسکا تو وہ بھاگ گیا اور میں نے اسکے جواب میں کہا تھا کہ اپنے ماں باپ کے قاتلوں پر خدا کا قہر نازل ہوگا۔ ان پر آسمانی گولہ گریگا۔ میں نے اسکو یہ بھی سمجھا دیا کہ اولاد کے کیا کیا فرائض ہیں اور اپنے والد کا اسکو کس درجہ ممنون ہونا چاہیے آخرکار جب اسنے دیکھا کہ میں کسقدر اُسکے مکروہ اور غیر فطری ارادہ کے مخالف ہوں تو اسنے یکایک اپنی برہنہ شمشیر سے ایسی حالت میں کہ میں حملہ روکنے کے لیے تیار نہ تھا وار کیا اور میرے بازو کو زخمی کیا لیکن یا تو اسنے یہ دیکھکر کہ میں اپنے آپکو حق بجانب سمجھ کر لڑنے مرنے کو طیار ہوں یا شور کی وجہ سے جو میں نے برپا کیا تھا فوراً بھاگ گیا

گلاسٹر اچھا جو وہ بھاگا ہے تو اُسکو دنیا کے اس سرے تک بھاگنا چاہیے کیونکہ اس ملک میں اگر کہیں بھی ہوگا تو بلا گرفتار ہوئے نہیں رہے گا جہاں وہ ملے گا وہیں اسکا کام تمام کیا جائیگا آج میرے معزز آقا اور قابل سردار محسن شاہزادہ کارنوال آرہے ہیں ان کے حکم سے آج منادی کرائی جائے گی کہ جو کوئی ایڈگر کو ڈھونڈ کر لائیگا تاکہ اس ظالم قاتل کو سولی پر لٹکایا جائے تو وہ شخص ہمارے شکریہ کا مستحق ہوگا لیکن جو اسکو پناہ دیگا وہ قتل کیا جائیگا۔

ایڈمنڈ۔ حضور جب میں نے اُسکو ظالمانہ ارادہ سے باز رکھنا چاہا اور دیکھا کہ وہ بجائے باز رہنے کے اُلٹا حضور کے قتل پر آمادہ ہی تو میں نے اسکو دھمکایا کہ تیرا راز فاش کر دوں گا تو اُس نے جواب دیا کہ او بدذات چھوٹے کھوٹے کیا تمہارا خیال ہی کہ اگر میں واقعی انکار کردونگا تو ہزار تم کو کوئی معتبر اور نیک جانتا ہو۔ لیکن میرے مقابل میں تمہاری بات کا اعتبار کبھی نہ کریگا۔ جس بات سے میں انکار کروں جیسے کہ میں اس خاص معاملہ میں ضرور انکار کرونگا تو خواہ تم میرے خاص ہاتھ کا لکھا ہوا بھی پیش کرو تو کوئی یقین نہ کریگا۔ میں سب الزام تمہارے سر تھوپوں گا اور یہ ثابت کر دوں گا کہ تمہاری سازش و بدمعاشی سے سب کچھ ہوا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا بھر تم کو بیوقوف بنائے گی۔ اس بات کا سب کو یقین ہوگا کہ میرے مرنے سے تم کو فائدہ ہی۔ اس وجہ سے تم نے میرے خلاف سازش کی ہی۔ اور میری بات کا سب کو یقین ہوجائیگا۔

گلاسٹر۔ کس درجہ سخت دل اور پکا بدمعاش ہے۔ کیا وہ اپنے خط سے بھی انکار کریگا، وہ میری اولاد نہیں ہی۔ مجھے معلوم نہیں کہ شہزادہ کارنوال صاحب کیوں آرہے ہیں۔ میں تمام بندرگاہوں پر پہرے بٹھا دونگا تاکہ وہ بدمعاش بھاگ نہ جائے۔ مجھے امید ہی کہ شہزادہ کارنوال اسکا انتظام کر دینگے۔ علاوہ اسکے میں اس کی تصویر ہر جگہ بھیجکر تشہیر کراؤنگا تاکہ ہر شخص اُس کی شکل سے واقف ہوجائے اور جہاں موقع ملے اُسکو پکڑلائے۔ اور میری جائداد کی نسبت امید ہے کہ میں انتظام کر سکونگا کہ سب تم کو ملجائے کیونکہ تم میرے وفادار عزیز بچے ہو۔

(شہزادہ کارنوال معہ ریگن اور اپنے ہمراہیوں کے اسٹیج پر آتے ہیں)

کارنوال۔ میں نے یہاں آکر آپ کے اور آپ کے بیٹے کے درمیان جھگڑے کی عجیب باتیں سُنی ہیں۔

ریگن۔ اگر یہ خبر جو میں نے سنی ہی بالکل ٹھیک ہو تو آپکے بیٹے کے لیے دنیا میں سخت سے سخت سزا بھی کافی نہوگی۔

گلاسٹر۔ حضور بیگم صاحبہ! مجھ بڈھے بدنصیب کا دل پاش پاش ہو گیا۔
ریگن۔ کیا وہ تمہارا ایڈگر جسکو میرے باپ نے یہ نام عطا کیا تھا۔ وہ تمہاری جان کا خواہاں ہے۔
گلاسٹر۔ حضور بیگم صاحبہ۔ میں اس معاملہ میں اس قدر شرمندہ ہوں کہ خدا کرتا کہ یہ راز فاش نہ ہوتا۔
ریگن۔ کیا کہیں وہ میرے باپ کے اُن ہمراہیوں میں تو نہیں مل گیا جو اس قدر شور برپا کر رہے ہیں۔
گلاسٹر۔ اس کی تو مجھے اطلاع نہیں ملی۔ لیکن یہ معاملہ سخت افسوس اور رنج کے قابل ہے۔
ایڈمنڈ۔ ہاں حضور بیگم صاحبہ یہ سچ ہے وہ ان ہی لوگوں میں سے ہے۔
ریگن۔ تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ ایڈگر نے ایسے شرمناک کام پر کمر باندھی ہے۔ یہ میرے باپ کے ہمراہی ہیں جنہوں نے اُسے تمہارے قتل پر آمادہ کیا ہے۔ تاکہ تمہاری جائداد کی آمدنی سب ملکر اڑائیں۔ مجھے اپنی بہن کا آج ہی خط ملا ہے جس میں اُن لوگوں کے حالات مجھ کو پوری اطلاع دی ہے اور ہدایت کی ہے کہ اگر میرے والد معہ اپنے بدمعاش ہمراہیوں کے میرے ہاں آئیں تو مجکو ان کے آنے سے پہلے اپنے گھر سے غیر حاضر ہو جانا چاہیے۔
کارنوال۔ ریگن مجھے بھی یقین ہے کہ انہیں لوگوں نے ایڈگر کو آمادہ کیا ہوگا۔ ایڈمنڈ میں نے سُنا ہے کہ تم نے اپنے والد صاحب کی خدمت کا پورا حق ادا کیا ہے۔
ایڈمنڈ۔ حضور جو کچھ میں نے کیا اپنا فرض ادا کیا۔
گلاسٹر۔ اسی میرے بچہ نے تو اس کی بدمعاشی کا راز مجھ پر ظاہر کیا۔ اور اسکے گرفتار کرنے میں دیکھیے اسکے زخم لگا ہے۔
کارنوال۔ کوئی اسکو پکڑنے کے لیے بھی گیا ہے۔
گلاسٹر۔ حضور لوگوں کو بھیجا ہے۔

کارنوال - اگر وہ گرفتار ہوکر آیا تو پھر اس قابل نہ چھوڑا جائیگا کہ کسی کو نقصان پہنچائے تم اپنے ارادہ کو مضبوط کرلو اور اس کے بعد تم جس طرف سے چاہو میرے اختیارات مطلب براری کر سکتے ہو۔ ایڈمنڈ تم سے جو اس موقع پر فرماں برداری اور نیکی ظہور میں آئی ہی ہم اس سے بہت خوش ہوئے۔ اور تم کو ہم اپنے پاس رکھیں گے۔ ایسے وفادار اور معتبر لوگوں کی ہم کو بہت ضرورت ہے۔ اور سب سے پہلے ہم ایڈمنڈ ہی کو بھرتی کرتے ہیں۔

ایڈمنڈ۔ حضور گو مجھ میں کوئی قابلیت نہیں ہے۔ لیکن وفاداری سے حضور کی خدمت ادا کروں گا۔

گلاسٹر۔ حضور کی اس نوازش کے لیے جو ایڈمنڈ پر کی ہی میں بہت ہی ممنون ہوں۔

کارنوال۔ شاید تم کو ابھی تک یہ معلوم نہیں کہ ہم اس وقت کیوں آئے ہیں۔

ریگن۔ اور ایسے بیوقت اور اندھیری رات میں ہمارا یہاں آنا کیوں ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ ایک ایسا اہم معاملہ پیش آگیا ہے کہ جس میں ہم کو معزز گلاسٹر کے مشورے کی اشد ضرورت ہے میرے والد نے اور نیز میری ہمشیر نے اپنے جھگڑے کے متعلق علیحدہ علیحدہ لکھا ہے اور میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے گھر سے کسی دوسرے مقام پر جاکر ان خطوں کا جواب دوں۔ قاصد تیار کھڑے ہیں کہ جواب لیکر فوراً جائیں۔ ہمارے معزز قدیم ہواخواہ خدا تمہارے دل کو اطمینان بخشے کہ تم اطمینان سے سوچ سمجھ کر ہم کو رائے اور مشورہ دو جس کی ہم کو اشد ضرورت ہی۔

گلاسٹر۔ بیگم صاحبہ میں حاضر ہوں۔ میں بڑی خوشی سے آپ دونوں کا خیر مقدم کرتا ہوں اور مشورہ دینا فخر سمجھوں گا۔ (باقی آیندہ)

رقیم
اڈیٹر

اڈیٹوریل

انجمن خاتونان اسلام لاہور

اکثر ناظرین و ناظرات خاتون نے پیسہ اخبار وغیرہ میں اس انجمن کے حالات اور اسکے جلسوں وغیرہ کی کیفیت پڑھی ہوگی۔ حال میں اس انجمن کی جنرل سکرٹری صاحبہ نے ہمارے پاس اسکے مقاصد اور ضوابط وغیرہ بھیجے ہیں۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس انجمن کی مفصل کیفیت سے اپنے ناظرین و ناظرات کو مطلع کریں۔ کیونکہ ہم کو یہ انجمن اسقدر مفید اور ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے ہر شہر و ہر قصبہ میں مسلمان بیبیاں اسی طرح کی انجمن قائم کریں کیونکہ ایسی انجمنوں سے عورتوں کی سوسائٹی اور قومیت کی بنیاد میں مذہبی اور اخلاقی خوبیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اسکے ساتھ ہی ہم اس انجمن کے ضوابط اور اصول بھی جو اگرچہ مقامی حالات کے لحاظ سے مخصوص ہیں درج کرتے ہیں تاکہ جو انجمنیں قائم ہوں وہ ان اصول اور ضوابط کو بھی مدنظر رکھیں۔

اگرچہ آجکل ہر طرف تعلیم نسواں کا چرچا اور کوشش ہو رہی ہے مگر مذہب کی طرف سے بہت بے پروائی عمل میں لائی جاتی ہے۔ بہت سی بہنیں باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے اپنے عقائد مذہبی اور احکام مذہبی کی طرف سے بے خبر ہیں۔ اور مذہبی فرائض کی پابندیوں پر بہت تھوڑا دھیان کیا جاتا ہے۔ حالانکہ بحالت تعلیم یافتہ ہونے کے بھی بیبیوں کو مذہبی واقفیت کی زیادہ ضرورت اور شوق ہونا چاہیے تھا۔ کیا وجہ ہے کہ وہ اس طرف مشغول نہیں۔ اور ان کے دلوں میں اسلام کا جوش جیسا کہ ہونا چاہیے تھا موجزن نہیں۔

زمانہ قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ علماے دین جگہ جگہ کلام دین کی منادی کرتے تھے۔ اور عبرت دلا دلا کر شوق پیدا کرتے تھے۔ چنانچہ اب عیسائی مشنری جگہ بہ جگہ بازاروں گلیوں میں وعظ کہکر اپنے مذہب کی ترقی کرتے پھرتے ہیں۔ ان کے وعظوں سے

عیسائی عورتیں مستفید ہوتی ہیں۔ مگر پردہ کی وجہ سے مسلمان عورتیں ہر قسم کی معلومات سے محروم رہتی ہیں۔ نہ وہ مسجد میں جاسکتی ہیں۔ اور بوجہ کم علمی ہونے کے نہ اُن میں خود اتنی لیاقت ہے کہ وہ خود بخود ترقی کر سکیں اور مذہب سے پُوری پُوری واقفیت حاصل کرتی رہیں۔ ہندوستان میں بہت کم ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ مسلمان پردہ دار عورتیں ایک جگہ پر جمع ہو کر اپنے تمدن اور مذہب پر بحث کر سکیں اور اپنی معلومات کو ایسی مفید تحریکوں سے ترقی دے سکیں۔ افسوس ہے کہ بعض بہنیں تو یہ بھی نہیں جانتیں کہ اسلام کے اصول کیا ہیں۔

انہی ضروریات کو محسوس کر کے انجمن خاتونان اسلام کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔ تاکہ عورتیں اپنے مذہب سے واقفیت حاصل کریں اور فرائض مذہبی پابندی کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کریں ان کا دل مذہبی روشنی سے معمور اور سینے عشق الٰہی سے بھرپور ہو جائیں۔ چھ ماہ سے باقاعدہ طور پر اس انجمن کے ماہوار جلسے ہو رہے ہیں اور نہایت خوشی کی بات ہے کہ ان میں خاطر خواہ کامیابی اور ترقی ہو رہی ہے۔

انجمن خاتونان اسلام کے مقاصد

(۱) مسلمان بہنوں کا آپس میں رابطہ اتحاد پیدا کرنا اور میل جول بڑھانا۔

(۲) قومی ہمدردی کا شوق اُنکے دلوں میں پیدا کرنا۔ اور اُسکے فوائد و نتائج سب مسلمان بہنوں کے ذہن نشین کرنا۔

(۳) ان کی مذہبی زندگی کی اصلاح کرنا اور دینی فرائض پورے کرنیکی ترغیب دیتے رہنا۔

(۴) مسلمان بہنوں کو تعلیم کی ضرورت اور فوائد سے آگاہ کرنا۔ اور تعلیم کی ترغیب دینا۔

قواعد

(۱) ہر ایک مسلمان بی بی اس انجمن کی ممبر بن سکتی ہے۔

(۲) ہر قمری مہینے کے پہلے جمعہ کے دن ایک بجے سے ۴ بجے تک اسکا اجلاس ہوتا ہے

سب سے پہلے سب بہنیں مل کر نماز پڑھتی ہیں۔ اسکے بعد کوئی بہن قرآن شریف کا کوئی حصہ پڑھ کر اسکے معنی سمجھاتی ہیں۔

(۳) مذہبی مضامین احادیث اور فقہ میں سے مثلاً نماز، روزہ۔ میلاد شریف یا مذہبی یا اخلاقی نظم یا کسی کتاب میں سے کوئی مضمون وغیرہ پڑھ کر سناتی ہیں

(۴) اگر کوئی مذہبی مسئلہ کسی کی سمجھ میں نہ آتا ہو تو وہ مسئلہ جلسہ میں پیش کر کے کسی دوسری بہن سے سمجھ سکتی ہیں۔

(۵) اگر کسی بہن کو کوئی خاص مشکل درپیش ہو تو اسکے لیے سب بہنیں ملکر دعا کرتی ہیں اگر کسی بہن کو کوئی اشد مالی ضرورت ہو تو اسکو چندہ سے امداد ملسکتی ہے۔

فرائض ممبران

(۱) ہر ایک مقامی ممبر کا فرض ہوگا کہ حتی الامکان ہر ماہواری جلسے میں شریک ہو۔

(۲) اپنے مذہبی فرائض کی پابندی ہر ایک ممبر خود بھی کرے اور اپنے رشتہ داروں اور ہمسایوں کو بھی کرنے کی ترغیب دے تاکہ مذہبی شوق پھیل جائے۔

(۳) جو متمول بہنیں خیرات کریں اس انجمن کے فنڈ کے واسطے حصہ نکالیں۔

سرپرست

انجمن کی منتظمہ کمیٹی کی کثرت رائے سے اگر کسی بزرگ بی بی کو انکی قابلیت علم و فضل اور خیر خواہی سے اس قابل سمجھا جاوے تو وہ انجمن کی سرپرست ہوسکتی ہیں

(۲) ایک سے زیادہ سرپرست ہوسکتی ہیں۔

(۳) ایسے سرپرستوں کا فرض ہوگا کہ اپنے مشوروں، نیک ہدایتوں، اپنی معلومات اپنے علم۔ اپنے پاکیزہ خیالات اور حسب ضروریات عطیات گرامی سے فیاضی کے ساتھ

انجمن کی امداد فرماتی رہا کریں،

چندہ

اگرچہ انجمن کا ماہواری چندہ کچھ بھی نہیں ہے مگر ضرورت کے وقت ممبران سے عطیہ کی درخواست کیجا سکتی ہے،

حاضرین بیبیاں

(۱) ممبروں کے علاوہ دیگر بیبیاں بھی جلسہ کی کارروائی سننے کو تشریف لا سکتی ہیں
(۲) ممبران کے علاوہ دیگر بیبیاں بھی مذہبی اور اخلاقی مضمون صدر انجمن کی اجازت سے پڑھ سکتی ہیں

عہدہ داران

انجمن کی حسب ذیل عہدہ داران ہیں

(۱) پریزیڈنٹ۔
(۲) وائس پریزیڈنٹ — منتظمہ کمیٹی
(۳) جنرل سکرٹری — کے ممبر دہی
(۴) جائنٹ سکرٹری — ہوں گے
(۵) فنانشل سکرٹری

سکرٹری

(۱) انجمن کے متعلق کل جلسوں کی اطلاع جاری کرنا، روئدادوں کو لکھنا اور سُنانا۔
(۲) کاغذات متعلق انجمن انجمن میں پیش کرنا۔ اور حسب الرائے انجمن اُن کا جواب دینا۔
(۳) جو رقومات کہ اسکے پاس آویں اُن کی رسید دینا۔
(۴) انجمن کی آمدنی اور خرچ کا حساب رکھنا۔

(۵) اخراجات متعلقہ انجمن کا چیک بنانا اور دستخط کرنا۔
(۶) انجمن کے کل کاروبار کی نگرانی کرنا۔
(۷) غیر معمولی اخراجات میں پہلے منتظمہ کمیٹی کی منظوری ضروری ہے۔
(۸) اسکو اجازت ہوگی کہ ضرورت دیکھے تو مینجنگ کمیٹی کے کسی خاص جلسہ کیواسطے اطلاع جاری کرے۔

جائنٹ سکرٹری

(۱) جائینٹ سکرٹری کا فرض ہوگا کہ ہر کام میں سکرٹری کا ہاتھ بٹاوے اور جو کام اُسکے سپرد کیا جائے انجام دے۔
(۲) سکرٹری کی عدم موجودگی میں جائنیٹ سکرٹری سب کام کرے۔ اور اس صورت میں سکرٹری کے کل حقوق اُسے حاصل ہونگے۔

فنانشل سکرٹری

(۱) چندہ یا دیگر عطیات کا وصول کرنا، اور اُن کی رسید دینا۔
(۲) انجمن کی آمدنی کا حساب رکھنا اور منتظمہ کمیٹی میں پیش ہونیکے لیے جنرل سکرٹری کو بھیجدینا،

منتظمہ کمیٹی

(۱) انجمن کا کل انتظام و اہتمام منتظم کمیٹی کی تفویض میں ہوگا۔ اور وہی اسکی سرانجام دہی کی ذمہ دار ہوگی۔
(۲) انجمن کی منتظمہ کمیٹی کی ممبر معہ عہدہ داران پندرہ ہونگی۔
پانچ ممبروں سے کورم پورا ہوجائے گا۔

نمایش

جہاں اکتوبر اور نومبر کے دن آئے کانفرنس کی تیاریاں اور دھوم دھام شروع ہوئی۔ نمایش بھی اسی کے ساتھ ہوتی ہے اور اب اسکا ایک ضروری جزو ہوگئی ہے۔ ہم خاتون میں پہلے اعلان کرچکے ہیں کہ امسال کانفرنس رنگون میں ہوگی اور اُسکے ساتھ نمایش بھی ضرور ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ کانفرنس میں دلچسپی لینے والے مردوں کی طرح جو رزولیوشن سوچنے اور اسپیچیں لکھنے میں مشغول ہونگے۔ نمایش میں اپنی صنعت وحرفت کے نمونے بھیجنے والی بیبیاں حسب معمول پہلے سے زیادہ کوشش کے ساتھ طرح طرح کی چیزیں کاڑھنے، سینے پرونے اور بنانے میں مصروف ہونگی۔ ہم اُن کو یقین دلاتے ہیں اور نمایش کے اور کانفرنس کے کئی سال کے تجربہ سے کہتے ہیں کہ گو اُن بیبیوں کو جو نمایش میں چیزیں بھیجتی ہیں کانفرنس اور نمایش میں بھی جانے کا موقع نہیں ملتا لیکن ان کی صنعت کے عمدہ نمونے ممبران کانفرنس کے کسی فصیح و بلیغ اسپیچ سے کم دلچسپ نہیں ہوتے اور وہی اثر کرتے ہیں بلکہ زیادہ گہرا نقش پیدا کرتے ہیں۔ جن گھروں میں لڑکیوں کی تعلیم تو کجا وہ ایک عیب سمجھا جاتا ہے اور سمجھنے والوں کو خدا سمجھے۔ معمولی سینے پرونے اور دستکاری کا بھی نہ چرچا ہے نہ شوق۔ ایسے گھروں کا شاید ہی کوئی باپ بھائی یا عزیز نمایش دیکھکر بلا اس خیال کے گذرتا ہوگا کہ کاش ہمارے گھر کی بیبیاں، بہوئیں اور بیٹیاں بھی ایسی لئیق و دستکار ہوں۔

محفل کانفرنس کی دھواں دار تقریروں کے جھگڑے میں زنانہ نمایش ایک خاموش پُرمعنی نرم و نازک اور فصیح زبان سے ہر شخص کو اپنے مفید مطلب پر فریفتہ کرتی رہتی ہے اور بلا قصد ہر ایک دیکھنے والے کے دل میں یہ رزولیوشن پاس ہوجاتا ہے کہ لڑکیوں کی قابلیتوں کو بیکار نہ رکھنا چاہیے اگر ان سے کام لیا جائے تو کیا کچھ گل و گلزار وہ پیدا کرسکتی ہیں کہ یہ نمایش اسکا ایک نمونہ ہے،

نمایش کئی سال سے ہورہی ہے اور ہر سال ترقی کا ایک قدم آگے ہے اسی لحاظ سے کہ ہر سال سے آیندہ سال بہتر قسم و صنعت کی چیزیں خاتونیں بناکر ارسال کرتی ہیں لیکن نمایش کے

اہتمام کرنے والوں کا ایک فرض یہ بھی ہونا چاہیے کہ نمایش سے جو سبق حاصل ہوں یا کام میں جو اصلاح صلاح و مشورہ سے تمام نمایش کی اشیا پر غور کی نظر ڈالنے اور مقابلہ کرنے سے پیدا ہو اور ضروری معلوم ہو اسکو عام اطلاع اور مطالعہ کی غرض سے ایکجا پیش کریں تاکہ نمایش میں چیزیں بھیجنے والی بہنوں کے لیے دستور العمل کا کام دے۔ ہمیں افسوس ہی کہ ہم اس فرض کے ادا کرنے سے قاصر ہیں اور اس کی وجہ نمایش کی صنعت و حرفت کے فنون اور لطائف سے ہماری ناقابلیت ہی۔ تاہم اپنی خاتونوں میں سے جنکے ہاتھ کی محنت نمایش کی رونق کا باعث ہوتی ہی۔ ایک خاتون کا شکرگذار ہونا پڑتا ہی کہ اُن کو خدا نے یہ قابلیت بھی عطا کی ہی کہ وہ اس فن کے نکتوں اور لطیفوں سے بخوبی واقف اور ان پر موافق و مخالف نکتہ چینی کی اعلیٰ قابلیت رکھتی ہیں اور ان کا مشہور نام مس عطیہ فیضی ہے۔

فیضی صاحبہ موصوفہ نے کئی نمایشیں جو کانفرنس کے ساتھ ہوئیں بچشم خود دیکھی ہیں اور ہر ایک چیز کو بغور دیکھکر کچھ خیالات قائم کئے ہیں جنکو وہ اپنی بہنوں کے سامنے بطور ہدایت نامہ کے پیش کرنا چاہتی ہیں لیکن انکے کمالات کے حسن ظاہری پر یہ نقص بطور ایک خال چشم نارسیدگی کے واقع ہوا ہے کہ وہ اردو میں اپنے خیالات کا اظہار نہیں کرسکتیں۔ انگریزی میں کس سے اُن کی بہنیں کوسوں دور ہیں ارشاد فرماتی ہیں ہم اُن کو ترجمہ کی سواری میں سوار کرکے اُنکے قریب لاتے ہیں اور نمایش کے مضمون پر اُن کی گفتگو سناتے ہیں جس میں انہوں نے لباس کی بحث کے بھی خوب چیتھڑے اڑائے ہیں۔ و ہو ہذا

اس نمایش سے یہ مقصد نہیں ہی کہ ہر قسم کے گوناگوں اسباب و اشیا، تجارت کے لیے اسکے ذریعہ سے شہرت ہو بلکہ صنعت کے صحیح اور نفیس مذاق کو ترقی دینا اصل مقصد ہے عمدہ صنعت و حرفت کا صحیح مذاق یعنی مزہ اور پہچان ہندوستان میں ہمیشہ رہا سوائے اس تھوڑے عرصہ کے جب سے کہ یورپ کی ارزاں چیزوں اور ذلیل رنگ و روپ کے سامان کی بہتات ہوئی جو خاص ہندوستان کے لیے بناکر یورپ والے بھیجتے ہیں مگر خود اہل یورپ

اُن کے نام شکل صورت اور استعمال سے بی خبر وا نہیں۔ مثلاً سرخ، زرد، سبز ریشمی بوٹی کی گاجیں، رنگین جرابیں، رومال بیلیں، کناری، فیتے اور سینکڑوں قسم کی الا بلا جو آجکل کی روشنخیال بی بیوں کے سنگھار اور آرایش کا سامان ہیں۔

روشنخیالی کے معنی شاید ہماری بی بیوں کے نزدیک یہ ہیں کہ زیور جسے ہمیشہ وہ پہنتی رہیں اُس سے بے توجہی کیجائے یہ خبران کو نہیں رہی کہ ناک اور کان برسوں گہنے میں لدے رہنے کے بعد خالی ہو کر کیسے بُرے اور خراب معلوم ہوتے ہیں، سونے چاندی کی پازیب جھانجن چوڑیوں چھلوں کا ٹخنوں میں نشان کیسا بدزیب معلوم ہوتا ہے۔

اگر بی بیاں فی الحقیقت نئی طرح اور وضع کی طلبگار ہیں تو اُن کو چاہیے کہ اپنے تئیں تو معاف کریں ہاں اپنی بچیوں کو فضول گہنے سے نہ لادیں کیونکہ صحت کے مضر بھی ہے اور دیکھنے میں واقعی تکلیف دہ۔ اسی طرح ان کو چاہیے کہ اپنے سنگھار اور آرایش میں سے بھدی بیلیں شوخ رنگ کناری اور فیتہ اور اسی قسم کی صدہا یورپ کی بنی ہوئی چیزیں خارج کر دیں۔ ان سب سے نہایت ہی ذلیل مذاق ظاہر ہوتا ہے اور نمایش میں ان چیزوں کے دیکھنے سے صرف اُن پر افسوس ہوتا ہے۔ میری بہن اور میں اپنے سفروں میں ہر جگہ اس قسم کے سامان کا لباس اور آرایش میں استعمال دیکھکر بہت افسوس کیا کرتے ہیں، یہ چیزیں بہت کثرت سے بیویوں کے مذاق میں داخل ہو گئی ہیں اور اُن کی طبیعت میں سما گئی ہیں خیالات میں بسی ہوئی ہیں۔ مذاق بدل دیا ہے لباس اور ہر چیز میں انکی بدنمائی موجود ہے میں یہ ہرگز نہیں کہتی کہ ہندوستان کے طرح بطرح کے لباس اور زیورات میں کسی تبدیلی یا ترمیم اور ترقی کی گنجایش نہیں۔ لیکن اگر ہمارا لباس او رسب طرح ٹھیک ہے یعنی خوشنما بھی ہے عمدہ صحت کا نمونہ ہے اس میں بہت سے آرام اور صفتیں ہیں لیکن دو ایک باتیں اب اس زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے اس لباس میں عملاً تکلیف دہ ہو گئی ہیں تو اس میں یہ ممکن ہے کہ اس طرح تبدیلی اور ترمیم کیجائے کہ وہ تکلیف دہ باتیں بھی خوشنمائی کے ساتھ دور ہو جائیں اور اپنے لباس کی اصلی شان و شوکت خوبیاں اور خصوصیتیں باقی رہیں کسی کی نقل بھی ہرگز نہ ہو۔ نقل خواہ ہندوستان

سے کہ ہی کسی دیس یا صوبہ کے لباس یا آرایش غرض کسی چیز کی ہو بہو ہی اور یورپ کے طرز و لباس کی نقالی پر تو میں ہزار بار یہی کہونگی کہ نہیں اور ہرگز نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یورپ کی اور ہماری تربیت میں، خیالات میں، طرز میں، انداز میں رہنے سہنے کے طریقہ میں، غرض ہر بات میں اختلاف ہے، اُن کی کھال، اُنکے بال، اُن کی آنکھیں، قد و قامت جسم، سب ہم سے مختلف ہیں اور اس سبب سے اُن کی کوئی چیز ہمارے مناسب حال نہیں، دوسرے یہ کہ عیب کرنے کو ہنر چاہیے۔ نقالی جبتک کہ نہایت کامل طور پر جسے عین مین کہتے ہیں نہو اس کی مشق بڑی خطرناک ہی۔

نقل اُتارنے میں اپنی خصوصیت تو برباد ہو جاتی ہی دوسرے کی محتاجی اور لنگڑا پن طرز و انداز میں نمودار ہو جاتا ہی کہ اُن کی کوئی مدد کرے اور دیکھنے والے ضبط اور خاموشی سے کام لیں، جہاں ہندوستان میں نقل اُتارنے کا رواج ہی۔ یہ نقص صاف نظر آتے ہیں علاوہ ازیں مثال کے طور پر ایک انگریزی عورت کو لیا جائے ۶ فٹ قد، چھریرے بدن کی جیسی کہ عموماً ہوتی ہیں، اُسکے بھورے بالوں کو سر کے جسپر وہ پہلے اعلیٰ درجہ کی گلدستہ دار ٹوپی پہنتی تھی کنگھی کرکے بیچ میں سے مانگ نکالی جائے۔ کُپّی بھر تیل ڈالکر مانگ جمائی جائے پھر اسکو ہندوستان کے خواہ کسی دیس کا لباس مثلاً مرہٹی یا مارڑواڑی ساڑی ہو، پنجابی ڈھیلا کُرتہ اور ڈوپٹہ ہو، ڈھیلا یا تنگ موری کا پاجامہ ہو، غرض ہندوستانی حیدرآبادی کوئی لباس اُسکے زیب تن کیجیے اور اُسکے ناک، کان، ہاتھ پاؤں، گلے اور بازوؤں پر لدا لد گہنا پہنا یئے تو علاوہ ازیں کہ یہ سب کچھ اُسکے لیے ایک دوزخ کے عذاب سے کم نہ ہوگا اور وہ ایک ظلم و ستم کی جاندار تصویر نظر آئیگی۔ بسبب اپنی سفید مونھ کی رنگت اور نیلی ہلکی آنکھوں اور کھڑے کانوں کے عجب بندریا سی معلوم ہوگی۔ نہ اُسکے حرکات اور سکنات شاندار ہونگے اور نہ یہ ممکن ہی کہ اس غیر طبعی اچھے لباس اور صورت میں سوائے تکلیف و عذاب کے کوئی شانداری باقی رہ سکے چونکہ اس کی ابتدائے تربیت اور ہر ایک بات کا اثر اس قدر مختلف تھا کہ اگر اسکو اس لباس کی تکلیف پر مجبور ہی کیا جائے (کیونکہ خوشی سے تو وہ کبھی اسکی روادار نہ ہوگی) تب بھی

اسکے طرز انداز اور خرام میں وہ آسانی اور وہ بات نہو گی خواہ کتنے ہی برس گزر جائیں اُسکے خمیر ہی میں یہ مادہ نہیں رکھا گیا تھا کہ ہندوستانی روش قبول کرلے۔

ہماری بیبیاں بھی جو میموں کی نقالی کرتی ہیں اپنی حالت کا اسی پر قیاس کریں۔ میں بڑے افسوس سے کہتی ہوں کہ میں نے لباس میں اُن کو یورپین لوازمات اختیار کرتے دیکھا ہے لیکن چونکہ نقل راچہ عقل یعنی نقل میں عقل نہیں ہوتی۔ جو چیزیں وہ استعمال کرتی ہیں اور جس طرح استعمال کرتی ہیں اس میں کوئی مفہوم اور معنی نہیں معلوم ہوتے اندھا دھند استعمال ہوتا ہے اور اُس سے فقط یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُنہوں نے تہذیب و شائستگی کے کسقدر غلط معنی سمجھے ہیں اور جیسی کچھ ناموزوں اور بھدی اور بے عقل ہنسی کے لائق حرکات وسکنات انکی اس نقلی آرایش و لباس میں ہوجاتی ہیں۔ اُنکو دیکھکر بس رحم آتا ہے اور آنکھوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

یہ نقالی آخر کیوں ہے؟ اگر ہندوستان میں عمدہ صنعت لباس و اُس میں نفاست و لطافت کے اسباب و ساماں موجود نہوتے تب بھی ان طبیعتوں کو جنکی کاہلی اُن کو ٹانکہ بھرنے کی اجازت نہیں دیتی کچھ بہانہ ہوتا۔ لیکن جبکہ ہم سب کو معلوم ہے کہ قدیم تک تمام زمانہ کی صنعت و حرفت کا خزانہ اور معدن رہا ہے یہانتک کہ مغربی لوگ بھی اسکے محتاج تھے۔ کیا یہ لکھنے میں درد پیدا کرنیوالی بات نہیں ہے کہ اُس کی نہایت عمدہ عمدہ اور نفیس صنعت و حرفت جسپر ہزار یورپ کی صنعتیں قربان ہیں۔ ہماری غفلت اور بے پروائی کے سبب بیکار اور متروک و بند پڑی ہیں۔ وہ شبنم اور آب رواں جسکا قصوں میں افسانہ رہگیا ہے اب نہیں بنتی۔ اُسکی صنعت کو بھی موت آگئی۔ لکھنؤ کی نازک و نفیس بیل بوٹے کی چکنیں اب درکار نہیں رہیں۔ جھم جھم کا زربفت اپنی موت مرگیا۔ سورت کا مشروع اور ہمروع (اسکو ہم نہیں سمجھی مترجم) جسکی نفاست حیرت انگیز تھی اب کہیں نظر نہ آئینگے۔ کمخواب جسکی زمین خالص کندن کی اور اسکے اوپر خوبصورت نقش و نگار اور پھول جنپر قلمکاری اور مصوری کا دھوکا ہوتا تھا اُسکا استعمال خواب و خیال ہے اور ایسے اعلیٰ اور نفیس بُنائی اب ہندوستان کے نوربافت بھول گئے۔

بنگال نے ہمارے سامنے سودیشی کا خیال پیش کیا ہی اور صدہا لوگ اسکے گرویدہ ہو رہے ہیں اور ملک کے تمام مقامات تک میں اسکا اثر پہنچا ہو لیکن مجھے دیکھکر تعجب ہوا کہ ہمارے تعلیم یافتہ مسلمان حلقوں میں اسکا مطلق خیال و ذرا اثر نہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک وہ ایک ایسا لغت ہی جسکے معنی ہی خبط ہیں۔ اس قسم کی ٹھس دماغی اور بے پروائی خواہ کسی قوم میں ہو فی الحقیقت قابل افسوس ہے۔

ہمارے زنانہ اخبارات میں کچھ عرصہ ہوا اسکی (لباس کی) بحث تھی جسکا منشا یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام ہندوستان کی بیبیوں کے لیے ایک قومی لباس تجویز کر کے اسکا شوق دلایا جائے۔ مگر تمام عرض و طول ہندوستان کے لیے یہاں سے وہاں تک ایک ہی لباس کا خیال اس درجہ پھیکا اور بدمزہ ہی کہ مطلق قابل رغبت نہیں۔ لیکن یہ فرض کر کے کہ ہندوستان کے لباس کی سب سے بڑی خوبی اور دلفریبی اسی میں ہی کہ ملک کے ہر دیس اور صوبہ کے لباس کی خاص خصوصیات برقرار رکھی جائیں میں اس جگہ طویل بحث سے پرہیز کرتی ہوں۔ اگر کوئی بہن اسکے موافق یا مخالف خیالات دوبارہ پر بحث کرنا چاہتی ہوں تو خاتون میں یا پرائیویٹ خط و کتابت میں ہمیشہ ان کو بہترین صلاح اپنے خیال کے موافق دینے کو آمادہ ہوں۔

میں پھر وہی کہتی ہوں جو اوپر کہہ آئی ہوں اور اس سے زیادہ زور سے کیا کہہ سکتی ہوں کہ ہندوستان کے تمام لباسوں میں ترقی اور ترمیم کی گنجایش ہی اور وہ ذرا سی قطع برید کے ساتھ زمانہ حال کی ضروریات کے موافق بنائے جا سکتے ہیں اور ان کی تکلیفیں اصلی خوبیوں کو برقرار رکھ کر مٹائی جا سکتی ہیں۔ لیکن بھدے سے بھدا ایرانی طرز کا لباس ان بدقطع بدنما ڈریسنگ گون سے بہتر ہی جو بعض بیبیاں پہنکر اتراتی پھرتی ہیں اور جن میں جھالردار حاشیوں بیلوں گپھے کے گچھے پھولوں اور کناری کی بھرمار ہوتی ہی۔ الٰہی توبہ!

میں اس طویل مضمون کی نسبت [illegible] بہت معافی مانگتی ہوں خصوصاً اسلیے کہ جو بات اصلی تھی اس سے بہت دور چلی گئی۔ لیکن میرا عذر اس لمبی داستان کے بیان کرنے

میں فقط یہ کافی ہے کہ جب تک بہت سی دیدہ ریزی نہ ہو اور سوئی متواتر مدتوں تک چلتی نہ رہے اور عقل اور محنت کا صرف نہ کیا جائے فی الحقیقت اصلی اور عمدہ صنعت کا نمونہ پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر عمدہ بنی بنائی چیزوں کی فقط نقل اُتارنے ہی پر اکتفا کیا گیا تو صنعت یا کام میں ترقی ہو چکی اور یہ ہمارا حقیقی مدعا جو اس نمایش سے ہے یعنی ہندوستان کی سابقہ صنعت کو زندہ کیا جائے وہ حاصل ہو چکا۔

آخر میں قبل اس مضمون کے ختم کرنے کے میں اتنا اور کہنا چاہتی ہوں کہ خاص ہندوستانی سوزن کاری پر سادہ ہو یا زرکار نیز یورپ کی صنعت کو ہندوستانی صنعت میں اس طرح کھپانے پر کہ کھپ جائے اور اُس میں وصل ہو جائے محض ولایتی کشیدوں اور لیسوں کی نقل اُتارنے کو خواہ بظاہر وہ کتنی ہی خوشنما اور اعلیٰ درجے کی ہوں۔ نمایش میں ترجیح نہ دیجائیگی۔

دہلی میں ایک قسم کا حاشیہ جسے پٹھا اور گوٹہ بھی کہہ سکتے ہیں بہت رائج ہے اور پسند کیا جاتا ہے صورت اُس کی یہ ہے کہ سستی قسم کی انگریزی اطلس یا بیل کی زمین اور اسپر ایک لہریا یا مارپیچ یعنی آڑا ترچھا کام جس میں شوخ رنگوں کے ریشمی یا ویسے پھول۔ پوتھیں رنگ برنگ کی۔ رنگین پنّی کے پترے۔ سُنہری روپہلی سلمہ ستارہ ہوتا ہے جو جرمن میں بنتا ہے۔ اسپر نہ صرف یہ اعتراض ہے کہ یہ بدیشی غیر مال اور مسالہ لباس کی آرایش میں خرچ کیا جاتا ہے بلکہ زیور کے طور پر بھی یہ پوتھیں جھم جھم کی چیزیں استعمال کیجاتی ہیں۔ اس سے بالکل صاف طور پر پہننے والے کا بگڑا ہوا مذاق اور آرایش کا غلط خیال ثابت ہوتا ہے اور کچھ نہیں،

خوشخبری

ہم کو ایک بیگم صاحبہ کی تحریر سے یہ خبر فرحت اثر معلوم کر کے بیحد خوشی ہوئی کہ عالیجناب نواب صاحب ... بیگم ... کے گھر ... میں فرزند ارجمند پیدا ہوا۔ خدا سے دعا ہے کہ اس نونہال ریاست کی عمر میں برکت دے اور اپنے مخدوم والدین کے سایہ عاطفت میں اسکو پھولنا پھلنا نصیب کرے۔ آمین ثم آمین۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۲۷۱

خاتون

جلد ۶	بابت ماہ نومبر ۱۹۰۹ء	نمبر ۱۱

اڈیٹر شیخ محمد عبد اللہ بی اے۔ ایل۔ ایل بی۔ سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

منشی علیم الدین منیجر پرنٹر کے اہتمام سے
مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا

خاتون

۱۔ یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علیگڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی ۱۱ر ہے

۲۔ اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

۳۔ مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہو نگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال و ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اُس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہینگے۔

۴۔ ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

۵۔ ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

۶۔ اس رسالہ کی مدد کرنیکے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے۔ اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

۷۔ تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون ہونی چاہیے۔

خاتون

بہو کا رکھ رکھاؤ

رضیہ بیگم صاحبہ کا یہ پہلا مضمون ہی، گو اُنھوں نے پُرانے قسم کی تعلیم پائی ہی لیکن انکے خیالات بہت سلجھے ہوئے ہیں۔ اس مضمون میں اُنھوں نے سار جو بیش بہا نصیحتیں لکھی ہیں وہ اس قابل ہیں کہ ہر ایک ساس اسکو اپنا دستورالعمل بنالے۔ ہمیں امید ہے کہ بیگم صاحبہ موصوفہ آیندہ بہوؤں کے لیے بھی کوئی نصیحت نامہ اسی طرح کا تحریر فرمائینگی،

اڈیٹر

نہایت تعجب اور افسوس کی بات ہی کہ ساس اور بہو کا جھگڑا جو زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہی ابھی تک ایک حالت پر جاری ہی۔ ہر طرح کی تبدیلیاں ہورہی ہیں۔ اور ہر طرح کے خیالات ظاہر کیے جارہے ہیں مگر افسوس اسی بات کا ہی کہ ابھی تک ساس کو بہو کا رکھ رکھاؤ معلوم نہوا خیال کیجیے کہ بہو جس وقت اپنے ساس کے گھر جاتی ہی اور جو جو مصیبتیں پیش آتی ہیں ہماری بہنوں کو خوب معلوم ہونگی۔ اور خاصکر جاہل ساس کا ملنا۔ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔

اولاً تو ساس کو بہو کا رکھ رکھاؤ ہی معلوم نہیں ہے۔ اسپر ساس کا جاہل ہونا تو اور قیامت ہے۔ خدا ہماری کسی بہن کو جاہل ساس نصیب نہ کرے آمین ثم آمین۔

ہمارے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جاہل ساس ہی صرف بُری ہے اور جاہل بہو اچھی ہے۔ نہیں نہیں بلکہ جہالت ہی بُری ہے، خدا جاہلوں سے پناہ دے۔ اب رہا بہو کا رکھ رکھاؤ کہ ساس کو بہو کے ساتھ کس طرح رہنا چاہیے۔ اور ساس کو کیا کیا باتیں ضروری ہیں۔ اور بہو کو کیا کیا۔ گو میں یہ نہیں کہتی ہوں کہ بہو کا قصور ہی نہیں۔ ضرور قصور بہو کا بھی ہے (مثل مشہور ہے کہ ایک ہاتھ سے روٹی نہیں پکتی) آپنے سنا ہوگا کہ جب بلی عاجز ہوتی ہے تو حملہ کرتی ہے اوپر کُتّے کے۔ تو یہ حالت ہے بہو کی جہانتک ضبط اور برداشت کی طاقت تھی برداشت کیا اور جب اپنی طاقت سے باہر ہو گیا تو پھر برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ تو ساس کو چاہیے وہیں تک بہو کو کہے جہانتک وہ برداشت کر سکے۔ ورنہ برابری کا جواب دیا تو پھر تمہاری عزت کیا رہی نہ تم ساس رہیں اور نہ وہ بہو۔ اسلیے میں اپنی بہنوں کو چند باتیں گوش گزار کرتی ہوں کیوں کہ ہماری بہنیں بھی ایک نہ ایک دن ضرور کسی کی ساس ہونگی۔

۱۔ خیال کرو کہ پہلے پہل لوگوں کو کتنا بڑا ارمان ہوتا ہے کہ خدا ہم کو بیٹا دیوے۔ خدا کے فضل و کرم سے مراد بھی پوری ہوتی ہے تو پھر یہ آرزو دل کو ہوتی ہے کہ اس کی شادی رچادیں اور اپنا حوصلہ نکالیں اور بہو کو گھر لائیں، سو یہ مطلب بھی حاصل ہوا۔ تو تم کو اب چاہیے کہ جیسے مراد ملی ہے ویسا ہی خدا کی بندگی میں سر جھکاؤ۔ اور شکر کرو۔ ایسا نہو کہ جب نعمت مل چکے تو اُسکی کچھ قدر نہ کرو۔ اور ناشکری کرو۔

۲۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ جب کسی کو کچھ نعمت ملتی ہے تو اسکے ساتھ تھوڑی تکلیف بھی سہنی پڑتی ہے۔ جیسے خدا کسی کو اولاد دے تو اُسے پرورش کرنے کے لیے کسقدر محنت برداشت کرنی پڑتی ہے۔

۳۔ خدا نے تم کو کیسی کیسی نعمتیں دی ہیں۔ پہلے یہ کہ بیٹا دیا جب وہ سیانا ہوا تو آج

خدا نے تمہیں وہ دن دکھایا کہ تمہارے گھر ہنسی خوشی سے بہو آئی گھر کی آبادی ہوئی۔ تمہارا نام ونشان باقی رہیگا۔ کوئی دن بعد دادی کہلاؤگی۔ تم کو جیسی بڑی بڑی نعمتیں ملیں۔ اسی طرح اس نعمت کی قدر کرو اور خدا کی درگاہ میں سجدۂ شکر بجالاؤ۔ اور اگر کسی قدر بہو کی وجہ سے تکلیف اٹھانی پڑے تو اُس سے مت گھبراؤ۔ جہانتک ہوسکے بہو کی خاطرداری کرو کہ اُس کو اپنے ماں باپ کی جدائی کا رنج دل سے بھول جائے۔ صرف یہ نہیں کہ دو چار مہینے۔ دنیا کا دستور پورا کرنے کے واسطے بلکہ ہمیشہ ساری زندگی اُس کی خاطر کرو۔ اور اپنی بیٹی کے برابر جانو۔

۴۔ اگر تمہیں یہ خواہش ہو کہ میں گھر کی مالک جیسی ہوں بنی رہوں اور بہو تابعداری کرے تو اُس کی یہی سب ترکیبیں ہیں۔ سرداری چاہو تو ایسی راہ چلو کہ جس سے لوگ تمہارے تابعدار ہو جائیں۔ شاید تم سمجھتی ہو کہ جو عورت زبان دراز اور لڑاکا ہو وہ ہی سردار ہوسکتی ہے ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ سردار بننے کی ترکیب یہ ہے کہ جو ہمارے پیغمبر صاحب نے اپنے امتیوں کو سکھلایا ہے جو کوئی اسپر عمل کرے بیشک سردار ہوسکتا ہے۔

پیغمبر صاحب نے فرمایا ہے سید القوم خادمھم یعنی لوگوں کا سردار وہ ہے جو لوگوں کی خدمت کرے تو اگر تم چاہتی ہو تو بہو کے ساتھ سلوک کرو اور جب تک تم اُسکے ساتھ اچھا برتاؤ رکھوگی وہ ضرور تمہاری سرداری قبول کریگی اور تم سردار بنی رہوگی۔ سلوک بھی ہر طرح کے ہوسکتے ہیں۔ صرف ظاہری سلوک نہیں۔ بلکہ سلوک ایسا کرو جیسا اپنی لڑکیوں کے ساتھ کرتی ہو۔ اگر کوئی بیہودگی لڑکیوں سے ہو جاتی ہے تو صرف احمق سمجھکر اُن کی باتوں سے ناخوش نہیں ہوتی ہو اور اُن کے عیب کو چھپاتی ہو۔ اسی طرح بہو کو بھی نادان سمجھو اور اُس کی باتوں کی طرف دھیان نہ کرو اور عیبوں کو پوشیدہ رکھو۔ خیال کرو کہ ابھی اُس کی عمر ہی کیا ہے جو آج ہی ساری عقل آجاوے اور تمہاری ایسی بن جاوے۔ تم خود خیال کرسکتی ہو کہ جوانی کے زمانہ میں تمہارا جی کیسا چاہتا تھا کہ ساس ہمارے ساتھ اس طرح سلوک کرے۔ آج اسی طرح بہو کو خیال کرو۔ اپنا وقت ساس بنکر بھول مت جاؤ۔

۵ - اگر تم یہ کہو کہ جب تک بہو کچھ شرارت نہیں کرتی ہے تب تک میں کچھ نہیں کہتی ہوں - میں مانتی ہوں کہ بہو کی شرارت کے بغیر تم کچھ نہیں کہتی ہو - لیکن اس میں تمہاری کوئی خوبی کی بات نہیں ایسا کون ہوگا جو بے قصور ہو - اور بے قصور کو کوئی کیوں کچھ کہنے لگا - اپنے غلام یا باندی کو تو بے قصور کوئی ٹوکتا ہی نہیں - تمہاری تعریف تو جب ہے کہ قصور کو اسکے معاف کرو اب تمہارا اعتراض یہ رہا کہ جب ہم چپ رہینگے اور کچھ نہیں کہیں گے تو اُس کی شرارت ترقی کرتی جائے گی اور کوئی فائدہ نہو گا - یہ ہو نہیں سکتا وہ ضرور دن بدن راہ پر آجائیگی - یک بیک تو آنا محال ہے - مگر رفتہ رفتہ - بالفرض ہم مانتے ہیں کہ وہ زیادہ شریر ہوتی جاتی ہے تو اپنا خود نقصان کرتی ہے - تم صرف نیک راہ بتاؤ - اور نیک سلوک کرو - خدا تم کو اسکا بدلہ نیک دیگا نیکی کا بدلہ نیک ہے - تم سے جہانتک ہوسکے ہر شخص کے ساتھ نیکی کرو - بدلے کی امید سے نہیں - بلکہ خوف خدا سے کیونکہ جو جیسا کریگا ویسا پائیگا - کوئی آم بو کر نیم کی امید نہیں کرسکتا ہے - ہر حال میں بہو کی دلجوئی اور تشفی کرنا لازم ہے -

۶ - اس سے آپ یہ خیال نہ کریں - کہ بہو کیسی ہی بیجا بات کرے یا کہے اسکو ٹوکنا نہ چاہیے میرا مطلب یہ نہیں ہے بلکہ میرا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ذری سی بات کو طول کر کے نہ دکھاؤ جیسے دال جلجائے - روٹی کچی رہے نمک زیادہ پڑجائے - برتن ٹوٹ جائے یا کپڑا پھٹ جائے یا کوئی چیز رکھکر بھول جائے یا بے وقت سوجائے تو ایسی ایسی باتوں پر بالکل خفا نہونا چاہیے بلکہ بہو کو سمجھانا چاہیے کہ وہ شرمندہ ہو اور اپنے کیے پر پچتائے -

۷ - اگر بہو تم کو جواب نہ دیتی ہو تو غنیمت سمجھو اور خدا کا شکر کرو - ایسی بہو کو کچھ نہ کہو اور برابر اسی فکر میں رہو کہ اُسکو جواب دینے کا موقع نہ ملے - ایسا نہ کرو کہ جھوٹی شکایت بہو کی غیر عورتوں سے کرو کہ بہو نے ایسا کہا ویسا کہا ، اگر ایسا کروگی تو بہو بھی تمہاری جھوٹی شکایت ضرور کریگی اور رفتہ رفتہ سوال و جواب ہونے لگیگا اور ہر جگہ دونوں کی بُرائی ہوگی اور ہر شخص تم کو بھی بدنام کریگا - ہر حال میں تمہاری ہی خرابی ہے - تم یہ خیال مت کرو کہ مجھے کوئی بُرا نہیں کہتا

سارے لوگ بہو ہی کو بُرا کہتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ جو کوئی تمہارے مونھ پر تمہاری تعریف کرتا ہے وہ ہی جا کر بہو کے سامنے تمہیں بُرا کہتا ہی۔ لیکن اسلیے تمہیں نہیں ٹوکتا ہی کہ ناحق اپنا دشمن کیوں بناویں۔ تم بہو کو ستا کر تعریف کی امید نہ رکھو۔ بھلا نیم لگا کر کوئی بھی آم کھاتا ہی۔

۸۔ ایک بات کا اور خیال رکھو کہ لڑائی کے وقت بہو کو بد دعا نہ دو کہ تجھپر خدا کا غضب پڑے یا فلاں مرے اور بد بھی نہ کہو کہ ہمارا کیا ہمارے آگے آئے اور تمہارا کیا تمہارے آگے۔ اور گالی بھی نہ دو۔ کوئی عیب بھی مت لگاؤ۔ کوسنا گالی دینا۔ یا عیب لگانا شریفوں کا کام نہیں اور شرافت سے بالکل باہر ہی۔ ایک بات کا اور خیال ضروری بلکہ سب پر مقدم ہی کہ تم غصہ میں اتنا مت چلاؤ کہ گھر سے باہر آواز جاے گھر ہی تک لڑائی ختم کر دو۔ دوسروں کو خبر نہو۔ ایسا ہرگز مت کرو کہ ٹولے محلہ میں خبر دو کہ آج بہو ہم سے لڑی۔ اُسوقت گو تمنے غصہ میں خوب شور مچایا کہ بستی کے لوگ واقف ہوگئے کہ بہو کی شرارت ہی مگر ساتھ ہی اُس کے تمہاری تعریف بھی کوئی نہ کریگا۔ بلکہ دوسرے روز اگر کسی دوسرے سے اور تم سے جھگڑا ہوگا تو پھر وہ تم کو طعنہ دیگی اُس وقت تم سی لجز پچھتاے اور شرمندہ ہونے کے کچھ نہیں بنیگا۔ اور یہ شرمندگی تمہیں تک نہوگی بلکہ تمہارے بیٹی بیٹا سب کو شرمندگی نصیب ہوگی۔ تم بوڑھی ہو ہر پہلو خیال کرنا چاہیے اور عقل سے کام نکالنا چاہیے۔ اگر بہو بیہودہ بکے تو صبر کرو۔ اور چپ رہو۔ ایک چُپ سو بلا ٹالتی ہی۔ ایک بات ہزار آفت لاتی ہی تم اپنی لیاقت اور بڑائی کو دیکھو۔ اُس کی نالائقی کی طرف دھیان نہ کرو۔ اپنی عزت اپنے ہاتھ ہی۔ تم دہیں تک اسکو کہو کہ وہ جواب نہ دے اور جب برابری کا جواب ہی دیا تو تم کیا خاک بڑی رہیں۔ ٹوکنا چھوڑ دو اور یہ خیال کرو کہ شاید ہم نے بھی کبھی اپنی ساس کا دل دُکھایا ہو کہ آج اُسکا بدلا ملا تو ایسی حالت میں بھی خدا کا شکر کرو کہ خدا نے تمہیں دنیا کا بدلا دنیا ہی میں دلا دیا۔ اور ہمیشہ کے لیے وہاں کے بدلے سے نجات ملی۔ ہر حال میں تمہارے لیے خوشی کی بات ہی۔

۹ - تمہارا لڑکپن توکھیل کود میں گیا اور جوانی ساس نند کے لڑنے جھگڑنے میں کٹی۔ اب ضعیفی کی عمر بھی ہو سے لڑنے جھگڑنے میں گذریگی توپھر خدا کی یاد کا دن کب آئیگا - اب تو تمہارے بال بھی پکنے لگے - یہ دن اللہ اللہ کرنے کے ہیں - خدا سے لو لگاؤ کہ تمہاری آخرت بنے۔ اور سب باتوں کو تقدیر پر چھوڑ دو -

رقمہ

رضیہ - از استھایاں

رسالۂ خاتون اور تعلیم نسواں

خدا کا شکر ہی کہ رسالہ خاتون کی ناچیز کوشش جو اُسنے تعلیم نسواں کے متعلق کی ہی - ملک میں مقبولیت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہی - وہ عورتیں جن کی حمایت اور تعلیم کی اشاعت اس رسالہ کا خاص مقصد ہی، اس کی کوششوں کا دل سے اعتراف کرتی ہیں -

ہم اس قسم کے مضامین کو جو رسالہ خاتون یا حامیان تعلیم نسوان کی تعریف یا شکریہ میں لکھے جاتے ہیں ہمیشہ سے نہیں چھاپتے کہ مبادا لوگ اسکو خودستائی خیال کریں، لیکن مولوی کمال الدین صاحب ایم اے کی اہلیہ صاحبہ نے جو اس مضمون کی لکھنے والی ہیں ہم سے باصرار درخوہست کی ہی کہ ہم اس مضمون کو خاتون میں درج کریں - اسلیے ہم درج کرتے ہیں، اس سے ہمارا صرف یہ مقصد ہی کہ اور بیبیوں کو بھی احساس ہو اور وہ خاتون کو غور سے پڑہیں اور علم کے منافع کو سمجھیں - نہ اس غرض سے کہ ہماری کوششوں کی لوگ تعریف کریں - کیونکہ ہم کیا اور ہماری کوشش کیا - خدا جو سچ کا حامی ہی اسکا احسان ماننا چاہیے اور شکریہ ادا کرنا چاہیے -

اڈیٹر

تین چار ماہ سے رسالۂ خاتون جو مخزن تہذیب ہونے کے علاوہ ہر دلعزیز ہے -

میرے زیر مطالعہ ہی جسکے دلپسند مضامین سے میں پورا حظ اُٹھا رہی ہوں۔ اسکے دلپذیر اور بامحاورہ مکتوبات سے مجھے نہایت دلچسپی حاصل ہوتی ہی۔ میری اکثر وقت تنہائی کی ایک مہذب انیس ہی۔ خاتون کے بہت سے تحریرات میرے ہمخیال ہیں۔ چندماہ سے میں نے رسالۂ خاتون کے اگلے نمبروں کے دیکھنے کے واسطے اپنے وقت کے بہت سے حصے کو مخصوص کرلیا ہی۔ اس وقت میں ۱۹۰۵ء کی جلد کی سیر میں بڑے شوق سے مشغول ہوں۔ تعلیم نسواں کا یہ پہلا رسالہ ہی کہ جس نے اپنی پُر نفع کشش سے اکثر مکانوں میں جہاں تعلیم و تعلم کا کبھی کچھ ذکر ہی نہ تھا باریابی حاصل کرکے بہتوں کے خیالات کو روشن کردیا ہے اور قریب قریب اکثر لڑکیوں کو تعلیم و تربیت کے حاصل کرنے پر بمنزلہ اُستانی کے کارآمد ہوا ہی۔

ماسوا ان سب کے بہت سی خاتونان عالی وقار مضمون نگاران خوش اطوار نے اپنی غایت لیاقت و لطافت سے خیالات پاکیزہ و مکتوبات نفیسہ کو خاتون کے اوراق کے ذریعہ ظاہر کرکے موجب فیضرسان عام مستورات ہوئی ہیں۔ ہزار شکر کا مقام ہی کہ آجکل بہت سے گھروں میں علم کی روح افزا خوشبو نے شائقان تعلیم نسواں کے دماغوں کو معطر کرکے رشک گلزار بنایا ہے جس کی ہمیں بدرجہا خوشی ہی۔ تعلیم نسواں ہی ایک چیز ہی کہ آیندہ قوم کی ترقی و شایستگی اسپر منحصر ہی۔

ہم کو اُن کا تہ دل سے شکر گزار ہونا چاہیے۔ جنہوں نے اس اہم کام کے حاصل کرنے میں اپنی زندگی کو وقف کردیا ہی اور بکوشش تمام اس مشکل کے سہل کرنے کے واسطے شب و روز مصروف ہیں۔

مستورات کو تعلیم جیسی نعمت کی اشد ضرورت ہی لیکن ساتھ ہی اسکے آجکل کی پُر تاثیر تدبیروں سے آیندہ کے کامیابی کی قوی امید ہی۔ مجھے تعلیم اس درجہ عزیز ہی کہ تمام امور دنیوی کو اسکو ترجیح دیتی ہوں اور ہزار کام چھوڑ کر علم کی تحصیل کو زیادہ ضروری سمجھتی ہوں۔ کیونکہ میں

خوب جانتی ہوں کہ بلا تعلیم زندگی بدمزہ ہی اس وقت تک ہم کو زندگی کے لطف پورے طور سے اُٹھانے کا خیال نہوگا اور نہ طریقہ لطف اُٹھانے کا آئیگا جبتک کہ ہم میں تعلیم و تہذیب اعلیٰ درجہ کی نہو۔

مجھے اس بات کی بے انتہا خوشی ہی کہ اب مستورات سے بطفیل حامی تعلیم نسواں جہالت کی خوفناک تاریکی زائل ہونی شروع ہوئی ہی اور روز بروز طبقہ اناث میں تعلیم یافتہ خواتین کی تعداد اضافہ پذیر ہی۔

یہ بھی خالی از مسرت نہیں کہ جو لوگ چند سال پیشتر زنانہ تعلیم کے بارے میں تنفر آمیز کلمے استعمال فرماتے تھے۔ اب مطابق زمانہ کی فائدہ بخش روش کے اُن لوگوں کے بھی خیالات میں تغیر پیدا ہوگیا ہی اور خود تعلیم نسواں کے مشتاق نظر آتے ہیں اور مستورات کو محتاج تعلیم قرار دیتے ہیں۔ لیکن تاہم بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو زنانہ تعلیم کو باعث بربادی خاندان تصور کرکے محض اپنی کم فہمی کی جہالت کی قید میں پڑے ہیں۔ خدا ان لوگوں کو ہدایت کرے۔ کُل مستورات پر شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔ ہمارے خیرخواہوں کی عالی حوصلگی سے امید ہی کہ عنقریب راہ جہالت ہم لوگوں پر مسدود ہوجائیگی۔

اگرچہ علم دریاے ناپیدا کنار ہی اور اُس کی تہ تک ہر شخص کا پہونچنا صرف دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہی۔ لیکن پھر بھی ہم لوگوں کو خدا نے اتنی توفیق عطا کی ہی کہ ہمت کرکے اس دُرِ بے بہا کے حاصل کرنے میں اپنی عمر کے ایک حصہ کو صرف کریں۔ اگرچہ علم حاصل کرنے میں بیحد دشواریاں اور دقتیں واقع ہوتی ہیں لیکن جس قدر پھر تمام کام سہل کرنے کا یہی باعث ہوتا ہی اُسیقدر دیرپا بلکہ دولت جاوید ہی۔ دونوں جہان کی عزت و توقیر اسی علم کی بدولت ہی۔ علم وہ شے ہی کہ جسکے مقابل میں کل چیز ہیچ ہی۔ عاقلوں کے سمجھنے کے واسطے یہی ایک مصرع کافی ہی۔ خور ندا زبراے گلے خارہا۔

بس یہیں سے مقام غور ہی کہ جب انسان اُس چیز تک دسترس ہونے کے لیے

اپنے کو کانٹے میں ڈالتا ہی جو سوا شکل ظاہری کے باطن میں کچھ نہیں - پھر چند گھنٹے کے ہستی کے بعد نیست و نابود ہو جائیگا - پس کیوں نہ ہم اُس پھول کے حصول میں بدرجۂ اتم ساعی ہوں جس کی خوشبو، فرح بخش پائدار ہی اور ایک ایک پنکھڑی میں لاکھوں فوائد نہاں ہیں - پھر کبھی اس گلشن سدابہار تک باد خزاں کی بھی مجال نہیں کہ گزر کرے - خوش نصیب وہ ہیں جو اس باغ کے گلچیں ہیں - اور جتنی تکلیفیں اس گل کے چننے میں واقع ہوں بخوشی خاطر گوارا کرنا چاہیے کیونکہ بغیر مشقت کے یا بلا ریاضت کے تحصیل علم خواب و خیال ہی -

جتنا وقت ملے اور جس قدر ترکیب سے ہو سکے اس گوہر نایاب تک پہونچنے میں ہرگز دریغ نہ کریں - جہانتک جلد ممکن ہو فوراً اس کی طرف متوجہ ہوں جو بعد میں ہزار درجہ مفید ثابت ہونے اور ہر طرح سے آرام دہونیکے علاوہ تنہائی کے وقت کا مونس و غمخوار ہی -

کیا اچھا وہ وقت ہی جب میں کتب بینی میں خاموش مصروف رہتی ہوں - کوئی میرے دل سے پوچھے کہ کتاب کی سیر میں کیا لطف ہی - گویا یہ معلوم ہوتا ہی کہ ایک باتہذیب بیگم سے ہمکلام ہوں - جو دوستی کی راہ سے اچھے اخلاق ذہن نشین کر رہی ہیں - اور قبل اسکے کہ میں کچھ راے زنی کروں وہ معلم صفت کتاب الفاظ کے معنوں کو تشریح کرکے بسہولت آگاہ کر دیتی ہیں - غرض میں کہانتک اسکے صفات لکھوں - علم کی ایک شمہ بھی صفت لکھنا میری امکان تحریر سے خارج ہی - علم کی توصیف بیان کرنے میں بھی علم کی ضرورت ہی - کیا ہی خوش نصیب وہ ہیں جو سعدی علیہ الرحمہ کے اس قول کو دلنشیں کرکے

کہ بے علم بودن بود غافلی

علم کی طرف راجع ہوئے ہیں مستورات کی جہالت سے قوم میں جو جو برے نتائج ظاہر ہیں وہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ اب خواب غفلت سے بیدار ہو کر تعلیم نسواں کی شمع عالم میں روشن کرو - بہرحال میں نہایت خوشی سے مبارکباد دیتی ہوں کہ حامیان تعلیم نسواں کی کوشش بلیغ سے اب اکثر مقاموں میں نور تعلیم نسواں بڑے آن و بان سے جھلکتا نظر

آتا ہے۔ خدا کرے کہ ان کوششوں کے مفید نتیجے دن بدن ترقی پذیر ہوں۔ آمین۔

راقمہ
ح ۔ خ ۔
از کلکتہ

مہذب کلامی

اول بات کو تولو، پھر موٹھ سے بولو۔ دانا آدمی ضرورت بغیر نہیں بولتے۔ بولتے ہیں تو مطلب سے زیادہ نہیں۔ ایک عالم کا قول ہے کہ ضرورت سے زیادہ بولنے والا دیوانہ ہے دوسرے کسی دانا نے کہا ہے کہ خدا نے دو کان اور ایک زبان دی ہے۔ پس کہنے سے سُننا دوچند ہو۔ یعنی جب تک تم سے نہ پوچھا جائے خاموش رہو۔ کیونکہ زیادہ بولنا عیب میں داخل ہے اور اس سے اپنا رعب اور وقر کم ہو جاتا ہے۔ اور اسکے سوائے زیادہ بولنے میں زیادہ غلطیاں ہوتی ہیں۔ ضرور سمجھ سوچ کر الفاظ موٹھ سے نکالو۔ ورنہ ندامت اُٹھاؤ گے۔

کبھی ناشایستہ لفظ زبان پر نہ آنے دو۔ بعض لوگ اپنے تکیہ کلام کو نا ملائم لفظ کر لیتے ہیں۔ یا بات بات میں قسم کھاتے ہیں یا اوروں سے قسم کے ملتجی ہوتے ہیں۔ یا کسی کو بیباختہ جھوٹا کر دیتے ہیں۔ یا بے مطلب کسی سے آمدنی، مکان۔ خوراک یا پوشاک وغیرہ کی نسبت سوالات کر بیٹھتے ہیں۔ یا باہم گالی گلوج۔ ٹھٹھا مسخرا پن کرتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ اس پاک آلۂ تکلم سے ایسا ناپاک کام نہیں لینا چاہیے۔

کوشش کرنی چاہیے کہ عورتیں شادی اور ماتم وغیرہ کے موقعوں پر خلاف تہذیب گیت نہ گایا کریں۔ یہ کتنی شرم کی بات ہے کہ بہو بیٹیاں اپنے بزرگوں کے سامنے یوں گستاخانہ اور بے حجابانہ الفاظ زبان سے نکالیں۔ کسی دانا نے بہت خوب کہا ہے کہ جو عورت زبان سے ناشایستہ بولتی ہے بہتر ہے کہ وہ گونگی ہو۔

تکبر خود ستائی۔ جھوٹ۔ غیبت۔ مذمت ایسے ہی رذیلہ خصائل مہذب کلامی کی راہ میں کانٹے ہیں یا ریلوے لائن پر پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑے دھرے ہیں۔ جو اس کی روانی کو روکتے ہیں۔ جسکو راہ رہت پر بے کھٹکے چلنا منظور ہو۔ وہ اپنے دامن کو ان کانٹوں سے بچائے۔ رستہ صاف رکھے۔ وہاں ڈاکوؤں کی بیخ کنی کرے اور اپنے بچاؤ کے واسطے۔ تجزیہ نیاز۔ رہت گوئی۔ تواضع و تحمل۔ سلیم المزاجی کو محافظ کے طور پر ہر وقت اپنے ساتھ رکھے۔ امید ہے کہ ان کی امداد سے دنیا کی پرخطر راہ بخیر و خوبی قطع ہو جائیگی تو دوسری صورت میں بھی یہ سفر تمام ہو جاتا ہے۔ مگر پیچھے بدنامی کے سوا کوئی نام نہیں لیتا۔ جس سے زیادہ بری یادگار اور کیا ہو سکتی ہے۔

انسان کو اپنی زبان پر جو شرف حاصل ہے وہ ایک بیش بہا باعث ہے۔ اور وہ چیز نطق ہے۔ اس سے ایک دوسرے کے مافی الضمیر کی اطلاع ہوتی ہے۔ یہ دل کے خزانے کی چابی ہے اگر کسی بھید کو چھپانا چاہتے ہو تو زبان پر مت لاؤ۔ ورنہ یہ ذرا نطق، دنیا میں مشہور کر دیگی۔ اسی کے طفیل انسان جلیل القدر مراتب پاتا ہے۔ اور یہی اسکو ذلیل و خوار کر دیتی ہے۔ یہ چاہے تو لاکھوں کا خون کرا دے۔ اور چاہے تو پھانسی چڑھنے والوں کو چھڑا دے۔ اس کی فصاحت جادو کا کام دیتی ہے۔ دشمنوں کو دوست بناتی ہے اور بنے کاموں کو بگاڑتی ہے۔ شاہی تخت پر بٹھاتی ہے اور در در بھیک یہ منگاتی ہے۔ صلح کہ امن کی باگ بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور جنگ و جدل کی باگ بھی۔ یہ انسان کو پارسا اور خدا دوست بناتی ہے۔ اور یہی بدکردار اور گنہگار کر دکھاتی ہے۔ مہذب انسان اسکو اپنے قابو میں رکھتے ہیں اور خودسر نہیں ہونے دیتے، وہ بے ضرورت نہیں بولتے۔ اور بولنے کے وقت خاموش بھی نہیں رہتے۔

پس اے ہونہار بہنوں اگر شائستگی چاہتی ہو تو پہلے اپنی زبان کو درست کرو۔ بات وہ کہو جو سب پسند کریں۔ اور تمہارے بول ایسے پیارے ہوں کہ گویا موتی برس رہے ہیں یا موتھ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ ورنہ تم قابل رحم نہ سمجھی جاؤ گی۔ اور اپنے کیے سے

پچھتاؤ گی - اور پھر اس وقت کی پشیمانی تمہیں کچھ فائدہ نہ دے گی -

رقمہ
مسز قاضی محمد عبد القدیر
از لاہور

چند باتیں

اپنی کتابوں سے

میں تم سے چند باتیں کرنی چاہتی ہوں بشرطیکہ تم غور سے سنو کیونکہ جیسا تم میں سنانے کا مادہ ہے ویسا سننے کا نہیں میں تم سے کوئی مشورہ کرنا نہیں چاہتی کیونکہ بہت سے مشورے تم بغیر پوچھے مجھے دے چکی ہو بلکہ تمہاری مہربانیوں کا اعتراف اور تمہاری ہمدردانہ صلاحوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں، تم نے مجھے بہت سے فائدے پہنچائے ہیں اسلیے مجھے سلسلہ وار شکریہ ادا کرنا لازم ہے -

ایک دن میری طبیعت ازحد پریشان ہو رہی تھی کیونکہ انسان کے لیے جو دنیا میں آیا ہے ایسی باتیں لابدی ہیں جو اُس کی طبیعت کے خلاف ہوں اور اُسکو رنج پہنچائیں - اسی طرح مجھ پر بھی نیچر کے قانون کے مطابق غمگینی چھائی ہوئی تھی اور میں رنجیدہ ہو کر دل بہلانے کی تجویز سوچ رہی تھی کہ تمہاری یاد نے مجھے ایک مفید مشغلہ کی خبر دی - میں تمہارے رہنے کی جگہ گئی اور تم میں سے کئی ایک کو نکال کر دیکھنا شروع کیا جس میں کئی گھنٹے صرف ہوئے اور اس طرح میں نے تم سے خوشی پائی جسکا شکریہ میں ادا کر کے ایک فرض سے سبکدوش ہوتی ہوں -

ایک دن میری طبیعت کو شعروں کے پڑھنے کی خواہش ہوئی اور میں نے چاہا کہ میں چند شعر پڑھکر روح کو آرام پہنچاؤں لیکن افسوس تمہارے بغیر کوئی چیز ایسی نہ ملی جس سے میں فائدہ اُٹھا سکتی ناچار پھر میں نے تمہیں نکالا اور ورق گردانی شروع کی تھی کہ مندرجہ ذیل نظم سے:

آنکھوں کے سامنے پیش ہو کر مجھے اپنی موجودہ حالت کا فوٹو دکھایا،

ہماری ہر اک بات میں سفلہ پن ہے ۔۔۔ کمینوں سے بدتر ہمارا چلن ہے
لگا نام آبا کو ہم سے گہن ہے ۔۔۔ ہمارا قدم ننگ اہل وطن ہے
بزرگوں کی توقیر کھوئی ہے ہم نے
عرب کی شرافت ڈبوئی ہے ہم نے

نہ قوموں میں عزت نہ جلسوں میں وقعت ۔۔۔ نہ اپنوں سے الفت نہ غیروں سے ملت
مزاجوں میں سستی دماغوں میں نخوت ۔۔۔ خیالوں میں پستی کمالوں سے نفرت
عداوت نہاں دوستی آشکارا
غرض کی تواضع غرض کی مدارا

تنزل نے کی ہے بری گت ہماری ۔۔۔ بہت دور پہنچی ہے نکبت ہماری
گئی گزری دنیا سے عزت ہماری ۔۔۔ نہیں کچھ ابھرنے کی صورت ہماری
پڑے ہیں اس امید کے ہم سہارے
توقع پہ جنت کے جیتے ہیں سارے

اس لیے مجھے تمہارے دو شکریے ادا کرنے لازم ہیں اول تو نظم کے مہیا کرنے کا اور دوسرا قوم کی حالت سنانے کا۔

ایک دن میں بڑے غور سے تمہارا مطالعہ کر رہی تھی کہ میں نے تم میں سے ایک کے اوپر موٹے حرفوں سے خاتون لکھا ہوا دیکھا۔ پہلے میں سمجھی کہ شاید مستورات کی واحد مراد ہے مگر پھر غور کیا کہ ٹائٹل پیج پر تو کتاب کا نام ہوتا ہے، شاید یہ بھی کوئی کتاب ہو۔ اسلیے پڑھنا شروع کیا تو آج تک چھٹائے نہیں چھٹتی کیونکہ اسکے مضمون بڑے اعلیٰ پایہ کے ہوتے ہیں یہاں پر بھی تمہارا شکریہ ادا کرنا لازم ہے۔ کیونکہ تمہاری بدولت اعلےٰ مضمون پڑھنے اور خیالات ادا کرنے کی قدرت ہوئی۔

اب میں تمہارا شکریہ سلسلہ وار ادا کر چکی ہوں مگر مجھے افسوس ہے کہ تمہاری ایک عادت کی میں شکایت بھی کرنی چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ تم جس طرح انگلستان اور فرانس اور جرمن وغیرہ میں لیڈیوں کی خدمت میں باتمیز کے حاضر رہتی ہو اسی طرح تمہیں ہندوستان کی بیگمات کے پاس رہنے میں کیوں عذر ہے۔ امید ہے کہ تم مجھے اس بات کا جواب بذریعہ خاتون دو گی۔

راقمہ

بنت میاں حفیظ اللہ صاحب بی اے ایل ایل بی
وکیل امرتسر

اصلاح شادی

حضرت آدم علیہ السلام جب بہشت کے ہر طبقوں کی سیر کر چکے اور انواع واقسام کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوئے تو فردوس ایسی پُرفضا اور دلکش جگہ میں بھی آپ کا دل گھبرانے لگا اُس وقت خالقِ داور اپنی قدرت لازوال سے آپ کے بائیں پہلو سے بی بی حوا کو عالم وجود میں لایا اور آپ کی دلبستگی کا اچھا سامان مہیا کر دیا۔

اب یہاں یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ اماں حوا کا مذکورۂ بالا نہج سے عالم ظہور میں آنا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ عورت مرد کی غمخوار۔ مونس شفیق۔ رفیق۔ یاور۔ ہمدم۔ دل سے محبت کرنے والی مصیبت میں کام آنے والی پیدا کی گئی ہے۔ نہ صرف اس لیے کہ بنی آدم کی تعداد میں اضافہ کرے۔ اگر کوئی عورت ان سب صفات حمیدہ کے زیوروں سے آراستہ نہ پائی جاوے تو اُسکو عورت کہنا درست نہیں۔

وہ شخص بہت ہی خوش نصیب کہا جا سکتا ہے جس کی زوجہ اول الذکر صفات سے مرصع وپیراستہ پائی جائے۔ اور حسرت وافسوس کا مقام ہے اُس شخص کے لیے جو اس نعمت غیر مترقبہ

سے محروم ہے۔ لیکن یہ بات بھی قابل غور ہی کہ ہر شخص کی بی بی بہمہ صفت موصوف ہو یہ ایک امر موہوم ہی۔ پس ہر انسان کو لازم بلکہ فرض ہی کہ اس کار خیر میں بہت ہی غور و خوض سے کام لے ورنہ "تیر از کمان جستہ باز نہ آید" کا مضمون صادق آئیگا۔ یا یوں کہئے "اب پچھتاے کیا ہوت ہی جب چڑیاں چگ گئیں کھیت"

چونکہ زمانہ حال میں حُسن پرستی و زر پرستی کے امراض عالمگیر ہیں اور ہر شخص کے دلوں پر اچھی طرح تسلط کیے ہوئے ہیں۔ اسلیے بہت سے اشخاص بجاے اسکے کہ اُن کی امید کا شجر بار ور ہو خود انہیں کے کرتوتوں سے پائمال ہوکر خاک میں مل جاتا ہی۔ اور وہ اس طرح مصیبتوں سے جاں بلب ہوجاتے ہیں کہ موت کو اپنی زندگی پر ترجیح دینے کے واسطے آمادہ ہوجاتے ہیں ؎

آسودگی بگوشۂ ہستی ندیدہ ایم ... جاں دادہ ایم و کنج فراغے خریدہ ایم

خدا ہی اُن کی حالت زار پر رحم کرے تو بیڑا پار ہے ورنہ کوئی تدبیر اُنکے سنبھلنے کی نہیں۔

عوام الناس شادی کرنے میں دو ہی چیز کو زیادہ تر مد نظر رکھتے ہیں۔ ایک دولت دوسرے حُسن۔ اور اسی باعث علی العموم اپنے موںھ کی کھاتے ہیں اور پشیمانی کی خاک پھانکتے ہیں۔ دولت کے لالچ پر شادی کرنا اور عزت کی امید رکھنا خیال خام ہی۔ امیر گھروں میں شادی کرنے سے لوگوں کا زیادہ تر یہ منشا ہوتا ہی کہ کچھ آؤ بھگت زیادہ ہوگی نام روشن ہوگا۔ لوگ ہمیں بڑا تصور کرینگے۔ افسوس! صد افسوس! وہ اس اُلجھاؤ میں پڑے ہیں اور یہ نہیں جانتے ہیں "کہ بر سر گنج مار ہست" حضرت! سانپ بھی ایسا ویسا نہیں بلکہ جسکے کاٹ کا منتر نہیں۔

ایک قصہ آپکے ہدیۂ نظر کرتا ہوں کہ روپیے کے لالچ میں شادی کرنے سے کیا کیا فوائد ہیں۔

ہمارے ایک دوست تھے اُن کے والدین نے بیچارے کی شادی ایک دولتمند کی

ڑکی سے کر دی۔ صرف اس غرض سے کہ لڑکی بعد اپنے والدین کے کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ کی مالک ہوگی اور اس ذریعہ سے اگر اللہ نے چاہا تو زر کثیر ہاتھ آئیگا۔

اب طرہ سُنیئے کہ بعد شادی ہونے کے اُس لڑکی کے والد بزرگوار نے ایک نوجوان عورت سے شادی کرنے پر آمادگی ظاہر کی اور چند ہی روز میں اُس پیر نے جس کی عمر سن شیخوخیت کو آگئی تھی شادی کر لی اور اپنی کل جائداد اُس بی بی کے نام لکھدی۔ ہمارے نوجوان دوست اور اُن کے والدین نے جس وقت یہ وحشت انگیز خبر سنی۔ ہاتھ کے طوطے اڑ گئے

اب لڑکی کی حالت سنیئے! لڑکی کا ہیکو ہے۔ سینکڑوں بیوہ ری کی مخزن ہے۔ بیوقوف انتہا درجہ کی عقل و شعور کا سایہ تک نہیں پڑا ہے۔ تہذیب و اخلاق کی بو باس تک نہیں۔ لیکن اب کریں تو کیا کریں۔ بجز حسرت و افسوس یا طبیبوں کے دروازے کی خاک چھاننے کے کوئی چارہ نہیں "یکے نقصان مایہ دیگرے شماتت ہمسایہ" اگر دوسری شادی کرتے ہیں تو اُنکے ہمقوم بوجہ سوتیا ڈاہ کے لڑکی دینے کے روادار نہیں۔

ہمارے دوست کی حالت قابل رحم ہے جسنے اپنے بزرگوں کے فرمان میں سر تسلیم کو خم کیا اور اپنی پُر بہار زندگی میں خزاں کو راہ دیکر بالکل تلخ کر دیا۔ طمع زر کے سبب شادی کرنے سے کیا کیا فوائد ہیں ناظرین پر اچھی طرح ظاہر ہو گئے۔ لیکن اس سے یہ ہمارا منشا نہیں کہ امیر گھر میں شادی کرنے سے یک قلم متنفر ہو جائیے۔ بلکہ اپنے فہم و ادراک سے اس معاملہ میں پوری طرح سے کام لے اور اس بات کو ذہن نشین کرے کہ دنیا میں اللہ تعالی نے روپیہ حاصل کرنے کی ہزاروں بلکہ لاکھوں تدبیریں پیدا کی ہیں۔ صرف یہی ایک ذریعہ نہیں جس سے انسان کو روپیہ ہات آسکتا ہے۔

دوسری چیز حُسن ظاہری ہے جسکو انسان پیش نظر رکھکر شادی کرنے میں آمادہ ہو جاتا ہے شاید اس بات کے ماننے میں کسی فرد بشر کو کسی طرح کا کلام نہوگا کہ حُسن کی دو قسمیں ہیں۔ حُسنِ ظاہری و حُسنِ باطنی۔ حسن ظاہری پر ہم زیادہ خامہ فرسائی کرنا نہیں چاہتے۔ اور

اور نہ یہ بتا سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو فلاں قسم کی عورت حسب دلخواہ ہوگی یا نہیں۔ کیونکہ خداوندکریم نے ہر شخص کی طبیعت قدرتاً جداگانہ پیدا کی ہے۔ اسلیے اتنا کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ جسکو پیا چاہے وہی سہاگن کیا کالا کیا گورا لیکن یہ بھی واضح رہے کہ حسن ظاہری پر مفتوں ہوکر بغیر سوچے سمجھے شادی کرنا حماقت کی دلیل ہے۔ انسان کی فطرت میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ کیسا ہی خوبصورت سے خوبصورت نظارہ اگر انسان کے ہمیشہ مدنظر رہے تو وہ ہیچ معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں حسن ظاہری ناپائدار ہے۔ اس لیے حکماء کا قول ہے کہ "ہرچہ دیر نپاید دلبستگی را نشاید"

چھوڑ اے ناداں یہ بیہودہ خیال — ہے زمانہ کی ہمیشہ سے یہ چال

اب رہا حسن باطنی جس کی طرف ہم اپنے ناظرین پر تمکین کے پاک خیالوں کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔

اوّل مجھے یہ بات بتلانا ضروری ہے کہ حسن باطنی کن کن چیزوں سے مرکب ہے۔ تمیز۔ شعور علم۔ حلم۔ محبت۔ ہمت۔ مروت۔ غمخواری۔ خاکساری۔ بردباری۔ چالاکی۔ چستی۔ فہم۔ ادراک حافظہ۔ ذہن وغیرہ وغیرہ۔ اب ناظرین ذرا عقل کو راہ دیں اور اس بات کو سوچیں کہ جو عورت یا مرد ان سب صفات سے مزین ہوں وہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ پس اس حالت میں انسان کو زیادہ تر حسن باطنی ہی دیکھنا چاہیے۔

عورتوں میں کم از کم دو صفتوں کا ہونا ضروری ہے۔ اوّل عقل۔ دوم محبت۔ عقل کی پہچان آسان ہے لیکن محبت کی تمیز البتہ غور طلب ہے۔ شادی کرنے سے قبل لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ آیا وہ عورت مجھ سے محبت کرنے والی ہے یا نہیں۔ اور یہ اسی کے بہترین نتائج میں سے ہے کہ آج ہم ننانوے فیصدی میاں بی بی میں نااتفاقی دیکھتے ہیں۔

شادی کا بہتر طریقہ اللہ تعالےٰ نے خود بتایا ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء (ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں) اسی پر عمل کرنے سے عام دقتیں کافور ہو جاتی ہیں۔ اگر مسلمان چند قبیح رسوم جو انھوں نے بسبب جہالت کے اختیار کی ہیں۔ چھوڑ دیں تو البتہ ان سب

معاملوں میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ہندوستان میں منگنی کی رسم اُس وقت البتہ کارآمد ہو سکتی ہی جب بعد منگنی کے لڑکی اور لڑکے کو اپنے بزرگوں کے نزدیک ملنے کی عام اجازت ہو تاکہ وہ ایک دوسرے کی حالت سے اچھی طرح آگاہی حاصل کریں اور ایک دوسرے کو اچھی طرح جانچ لیں تاکہ پیچھے کسی قسم کا دہوکہ نہ اُٹھانا پڑے۔

بجاے اسکے کہ مذکورۂ بالا طریق سے شادی کنندگان کو آزادی دیجائے۔ اس نسبت کے بعد ہندوستان میں لڑکی اور لڑکے کو سسرال جانے سے اس درجہ پرہیز کرایا جاتا ہی۔ جیسے زاہد میخانے سے، صوفی مکروہات سے۔ نکاح کے وقت قاضی صاحب نے سوال کیا تو فوراًت ہی پیشتر جواب "جی ہاں منظور ہی" دینا ضروری ہی۔

کیا یہ بات بعید از عقل نہیں ہی کہ ایسی چیز کو جو ہماری زندگی کی جزو اعظم ہو جسپر ہماری آیندہ خوشیوں کا دارومدار ہو بغیر دیکھے بھالے منظور کریں۔ اگر یہ بات فرض کی جاے کہ والدین کی تجویز سے شادی کرتے ہیں تو ہمارے والدین کو اسکا کیا علم ہی کہ وہ عورت ہمارے حسب دلخواہ ہو گی یا نہیں۔ مگر افسوس علم ہو تو کیونکر ہو لڑکی تو اس درجہ ساس وسسرے سے پردے کا لحاظ رکھتی ہی کہ اللہ ہی حافظ تو پھر ہمارے ناظرین دوسروں کی راے پر اپنی آیندہ قسمتوں کا فیصلہ کرنا (شادی) بیوقوفی نہیں تو پھر کیا ہے۔ کسی نے ٹھیک کہا ہی۔ ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ،

اگر بعد شادی کے جیسا احوال زمانہ سے ظاہر ہی کہ خدانخواستہ ساس اور بہو میں ناچاقی درپیش آئی۔ یا لڑکے کو بی بی کے سبب ماں سے نااتفاقی ہو اور ایک دوسرے کے دلوں میں کدورت آجائے تو اسکا الزام لڑکے پر نہیں لگنا چاہیے۔ جیساکہ لوگ عام طور پر کہتے ہیں کہ لڑکے کی شرارت ہی کہ بیوی کو درست نہیں رکھتا بلکہ بجاے اسکے اگر یہ کہا جاے کہ "اے بادصبا ایں ہمہ آوردۂ تست" تو موزوں ہوگا۔

المختصر اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو انسان کو شادی کرنے سے بڑھکر کوئی چیز

مشکل نہیں کیونکہ آدمی کی زندگی بعد شادی کے ایک دوسرے سانچے میں ڈھلی ہوئی نظر آتی ہے اور اس سے بہت سخت تبادلہ خیالات و افعال میں واقع ہوتا ہے۔ عورت ہمیشہ نیک اور خوشخو تلاش کرنی چاہیے۔

زن نیک و خوش سیرت و پارسا　　　کند مرد درویش را بادشا

محمد عبد الرؤف
از بھاگلپور

برہما کی لڑکیاں

ہمارے مہربان کرمفرما ایس یو منٹو صاحب امرتسری نے جن کا قیام آجکل برہما میں ہے مندرجہ ذیل مضمون خاتون کے لیے بھیجا ہے جسکو درج کرکے ہم امید کرتے ہیں کہ وہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

جو لوگ اپنے ملک سے باہر دنیا کے دور دراز حصوں میں چلے جاتے ہیں انکا بہترین تحفہ اہل ملک کے لیے یہی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے مشاہدات اور اس ملک کے جہاں وہ گئے ہیں مفید حالات اپنے ملک کے لوگوں کو سنائیں۔ اور آجکل اخبارات اور رسالے ایسے آسان ذریعے ہیں کہ ان کے توسط سے وہ لوگ جو غیر ملک میں گئے ہوئے ہیں نہایت آسانی سے برابر اپنے ملکیوں سے روحانی ملاقات کر سکتے ہیں۔

ہم نہایت ممنون ہیں کہ ہمارے کرمفرما موصوف نے یہ مضمون بھیجکر اپنی قومی بہنوں کو اپنی سیاحی کے لطف سے محروم نہ رکھا۔ اسکے ساتھ ہی یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ آیندہ بھی وہ خاتون کے لیے کچھ لکھا کرینگے۔

اڈیٹر

برہما میں ایک عرصہ دراز رہنے کے بعد جہاں میں نے اس عرصہ میں سوائے برہما کی

عورتوں کے کوئی اور عورت نہ دیکھی تھی۔ جب میں نے ایک عورت دیکھی تو وہ مجھے نہایت بدصورت معلوم ہوئی۔ اُس کی بڑی ناک اُسکا لمبا چہرہ دراز قد مجھے بہت بُرا معلوم ہوا۔

اگر عورت کے لیے دنیا میں بہشت ہی تو بلا تردید میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ برہما ہے۔ یہاں کی عورتیں ہندوستان کے دوسرے حصوں سے بہت مختلف ہیں۔ یہاں حقوق نسواں کے لیے انجمنیں بنانے کی ضرورت نہیں ہی جن کی مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہی کہ ہندوستان کے دیگر حصص میں بہت ضرورت ہی۔ یہاں مردوں اور عورتوں کے حقوق برابر ہیں۔ بلکہ عورتوں کے بہت کچھ زیادہ ہیں۔ تمام کاروبار عورتیں کرتی ہیں اور آدمی بچوں کی حفاظت کے لیے گھر پر بیٹھتے ہیں۔ ہر ایک عورت کی کسی نہ کسی چیز کی دکان ہوتی ہی۔ اور جب اسکے خاوند کا اسکے ساتھ برتاؤ اچھا نہ رہے تو وہ جھٹ طلاق لے لیتی ہی۔ اور غالباً پہلے سے اچھی زندگی بسر کرتی ہے۔

جب کوئی برہما میں پہلی مرتبہ جائے تو وہاں کی عورتیں اُسے حسین معلوم نہیں ہوتیں۔ مگر کچھ عرصہ بعد حقیقت معلوم ہوتی ہی اور اُن کی خوبصورتی کا حال کھلتا ہی۔ اور دیگر حصص کی عورتیں اُسے بدصورت معلوم ہونے لگتی ہیں۔ دوسرے ملکوں کی طرح عورتوں کی خوبصورتی کا معیار بال تصور کیے جاتے ہیں۔ اور جسکے بال زمین تک پہنچے ہوں وہ عورت بلاشک قابل رشک ہوتی ہی۔ وہ سر کو برہنہ رکھتی ہیں۔ اور مختلف قسم کے پھول خوبصورتی کے لیے سر میں لگاتی ہیں۔ انہیں جواہرات سے خاص محبت ہی۔ اور مالا۔ انگوٹھیاں اکثر پہنتی ہیں۔ یہاں ہر ایک عورت اپنی پیدایش کا دن۔ ہر ہفتہ میں ایک دفعہ مناتی ہی اس روز سہیلیاں ایک دوسری کو تحفے بھیجتی ہیں۔

برہما کی لڑکیوں کے نام اُن کی یوم پیدایش کے لحاظ سے رکھے جاتے ہیں (جیسے پنجاب میں بھی رواج ہی مثلاً اگر کوئی لڑکا بدھ کو پیدا ہو تو اُسکا نام بدھو رکھدیتے ہیں) اسواسطے اُن کے ناموں کا دائرہ بہت محدود ہی۔ مگر یہ نام بڑے لطف کے ہوتے ہیں۔ اور بہت

بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً ماہ خیں۔ ماہ یعنی حسن اور خیں یعنی محبوبہ اور ماہ ونگ ہلا۔ یعنی مس حسینہ اور اسی طرح ماہ ہماو یعنی مس شمیم۔ بعض نام ایسے بھی ہوتے ہیں جو ایسے پر لطف نہیں ہوتے مرد اپنی زندگی کے مختلف حصوں میں اپنا نام تبدیل کر لیتے ہیں مگر عورتوں کا نام عمر بھر ایک ہی رہتا ہے۔

برہما کے ہر ایک لڑکے کے اعضا زخمی ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر انکے اعضا زخمی نہونگے جو کہ بہادری کی نشانی خیال کی جاتی ہے تو کوئی حسین لڑکی ان کی طرف آنکھ اٹھاکر بھی نہ دیکھے گی۔ یہ زخم اکثر اوقات اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے ہوتے ہیں۔ لڑکیوں کی ناک پر بھی عین دونوں آنکھوں کے درمیان بعض اوقات زخم ہوتا ہے مگر یہ شاذ ونادر ہوتا ہے اور یہ زخم وہ لڑکی لگاتی ہے جو اپنی خاوند کی آنکھ کچھ پھری ہوئی دیکھتی ہے۔ بعض لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں جنہیں کوئی پسند نہیں کرتا تو وہ ایسی حالت میں کانوں کے اوپر کے سر کے بال منڈا ڈالتی ہیں۔ جسکے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اگر کوئی اسکے ساتھ شادی کرنا پسند کرے تو وہ اُس کی بہت مشکور ہوگی۔

کئی ایک انگریزوں نے بھی اپنی شادی برہما کی لڑکیوں سے کرلی ہے مگر ایک بات جو میں ان میں دیکھکر خوش ہوا وہ اُن کا لباس نہ بدلنا تھا۔ بلکہ وہ اپنا ہی لباس پہنتی ہیں اور اُس کی قدر کرتی ہیں۔ وہ جانتی ہیں کہ وہ اُن کی خوبصورتی دوبالا کرنے میں کس طرح سونے پر سہاگے کا کام کر رہا ہے۔

اکثر ضیافتوں میں مجھے ایسا دیکھنے کا اتفاق ہوا کہ میرے دائیں طرف تو ایک انگریز صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور دوسری طرف اُن کی بیوی پاؤں اور سر برہنہ بیٹھی ہوئی تھی

برہما کی عورتوں کو چرٹ پینے کی بہت عادت ہے۔ ابھی بالکل چھوٹی عمر کی ہوتی ہیں۔ غالباً چار یا پانچ برس کی کہ وہ چرٹ پینا شروع کر دیتی ہیں۔ اور تمام عمر پیتی رہتی ہیں۔ یہ چرٹ ۶ انچ سے ایک فٹ تک لمبا اور اتنا موٹا ہوتا ہے کہ بمشکل موہنہ میں آتا ہے۔ جس طرح ہمارے ہاں

فقیر مانگتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح وہاں چرٹ کا ایک کش لینے کے لیے جنکے پاس چرٹ نہیں ہوتا التجا کرتے پھرتے ہیں۔

پہلے جب میں برہما میں گیا تو میں چرٹ کا وہ حصہ جو لی کر بچ رہتا پھینک دیا کرتا مگر کچھ دنوں بعد مجھے اپنی غلطی معلوم ہوئی تو پھر میں وہ کسی کو دیدیا کرتا جو میرا نہایت ہی مشکور ہوتا۔ اکثر دیکھنے آتا ہی کہ سات آٹھ لڑکیاں ایک جگہ بیٹھتی ہیں۔ اور عین اُسی طرح جیسے ہم اکثر دہقانوں کو حقہ پیتے دیکھتے ہیں۔ ایک چرٹ ہوتا ہی جو باری باری سب پیتی ہیں اور مزے سے باتیں کرتی جاتی ہیں۔ ان کے مزاج میں بچپن بہت دیر تک نہیں رہتا بارہ یا تیرہ برس کی عمر میں وہ متین ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کی شادی کا وقت قریب ہوتا ہی جو کہ ۱۶ یا ۱۷ برس کی عمر میں ہوتی ہی۔ شادی سے کچھ دن پہلے ان کے کان چھیدے جاتے ہیں اور یہی نشانی اُس لڑکی کی ہوتی ہی جس کی شادی عنقریب ہونے والی ہوتی ہی۔ اور یہ رسم بڑے دھوم دھام سے ادا کی جاتی ہے اس کی ادائگی کے لیے فال کے ذریعہ سے کوئی نیک ساعت تجویز کی جاتی ہی۔ اُس دن لڑکی کی تمام سہیلیاں بلائی جاتی ہیں اور دیگر رشتہ داروں میں بھی بلادے جاتے ہیں۔ خوب راگ رنگ ہوتا ہی۔ باجے بجائے جاتے ہیں۔

غرضکہ خوب چہل پہل ہوتی ہی۔ وہ لڑکی بھی اپنی سہیلیوں میں بیٹھی اس راگ و رنگ میں شریک ہوتی ہی کہ یکایک اسکو پکڑ لیتے ہیں اور سوئی سے کان چھید دیتے ہیں وہ بیچاری روتی ہے چیختی ہی۔ مگر کوئی نہیں سنتا بلکہ جتنا زیادہ روتی ہی اتنا ہی زیادہ اُس کی سہیلیاں ہنستی ہیں۔ اور شور مچاتی ہیں۔ اور باجے اور نقارے برابر بجتے جاتے ہیں۔ راگ بھی شروع رہتا ہے۔ اُس وقت کان میں سونے کے تار ڈالدیے جاتے ہیں مگر کچھ عرصہ بعد اس سے موٹے ڈالتے ہیں۔ حتیٰ کہ کان کا سوراخ قریباً ایک انچ کے موٹا ہو جاتا ہی۔ جس میں یا تو سونے کا موٹا چھلا جو جڑاؤ ہوتا ہی اگر لڑکی کسی امیر کی بیٹی ہوئی ورنہ شیشہ کا چھلا ڈالدیتے ہیں۔

اس رسم کی ادائگی کے بعد لڑکی کی دوسری زندگی شروع ہوتی ہی۔ وہ بچپن کے تمام

خیالات چھوڑ دیتی ہے اور ایک متین عورت بنجاتی ہے۔ اسکو اپنے لباس کا بہت خیال رکھنا پڑتا ہے اور اب وہ بجاے شوخ رنگوں کے ہلکے رنگ استعمال کرتی ہے۔ اور سب سے بڑھکر وہ اپنے بالوں کا خیال رکھتی ہے اور پھولوں کی ترتیب کا کہ کس انداز سے وہ لگاے جائیں۔ اُس کی چال میں بہت تبدیلی واقع ہوتی ہے اب وہ آہستہ آہستہ چلتی ہے اور اپنی نظر زمین کی طرف لگاے رکھتی ہے اور اپنے آپ کو بے لوث ثابت کرتی ہے۔

جب شادی ہوتی ہے تو کوئی پجاری وغیرہ اس رشتہ کو قائم کرنے کے لیے نہیں بلاے جاتے۔ بلکہ پہلے تو یہ رسم تھی کہ دولہا دُلہن کا ایک ہی برتن میں کھانا کھانا اس رشتہ کا قائم مقام سمجھا جاتا تھا مگر اب باقاعدہ ضیافت ہوتی ہے۔ اور اس میں دونوں دولھا دُلہن اکھٹے بیٹھتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں۔ یہی رسم شادی کی ادائگی کی ہے۔

شادی کے بعد قریباً دو برس تک دُلہا اپنی دُلہن کے ساتھ سُسرال ہی میں رہتا ہے۔ جس سے یہ فائدہ توضرور ہوتا ہے کہ دُلہن ساس کے طعنوں سے بچی رہتی ہے اور اس عرصہ میں حسب معمول تمام کاروبار عورت ہی سرانجام دیتی ہے۔ کاروبار سے مطلب گھر کا کام کاج نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ وہ دُکان لیتی ہے اور کوئی تجارت کرتی ہے۔ وہ عمارتیں بنانے کے ٹھیکے لیتی ہے اور سب کچھ اپنی زیرنگرانی کراتی ہے باوجود اسکے وہ اس بات کو کبھی نہیں بھولتی کہ وہ عورت ہے وہ لباس کا اسی طرح خیال رکھتی ہے اور بال بھی اسی طرح سنوارتی ہے۔ پھولوں کا استعمال برابر جاری رہتا ہے۔ ہاتھ میں انگوٹھیاں بھی پہنتی ہے - وہ ہر روز اپنے لباس کی آرستگی کے لیے گھنٹے دو گھنٹے نکال لیتی ہے۔

اگر اس سے سوال کیا جائے کہ تم کیوں بے فائدہ اپنا وقت ضائع کرتی ہو تو وہ کہتی ہے کہ کیوں میں خوبصورت نہ بنوں اور کہتی بھی سچ ہے بھلا کیوں نہ بنے برہما کی لڑکیاں خواہ شادی شدہ ہوں یا کنواری زندگی کو کبھی بے لطف نہیں ہونے دیتیں وہ اسے ہمیشہ خوشی و آرام میں گزارتی ہیں۔ ان کی زندگی کا بڑا منشا خوبصورت بننا اور خود کو اور دوسروں کو خوش رکھنا ہے۔ اگر

اتفاق سے دن کو اُسکے گھر میں آگ لگجائے اور اُسکا سب مال و اسباب جل جائے تو بھی یقیناً
رات کو تم اُسے ناچ گھر میں چوسرٹ پیتے اور ہنسی مذاق میں مشغول پاؤ گے۔ ہر ایک لڑکی ناچتی
ہی مگر پبلک میں نہیں۔ پبلک میں وہ صرف اُسی وقت ناچتی ہیں جبکہ کوئی بڑی ضیافت ہو مگر
ان میں مرد اور عورتیں کبھی اکھٹے نہیں ناچتے۔ تھیٹر دیکھنے کے یہاں زن و مرد دونوں مشتاق
ہیں۔ یہاں تھیٹر کے کھیل شام سے شروع ہوکر صبح کے وقت تک برابر جاری رہتے ہیں۔
تھیٹر میں ہر مرد و عورت عمدہ لباس میں آتے ہیں اور چوسرٹ کا شغل برابر جاری رکھتے ہیں
برہما کی لڑکیاں اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کرتیں مگر تاہم وہ اس سے بالکل غافل بھی نہیں ہیں۔

مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ مذہب کا خیال رکھتی ہیں اور باقاعدہ مندروں میں
جاتی ہیں جو کہ نہایت ہی عمدہ اور پاکیزہ ہوتے ہیں۔ ان کو بت پرست خیال کرنا ایک سخت
غلطی ہے۔ ان کو ہم جبکہ وہ کسی بت کے سامنے جھکتی ہیں عیسائیوں سے زیادہ بت پرست
نہیں کہہ سکتے جبکہ وہ تعظیم کیواسطے صلیب کے سامنے جھکیں۔ اور وہ اپنے مذہبی لیڈروں کے
سامنے صرف اسواسطے بیٹھتے ہیں کہ اُن کی پاک زندگی کا نقشہ انکے سامنے کھنچ جائے۔
اور وہ بھی اُن کے نقش قدم پر چل سکیں۔ وہ اُن کے چہروں کو ٹکٹکی لگائے اسواسطے دیکھتے
ہیں کہ ان کو حقیقی خوشی و آرام نصیب ہو اور وہ دنیا اور مافیہا سے غافل ہوکر خداوند کریم کا
قرب حاصل کرسکیں۔

رقمہ

ایس۔ یو۔ منٹو امرتسر

زنانہ ورزشیں

خاتون فروری نمبر میں ایک مضمون بعنوان " زنانہ ورزشیں" شائع ہوا ہی۔ جس میں
مضمون نگار صاحبہ نے عورتوں کے لیے بھی ورزش جسمانی کی اہمیت اور ضرورت کو

تسلیم کرکے نوعیت ورزش کے متعلق استفسار رائے کیا ہی۔ اسلیے میں اس سبجکٹ پر اپنی رائے ذیل میں ظاہر کرتا ہوں۔

مخالفین پردے کو اس مشکل کے حل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہی۔ اُن کے نزدیک تو مردوں کی طرح عورتوں کے لیے بھی ہر کام کے لیے آزادی کا میدان کھلا ہی۔ مؤیدین پردہ کو البتہ اس مشکل کے حل کرنے کی ضرورت اور فکر لاحق ہی۔ یہاں پر دو حالتیں ہیں۔ ایک حالت یہ ہی کہ اُن لڑکیوں کو کس قسم کی ورزش سکھلانی چاہیے جو پردہ کے ساتھ زنانہ مدارس میں تعلیم پا رہی ہیں۔ میں جہانتک قیاس لگاتا ہوں نصاب نسواں کی تیاری میں اس شاخ کی فروگذاشت نہیں کیجائے گی اور جس طرح لڑکوں کے لیے ایک کتاب ورزش پر لکھی گئی ہی۔ جس کے مطابق اُن کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ ورزش کی تعلیم بھی دیجاتی ہی۔ اور امتحان میں اس سبجکٹ میں بھی پاس کرنا ضروری ہی۔

اسی طرح لڑکیوں کے لیے بھی کوئی کتاب لکھی جا رہی ہوگی۔ کیونکہ نئی طرز تعلیم کی رو سے ورزش تعلیم کا جزو اعظم قرار پاچکا ہے۔

دوسری حالت یہ ہی کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب لڑکیاں خانہ دار ہو جائینگی اور گھروں کی چار دیواری میں جب زندگی بسر کرنے کا زمانہ آئیگا۔ یا وہ لڑکیاں جو مدرسوں میں نہیں بلکہ گھروں میں تعلیم پاتی ہیں۔ یا وہ عورتیں جنکی تعلیم کا وقت ہاتھ سے نکل چکا ہی مگر صحت و تندرستی کے خیال سے ورزش کرنا چاہتی ہیں۔ تو ان کے لیے کونسی ورزش مناسب حال ہوسکتی ہی اس طبقہ کی عورتوں کی حالت بھی دو صورتوں سے خالی نہیں۔

پہلی صورت یہ کہ وہ عورتیں جو مالی حیثیت سے متوسط درجے پر ہیں۔ چونکہ میں خود متوسط درجہ کا آدمی ہوں اس لیے میں اُن کی حالتوں سے پوری واقفیت رکھتا ہوں۔ ان کے گھروں میں یہی دو ایک ماما دائی رہتی ہیں مگر یہ لوگ گھر کے کام کاج کرنے کو کسر شان نہیں سمجھتی ہیں۔ اور اس طرح مہین اور موٹے دونوں کاموں میں لگی رہتی ہیں جس سے خاصی اور کافی ورزش ہو جاتی ہی

یہ نہیں کہ مردوں کے دباؤ کی وجہ سے بلکہ جن کا خود مردوں پر دباؤ ہے وہ بھی بخوشی اس محنت کو اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کو کسی دوسری قسم کی ورزش کی حاجت نہیں۔ ان لوگوں کی صحت جو خراب رہتی ہے وہ ورزش کی کمی کی وجہ سے نہیں بلکہ علم کی کمی کی وجہ سے جس کا علاج ترقی تعلیم ہے۔

دوسری صورت میں اُن عورتوں کو پیش کرنا چاہتا ہوں جو ناز و نعم میں پلی ہیں۔ امرا میں داخل ہیں۔ محلوں میں رہتی ہیں۔ ماما‌ئیں اصیلیں بافراط رکھتی ہیں۔ سہیلیوں کے جھرمٹ میں زندگی بسر کرتی ہیں۔ جن کی نسبت مضمون نگار صاحبہ کا استفسار ہے۔ تو اُن کو پہلے میں تھوڑی نصیحت کرونگا۔ بعدہ کچھ راے دونگا۔

میری پیاری بہنوں! اگرچہ خدا نے تمہیں سب کچھ دیا ہے اس لیے تکلیف اُٹھانا یا محنت جسمانی کرنا تمہارے لیے نازیبا ہے۔ مگر زمانے کے اتفاقات کی کسی کو کیا خبر ہے۔ کیا تم نے وہ قصہ نہیں پڑھا ہے کہ ایک لونڈی اور ایک بیوی اتفاقاً دریا میں بہ نکلیں اور دونوں دو طرف ہو گئیں۔ اور حسن اتفاق سے دونوں صحیح و سلامت کنارہ سے لگ گئیں۔ لونڈی جفاکشیدہ تھی شہر میں پہنچکر اپنے ہنر اور محنت سے خوش زندگی بسر کرنے لگی۔ بیوی صاحبہ امیر گھرانے کی ناز و نعم کی پلی ہوئی تھیں کام کاج سے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ زندگی دوبھر ہو گئی۔ کسی نے کچھ رحم کھاکر دیدیا تو اب پکانا نہیں معلوم۔ چولھے کی آنچ نہیں سہی جاتی۔ اسلیے ہر انسان کو چاہیے کہ ہر قسم کی عادت رکھے۔ بھوک پیاس کی قدر وہ کیا جان سکتا ہے جو کبھی بھوکا نہ رہا ہو۔ محنت کی مزدوری وہ کیا دے سکتا ہے جسنے خود کبھی محنت نہ کی ہو۔

اس نصیحت سے میرا مدعا یہ ہے کہ تم کو ڈیوٹی کے طور پر نہیں بلکہ ورزش جسمانی کی غرض سے کبھی پنکھا بھی لینا چاہیے۔ کبھی مصالحہ بھی پیس لینا چاہیے۔ کبھی چکی بھی چلالینی چاہیے چہل قدمی کے لیے اپنے پڑوس کے رشتہ داروں کے ہاں بھی دن میں دو ایک مرتبہ جانا چاہیے ایسا کرنے سے ورزش ہو جایا کریگی اور طبیعت بھی محنت کی خوگر رہے گی اور اگر یہ کسی طرح

منظور نہیں ہے تو محل ہی میں کوئی ورزشگاہ بنالو اور وہاں جاکر روزانہ ایسی ورزش کرلیا کرو جس میں دوڑنے دہوپ چلنے کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہے۔ اور بدن کے ہر رگ و پٹھے کی تکمیل بھی پوری طرح ہوتی ہے۔ اسکول کے ادنیٰ درجہ کے طلباء کے لیے اُردو میں ایک چھوٹی سی کتاب لکھی گئی ہے۔ اس میں دو حصے ہیں۔ ایک حصہ میں قواعد کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ جنکے جاننے کی تم کو ضرورت نہیں۔ دوسرے حصہ میں ورزش جسمانی کے مختلف طریقے مندرج ہیں اور آسان ہیں۔ اُن ہی پر تم بھی عمل کرو بہت فائدہ ہوگا۔ وہ کتاب اپر پرائمری اسکولوں کے نصاب میں بھی داخل ہے اور جو یہ بھی پسند نہو تو ڈمبل جو سینڈو کی ایجاد کردہ ورزش ہے ہلایا کرو۔

راقم
ابوالکمال۔ دیسنوی

مہارانی دروپدی کا استری دھرم

ایک دفعہ جبکہ پانڈو جلاوطنی کے زمانے میں ایک لق و دق جنگل میں بستے تھے۔ سری کرشن جی مہاراج معہ مہارانی ست بھاما کے راجہ یدھشتر سے ملنے آئے۔ اور دستور کے مطابق ان کی خاطر و مدارات کی گئی۔

مہاراج سری کرشن جی مردوں میں بیٹھ گئے۔ اور مہارانی ست بھاما جی کُٹی کے اندر مہارانی دروپدی کے پاس چلی گئیں۔

چونکہ بہت دنوں کے بعد دونوں رانیاں ملی تھیں۔ اسلیے خوب دل کھول کر ایک دوسرے سے شکوے شکایتیں کرنے لگیں۔

مہارانی ست بھاما بولیں۔ اے بہن! تم کس طرح پانڈوں پر حاوی ہوگئی ہو۔ باوجودیکہ وہ بہت شجاع۔ قوی اور شکیل ہیں۔ لیکن وہ تمہاری غایت درجہ کی تابعداری کرتے ہیں۔

مجھے بھی ذرا اسکا سبب بتلائیے۔

کیا یہ حالت کسی عہد و پیمان کی وجہ سے۔ یا تمہارے یوگ سے۔ یا کسی جادو کے زور سے یا علمی قابلیت سے یا موہنی صورت سے۔ یا کسی خاص منتر پڑھنے یا جپ کرنے سے حاصل ہوئی اے پنچال کی شہزادی مجھے بھی بتلاؤ کہ میں اپنے پتی کرشن جی کو مطیع بنا سکوں۔ یہ کہکر رانی ست بہاما خاموش ہوگئیں۔

رانی دروپدی۔ ست بہاما جی تم مجھ سے شیطانی عورتوں کے ڈھنگ دریافت کرتی ہو وہ طریق جو شریر عورتیں استعمال کرتی ہیں میں کس طرح بیان کرسکتی ہوں۔ یہ تمہیں زیب نہیں دیتا کہ تم مجھ سے ایسے سوال کرو اور میرے اوپر شبہ کرو۔ تم عقلمند ہو۔ اور میرے کرشن جی کی چاہتی رانی ہو۔ جب پتی کو یہ معلوم ہوجاوے کہ اس کی استری ٹونے ٹوٹکے کرتی ہے تو اُسی وقت وہ اُس سے ایسا ڈرنے لگتا ہے جیسے کوئی زہریلا سانپ اُس کی خوابگاہ میں گھس آئے۔ کیا ڈرا ہوا آدمی مطمئن رہ سکتا ہے۔ جب کوئی آدمی مطمئن نہو تو کس طرح خوش ہوسکتا ہے۔ پتی ٹوٹکوں کے ذرائع سے ہرگز اپنی استری کا دوست نہیں بن سکتا۔

بعض عورتوں نے پتیوں کو اپنا غلام بنانے کو دوائیں دیکر اندھا اور بہرا بنادیا ہے اور افسوسناک بیماریوں میں مبتلا کردیا ہے۔ وہ شیطانی عورتیں ہمیشہ گناہ کے راستے پر چلتی ہیں اور اکثر اپنے شوہروں کو ایذا پہنچاتی ہیں۔ لیکن استری کو چاہیے کہ پتی کو کبھی بھی نقصان نہ پہونچائے۔

اے گیانی ست بہاما اب تم بلند خیال پانڈوں سے میرے برتاؤ کا حال سُنو۔ ناز و نیاز کو بالائے طاق رکھ کر اور غصہ کو دبا کر میں پانڈو اور اُن کے سب خاندان کی تہ دل سے خدمت کرتی ہوں۔ سوتیا ڈاہ کو روک کر کسر شان کے خیال کے بغیر دل لگا کر ہر ایک کی خدمت کرتی ہوں میں ہمیشہ بُری اور جھوٹی بات کہنے اور بُری چیز دیکھنے سے پرہیز کرکے بدتمیزی سے اُٹھنے بیٹھنے یا شوخ چشمی اور گستاخی سے بچکر پانڈو کی سیوا کرتی ہوں۔ یہ جری اور جنگجو بہادر ایسے دکھتے ہیں

جیسے کہ آگ یا سورج۔ اور چاند کی مانند خوبصورت ہیں۔ یہ سو بہر بہابلی ہیں جو اپنے دشمنوں کو ایک آن میں مار ڈالتے ہیں۔

خواہ کوئی فرشتہ ہو یا آدمی یا مُنی۔ نوجوان ہو یا خوبصورت۔ امیر یا زر و زیور سے آراستہ پیراستہ۔ میرا دل سوائے اپنے پتی کے کبھی کسی کی طرف راغب نہیں ہوتا ہے۔ میں کبھی نہ نہاتی نہ کھاتی نہ سوتی ہوں جب تک کہ میرا پتی نہاتا۔ کھاتا اور سو نہیں جاتا۔ اور ہمارے تمام نوکر چاکر بھی نہاتے۔ کھاتے اور سو نہیں جاتے۔

جب میرا پتی لڑائی جنگل یا شہر سے واپس آتا ہی ہیں فوراً کھڑی ہو جاتی ہوں پیر دُھلاتی ہوں میں ہمیشہ گھر کو اور گھر کی ہر ایک چیز کو۔ اور کھانے کی چیزوں کو صاف اور قرینے کے ساتھ رکھتی ہوں۔ میں خوش اسلوبی سے کھانا تیار رکھتی ہوں اور وقت معینہ پر اُن کے آگے پروستی ہوں۔

میں کبھی غصہ میں نہیں آتی اور نہ ترش بات کہتی ہوں۔ میں کبھی کسی بات میں شیطانی عورتوں کی تقلید نہیں کرتی۔ میں سوائے مذاق میں ہنسنے کے کبھی نہیں ہنستی ہوں۔ نہ کبھی بہت دیر تک گھر کی کھڑکی سے جھانکتی رہتی ہوں۔ میں کبھی بھی کسی قدرتی مناظر دیکھنے یا محل و باغات کی سیر و تفریح میں بہت دیر نہیں ٹھہرتی ہوں۔ میں زور سے ہنسنے۔ زور سے بولنے اور ہر ایک طرح کی ناراض و ناخوش کرنے والی باتوں سے گریز کرتی ہوں۔ اے ست بھاما میں ہمیشہ اپنی پتی کی سیوا میں مصروف رہتی ہوں۔ میں اپنے پتی سے جدا ہونا پسند نہیں کرتی۔ جب وہ گھر سے باہر اکیلے جاتے ہیں۔ تو میں پھولوں اور خوشبوؤں کو ترک کر دیتی ہوں۔ میں برت کرتی ہوں جو کچھ میرے پتی نہیں کھاتے پیتے یا جس چیز سے محظوظ نہیں ہوتے اُسے میں بھی چھوڑ دیتی ہوں۔

میں ہمیشہ اپنے پتی کے فوائد ڈھونڈھتی رہتی ہوں۔ اور ہمیشہ میں اپنے سب رشتہ داروں سے اس طرح پیش آتی ہوں جس طرح میرے بزرگوں نے مجھے بتلایا ہے۔ میں خیرات اور

پوجا پاٹ کرتی ہوں اور تہوار کے دن یا جس روز کوئی مہمان آئے عمدہ کھانے پکاتی ہوں اور جن کی مجھے عزت کرنی لازم ہے عزت کرتی ہوں۔ میں خواہ رات ہو یا دن اپنے فرائض کے سرانجام میں ذرا بھی کاہلی کو دخل نہیں دیتی۔

میری رائے میں اپنے پتی پر منحصر رہنا استری کے لیے دائمی خوبی ہے۔ پتی استری کا دیوتا ہے وہ اس کی پشت و پناہ ہے۔ تو پھر استری وہ کام کیونکر کر سکتی ہے جو اس کے ناگوار خاطر ہو۔ میں کھانے سونے اور سنگار کرنے میں اپنے پتی کے مذاق کے خلاف نہیں چلتی ہوں میں اپنی ساس کی کبھی برائی نہیں کرتی ہوں۔

اے مبارک بہن! میرا پتی میری ہوشیاری۔ پھرتی اور اُس عجز کے باعث جس سے کہ میں اپنے اُس گرو کی سیوا کرتی ہوں۔ مجھ سے مانوس ہو گیا ہے۔ ہر روز میں ان بہادروں کی ست بادی[51] ماں کنتی کے لیے بھوجن اور پانی اور نئے کپڑے ٹہل داسی[52] کی طرح بذات خود کرتی رہتی ہوں۔

میں کبھی بھی اُن سے اپنے لیے بھوجن اور لباس زیورات میں فوقیت ظاہر نہیں کرتی ہوں۔ میں کبھی بھی اُن سے درشت کلامی نہیں کرتی۔

پیشتر آٹھ ہزار سے زائد سادھو یدھشٹر مہاراج کے محل سے کھانا کھاتے تھے اور اسی ہزار قبیلہ دار برہمنوں کو کھانا ملتا تھا۔ ہر ایک براہمن کی خدمت میں تیس خواصیں مقرر تھیں۔ علاوہ ان کے دس ہزار درویشوں کو سونے کی تھالیوں میں بھوجن ملتا تھا۔

کنتی کے مشہور بیٹے کے محل میں ایک لاکھ لونڈیاں طرح طرح کے زیور سے آراستہ و پیراستہ تھیں۔ اور ناچنے گانے سے خوب ماہر تھیں۔ میں ہر ایک کے نام اور شکل و شباہت سے واقف تھی۔ اور یہ کہ اُن میں سے ہر ایک کیا پہنتی تھی اور کیا کھاتی تھی۔ علاوہ ان کے ایک لاکھ خواصیں اور بھی تھیں جو مہمانوں کو ہاتھ میں سونے کی تھالیاں لیکر کھانا کھلایا کرتی تھیں۔

---

[51] راست باز۔ [52] پیش خدمت۔

جب مہاراج یدھشٹر اندر پرست میں حکومت کرتے تھے اُن کے جلوس میں ایک لاکھ ہاتھی نکلا کرتے تھے یہ شان و شوکت تھی۔

جبکہ مہاراج یدھشٹر روئے زمین پر حکمراں تھے۔ میں ہی تھی جو اُن کی تعداد کا شمار رکھتی تھی۔ اور ہر ایک کے لیے قاعدے اور ضابطے بنائی تھی۔ میں ہی تھی جو اُن کی شکایات سُنا کرتی تھی۔ میں محل کے لوگوں اور خادماؤں کی عادات و خصائل سے واقف تھی بلکہ میں شاہی گڈریوں اور گلّوں سے بھی واقف تھی۔ اے مبارک اور مہادیوی صرف میں ہی اکیلی ایک جان پانڈوں میں تھی جو مہاجبہ کی آمدنی و خرچ اور اصلی بچت سے واقف تھی۔

اے پیاری بہن پانڈو میری گردن پر مدار المہامی کا جوا چھوڑ کر ہمیشہ میری باتوں کو سُنا کرتے تھے۔ ایسا بھاری بوجھ جو سیاہ دل کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں اپنا آرام قربان کرکے اُٹھاتی رہی اور ساتھ ہی ہمیشہ پریم کے ساتھ اُن کی سیوا بھی کرتی رہی۔

جب میرا پتی کار ثواب میں (یعنی جنگ وغیرہ میں) مشغول ہوتا تھا تو میں سمندر کی مانند بے تھاہ اور نہ گھٹنے والے خزانے کی حفاظت کرتی تھی۔ میں بستر سے سب سے پہلے اُٹھتی تھی اور سب سے پیچھے سوتی تھی۔ یہی ہمیشہ میرا معمول تھا۔ یہ سب کچھ وہ بڑا جادو ہے جو میں جانتی ہوں جس نے میرے پتی کو میرا گرویدہ بنالیا ہے۔ میں نے کبھی کسی شریر عورت کا چلن اختیار نہیں کیا ہے اور نہ میں اُس کے استعمال کی خواہش کرتی ہوں

یہ پاک بیان مہارانی دروپدی سے سُن کر رانی ست بھاما نے پنچالہ کے شہزادی کی بہت تعظیم کی اور یوں بولیں۔

اے پنچالہ کی شہزادی۔ اے جگت ماتا ! میں سخت غلطی پر تھی تم مجھ کو معاف کرو۔ بہنوں میں مذاق خود بخود ہو جاتا ہے اور بے سمجھے بوجھے باتیں بھی نکل جاتی ہیں۔

درو پدی۔ بہن اب میں تم کو بتاؤں گی کہ تم کیونکر اپنے پتی کو اپنے اوپر موہت کر سکتی ہو۔

رانی ساری دنیا اور بہشت میں کوئی دیوتا نہیں جو پتی کے برابر ہو۔ جب وہ تم سے خوش ہو تم ہر ایک چیز اُس سے لے سکتی ہو اور اگر وہ تم سے ناراض ہو تو وہ ساری چیزیں کھو سکتی ہو پتی سے استری کو اولاد ملتی ہے۔ اور بے شمار مختلف مسرت بخش چیزیں۔ تم کو پتی سے خوبصورت۔ خلعت۔ عطر اور شہرت اور مرنے کے بعد سورگ[1] مل سکتا ہے۔

عمدہ چیزیں اور مختلف خوشبوئیں پیش کرو اور مستعدی کے ساتھ اُس کی خدمت کر کے یہ ظاہر کرو کہ تم اُس کے ساتھ سچی محبت کرتی ہو۔ دروازے پر پتی کی آواز سُنکر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہو اور گھر میں تیار ہو کر کھڑی رہو۔ جوں ہی وہ کمرے میں داخل ہو تم پاؤں دہونے کو پانی دیکر اُس کی زیارت حاصل کرو۔ جب کبھی کسی خادمہ کو وہ کچھ حکم دے تو فوراً کھڑی ہو جاؤ اور خود اس کام کو کر دو۔ کرشن جی کو بتا دو کہ تم اُن کی دل سے عزت کرتی ہو۔

اے ست بھاما جو کچھ تمہارا پتی تمہارے سامنے کہے خواہ وہ چھپانے کے قابل ہو یا نہو تم اُسکے بارے میں ہر ایک سے مت کہو۔ ہمیشہ اپنے پتی اور ان لوگوں کی جو اُنکے دوست اور چہیتے ہوں بہبودی ڈہونڈ ہو۔ ہر ایک چیز سے خدمت کرو۔ تم ہمیشہ اُنسے جو تمہارے پتی کے حریف ہوں اور اُنسے جو اُسکو نقصان پہنچانا چاہیں اور اُنسے جو دہوکہ باز ہوں علیحدگی اختیار کرو۔ آدمیوں کے سامنے لاپرواہی اور طیش سے بچکر خاموشی اختیار کر کے اپنے دل کے حال کو چھپائے رکھو۔ تم اُن بہنوں سے بنا بگاڑ و جو اعلیٰ خاندان کی ہوں اور جو پتی برتا ہوں۔ اور جو گناہ سے آلودہ نہوں۔ تم ہمیشہ غصہ ور۔ شرابی۔ چور۔ شریر اور تلون مزاج عورتوں سے بچو۔

ایسا معیار ہمیشہ قابل تعریف ہے اور ہمیشہ فروتنی کا باعث ہوتا ہے جو عداوت کو غارت کر دیتا ہے۔ یہی سُرگ کا راستہ ہے۔

شیو گوپال نگم (از زمانہ)

[1] بہشت؛

ہاتھی

وہیل جس طرح بوجہ اپنے قد و قامت کے تری کا سب سے بڑا جانور ہی۔ اسی طرح ہاتھی خشکی کے تمام جانوروں میں سب سے بڑا جانور ہی۔ ہاتھی کی دو مختلف قسمیں ہیں جن میں سے ایک ایشیا کا اور دوسرا افریقہ کا ہے۔

ان دو قسموں میں چند خاص باتیں فرق کی ہیں (۱) ایشیا کے ہاتھی کے کان چھوٹے ہوتے ہیں اور افریقہ کے ہاتھی کے کان بڑے ہوتے ہیں (۲) ایشیا کا ہاتھی کسیقدر میلے اور بھورے رنگ کا ہوتا ہی اور افریقہ کا ہاتی سیاہ اور چمکیلے رنگ کا ہوتا ہی (۳) ایشیا کے ہاتھی کے دو بڑے دانت ہوتے ہیں اور ہتنی کے نہیں ہوتے مگر افریقہ کے ہاتھی و ہتنی دونوں کے دانت ہوتے ہیں۔ (۴) افریقہ کے ہاتھی کے دانت ایشیائی ہاتھیوں کے دانتوں سے بہت لمبے ہوتے ہیں

ہاتھی گو سب سے بڑا جانور ہے مگر اس قدر بڑا نہیں ہے جیسا کہ خیال کیا جاتا ہی۔ بعض لوگوں نے اسکی اوسط بلندی ۱۴ یا ۱۶ فٹ لکھی ہی اور لکھا ہی کہ بعض اوقات ۲۰ فٹ تک پہنچ جاتی ہے مگر یہ بات غلط ہی۔ اس کی اوسط بلندی ۹ یا ۹ ½ فیٹ ہوتی ہے اور شاذ و نادر ۱۲ فیٹ تک بھی پائی گئی ہے۔

ہاتی کے جسم کے دو ممتاز حصے ہیں سونڈ اور دانت۔ افریقہ کے ہاتھی کا دانت چھ یا سات فیٹ لمبا ہوتا ہی اور تقریباً دانتوں کی جوڑی کا وزن ایک سو بیس پونڈ[1] ہوتا ہی اور جو ہاتھی دانت والا ہوتا ہی وہ بڑا قیمتی ہوتا ہی۔

ہاتھی کی سونڈ خدا کی قدرت کا ایک عجیب نمونہ ہی وہ اُسکے لیے ایسی ہی کارآمد ہی جیسا کہ انسان کے لیے ہاتھ وہ اس سے سوئی آلپین اور کل چھوٹی چیزیں اُٹھا سکتا ہی۔ وہ اس سے گرہ کھول سکتا ہی۔ اور اس سے تمام کام جو اُسکی روزانہ زندگی کے لیے مفید ہیں لیتا ہے۔

---

[1] ایک پونڈ برابر ہوتا ہی آدھ سیر کے۔

جنگلی ہاتھیوں کا پکڑنا

ایشیا میں جنگلی ہاتھیوں کے پکڑنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی تنہا ہاتھی کو جو جنگل میں آزادی سے گھومتا ہو پھنسا لیتے ہیں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھیوں کے گروہ کو ایک گھرے ہوئے مقام میں جو پیشتر سے تیار کیا جاتا ہے پھنسا لیتے ہیں اور پھر ان کو آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے نکال لیتے ہیں۔

تنہا ہاتھی پکڑنے میں شکاریوں کو سکھلائے ہوئے ہاتھیوں سے جنکو کمکیاں کہتے ہیں بہت مدد ملتی ہے۔ جب شکاری کسی نر ہاتھی کو تنہا چرتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ کمکیوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ کمکیاں اسکے نزدیک رفتہ رفتہ جاتی ہیں اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھتی ہیں پتے اور گھاس توڑتی اور ظاہرہ بے غرض معلوم ہوتی ہیں گویا وہ ہمیشہ سے اُن کی صحبت میں رہنے کی عادی تھیں۔

جب وہ اُسکے نزدیک جاتی ہیں اور صورت دکھا کر خوش کرتی ہیں تو وہ اُن پر اس قدر فریفتہ ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی حالت کو بالکل بھول جاتا ہے اور اُسکو یہ بھی خیال نہیں رہتا کہ شکاری اُسکے پیچھے خاموشی سے رینگتے ہوئے آرہے ہیں۔

جب ان لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھی ہتنیوں کے فریب میں بالکل آگیا ہے تو وہ خاموشی سے رینگ کر چلتے ہیں اور مضبوط رسّوں کے پھندے ان کے پانوں میں ڈالکر کسی نزدیک کے مضبوط درخت سے باندھ دیتے ہیں۔ اگر کوئی درخت رسّے کی پہونچ کے اندر نہو تو کمکیاں اس کو آگے کسی مضبوط درخت کے پاس تک لے جاتی ہیں۔ جب ہاتھی کے پانوں میں یہ مضبوط بندھ جاتے اور سرا درخت کے تنہ سے باندھ دیا جاتا ہے۔ تو شکاری لوگ استراحت کرتے ہیں اور کمکیاں اپنے ساتھی کو چھوڑ دیتی ہیں۔

جب ہاتھی کو معلوم ہوتا ہے کہ ہتنیاں اُسکو فریب دیکر پھنسا گئی ہیں تو وہ چلاتا ہے اور توڑنے کی کوشش کرتا ہے مگر سب اُس کی کوششیں بے سود ہوتی ہیں۔ دو روز کے بعد شکاری اُسکو کھانا دیتے ہیں اور اسی طرح رفتہ رفتہ اسکو اپنا مطیع بنا لیتے ہیں۔

گروہ کے پکڑنے کے لیے لوگ جنگل کے قریب ایک کٹھرا بناتے ہیں اور اس کٹھرے میں بلی کے بجائے درخت کے تنے سے کام لیتے ہیں۔ کٹھرے کے اندر گھری ہوئی جگہ کو کارل کہتے ہیں۔ اور اس میں مثل بڑے دروازوں کے جگہ چھوڑ دیتے ہیں تاکہ ہاتھی ان کے اندر جا سکیں۔

جب کارل تیار ہوجاتا ہے تو ہاتھیوں کو اپنے ارد گرد جلتی ہوئی آگ معلوم ہوتی ہے۔ یہ آگ شکاری لوگ ہاتھیوں کے ڈرانے کے واسطے جلاتے ہیں۔ آگ اول بہت فاصلے پر معلوم ہوتی ہے یہانتک کہ ہاتھی سب طرف سے گھر جاتے ہیں۔ ان شعلوں کے پیچھے آدمیوں کے جھنڈ چمکدار تلواریں اور برچھے لیے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور حتی المقدور ہاتھیوں کے ڈرانے کے لیے شور و غل کرتے ہیں۔

ہاتھی جب چاروں طرف دیکھتے ہیں کہ کدہر بھاگیں۔ صرف ایک راستہ کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس راستہ سے سارا گروہ کارل میں داخل ہوجاتا ہے۔ جوں ہی وہ کٹھرے میں داخل ہوتے ہیں۔ شکاری دروازے بند کر دیتے ہیں اور وہ ایک ایک کرکے کمکیوں کی مدد سے نکالے جاتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

ہاتھی بہت چالاک ہوتا ہے جیسا کہ اس واقعہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔ ایک دن ایک ہاتھی درخت کے تنے سے باندھ دیا گیا اور اُسکے فیلبان نے تھوڑے فاصلہ پر ایک تسلے کے نیچے تھوڑا آٹا اور چاول پکانے کے واسطے رکھکر گھاس اور ڈھیلوں سے ڈھک دیا اور چلا گیا۔ جبکہ وہ چلا گیا ہاتھی نے اپنے پیر کی زنجیر اپنے سونڈھ سے کھول ڈالی اور تسلے کے پاس گیا اور اسکو کھول کر آٹا اور چاول کھالیا اور پھر اُسی طرح گھاس اور ڈھیلوں سے بند کر دیا اور اپنی جگہ چلا گیا۔ وہ زنجیر پھر نہ باندھ سکا اسواسطے اسکو اپنے پیر کے گرد لپیٹ لیا تاکہ وہ بندھی ہوئی معلوم ہو۔ اور جب فیلبان واپس آیا تو ہاتھی اپنی پیٹھ توے کی طرف کیے کھڑا تھا۔

ہاتھی بڑا کینہ ور ہوتا ہے جیسا کہ ایک مصوّر نے بیان کیا ہے کہ میں ایک ہاتھی کی تصویر اُتار رہا

تھا۔ میری خواہش اس جانور کی اُس حالت میں تصویر اُتارنے کی تھی جبکہ وہ موںھ کھولے ہو اور سونڈ اوپر کو کیے ہوئے ہو۔ یہ حالت حاصل کرنے کے لیے ہاتھی کے سر پر کبھی کبھی ایک سیب پھینکتا تھا۔ تاکہ بہت سے سیب خرچ نہوں۔ اسواسطے میں نے کئی بار جھوٹ موٹ پھینکنے کا حیلہ کیا۔ جس سے ہاتھی نے اپنا موںھ اور سونڈ حالت مطلوبہ میں کردیا۔ ہاتھی اس فریب سے جو اُسپر کیا گیا تھا ناخوش ہوا۔ مگر اُس نے اُس وقت غصہ کو ضبط کر لیا۔

آخر کار جب میں تصویر قریب ختم کرنے کے تھا۔ تب ہاتھی نے اپنی سونڈ میں پانی بھر لیا گویا اسکا پینے کا منشا تھا مگر پانی کو موںھ میں رکھنے کے بجاے اُس نے سب کا سب مجھ پر اور میری تصویر پر گرادیا۔

ہاتھی کا افسوس ایک شخص نے ذیل کا چشم دید قصہ ایک لڑائی کا جو دو ہاتھیوں میں اودہ کے کسی بادشاہ کے زمانہ میں واقع ہوئی ہا ہونے والی تھی بیان کیا ہے۔

لڑنے والے ہاتھیوں میں ایک ہاتھی جسکا نام مَلیر تھا اپنے مالک کو بہت پیارا تھا۔ وہ بہت خوبصورت جانور تھا اور ایک دوسرے ہاتھی سے جو طاقت اور بہادری میں اُس کی برابر یقین کیا جاتا تھا لڑنے کے لیے چنا گیا۔

ملیر جسکے ساتھ زندگی بھر مہربانی سے برتاؤ کیا گیا تھا ایسے سخت برتاؤ کا عادی نہ تھا جو اُسکے ساتھ ان لوگوں نے اسوقت کیا جو اُسکے لڑنے کے لیے ٹنک رہے تھے۔ اُس نے غصہ ہو کر اپنے فیلبان کو اپنی سونڈ کی ایک ضرب سے مار ڈالا اور اُس کی لاش پر اپنا پیر رکھ دیا۔ اُس وقت ایک عورت نے جس کی گود میں بچہ تھا ہاتھی کی طرف بڑھکر کہا کہ اے ملیر تو نے میرے خاوند کو مار ڈالا اب مجھکو اور میرے بچے کو بھی مار ڈال

ہاتھی فوراً اُس کی آواز پہچان گیا اور اُسکو بہت افسوس ہوا۔ اُس نے اپنا پیر فیلبان کی لاش پر سے اُٹھا لیا اور جب وہ بیوہ لاش پر گر کر رونے لگی تو ہاتھی سر جھکاے کھڑا رہا گویا وہ اُسکے غم میں شریک تھا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ لڑائی موقوف ہو اور عورت کو حکم دیا کہ ہاتھی لیجائے۔ عورت کے کہنے پر ہاتھی نے گھٹنے ٹیک دیے اور جب وہ سوار ہوگئی تو اُسنے اسکا بچہ اپنی سونڈ سے اُٹھا دیا اور آہستہ آہستہ باڑہ سے باہر گیا۔

اُس روز سے وہ اُس کی فیلبان ہوگئی۔ افسوس کا خیال ہاتھی کے دل سے کبھی نہیں گیا۔ اور جب وہ کبھی غصہ میں ہوتا تھا تو عورت کی آواز سُنکر خاموش ہوجاتا تھا۔

خاکسار
عشرت علی
ممتاز ہاؤس

بقیہ شاہ لیر

سین نمبر ۲

(گلاسٹر کے قلعہ کے پیش صحن)

کینٹ اور آسولڈ آمنے سامنے سے ایک دوسرے سے آکر ملتے ہیں۔

آسولڈ۔ تسلیم۔ دوست۔ کیا آپ اسی مکان میں رہتے ہیں۔

کینٹ۔ ہاں۔

آسولڈ۔ یہ تو بتایئے کہ ہم اپنے گھوڑے کہاں باندھیں۔

کینٹ۔ دلدل میں باندھیے۔

آسولڈ۔ بھائی مہربانی کرکے بتادو۔

کینٹ۔ میں تم پر مہربانی نہیں کرونگا۔

آسولڈ۔ کیوں بھئی اس کی کیا وجہ ہے۔ اچھا تو مجھے بھی تمہاری کچھ پرواہ نہیں ہے۔

کینٹ۔ اگر تم کو کانجی ہوس میں بند کر دیا جاتا تو پھر تو تم میری ضرور پرواہ کرتے۔

آسولڈ۔ آپ کو اس بُرے طور پر مجھ سے پیش آنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ میں تم کو نہیں جانتا کہ

تم کون ہو۔
کینٹ۔ ارے میں تو تجھے جانتا ہوں۔
آسولڈ۔ تم مجھے کیا جانتے ہو۔
کینٹ۔ میں تم کو نابکار۔ بدمعاش۔ ٹکڑگدا جانتا ہوں۔ اور اسکے علاوہ کمینہ۔ مغرور۔ چھچھورا بھیک منگا۔ چیتھڑے پوش۔ دو کوڑی کی اوقات۔ خبیث۔ ٹوٹی جوتی۔ پھٹی لنگوٹی والا جانتا ہوں اور مریل اور چپت خورہ جانتا ہوں۔ اور بتاؤں اور کیا جانتا ہوں۔ میں تم کو بد اصل۔ اوچھا۔ شیخی خورہ۔ بدذات جانتا ہوں۔ تو ایک غلام ہے۔ کمبخت۔ اچھی باتوں کے پاس نہ پھٹکنے والا اور تو سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہی کہ تو بدمعاش۔ بھگوڑا۔ بےغیرت اور ان سب کی معجون مرکب ہے اور دوغلی کتیا کا پلا ہے۔ اور تو وہ نالایق ہی کہ جو کچھ میں نے تجھ کو یہ خطابات دیے ہیں۔ اُنکے ایک لفظ سے بھی انکار کریگا تو ایسی جوتیاں ماروں گا کہ قیں قیں کرتا ہوا بھاگے گا۔
آسولڈ۔ عجب ملعون ہی کہ ایک ایسے شخص کو جو نہ تجھے جانے نہ تو اُسے جانے بلاوجہ صلوٰتیں سُناتا ہے۔
کینٹ۔ تو نہایت ہی گستاخ غلام ہی جو اس بات سے بھی انکار کرتا ہے کہ میں تجھے نہیں جانتا ابھی دو ہی دن گذرے ہیں کہ میں نے تجھے بادشاہ کے سامنے پچھاڑ کر جوتیاں ماری تھیں سامنے تو آ بدمعاش۔ گو ابھی رات ہی لیکن چاندنی رات ہی۔ اسی چاندنی میں تجھے فی النار کرونگا۔
(تلوار کھینچ لیتا ہے) بے بدذات تو بھی تلوار کھینچ لے۔
آسولڈ۔ جا بھئی جا مجھ سے تجھ سے کچھ واسطہ نہیں ہی۔
کینٹ۔ بدمعاش اب تلوار کھینچکر سامنے نہیں آتا ہی۔ بادشاہ کے خلاف اُس کی ناخلف لڑکی کے خطوط لیکر آیا ہی۔ اگر تلوار لیکر سامنے نہیں آتے ہو تو میں ایسی جوتہ کاری کرونگا کہ تمھیں نانی یاد آجائے گی۔
آسولڈ۔ ارے مار ڈالا کوئی میری مدد کرو۔

کینٹ۔ غلطیے اب مارتا کیوں نہیں۔ بدذات ذرا کھڑا تو ہو۔
آسولڈ۔ ارے مار ڈالا۔ مار ڈالا۔ کوئی مدد کو نہیں آتا۔ ایڈمنڈ ننگی تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے اسٹیج پر آتا ہی۔
ایڈمنڈ۔ کیوں بھئی کیا بات ہے۔
کینٹ (ایڈمنڈ سے) ارے میاں لڑکے اگر تمہیں بھی کچھ خواہش ہو تو آؤ تمہیں بھی مزہ چکھاؤں۔

(کارنوال۔ ریگن۔ گلاسٹر معہ نوکروں کے اسٹیج پر آتے ہیں)

گلاسٹر۔ ارے یہ ہتیار۔ یہ تلواریں یہ کیا ماجرا ہے؟
کارنوال۔ اگر تم لوگوں کو اپنی جان پیاری ہے تو الگ ہٹ جاؤ۔ جو پھر تلوار چلائیگا وہ قتل کیا جائیگا۔ یہ کیا بات ہے؟
ریگن۔ یہ ہمارے والد اور بہن کی طرف سے دونوں قاصد ہیں۔
کارنوال۔ بھئی کیا جھگڑا ہے۔ تمہارا بتاؤ تو سہی۔
آسولڈ۔ حضور میرا تو سانس پھول رہا ہے۔ بات بھی زبان سے نہیں نکلتی۔
کینٹ۔ اس میں کچھ شبہ نہیں آپکے سانس ضرور پھول گئے ہونگے کیونکہ آپنے بڑی بہادری کرکے مہم فتح کی ہی۔ بدمعاش۔ بزدل تو انسان کہلانے کے قابل ہی نہیں ہی۔ کسی درزی نے چیتھڑوں کا گڈا بنا کر کھڑا کر دیا ہی۔
کارنوال۔ تم عجیب آدمی ہو جی۔ کیا درزی بھی آدمیوں کو بنایا کرتے ہیں۔
کینٹ۔ ہاں حضور! درزی ہی نے اسکو بنایا ہی۔ اگر کوئی سنگتراش یا نقاش اسکو بناتا تو خواہ اُسکو صرف دو گھنٹہ کی مشق کیوں نہوتی وہ ایسا بُرا پتلا نہ بناتا۔
کارنوال۔ بھئی پھر بتاؤ کہ آخر یہ جھگڑا کیسے پیدا ہوا۔
آسولڈ۔ حضور یہ بڈھا۔ بدمعاش۔ جس کی سفید ڈاڑھی کا خیال کرکے میں نے اس کی

جان بخشی کر دی ہے . . . . .

کینٹ ۔ بات کاٹ کر او کم ذات ناچیز کیا تو نے میری سفید ڈاڑھی کا خیال کر کے میری جان بخشی کی ہے۔ ملعون کتے شرم تو نہیں آتی۔ حضور اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں ابھی اس شخص کو پیس کر چونا کر دوں اور اسکا گارا بنا کر دیوار میں لیپ دوں۔

کارنوال ۔ خاموش رہو جی۔ تم ایسے گستاخ نالائق ہو تمہیں کسی کا لحاظ بھی نہیں۔

کینٹ ۔ ہاں حضور لحاظ تو ہے۔ لیکن غصہ کی حالت میں کسی بات کا خیال نہیں رہتا۔

کارنوال ۔ تمہیں غصہ کیوں آیا۔

کینٹ ۔ مجھے غصہ اسلیے آیا ہے کہ اس شخص جیسے کمینے لوگ جن میں ایمان و دیانت کچھ بھی نہیں وہ تلواریں لٹکائے چلتے ہیں اور اس قسم کے دانت پھاڑ کر باتیں کرنے والے بدمعاش مثل چوہوں کے ہوتے ہیں۔ اکثر ان پاک رشتوں کو جو بہت ہی مضبوط ہوتے ہیں کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیتے ہیں اور اپنے آقا کی ذرا ذرا سی بدمزاجیوں کو اور زیادہ بھڑکا دیتے ہیں۔ اُنکے غصہ کی بھڑکتی ہوئی آگ پر تیل ڈالتے ہیں اور اُن کی بےمہری پر برف کا ڈلا رکھتے ہیں۔ دم دیتے ہیں اور ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ اور جس رخ اپنے آقا کا مونھ پھرا دیکھتے ہیں۔ اُسی طرف انکی تھوتھنیاں بھی مڑ جاتی ہیں۔ کتوں کی طرح کچھ سمجھتے نہیں۔ اُن کے پیچھے پیچھے چلے جاتے ہیں۔ لعنت تمہارے منحوس چہروں پر۔ ہنستے ہو تم میری باتوں پر۔ کیا مجھے بیوقوف سمجھتے ہو۔ اے بطخ میدان میں مجھے ملجائے تو تجھے ایسا مزہ چکھاؤں کہ قائیں قائیں کرتا ہوا پہاڑ کی طرف بھاگے۔

کارنوال ۔ کیا کہتا ہے تو دیوانہ تو نہیں ہے۔

گلاسٹر ۔ تمہاری اس سے کیسے مٹھ بھیڑ ہوگئی بتاؤ تو۔

کینٹ ۔ مجھ میں اور اس بدمعاش میں جو مخالفت ہے وہ دنیا کے کسی دو مخالفوں میں نہوگی۔

کارنوال۔ تم اسکو بدمعاش کیوں کہتے ہو اسنے کیا خطا کی۔؟
کینٹ۔ مجھے اس کی شکل سے نفرت ہی۔

(باقی آیندہ)

اڈیٹوریل

علی گڈھ کالج میں ہز ہائنس میر صاحب خیرپور کی تشریف آوری

کالج کو ایک گراں قدر سالانہ عطیہ

ہز ہائنس میر صاحب والی خیرپور (سندھ) بغرض معائنہ کالج ۱۴۔ نومبر روز شنبہ کو علیگڈہ تشریف لائے۔ اسپیشل ٹرین سوا گیارہ بجے دن کے علیگڈہ پہنچی۔ نواب وقار الملک بہادر و دیگر ٹرسٹیان کالج و ممبران اسٹاف و عمائد شہر دس بجے سے پہلے ہی اسٹیشن پر استقبال کے لیے جمع ہو گئے تھے۔

ہز ہائنس کی گاڑی ٹھیک اُس مقام پر آکر رکی جہاں سکرٹری۔ ٹرسٹیان اور پرنسپل کالج اور دیگر اصحاب صف بستہ کھڑے تھے۔ گاڑی کے ٹھہرنے پر نواب وقار الملک بہادر سیلون کے اندر تشریف لے گئے اور ہز ہائنس سے نزول اجلال فرمانے کی درخواست کی۔ چنانچہ ہز ہائنس نے پلیٹ فارم پر قدم رنجہ فرمایا۔ ہز ہائنس کے ہمرکاب علاوہ صاحبزادہ حضور علی نواز صاحب (ولی عہد ریاست) اور بعض دیگر اراکین خاندان کے آنریبل شیخ صادق علی صاحب وزیر اور حاذق الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب ٹرسٹی بھی تھے۔ نواب وقار الملک بہادر نے حاضرین کو بغرض تعارف ہز ہائنس کے حضور میں پیش کیا۔ ہز ہائنس نے تمام اصحاب سے نہایت

خندہ پیشانی سے ساتھ مصافحہ کیا۔ رسم تعارف کے ادا ہو چکنے کے بعد ذیجاہ مہمانوں کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے اور ان پر کثرت سے پھول برسائے گئے۔ اسٹیشن سے ہز ہائنس معہ اسٹاف و معزز ہمراہیان کالج کے معائنہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ہز ہائنس کے ساتھ چو اسپہ گاڑی میں آنریبل شیخ صادق علی صاحب وزیر اور نواب وقار الملک بہادر تھے کالج کے طلبا کا اسکواڈ جلو میں تھا اسٹیشن سے روانہ ہوکر حضور ممدوح نے اوّل منٹو سرکل کا معائنہ فرمایا۔ اور زیر تعمیر صاحب باغ بورڈنگ ہاؤس اور میکڈانل و لاٹوش ممتاز بورڈنگ ہاؤسوں کو ملاحظہ فرماتے ہوئے ٹھیک ۱۲ بجے ظہور گیٹ میں داخل ہوئے اور کالج کے صدر دروازہ پر پہنچ گئے۔ اس گشت میں صاحبزادہ ولیعہد بہادر اور بعض دیگر اراکین خاندان خیرپور کے علاوہ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب اور حاجی محمد موسیٰ خاں صاحب بھی ہز ہائنس کی معیت میں تھے۔

کالج کے صدر دروازہ پر خیر مقدم کی نوبت بج رہی تھی۔ اور مسٹر ٹیز انچارج پرنسپل وغیرہ استقبال کے لیے موجود تھے۔ ہز ہائنس نے پل بارگ میں طلبا کے کمروں، سالار منزل ڈائننگ ہال، سائنس اسکول، مہدی منزل، دفتر آنریری سکرٹری، لٹن لائبریری، آسمان منزل نظام میوزیم اور مسجد کا معائنہ کیا اور لٹن لائبریری میں ریفرشمنٹ تناول فرمایا۔ سائنس لکچر روم کے دروازہ پر مسٹر ڈینیکلف سائنس پروفیسر اور ہندوستانی اسسٹنٹ پروفیسر نے ہز ہائنس کا استقبال کیا اور سائنس کے چند تجربات دکھائے جن سے ہز ہائنس اور ان کے ہمراہی نہایت محظوظ ہوئے حضور ممدوح ۱۲ بجکر ۵۰ منٹ پر اسٹریچی ہال میں تشریف لائے۔ ہال کے دروازہ پر کالج کے باقی ماندہ اسٹاف اور دیگر عمائد نے استقبال کیا۔

ہز ہائنس کے ہال میں داخل ہونے پر تمام حاضرین (جن میں معزز یورپین جنٹلمین اور لیڈیاں اور ہندو اصحاب بھی شامل تھے) سروقد کھڑے ہوگئے جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے جناب آنریری سکرٹری بہادر کالج نے ہز ہائنس سے اجازت ایڈریس پڑھے جانے کی طلب کی جسکے ملنے پر مولانا محمد عزیز مرزا صاحب بی اے ٹرسٹی نے ایڈریس پڑھا۔

اڈریس کے ختم ہونے کے بعد نواب محمد عبدالصمد خاں صاحب رئیس چھتاری نے اُس کو زرین خریطہ میں رکھکر ہزہائنس کے حضور میں پیش کیا۔ بعد ازاں ہزہائنس کے ولی عہد نے جو نہایت لائق۔ روشنخیال اور سادہ مزاج شاہزادے ہیں ہزہائنس کی طرف سے اڈریس کا جواب پڑھکر سنایا۔ اسکے بعد آنریبل شیخ صادق علی صاحب وزیر نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ ریاست خیرپور سے مدرسہ اسلامیہ کراچی کو بارہ ہزار سالانہ ملتا ہے۔ ہزہائنس اُسکا نصف یعنی چھ ہزار روپیہ سالانہ آپکے کالج کے لیے عطا فرماتے ہیں۔ اسکے بعد فرمایا کہ حضور ہزہائنس آپ کے کالج میں تشریف لائے آپ نے ریفرشمنٹ سے حضور کی مدارات کی۔ حضور کی خواہش ہے کہ ان کی جانب سے طلباے کالج کو کوئی پارٹی دیجائے جسکے لیے حضور والا ایک ہزار روپیہ عنایت کرتے ہیں۔

ہزہائنس نے اسٹیشن پر پہنچکر رائڈنگ اسکول کے لیے بھی ایک ہزار روپیہ از راہ مرحمت عطا فرمایا۔ اور اُسی وقت پانچسو روپیے کی ایک رقم اور بھی عطا کی کہ اسکول لڑکوں کے دوسرے کھیلوں اور کمیٹیوں میں صرف کیا جائے۔ تین بجے کے قریب ہزہائنس کی اسپیشل ٹرین آگرہ کی طرف روانہ ہوگئی۔ اور یہ مبارک اور ہمیشہ یاد رہنے والی تقریب بہت کامیابی اور خوبی کے ساتھ ختم ہوئی۔

تعلیم نسواں کے متعلق ہزاکسلنسی لیڈی منٹو کے خیالات

اپنے قیام بھوپال کے زمانہ میں ہزاکسیلنسی لیڈی منٹو وہاں کے سلطانیہ مدرسۂ نسواں میں بھی تشریف لے گئیں تھیں۔ جہاں مسز بخش پرنسپل نے ہزاکسیلنسی کو اڈریس دیا۔ جس میں بھوپال کی تعلیم نسواں کا مختصر ذکر تھا اور لیڈی منٹو کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ ہزاکسیلنسی کا جواب اڈریس جو بغرض اشاعت ہمارے پاس پہنچا ہی۔ اسکا ترجمہ یہ ہی۔

یور ہائنس اور لیڈیز! آپنے جو یہاں کہا ہی کہ ہزاکسیلنسی کے اور میرے بھوپال آنے سے

آپ کو خوشی حاصل ہوئی اس پر اور نیز اس امر پر کہ سلطانیہ مدرسۂ نسواں میں میرے آنے کو آپ نے ایک وقیع امر قرار دیا۔ میں آپ کا نہایت دلی شکریہ ادا کرتی ہوں۔ ہندوستان کی کسی ریاست میں وہاں کی زنانہ آبادی کی حالت کا لحاظ بھوپال سے بڑھکر ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہاں متواتر چار فرماں روا جنس اناث سے مسند نشین ہوتے آئے ہیں اور ایسی بے نظیر حالتوں میں یہ بات خصوصیت کے ساتھ موزوں تھی کہ بحیثیت ایک زنانہ فرماں روا کے رئیسہ بھوپال کو تعلیم نسواں سے زیادہ ہمدردی ہوتی۔ مغربی دنیا کی طرح ہندوستان میں بھی عورتوں کا اثر بہت بڑا اور وسیع ہے۔ تمام دنیا میں گزشتہ نسلوں پر ماؤں ہی کا اثر پڑا ہے۔ اور وہ آیندہ نسلوں پر بھی اسی کا اثر ڈالتی رہیں گی۔ لیکن یہ یاد رکھنا لازم ہے کہ اس بات کے قائم رکھنے کے لیے کہ وہ اثر عمدہ اور معقول ہو۔ تمام اقوام کو زنانہ کی ضرورتوں سے ہمدردی اور تعلق رکھنا چاہیے۔ میں نے اکثر سنا ہے کہ یور ہائنس اپنی ریاست میں زنانہ تعلیم کی کوششیں کرتی ہیں اور مسز بخش نے ابھی جو خیالات ظاہر کیے ہیں کہ یور ہائنس نے تعلیم نسواں کے متعلق سخت پردہ داری کا اہتمام کیا ہے۔ اس سے مجھے دلی اتفاق ہے گو بہت سے امور کے اعتبار سے اس میں نقصان بھی ہیں لیکن اگر قدیم دستورات بے سمجھے بوجھے موقوف کیے گئے اور جن لوگوں کی ترقی مطلوب ہے ان کی خواہشوں کے خلاف اگر وہ دستورات توڑے گئے تو اصلی ترقی غیر ممکن ہے۔ مجھے اس بات کے سننے سے خوشی ہوئی کہ یہاں عملی طریقہ کی تعلیم دیجاتی ہے اور مجھے اس بات سے بھی خوشی ہوئی کہ نصاب میں مذہبی تعلیم مقدم کی گئی ہے ہندوستان میں تعلیم نسواں ابھی تک ابتدائی حالت میں ہے۔ لیکن گذشتہ چند سال کے اندر اس کے متعلق بڑی کوشش ہوئی ہیں۔ ابھی تک درسیات کی کتابیں اور مضامین یورپین نو نے کے ہوتے رہے ہیں، لیکن مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ قبل اسکے کہ بہت زمانہ گزرے ہندوستانی لیڈیاں آپ اپنی کتابیں لکھنے لگیں گی اور مغرب کے تجربے اور مجموعی دانشمندی سے کام لیکر خاص اپنے خیالات ظاہر کرینگی تاکہ مشرق کے تجربے اور موروثی قدیم روایات کی اصلاح اور ترقی ہو۔ میرے نزدیک زنانہ طلبار کی تعداد کی ترقی نہایت مبارک

شگون ہی۔ آخر میں سرچارلس وڈ کی (جوبعد میں لارڈ ہیلیفکس ہوگئے تھے) ایک تقریر کے بعض الفاظ کا حوالہ دینا چاہتی ہوں وہ الفاظ یہ ہیں۔

"مردوں کی تعلیم کی نسبت عورتوں کی تعلیم سے نسبتاً بہت بڑا اثر ہوتا ہی"

یہ الفاظ بہت صحیح ہیں۔ کیونکہ ہندوستان جیسے اہلی لوگوں میں ماؤں اور بی بیوں کا بہت ہی بڑا اثر ہوتا ہی۔ اگر عورتوں کو ترقی کا موقع نہ دیا جائے اور وہ پست حالت میں رہ جائیں تو مردوں کی بھی ترقی نہ ہوگی۔ آج کے استقبال کی بابت میں پھر آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اور میری خواہش ہی کہ اس درسگاہ کو کامیابی حاصل ہو۔

بیگم صاحبہ بھوپال کی تقریر

حضور وائسرائے کے دورہ بھوپال کے موقع پر شاہی ضیافت کیوقت ہز ایکسیلنسی لارڈ اور لیڈی منٹو کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے ہر ہائنس بیگم صاحبہ نے جو مدبرانہ تقریر فرمائی اُسکا خلاصہ یہ ہے۔

یور ایکسیلنسی کے پیشروؤں نے میری والدہ ماجدہ کے عہد میں تو ایک سے زیادہ مرتبہ اپنے ورود سے ریاست بھوپال کو رونق بخشی تھی۔ میرے عہد میں یہ پہلا موقع ہی کہ میں ہز امپیریل مجسٹی ملک معظم کے نائب السلطنت کا خیر مقدم کر رہی ہوں اس حسن اتفاق سے میری خوشی اور بھی بڑھ جاتی ہی کہ، جنوری ۱۸۱۰ء کو ایک خریطہ کے ذریعہ سے آپکے جد امجد لارڈ منٹو اول نے ریاست بھوپال کا الحاق برٹش گورنمنٹ کے ساتھ کیا تھا۔ اور اب تقریباً ایک صدی بعد مجھے اپنی ریاست کے ایک بہت بڑے محسن (لارڈ منٹو اول) کے جانشین کی بحیثیت نائب السلطنت حضور ملک معظم میزبانی کا فخر حاصل ہوا۔ میری ریاست ہمیشہ سے برٹش تاج کی وفادار رہی ہے ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک میری ریاست میں کوئی شخص عدم وفاداری کا نام نہیں جانتا۔ انگلستان نے اپنی اخلاقی قوت سے دلوں پر فتح حاصل کی ہی۔ ایسی حکومت کے ماتحت ہونا درحقیقت ہندوستان کی خوش نصیبی ہے

نزہت کی کثیر التعداد ہندوستانی رعایا اور علی الخصوص اسکا اسلامی حصہ برٹش گورنمنٹ کی برکات
... ... چھوٹی ... ہماری ... اتنی کثیر التعداد لوگوں کی وفاداری اسکا بہترین ثبوت ہے
... ہیں ... کل اہل ایمان یاست اس امر پر متفق اللفظ ہیں کہ یور ایلفنسی نے اپنی بے نظیر فراست سے
ہندوستان سے جہالت و ظلمت ... کو نکالا۔ یور ایلفنسی! میں بحیثیت مسلمان ہونے کے بلاخوف
تردید کہہ سکتی ہوں کہ برٹش گورنمنٹ کے ساتھ مسلمانوں کی وفاداری کسی عارضی یا دنیوی پالیسی کی وجہ
سے نہیں ... ... مقدس تعلیم کی بنا پر ہے۔ ولتجدن اقربھم مودۃ للذین آمنوا
الذین قالوا انا نصاری ذالک بان منھم قسیسین ورھبانا وانھم لایستکبرون۔ یعنی لوگوں
میں مسلمانوں کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرنے والا تم اُن لوگوں کو پاؤ گے جو اپنے آپ کو نصاری
کہتے ہیں ... ... ان میں قسیس و رہبان ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے۔

انجمن بیگمات حامی اُردو لاہور

اکثر بہنوں نے اس انجمن کے قیام کی خبریں مختلف اخبارات میں ملاحظہ فرمائی ہونگی۔ یہ انجمن لاہور
کی بیگمات کی طرف سے اُردو زبان کی حمایت اور ترقی کے لیے قائم کی گئی ہے۔ اور نہایت خوشی کی
بات ہے کہ بیگمات نے اس ضروری کام میں کافی دلچسپی سے شمولیت فرمائی ہے۔ اس انجمن کا سب سے
ضروری مقصد یہ ہے کہ اُردو زبان میں مستورات کے لیے مفید اور دلچسپ کتابیں تصنیف کرا کر
شائع کی جائیں۔ انجمن کا چندہ ماہوار لاہور کی بہنوں سے ۴ ر ماہوار اور بیرونجات کی بہنوں سے
... چندہ ... رکھا گیا ہے۔ چنانچہ ابتک ۵۳ معزز بہنوں نے اس مفید انجمن کی ممبری منظور فرمائی ہے۔
امید ہے کہ دیگر بہنیں بھی اس طرف متوجہ ہونگی۔ اور اس مفید کام میں شامل ہو کر علمی دلچسپی کا
اظہار فرمائیں گی

ریویو

خلاصہ

مسرت اور اطمینان کا مقام ہی کہ ایک نیا اسم باسمی رسالہ **خلاصہ** نہایت اہتمام اور قابلیت کے ساتھ علی گڈہ سے نکلنا شروع ہوا ہی۔ نثر و نظم کے دونوں حصے ملک کے قابل مستند او مشہور اہل قلم کے مضامین سے مرتب و مزین کیے گئے ہیں۔ فی الواقع ایک ایسے رسالہ کی سخت ضرورت تھی۔ جو اُردو لٹریچر کو ترقی پہنچانے کے ساتھ ہی ساتھ اُن اعلیٰ درجہ کے تمدنی و اخلاقی مضامین کو جو علیحدہ علیحدہ رسالوں میں ملک کے ہر گوشے میں شائع ہوتے رہتے ہیں مجموعی طور پر پبلک کو پیش کرے۔ اسکے اڈیٹر منشی محمد عبد السلام صاحب مالک مطبع فیض عام ہیں۔

اس ہمعصر کی دو قسمیں ہیں قسم اول جسکا کاغذ ولایتی خاتون جیسا ہی قیمت عہ سالانہ اور قسم دوم سفید کاغذ پر عہ سالانہ۔ ۱۸ × ۲۲ سائز۔ علاوہ ٹائٹل کے ۳۲ صفحے۔

پھول

اس لفظ سے غالباً ناظرین یہ سمجھتے ہونگے کہ ہم باغ کے کسی پھول کا ذکر کرینگے۔ نہیں بلکہ یہ ایک ہفتہ وار اخبار چھوٹی تقطیع پر گزشتہ مہینے سے لاہور سے نکلنا شروع ہوا ہی۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ بچوں میں اسکے ذریعہ سے تعلیم کا شوق پیدا ہو۔ اور اُن میں روشنخیالی آئے۔

بہت سے لوگ جب باغ میں یا کسی سیرگاہ میں جاتے ہیں تو بطور تحفہ کے بچوں کے لیے پھول لاتے ہیں۔ کیونکہ معصوم بچوں کو خوشرنگ پھول بہت پسند ہوتے ہیں۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں بچے اُن پھولوں کو مسلکر خراب کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ پھول ایک ایسا خوشگوار اور پائدار پھول ہی کہ اسکا اثر بچوں کے دل سے کبھی زائل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ آیندہ نسلوں پر بھی اسکا اثر پڑیگا۔

اس اخبار کی اڈیٹر ہماری محترمہ بہن بنت نذر الباقر صاحبہ ہیں جو قوم کی ایک نہایت سچی خیر خواہ اور روشنخیال خاتون ہیں اور جن کے بہت سے مضامین خاتون کے اوراق میں بھی

ناظرین نے ملاحظہ فرمائے ہونگے۔

چند پرچے اس اخبار کے جو ابتک ہم نے دیکھے ہیں۔ ان سے ہمکو بہت امید ہوتی ہی کہ یہ سالہ قوم کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا۔ نہایت سلیس اور دلچسپ عبارت میں بچوں کے لیے ہیں مضامین لکھے جاتے ہیں۔ اور ان کی اخلاقی تربیت اور علمی شوق بڑہانے کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہی۔ ہم نہایت خوشدلی سے اس اخبار کا خیر مقدم کرتے ہیں اور سفارش کرتے ہیں کہ ناظرین اس اخبار کو اپنے بچوں کے لیے ضرور منگائیں اور اس سے نفع اُٹھائیں۔ اور ہم تہ دل سے اپنی محترمہ بہن بنت نذر الباقر صاحبہ کی سچی کوشش کی تعریف کرتے ہیں جو اس سالہ کے نکالنے میں وہ کر رہی ہیں۔ ہماری دعا ہی کہ اللہ تعالیٰ اس پھول کو سر سبز رکھے اور اسکے ثمر سے نونہالان قوم کو نفع پہونچے۔ چھپائی لکھائی کاغذ وغیرہ ہر لحاظ سے یہ رسالہ بچوں کے قابل ہی۔ اور اسکی قیمت سالانہ سپہر ہی۔

ملنے کا پتہ۔ پھول آفس چھاؤنی سیالکوٹ۔ بنت نذر الباقر صاحبہ۔

آزادی کا بُرا اثر۔ لنڈن کی عورتیں جنکو اعتدال سے زیادہ آزادی ملی ہوئی ہی متواتر کوشیش کر رہی ہیں کہ اُن کو بھی پارلیمنٹ کی ممبری کا حق دیا جائے۔ اس کوشش میں وہ حد اعتدال سے تجاوز کر گئی ہیں اور پارلیمنٹ کے ایوان میں بار بار حملے کرتی رہتی ہیں۔ چنانچہ ۱۳ نومبر کو ایک اسی قسم کی عورت نے مسٹر ونسٹن چرچل پر جو پارلیمنٹ کے نہایت زبردست ممبر اور بڑے مدبر اور لائق لیڈر ہیں حملہ کیا۔ اور اس چابک سے جس سے کُتّے کو مارتے ہیں مسٹر موصوف کا چہرہ زخمی کر دیا۔ مسٹر چرچل نے اس عورت کو پکڑلیا۔ اور پیشتر اسکے کہ کوئی ان دونوں کو چھڑا سکے باہمی طور پر دونوں میں عین پارلیمنٹ کے چبوترے پر خوب جد وجہد ہوئی۔ مسٹر چرچل نے آخر اس عورت سے بمشکل چابک چھین لیا۔ اور بطور یادگار کے اپنی بیوی کو دیدیا۔

ہر ایکسلنسی کونٹس منٹو کو عطای اعزاز - ہر ایکسلنسی کونٹس منٹو کو ملک معظم نے بتقریب سالگرہ کراؤن آف انڈیا کا خطاب مرحمت فرمایا ہی۔ لیڈی منٹو صاحبہ اپنے صفات حسنہ و اخلاق پسندیدہ اور اپنے ہمجنس طبقہ سے ہمدردی رکھنے اور اُن کی بہبودی میں تہ دل سے دلچسپی لینے کی وجہ سے نہایت عظمت اور عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ آپ نے اپنے ہمجنس طبقہ کے بیماروں کے لیے نرسنگ فنڈ قائم کیا ہے۔ ان سب باتوں کی وجہ سے ہندوستان کی خواتین کے دلوں میں آپ کی نہایت عظمت ہے۔ اور اس خطاب سے جس کی لیڈی صاحبہ ہر طرح پر مستحق تھیں تمام خواتین ہند نہایت خوش ہونگی۔

بیگم صاحبہ بھوپال اور تعلیم نسواں - حضور وائسرائے ہند کی تشریف آوری بھوپال کے موقع پر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال نے لیڈی منٹو کے دست مبارک سے لڑکیوں کے لیے ایک مدرسہ اور ایک پردہ کلب کا افتتاح کرایا ہی۔ ان دونوں چیزوں سے جیسا کہ امید ہو سکتی ہی ریاست بھوپال میں تعلیم نسواں کی ترقی میں بے حد مدد ملے گی۔ حضور بیگم صاحبہ بھوپال تعلیم نسواں کی حمایت کا ایک زندہ نمونہ ہیں۔ اور مسلمانوں کو اپنی عورتوں کی تعلیمی ترقی و تحریک و مدد کے لیے ہر ہائنس بیگم صاحبہ کا بیحد ممنون ہونا چاہیے۔

علیگڈہ کالج کا نیا پرنسپل - مسٹر آرچبولڈ پرنسپل علیگڈہ کالج کے چلے جانے کے بعد سے مسٹر ٹاؤن سنیر پروفیسر تھے عارضی طور پر کالج کی پرنسپلی کا کام کرتے تھے۔ ۲۰ نومبر کو وہ باقاعدہ دو سال کیلئے کالج کے پرنسپل مقرر کردئے گئے۔

نمایش - ۲۷ دسمبر سے زنانہ نمایش کا رنگون میں افتتاح ہوگا۔ لفٹنٹ گورنر

برہما کی لیڈی صاحبہ اسکا افتتاح فرمائیں گی۔ یہ بھی سُنا گیا ہے کہ ان کی دختر نیک اختر سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ نمائش کی پریسیڈنٹ ہوں۔

امید ہے کہ مارچ ۱۹۱۱ء میں زنانہ اسکول علی گڈھ کا سنگ بنیاد رکھا جائے گا۔

رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۰۷۲

خاتون

جلد ۶	بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۹ء	نمبر ۱۲

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ایل ایل بی - سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

خاکسار عظیم الدین پرنٹر کے اہتمام سے
مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا
جمعہ ۳۱ دسمبر ۱۹۰۹ء

[illegible]

خاتون

یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (عہ/) اور ششماہی ۱۲ عہ

اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جب تک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصان ہورہے ہیں اُس کی طرف ہمیشہ مردوں کو متوجہ کرتے رہیں گے۔

ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جا[ئے] جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی ان کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اُس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی۔ اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

تمام خط وکتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڈھ ہونی چاہیے۔

خاتون

رسالہ خاتون کی بابت مکالمہ

ہماری روشن خیال بہن رابعہ بیگم صاحبہ نے مندرجہ ذیل مکالمہ ہمارے رسالہ اور اسکول کی بابت لکھکر بھیجا ہی اور بہت اصرار کیا ہی کہ اسکو ہم شائع کریں۔

درحقیقت اس قسم کی غلط فہمیاں بہت سے خاندانوں اور گھرانوں میں ہمارے مشن کے متعلق ابتک موجود ہیں اور اسی قسم کی بدگمانیاں تمام بیماریوں کی جڑ ہیں۔ مولانا حالی نے سچ فرمایا ہی۔

کسی نے یہ بقراط سے جاکے پوچھا — مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا — کہ جسکی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں

ہم اپنی تمام روشن خیال بہنوں سے جو خاتون کا مطالعہ کرتی ہیں یہ امید رکھتے

ہیں کہ وہ بھی "رخشندہ" کی طرح اپنی "زبیدہ" جیسی بہنوں کو سمجھانے کی کوشش کرینگی اور غلط فہمیاں جن کے دلوں میں ہوں انکے رفع کرنیکو اپنا فرض سمجھینگی۔ ہم بارہا اس امر کو ظاہر کر چکے ہیں کہ ہم پردہ شرعی کو نہ صرف ضروری بلکہ فرض سمجھتے ہیں۔ اور ہم مسلمان عورتوں کے لیے اس آزادی کے مطلق حامی نہیں ہیں جو یورپین عورتوں میں ہے۔ کیونکہ وہ آزادی ہمارے مذہب پاک کے خلاف ہے۔ اور اس سے دین اور دنیا دونوں کا نقصان ہے ہم مسلمان عورتوں کو اور پختہ مسلمان بنانا چاہتے ہیں اور ہم انکو ایسی تعلیم دینا چاہتے ہیں جو مذہب اسلام کے ذرا بھی خلاف نہو۔

جو بیبیاں خاتون پڑھا کرتی ہیں وہ ہمارے خیالات سے اچھی طرح واقف ہیں ہم اُن کے سامنے اُن باتوں کو دھرانا نہیں چاہتے مگر اس بات کو مکرر عرض کرتے ہیں کہ ہماری قوم میں بہت سی "زبیدہ" ہیں آپ انکی غلط فہمیاں دور کریں۔

اڈیٹر

زبیدہ ۔ سلام علیکم۔

رخشندہ ۔ وعلیکم السلام۔ بہن زبیدہ اہا۔ آج کدھر بھول پڑیں شاید آپ نے بہن رضیہ کا گھر سمجھا ہوگا جو آگئیں اللہ بہن کوئی آپ سا بے مروت ہو انکھیں ترس گئیں تھیں کچھ یاد بھی ہے کتنا زمانہ گذرا آپکو دیکھے۔

زبیدہ ۔ بہن رخشندہ معاف کیجیے میں نے ہرچند چاہا کہ آؤں لیکن افسوس چند ایسے وجوہات پیش آئے کہ آنے سے مجبور رہی میرا بھی دل بے اختیار آپ سے ملنے کو چاہتا تھا۔

رخشندہ خیر شکر ہے کہ اب بھی آپکو آنے کیلیے فرصت ملگئی۔

زبیدہ - اچھا بہن اب کچھ باتیں بھی کرو گی یا اسیطرح مطالعہ میں مشغول رہوگی۔
رخشندہ - بہن معاف کیجئے تھوڑی دیر سے ایک مضمون دیکھ رہی ہوں ختم ہو لے تو پھر آپ سے باتیں کروں گی۔
زبیدہ - اچھی بہن ہمیں بھی دکھلانا کہ وہ کونسی ایسی دلچسپ کتاب ہے جس کو آپ ایسے شوق سے دیکھ رہی ہیں۔ اور اسیطرح اس کے مطالعہ میں محو ہیں کہ اپنے مہمان تک کا خیال نہیں ہے
رخشندہ - بہن کتاب نہیں رسالہ خاتون ہے۔ زبیدہ بہن کیا کہوں کیسا مفید دلچسپ ضروری فرقہ نسواں کا مددگار ہمدرد رسالہ ہے۔ تم دیکھو تو دن رات اسکے ہی مطالعہ میں مشغول رہو۔ میری تو یہ حالت ہے کہ جب تک ختم نکرلوں کھانا تک نہیں کھاتی بہن سنا ہے کہ تمہارے پاس بھی زنانہ اخبارات آیا کرتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ آپ رسالہ خاتون کی بھی خریدار ہونگی۔ سچ کہنا بہن کیسا مفید اور ضروری رسالہ ہے خدا اڈیٹر صاحب خاتون کا بھلا کرے جو ہر طرح ہر وقت ہماری خدمت و بہبودی میں مصروف رہا کرتے ہیں ایک مدرسہ بھی جاری کیا ہے جو خدا نے چاہا تو ضرور ایک دن معراج ترقی پر پہنچ جائیگا اللہ انکے نیک ارادوں اور کوششوں میں ترقی و کامیابی عطا فرمائیے آمین۔
زبیدہ ہاں بہن میں نے بھی رسالہ خاتون کا نام سنا ہے لیکن دیکھا نہیں ایک دفعہ بھائی جان نے بھی علیگڈھ سے لکھا تھا کہ خاتون طبقہ نسواں کے لیے از حد مفید ہے تمکو ضرور منگوانا چاہیے اور پرسوں سید عباس علیصاحب کے یہاں جلسہ ہوا تھا۔ ابا جان فرما رہے تھے کہ صاحب موصوف نے بہت تعریف خاتون کی کی اور حاضرین جلسہ کو زور شور سے ترغیب دی کہ ضرور رسالہ خاتون منگوائیں خود پڑھیں مستورات کو پڑھائیں زنانہ میں مسز سید عباس علی نے بھی بہت تعریف کی اکثر بیبیوں کو خاتون کا مشتاق بنا دیا اور سب بہنوں کو صلاح دی کہ وہ خاتون خریدا کریں سنا ہے کہ چند مضامین خاتون کے بہنوں کو سنائے تھے لیکن افسوس

سجاد بھتیا کی علالت کے باعث مجکو جلد واپس آنا پڑا اور رسالہ خاتون نہ دیکھ سکی کل بہن گل بانو بھی جو مسز سید عباس علی کے پاس خاتون دیکھ چکی ہیں بہت تعریف کر رہی تھیں میرا بھی ارادہ بہت دن سے خاتون جاری کروانیکا ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ اس کے مضامین نہایت آزاد اور بہت وسیع ہوتے ہیں جو ہم مسلمان مستورات کی موجودہ حالت کیلیے زیادہ مناسب نہیں اور سنا ہے کہ رسالہ خاتون مردانہ اخبار ہے زنانہ نہیں اور اسکے اڈیٹر بھی مرد ہیں اکثر مردوں کے مضامین ہوا کرتے ہیں۔ اور سنا ہے کہ رسالہ خاتون مستورات کو آزادی کی تعلیم دیتا ہے اور وہ مغربی تعلیم کا دلدادہ ہے۔ شیخ عبد اللہ صاحب کی بابت سنا ہے کہ بیشک وہ نہایت لائق فائق خیرخواہ قوم مددگار و ہمدرد نسواں آدمی ہے لیکن وہ پردہ کے سخت مخالف ہیں اور مشرقی طرز معاشرت اور تعلیم کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور مغربی تعلیم نئی روشنی کے دلدادہ ہیں وہ یہی چاہتے ہیں کہ مسلمان مستورات بھی مانند انگریزوں کے ہو جاویں۔ خود مختار آزاد ہوں وہ مردوں کی محکوم نہ رہیں۔ پردہ کو خیرباد کہیں جو مدرسہ کہ صاحب موصوف نے جاری کیا ہے۔ اسکی بابت بھی لوگوں کے خیالات درست نہیں ہیں۔ میں نے معتبر ذریعہ سے سنا ہے کہ جب اس مدرسہ میں مسلمانوں نے اپنی لڑکیاں بھجوانی پسند نہ کیں تو مجبوراً شیخ صاحب نے کرسٹانوں کی لڑکیاں داخل کرلیں۔ بھلا آپ ہی فرمایئے سکرٹری صاحب کو یہ کب لازم تھا کہ وہ اسطرح مسلمانوں سے پیسہ پیسہ چندہ فراہم کرکے غیر اقوام کی لڑکیوں کی تعلیم میں صرف کریں یہ سراسر شیخ صاحب کی ناانصفی ہے اور قوم کی بربادی ہے۔ پس انہی وجوہات سے میں نے رسالہ خاتون کی خریداری منظور نہ کی بہت دن سے میں نے ارادہ کیا تھا کہ خاتون کی بابت جو شکوک میرے دل میں ہیں میں انکی اصلیت سے واقف ہو جاؤں۔ لیکن افسوس مجکو ایسا موقع نہ ملا اور واقف ہونا بھی کیا ہے جو کچھ سنا تھا نہایت معتبر ذریعہ سے سنا ہے اور میرے خیال میں بالکل سچ سنا ہے پس اسی لیے میں نے

خاتون کی بابت کسی سے بحث کرنیکی ضرورت نہ سمجھی۔

رخشندہ بہن زبیدہ مجکو رسالہ خاتون کی بابت تمہارے اپنے خیالات دریافت شیخ عبداللہ صاحب کی بابت ایسی غلط خبریں سنکر بے انتہا افسوس ہوا۔ میرا خیال تھا کہ تم بھی مانند میرے خاتون کی دلدادہ ہو گی۔ مجکو مطلق خیال نہ تھا کہ خاتون اور سکرٹری صاحب کی بابت ایسی غلط فہمیاں لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئی ہیں لیکن میں نہایت خوش ہوں اور آپکا بے انتہا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے آج میرے روبرو اسپنے خیالات ظاہر کیے اور مجکو آپکے دل سی غلط فہمیاں دور کرنیکا موقعہ ملا۔

سنیے آپ نے خاتون اسکول اور اڈیٹر صاحب وغیرہ کی بابت جو سنا ہے وہ سراسر غلط محض جھوٹ ہے آجکل سے نہیں میں برسوں سے اسکی خریدار ہوں اور اسکے کل مقاصد سے میں اچھی طرح واقف ہوں اور میں آپکی باتوں کا تفصیل سے جواب دونگی خدا نے چاہا تو ضرور آپکے دل سے یہ غلط فہمیاں دور ہو جاوینگی اچھا اب میں سب سے پہلے رسالہ خاتون کی بابت کہنا چاہتی ہوں خاتون کبھی اور ہرگز مردانہ اخبار نہیں ہے اڈیٹر مرد ہوں تو کیا ہے خاتون زنانہ اخبار ہے بہن آجکل مسلمان مستورات سب اس لائق نہیں کہ اخبار کی اڈیٹری کریں اسلیے مجبوراً مرد اس فرض کو انجام دیتے ہیں اور اس کے مضامین کے لیے آزاد کا لفظ مناسب نہیں ہاں ضرور اسکے مضامین علمی ادبی۔ اخلاقی ہوا کرتے ہیں رسالہ خاتون کا مقصد یہ ہے کہ وہ مستورات کیلیے عمدہ لٹریچر پیدا کرے تعلیم نسواں میں کوشش کرے اور مستورات میں علمی مذاق پیدا کرے اور انہیں عمدہ تصنیفات کی ضرورت محسوس ہو اور اسکے ذریعہ سے دنیا کے حالات علمی باتیں تعلیم کی ضرورت مستورات کے کانوں تک پہنچیں اور میں نہایت خوشی سے کہتی ہوں کہ خاتون برابر اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہا ہے اور برابر اپنی خدمت انجام دے رہا ہے اسکے مضامین مسلمان مستورات کے مناسب حال کیوں نہیں ایسے مضامین کی مستورات

کو بے حد ضرورت تھی جن سے مستورات کے خیالات وسیع اور بلند ہوں اور علم کا شوق انمیں پیدا ہو۔ جو خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی ہوں کہ اس کمی کو رسالہ خاتون پورا کر رہا ہے رسالہ خاتون مستورات کو آزاد خود مختار بنانا نہیں چاہتا بلکہ انہیں اپنے حالت پر غور و اصلاح کرنا سکھاتا ہی تم دیکھتی ہو آجکل ہم مستورات کی حالت کس قدر ناگفتہ بہ ہی اور ضرور ہی کہ ہم اپنی حالت کو سدھاریں ہم مستورات گویا گولر کے بھنگے ہیں جنہیں سوائے چار دیواری کے دوسری خبر نہیں اور سوائے خورد نوش و روزمرہ کی باتوں کے علمی اور دیگر باتیں ہمارے کانوں تک نہیں پہونچتی ہیں ہن غور تو کرو اگر اخبارات بھی ایسے روزمرہ کی چھوٹے چھوٹے مضامین ہوں تو پھر بھلا علمی باتیں کسطرح مستورات تک پہونچیں اور کسطرح تعلیم النسواں میں ترقی ہو۔ رسالہ خاتون ہرگز پردہ کے خلاف نہیں ہی سچ پوچھو تو ہمارا موجودہ پردہ ہرگز شرعی و مذہبی نہیں بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں کا جاری کردہ ہی۔ ہمارا شرعی مذہبی پردہ وہ ہی جو مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ وغیرہ میں مروج ہی۔ جسکی تاکید آنحضرت نے فرمائی ہی خیر مجکو اس وقت پردہ سے بحث نہیں خاتون ہمیں سکھاتا ہی کہ پردہ میں ہم اپنی آزادی جو ہمارے مقدس اور پاک مذہب نے عطا فرمائی ہی جسکو مردوں نے اپنے ظلم و ستم سے غصب کر رکھا ہی۔ حاصل کریں مغربی تعلیم کی بابت جو آپ نے فرمایا سو بہن کیا آپ نے نہیں سنا۔ الناس علی دین ملوکہم بہن آجکل انگریزوں کی سلطنت ہی برٹش گورنمنٹ ہی بغیر انگریزی کے زندگی دشوار ہی۔ عربی فارسی میں کیسے ہی لائق کیوں نہو اگر انگریزی سے واقف نہو تو دس روپیہ کی نوکری ملنی دشوار ہی اور ہر طرح انگریزی کی ضرورت ہی اسی لیے مرد اعلیٰ تعلیم انگریزی کی حاصل کرتے ہیں۔

جب آجکل کے نوجوان اپنی بیبیوں کو جدا گانہ حالت میں پاتے ہیں تو دل میں حقیقی مہر و محبت پیدا نہیں ہوتی انکی خواہش ہوتی ہی کہ انکی بیبیوں بھی انگریزی زبان

سے واقف اور ہر طرح اپنے حسب خواہش و مددگار ہوں اسکے علاوہ اگر ماں مغربی تعلیم سے آگاہ ہوگی تو اپنے بچوں کو جنسے آئندہ قوم کی بہبودی وابستہ ہی بچپن سے ہی مشرقی تعلیم کے ساتھ مغربی تعلیم بھی دیگی اور اس قابل بنا سکیگی کہ دنیا میں انسان کہلائیں پس ان تمام وجوہات کو خیال کرتے ہوئے مستورات کی مغربی تعلیم کی ضرورت کو محسوس کیا لیکن اس سے رسالہ خاتون یا اڈیٹر صاحب کا ہرگز مقصد یہ نہیں کہ مشرقی تعلیم کو صاف خیرباد کہا جائے مشرقی تعلیم کو وہ نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور شیخ عبداللہ صاحب پردہ کے بہت بڑے حامی ہیں انکے اسکول میں خود نہایت سخت پردہ ہے وہ ہرگز نہیں چاہتے کہ مسلمان مستورات مانند انگریز لیڈیوں کے ہو جاویں ہاں البتہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان مستورات بھی مانند انگریز بیبیوں کے تعلیم یافتہ لائق فائق ہوں ہاں وہ ضرور اتنا کہتے ہیں کہ جو بات صرف انگریزوں پر ہی منحصر نہیں جس مذہب جس قوم میں اچھی ہو حاصل کریں اور جو بات کہ ہم مسلمان مستورات میں قابل اعتراض ہو ترک کر دیں اور یہ صرف اڈیٹر صاحب پر کچھ منحصر نہیں سب اس بات پر متفق ہیں کیا آپ نے نہیں سنا۔ شعر

کہ حکمت کو ایک گم شدہ لال سمجھو ✦ جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

اب اسکول کی بابت میں کہنا چاہتی ہوں۔ یہ سراسر غلط اور محض جھوٹی بات ہے کہ کرستانوں و دیگر قوموں کی لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ اول تو انکی قوم ایسی غافل نہیں کہ انکی لڑکیاں ہم مسلمانوں کی امداد کی طالب ہوں۔ انکی مشنیں خود اُن کے لیے کافی ہیں اور اس کے علاوہ فرض کرو کہ وہ ہیں بھی لیکن سکرٹری صاحب کو کیا غرض پڑی ہے کہ مسلمانوں سے بمشکل ایک ایک پیسہ وصول کر کے بے انتہا تکلیفیں اٹھا کے چندہ وصول کر کے غیر اقوام کی لڑکیوں کی تعلیم و تربیت میں صرف کریں بہن خدا کو دیکھا نہیں عقل سے پہچانا کیا شیخ عبداللہ صاحب کچھ دیوانے ہیں وہ خیرخواہ قوم ہیں نہ کہ بدخواہ قوم نہیں

معلوم کہ سب جھوٹی بے بنیاد خبریں اسکول خاتون وغیرہ کی بابت کیوں مشہور کی ہیں افسوس تم خاتون نہیں پڑھتی ہو ورنہ کل حال مدرسہ کا معلوم ہوتا مسلمانوں نے کیوں اپنی لڑکیوں کو بھجوانا پسند نہیں شوق سے بھجواتے ہیں سب شریف مسلمانوں کی لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں اور اس مختصر سے عرصہ میں بہت کچھ نمایاں ترقی کی ہے۔ اتنی کثرت اسی شہر کی لڑکیاں تعلیم پارہی ہیں سنا ہے کہ باہر سے مستورات کے خطوط بورڈنگ ہاؤس کی دریافت میں آرہے ہیں بورڈنگ ہاؤس طیار ہونیکی دیر ہے پھر تو جوق جوق لڑکیاں آنے لگینگی جتنی لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں سب شریف مسلمانوں کی ہیں مدرسہ کی پڑھائی نہایت قابل اطمینان اور قابل تعریف ہے اگر مدرسہ ایسا نہوتا تو کیوں نواب وقار الملک صاحب اپنی صاحبزادی کو بھجوانا پسند کرتے پردہ کا انتظام گھر سے زیادہ عمدہ ہے۔ مسز عبداللہ صاحبہ دن رات مدرسہ کی خدمت میں مصروف رہتی ہیں مدرسہ کی خدمت انھوں نے اپنے اوپر فرض جان رکھی ہے اور بہن موصوفہ کی ہی کوششوں نے مدرسہ کو ترقی کی صورت دکھائی ہے اللہ مسز عبداللہ صاحبہ اور شیخ عبداللہ صاحب اور دیگر کل خیرخواہ قوم و مددگار نسواں کی کوششوں اور ارادوں میں کامیابی و ترقی عطا فرمائے آمین۔ بہن زبیدہ میں نے آپکی کل باتوں کا جواب دیا ہے میں امید کرتی ہوں کہ ضرور آپکے دل سے غلط فہمیاں دور ہوگئیں ہونگی میرے پاس خاتون ہے اسکو آپ ہمراہ لیجائیے اور بوقت فرصت مطالعہ کیجیے اس سے آپکو خاتون اور اسکول کا حال اور شیخ عبداللہ صاحب کے خیالات بخوبی معلوم ہو جاوینگے رسالہ خاتون دیکھنے سے خود بخود آپکی غلط فہمیاں دور ہو جاوینگی مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید۔

زبیدہ۔ بہن رخشندہ میں بے انتہا آپکا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے آج میرے دل سے وہ غلط فہمیاں دور کرائیں جو معتبر ذریعوں سے میرے دل نشین ہو چکی تھیں

ہیں ضرور رسالہ خاتون کو دیکھونگی اس سے میرے باقی ماندہ شکوک بھی جاتے رہینگے
لیکن بہن میں سخت افسوس سے کہتی ہوں کہ میری طرح بہت سی بہنیں ان غلط فہمیوں
میں مبتلا ہیں اکثر بیبیاں ہیں جو مانند میرے خاتون اور اسکول کی بابت اپنے خیالات
رکھتے ہیں میری پیاری بہن میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ آپ ضرور ہمارے
اس ناچیز مکالمہ کو رسالہ خاتون میں درج کروائے جن بیبیوں کے خیالات رسالہ خاتون
کی بابت ایسے ہیں وہ خاتون جس ہیں ہمارا مکالمہ درج ہوگا پیش کرونگی کہ رسالہ خاتون
دیکھیں اور ہم دونوں بہنوں کا ناچیز مکالمہ پڑھیں جس ہیں کہ اخبار اور اسکول کی
بابت میری پیاری بہن رخشندہ نے اچھی طرح بحث کی اور میری غلط فہمیاں
دور کی ہیں۔ میری اچھی بہن رخشندہ ضرور اسکو درج رسالہ کروائیے اچھا اب
رخصت ہوتی ہوں خدا حافظ۔

خاکسار رابعہ بیگم از
انندی گاؤں

شجرۃ الدر

ملک مصر کے تخت سلطنت پر وہاں اسلام جانیسے پہلے کئی نامور عورتیں
بیٹھی ہیں مثلاً کلیوپیٹرا اور دیوکا وغیرہ جنکی بعض بعض نشانیاں ابتک بھی مصر میں موجود ہیں
لیکن جب سے وہاں اسلام کا قدم پہنچا جسکو آج ۱۳۰۶ سال ہوگئے ہیں
صرف ایک عورت تخت نشین ہوئی جسکا نام شجرۃ الدر تھا۔
شجرۃ الدر ترکی قوم کے ایک غریب غلام کی لڑکی تھی اور ملک شام کے شہر
دمشق میں ۶۱۳ھ میں پیدا ہوئی تھی۔ اس کے باپ کا آقا ایک نیک نہاد شامی
مسلمان تھا جو بڑا عبادت گذار خدا پرست اور علم دوست تھا اسیکے گھر میں شجرۃ الدر

کے والدین اور خود اسکی تربیت ہوئی

شام کا ملک حسن کے لحاظ سے دنیا میں ہمیشہ سے ممتاز رہا ہے حضرت یوسف علیہ السلام وہیں پیدا ہوئے تھے اور اب بھی وہاں کا حسن تمام دنیا میں بے نظیر تسلیم کیا جاتا ہے شجرۃ الدر اگرچہ ایک ترک غلام کی لڑکی تھی لیکن خدا نے اسکو بے مثل حسن صورت عطا کیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس کا نام شجرۃ الدر (شاخ مرجان) رکھا گیا۔

اس کا آقا جو لاولد تھا اسکو بمنزلہ اپنی لڑکی کے سمجھتا تھا۔ اور بڑی محبت کے ساتھ پالتا تھا۔ جب وہ سن شعور کو پہنچی تو اسکو عربی زبان کی صرف نحو اور قرآن و تفسیر اور حدیث و فقہ کی تعلیم دی اسکو قرارت بھی سکھائی اور لکھنے کا ڈھنگ بھی بتایا اب اسکی لیاقت علمی اور حسن ظاہری کا بڑا شہرہ ہوا۔

نیکدل آقا یہ چاہتا تھا کہ اسکو آزاد کر کے کسی اپنے رشتہ دار سے اس کا نکاح کردے کہ اسی درمیان میں اس کا باپ مرگیا۔ اور اسکی ماں پہلے ہی مرچکی تھی پھر خود وہ آقا بھی بیمار ہوا اور بہت زیادہ بیمار ہوا۔

شجرۃ الدرہ پر یہ اقتادہ بہت سخت تھی اسنے اپنے آقا کی تیمارداری میں جان و دل سے محنت کی رات رات بھر جاگتی تھی اور صبح کو رو رو کر دعائیں مانگتی تھی۔

ایوبی خاندان کے ملک کامل محمدؒ کا زمانہ تھا وہ بھی اس زمانہ میں دمشق میں موجود تھے ان کے بیٹے شاہزادہ نجم الدین ایوبی نے جب شجرۃ الدر کا ذکر سنا تو اسکے آقا کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ شجرۃ الدر کو ہمکو دیدیں۔ نیکدل آقا جو اسکی ہر وقت بھلائی چاہتا تھا بہت خوش ہوا۔ اور اسکو منظور کرلیا۔ شاہزادہ نجم الدین نے اسکی قیمت میں کئی تھیلیاں اشرفیوں کی بھجوائیں بیمار بڈھا انکو منظور نہیں کرتا تھا۔ مگر جب شاہزادہ نے مفت لینے سے انکار کیا تو مجبوراً اسکو قیمت لینی پڑی اسکے تھوڑے ہی دن کے

بعد وہ مر گیا اس کے دفن کے سات دن بعد شجرۃ الدر شاہی محل میں گئی۔

اب شجرۃ الدر جس نے ایک غریب مگر نیک اور بہت شریف مسلمان کے جھونپڑے میں پرورش پائی تھی قسمت کی یاوری سے بادشاہ وقت کے محلسرا میں آئی جہاں نعمت و دولت کی انتہا نہ تھی اور ہر قوم کی بیگمات ایک دوسرے سے بڑھکر موجود تھیں مگر شجرۃ الدر جس کی عمر اس وقت اٹھارہ سال کی تھی۔ تمام بیگمات میں ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے تاروں میں چاند

ملک کامل محمد نے جب اس کو دیکھا اور حسن ظاہری اور علمی لیاقت اور عقل و شعور میں کامل پایا تو اپنے بیٹے سے کہا کہ اسکو آزاد کردو اور پھر اسکے ساتھ بڑے دھوم دھام سے شاہزادہ کی شادی کردی۔

شجرۃ الدر کو اللہ تعالے نے بہت سے مردوں سے زیادہ عقل دی تھی بہت ہی تھوڑے عرصہ میں وہ اپنی عقلمندی کے سبب سے محل میں سب سے ممتاز اور معزز ہوئی اور ملک صالح نجم الدین کو اس پر بہت بڑا اعتماد ہوگیا۔ اس سے ایک بیٹا بھی پیدا ہوا جس کا نام ملک خلیل رکھا گیا۔

ملک کامل محمد کی وفات کے بعد جب ملک صالح نجم الدین بادشاہ ہوا تو شجرۃ الدر بوجہ اپنی عقلمندی کے اسکا دست و بازو بنگئی اور تمام ملکی معاملات میں حصہ لینے لگی۔ یہانتک کہ مدت کے فتنہ و فساد کی وجہ سے ملک شام میں جو خرابیاں پڑگئیں تھیں اسکی صلاح و مشورہ سے وہ سب رفع ہوگئیں ملک میں امن اور رفاہیت ہوئی اور ساری رعایا خوشحال ہوگئی

جب ملک شام کا انتظام حسب دلخواہ ہوگیا تو ملک نجم الدین اپنے دارالخلافہ قاہرہ (مصر) میں آیا اور وہاں کا انتظام شروع کیا۔ اس زمانہ میں فرانسیسوں کے حملے برابر مصر پر ہوتے تھے ملک صالح نے ایک جرار لشکر ترتیب دیا اور اسکو لیکر فرانسیسوں کے

مقابلہ کے لیے نکلا۔ اس کی عدم موجودگی کے زمانہ میں شجرۃ الدر سلطنت کے تمام کاروبار کی خود مختار حاکم تھی وہ نہایت دور اندیش اور عقلمند عورت تھی اس نے ایسا امن و امان قائم رکھا کہ تمام ملک میں کہیں کوئی فتنہ فساد نہیں کھڑا ہوا ساری رعایا اور امراء وزراء اس سے خوش تھے۔

ملک صالح نے بہت سے غلام خریدے تھے انکی تعداد دکئی ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ شہر میں کبھی کبھی یہ غلام دنگا فساد بھی کیا کرتے تھے۔ شجرۃ الدر نے جب اسکی شکایت سنی تو اس نے مقیاس کے قریب ایک قلعہ بنوایا اسمیں ان سب غلاموں کو رکھا اور شہر میں پھرنیکی ممانعت کردی۔ کئی سو کشتیاں اسنے طیار کرائیں اور ہر قسم کے بحری جنگ کے ہتیار مہیا کیے اور ان غلاموں کو بحری لڑائی سکھلائی تاکہ جب فرانسیسی حملہ کریں تو یہ انکا مقابلہ کرسکیں۔

۶۴۶ھ میں ملک صالح نجم الدین کے چہرہ پر ایک پھوڑا نکلا۔ ہرچند اس کا علاج کیا گیا لیکن وہ اچھا نہ ہوا بلکہ برابر بڑھتا گیا اسی زمانہ میں ایک فرنچ جنرل جسکا نام ریدا تھا۔ وہ جنگی کشتیاں لیکر دمیاط کے سرحد پر آپہنچا۔

یہ فرانسیسی سپہ سالار مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ اس نے اسپین کے مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم کیے تھے اور ان کا سارا مال لوٹ لیا تھا۔ اب ایک بھاری فوج لیکر مصر کو لوٹنے کیلیے آیا دمیاط میں پہنچکر اس پر حملہ کیا دمیاط کے غریب مسلمان اپنے بال بچوں کو لیکر بھاگے اور سارا شہر اسکے لیے خالی چھوڑ دیا کیونکہ امیں اسکے مقابلہ کی بالکل طاقت نہ تھی۔

شجرۃ الدر نے جب سنا تو اسکو بہت تردد ہوا کیونکہ ملک صالح سخت بیمار تھا۔ لیکن عالی حوصلہ بادشاہ نے باوجود اس تکلیف دہ مرض کے خود اس سے لڑنیکی طیاری کی اور بے شمار فوج لیکر دمیاط کی طرف روانہ ہوا خود ایک محافہ میں سوار تھا۔

کیونکہ اسمیں اتنی طاقت بھی نتھی کہ وہ بیٹھ سکتا

دمیاط کے سرحد میں پہنچکر فرانسیسیوں سے سخت مقابلہ ہوا اور بیشمار فرانسیسی مارے گئے آخر ریدا مجبور ہوکر بھاگ گیا۔

ملک صالح کامیاب واپس آیا۔ لیکن اسکی بیماری بڑھتی جاتی تھی اور آخر ۱۴ شعبان المعظم ۶۴۷ھ کو اس کا انتقال ہوگیا۔

اس سے ایک سال پہلے ملک صالح کا بیٹا ملک خلیل جو شجرۃ الدر سے پیدا ہوا تھا مر گیا تھا۔ ایک دوسرا بیٹا تورانشاہ دوسری بیوی سے تھا اور وہ کیفا کے قلعہ میں تھا جو مصر سے بہت فاصلہ پر ہے

ملک صالح کی وفات کے بعد شجرۃ الدر نے یہ عقلمندی کی کہ اسکی موت کی خبر کو شائع نہ کیا۔ کیونکہ اسکو خیال تھا کہ اسکی وفات کی خبر سنکر فرانسیسی پھر حملہ کرینگے چنانچہ روزانہ اطبار محل میں آتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ ملک صالح ابھی زیر علاج ہے اور تمام کاروبار اسیطرح شجرۃ الدر انجام دیتی تھی جسطرح اسکی بیماری کے زمانہ میں کسی کو کانوں کان خبر نہونے پائی کہ بادشاہ مر گیا ہے۔

امیر حسام الدین لاجین اور امیر فارس الدین افطائی بادشاہ کے دونوں وزیر اس معاملہ میں شجرۃ الدر کے ہمراز تھے اور کوشش کرتے تھے کہ یہ راز کسی طرح افشا نہ ہو۔

شجرۃ الدر نے ایک آدمی تورانشاہ کے پاس بھیجکر اسکو تمام حالات سے اطلاع دی چار مہینہ کے بعد تورانشاہ ایک جرار لشکر کردونکا لیکر قاہرہ میں آیا اور یکم محرم ۶۴۸ھ کو تخت سلطنت پر بیٹھا۔

تورانشاہ ایک بیوقوف اور احمق شاہزادہ تھا۔ اس نے اپنے باپ کے تمام ملازموں کو برطرف کیا اور اپنے غلاموں کو ان کی بجائے مقرر کیا تمام رعایا و اعیان ملک اس

سے ناراض ہو گئے جب یہ خبریں فرانس میں پہونچیں تو ریدا پھر ایک عظیم الشان جنگی بیڑہ لیکر پہنچا اور نارسکو پر حملہ کیا۔ شجرۃ الدر کو یہ خبر سنکر بہت فکر ہوئی کیوں کہ تورانشاہ اس کام کا آدمی نہ تھا۔ اس نے امیر حسام الدین لاچین اور امیر بیبرس بندقداری کو بلاکر کہا کہ جسقدر فوج تم سے جمع ہو سکے جمع کرکے لیجاؤ اور دشمن کو ملک سے نکالدو۔

اسکے فرمان کے مطابق ان دونوں امیروں نے لشکر جمع کیا اور لیکر گئے ادھر سے ان غلاموں کو بحری راستہ سے شجرۃ الدر نے روانہ کیا۔ بہادر لاچین نے فرانسیسیوں پر پہونچنے کے ساتھ ہی ایک بیدریغ حملہ کیا جو قیامت کا نمونہ تھا۔ ۶۷ مسلمان امرا اس معرکہ میں شہید ہوئے اور سپاہیوں کی کچھ گنتی نہیں۔ تقریباً بارہ ہزار فرانسیسی مارے گئے اور آخر کار ریدا گرفتار کرلیا گیا

تورانشاہ کی سلطنت ایکسال رہی اور اسکے بعد جب اسنے زیادہ مظالم کرنے شروع کیے تو ملک صالح کے چند غلاموں نے اسکو مارڈالا اور اس کے مرنے پر ایوبی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

اس کے قتل کے بعد تمام امرا اور اعیان سلطنت نے مشورہ کرکے شجرۃ الدر کو ۲ صفر ۶۴۸ھ میں تخت پر بٹھایا۔ تمام قاہرہ کی آئین بندی کی گئی اور بڑی خوشیاں منائی گئیں کیونکہ اس کے عدل و انصاف سے تمام ملک مصر خوش تھا اور اسکی عقل اور دور اندیشی پر سبکو اعتماد تھا۔

شجرۃ الدر ترکی عورت تھی اس کے مزاج میں حلم و متانت۔ خودداری اور وقار بدرجہ کمال تھا یہی وجہ تھی کہ اس کا رعب بہت تھا وہ ہمیشہ پردہ کی آڑ میں بیٹھکر دربار کرتی تھی اور بڑے سے بڑے امرا اور وزرا اس کے سامنے جاتے تھے تو دور ہی سے زمیں بوسی کرتے تھے۔ اس کا وزیر عز الدین ایبک تھا جو نہایت لائق

ترک تھا۔ اس نے سب سے پہلے یہ کام شروع کیا کہ بحری فوج باقاعدہ مرتب کی تاکہ ملک بیرونی حملوں سے محفوظ رہے۔ امرا اور اعیان سلطنت کو اس نے اپنی فیاضی سے بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں اور تمام ملک میں وہ ہردلعزیز ہوگئی۔ یہاں تک کہ مسجد کے ممبروں پر اس کے نام کے خطبے پڑھے جانے لگے اور اس کے لیے دعائیں ہونے لگیں۔ وہ ہر ایک کام سلطنت کا اپنے پیش نظر رکھتی تھی۔ عز الدین ایبک ممکن نہ تھا کہ بلا اس کے مشورہ کے کوئی کام کرے فرمانوں پر اسکا دستخط یہ ہوتا تھا " والدہ خلیل "

ابھی اسکی سلطنت کو صرف تین ہی مہینہ ہوئے تھے کہ خلیفہ بغداد ابوجعفر مستنصر باللہ کو خبر ملی کہ مصر والوں نے ایک عورت کو اپنے اوپر حاکم بنایا ہے۔ تو انھوں نے امراء مصر کے نام ایک خط بھیجا اور اسمیں لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم لوگوں نے ایک عورت کو اپنے اوپر حاکم بنالیا ہے کیا ملک مصر میں کوئی مرد نہیں جو حکومت کر سکے کیا تم جانتے نہیں کہ اسلام میں عورتوں کی حکومت جائز نہیں رکھی گئی ہے۔؟

یہ خط جس وقت مصر پہونچا تو شجرۃ الدر نے کہا کہ مجھے یہ معلوم نہ تھا اور اُسیوقت نہایت خوشی کے ساتھ اسنے سلطنت چھوڑ دی۔ مصر کے لوگوں کو اس کا سلطنت چھوڑنا نہایت شاق گذرا انھوں نے اسکو ہرچند مجبور کیا لیکن اسنے کہا کہ تم جسکو چاہو تخت سلطنت پر بٹھا دو میں اسلام کے خلاف کوئی کام نکرونگی آخر جب وہ لوگ لاچار ہوگئے تو انھوں نے کوشش کر کہ شجرۃ الدر کی شادی عز الدین ایبک کے ساتھ کردی اور عز الدین ایبک کو تخت پر بٹھا دیا۔

اسیوقت سے مصر میں ترکی خاندان کی حکومت شروع ہوگئی۔

افسوس کہ شجرۃ الدر کا خاتمہ نہایت دردناک ہوا۔ واقعہ یہ ہوا کہ اسکی لونڈیوں نے کسی خاص وجہ سے اسکے شوہر عز الدین ایبک کو حمام میں قتل کردیا ۔

اسی عداوت سے ۱۶ ربیع الاول ۶۵۶ھ کو اس معز ملکہ کو عز الدین ایبک کی دوسری بیوی نے مروا ڈالا اور قلعہ کے اوپر سے خندق میں پھنکوا دیا تین دن کے بعد اسکی غلاموں نے اسکی لاش کو تلاش کر کے حضرت سیدہ نفیسہ رحمتہ اللہ علیہا کے مزار مقدس کے پاس دفن کر دیا کجا ایک غلام کی لڑکی اور کجا تخت شاہی اور پھر یہ انجام!!

ہے عجب سیر اگر دیدۂ بینا دیکھے ۔۔۔ دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشا دیکھے

اسلم جیراجپوری

خیالات ناقصہ

اسمیں شک نہیں کہ علم ہر زمانے و ہر طبقے میں مفید و بکار آمد چیز ثابت ہوئی نیک و بد کا معیار اور گم راہوں کا مشعل بنا۔ دیکھو وہ حضرت آدمؑ پر علم مبارک ہی کا پرتو تھا جس + نے اُن ملائکہ پر ممتاز کیا۔ فرشتوں کو سربسجود کیا۔ اور انکے عجز و قصور کو اُن سے منوایا۔

وہ علم ہی کی تجلی تھی جس کے استفادے کے لیے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آستانہ مبارک پر جبہ فرسائی فرماتے۔ صورت حال بیان کرتے تھے اور آپ ان کے مشکل مسئلوں کی عقدہ کشائی کر کے سائلوں کا اطمینان فرما دیتی تھیں۔

وہ علم ہی کا جلوہ تھا جس نے صغیر السن حضرت عبداللہ بن عباس کو آپ کے معمر و کبیر السن صحابیوں پر فوقیت و ترجیح بخشی اور سبھوں نے بالاتفاق زبان حال سے اقرار فرمایا ؎

کودکے کو بعقل پیر بود ۔۔۔ نزد اہل خرد کبیر بود

+ دیکھو سورہ بقر۔ رکوع ۴

اور اس وقت بھی اسی علم کی بدولت گورنمنٹ انگلشیہ ہم کو سراہتی۔ سر آنکھوں پر جگہ دیتی ہے اور آج ہمکو اپنا مشیر بناتی۔ اور نہایت فراخ دلی سے وہ حقوق دے رہی ہے جس کے لیے بہتیروں نے تمنائیں کرتے کرتے ندامت کے مارے دنیا سے منہ چھپا لیے۔ اور گور غریباں میں جا بسے۔

یہ علم ہی کا اقبال ہے جو لیڈیان یورپ نے اپنے حقوق کیلئے پارلیمنٹ کو خفظے میں ڈال دیا۔ اور طرح طرح کی مصیبتوں اور فکروں کا زیر بار بنا دیا ہے۔

غرض یہی علم ہے جس سے خدا شناسی کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ معاملہ فہمی و دقائق سنجی کی قوتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اشرف المخلوقات کا لقب پاتا۔ اور حیوان سے ممتاز بنتا۔ نیک و بد کو پرکھتا۔ نفع نقصان کو جانتا۔ نشیب و فراز سے آگاہ ہوتا ہے۔ قانون خدائی و گورنمنٹی سے واقف ہوتا ہے۔ آنکھوں میں بصارت۔ اور دلوں میں غیرت پیدا ہوتی ہے۔ عزت و وقعت ساتھ دیتی۔ اور دولت ثروت ہاتھ پکڑتی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے؟ کہ ایسی مفید نعمت ایسی لازوال دولت مخرب اخلاق و بدباطن ثابت ہوگی اور بے وفا نکلیگی۔

شاید آپ میری گزارشوں کو باور نکریں مگر سچ کہتا اور چشم دید عرض کرتا ہوں کہ الحمد اللہ اس وقت بھی بعض ایسی معزز خاتونیں موجود ہیں جو علم و فضل زہد و تقوی میں اپنی نظیر نہیں رکھتیں ہیں۔ اُن کے ہاں اردو فارسی تو کوئی چیز نہیں معمولی باتیں ہیں۔ حدیث و تفسیر فقہ و منطق و ادب وغیرہ انمیں وہ پایہ رکھتی ہیں کہ کبھی علمی مباحث میں اپنے ہم جنس و ہم علم شوہروں سے کم نہیں رکھتی ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوا کہ وہ خاتونیں اُن پر غالب آگئیں۔

اپنے گھر میں ایک مدرسہ بنا رکھا ہے اور عموماً غریبوں کی بچیوں کی خدمت کرتی ہیں۔ اور مفت تعلیم دیتی ہیں۔ اور اپنے علمی خزانوں سے مستفید کرتی ہیں۔

مجکو ان خاتو ن کے پدر بزرگوار کی شاگردی کا فخر ہی۔ اور ایک دو برس نہیں بلکہ نو برس کامل اُن کا خوشہ چیں رہا۔ لیکن سچ عرض کرتا ہوں کہ میں نے گھر سے کبھی شور وغل کیا آدمیوں کے رہنے سہنے کی معمولی آوازیں بھی نہیں سنیں - نہ کبھی کلمات ناشائستہ نہ کوئی حکایت وشکایت سنی۔ اور یہ کیوں؟ اِسکی دو وجہ ہیں۔ اوّل مکمل علم کی روشنی نے اُن کے دل و دماغ کو منور کیا۔ ثانیاً پدر بزرگوار کی مبارک صحبت و تربیت نے اُنکو اخلاق و آداب کا مجسم پتلا بنا دیا۔

ہونہار بِروے کے چِکنے چِکنے پات

اور اس لیے ناچیز کی ناقص رائے ہی کہ تعلیم نسواں کے مرحلوں کے ساتھ تربیت و اخلاق و آداب محمدی۔ تہذیب و تمدن۔ نشست برخواست۔ رفتار وگفتار صبر و تواضع حمیّت وغیرت۔ شرم وحیا۔ ہمدردی خیرخواہی انکساری و ملنساری کو ملحوظ فی الذہن۔ اور نااہلوں کی صحبت سے احتراز رکھیں۔ اُستانیاں بھی اسی قبیل سے ہوں۔ جنکی تعلیم و تربیت فخر روزگار ہو حسن اخلاق و سیرت میں شہرہ آفاق ہوں۔ متعلموں پر اُس کا پرتو پڑے اور زمانہ آیندہ میں نمونہ روزگار بنیں۔ جس گھر میں اُن کا مبارک قدم پہنچے۔ اسکو لوگ سرمایہ ناز بنائیں۔ کیونکہ تجربہ سے بعض اوقات واجبی اور محض ادھوری تعلیم ناقص و مہلک ثابت ہوتی ہی۔ اور مخالفین کو الزام کا موقع مل جاتا ہی۔

دوسری گزارش یہ ہی کہ اس تعلیم نسواں کے ساتھ تعلیم صنعت و دستکاری کو بھی لابدی سمجھیں۔ اور تعلیم النسواں کی جہاں گتھیاں سلجھائی جاتی ہیں۔ وہاں کسی قدر اس صنعت و دستکاری کی بھی موشگافیاں کی جائیں اس سے وہ علاوہ ہنرمندی اور سلیقہ شعاری کے کبھی نکمی اور بیکاری کی الجھنوں میں مبتلا نہیں رہ سکتی ہیں ہر زمانہ میں اپنی حاجت روائی کی قدرت رکھتی۔ اور گردش فلکی سے محفوظ رہ سکتی ہیں۔ دو رمانہ

بے چارگی سے نجات پا سکتی۔ اور بے کسی و دست نگری کے کانٹوں سے دامن بچا سکتی ہیں اور اسی لیے میں اسکو تعلیم کے ساتھ ضروریات سے جانتا اور ایک دوسرے سے لازم و ملزوم سمجھتا ہوں۔ اگر صرف تعلیم ہو اور صنعت و حرفت سے ہاتھ خالی ہو تو یہ اُسی طرح بدمزہ ہے جس طرح بے نمک کا کھانا۔

میں ہر جانب سے تعلیم نسواں کی صدائیں سنتا ہوں۔ آئے دن رزولیوشن پاس ہوا کرتے ہیں اور اسکی رپورٹیں چھپتی رہتی ہیں

مگر کسی کا خیال اس کی طرف منعطف نہیں ہوتا۔ حالانکہ لوازمات زندگانی میں سے یہ بھی ایک ضروری۔ اور تعلیم نسواں کا جزو لاینفک ہے۔

اوروں کا تو مجھے علم نہیں مگر میں نے اپنی زندگی میں بہتیری ایسی بے خانمان شریف عورتوں کو دیکھا کہ وہ بے بسی بے کسی کے زبردست ہاتھوں سے تنگ آکر دو روپیے کی معلمی کرتی اور اپنی ناگوار و تلخ زندگی کو غلامی پر صدقہ کر کے بعسرت بسر اوقات کرتی ہیں۔ کاش وہ صنعت و دستکاری سے ماہر ہوتیں تو اُن کو یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور اس غلامی و بیچارگی کی نوبت نہ پہونچتی۔ آپ آنکھیں اٹھا کر دیکھئے اور زمانے کے نشیب و فراز دیکھیے۔ جب انسانی زندگانی میں تغیر و تبدل ضروریات سے ہے طفولیت۔ جوانی کہولیت۔ پیری۔ پھر زمانہ اس تغیر و تبدل سے کیونکر خالی رہ سکتا اور انقلاب سے کیونکر بچ سکتا ہے اگر اس وقت عیش و عشرت سے زندگی گزرتی ہے تو کیا ضرور ہے کہ آئندہ بھی اسی طرح گزریگی

وما تدری نفس ماذا تکسب غدا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کل کیا ہوگا انسان کو اپنی مآل اندیشی کا بھی ضرور خیال رکھنا چاہیے۔

علم انسان کا ایک ایسا ذاتی وصف بن جاتا ہے کہ ہزار زمانہ میں تغیر و تبدل ہو انقلاب عظیم برپا ہو گرد باد کا طوفان ہو۔ یا باران و بارش کا سیلاب ہو مگر جسطرح وہ انسانی ذات سے

اس علم کو نیست و نابود نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کوئی حادثہ اس صنعت و حرفت کے نام و نشان کو بھی مٹا نہیں سکتا۔

غرض کہاں تک کہوں میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ جس طرح طبقہ رجال کے لیے تعلیم و صنعت و حرفت تجارت لابدی ہے اسی طرح خاتونوں کے لیے تعلیم و دستکاری ضروری ہے۔ یہی انسانی زندگانی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں جن کی بدولت منزل مقصود تک پہنچ سکتا اور سدا عیش و شادمانی سے زندگی بسر کر سکتا ہے۔

م ۔ ح ۔ ف ۔ دسنوی از بختیار پور

آزدگان ایران در تعلیم نسواں

کل ہماری ملاقات آقا عبدالکریم صاحب سے ہوئی جو کہ بوشہر کے مدرسہ ملی کے پروفیسر ہیں اور سیاحت کی غرض سے نکلے ہیں ہندوستان کو دیکھتے ہوئے چین تک جانیکا ارادہ انھوں نے ظاہر کیا۔ آدمی نہایت مہذب شائستہ اور ملنسار ہیں اور بہت بڑے عالم اور روشن خیال ہیں۔ دیر تک مختلف قسم کی دلچسپ باتیں ان سے ہوتی رہیں۔ جو ابتدا فارسی اور پھر عربی میں ہوئیں۔ پروفیسر موصوف عربی نہایت شستہ بولتے ہیں۔ اور خوشبیان اور بامذاق آدمی ہیں چونکہ اس گفتگو کے ضمن میں ایران کی تعلیم نسواں کا بھی تذکرہ آگیا تھا۔ اسلیے مناسب معلوم ہوا کہ رسالہ خاتون میں اس گفتگو کا خلاصہ درج کیا کیا جائے۔ تاکہ ناظرین خاتون کو معلوم ہو جائے کہ ایران کے لوگ جو ایک اسلامی سلطنت ہے تعلیم نسواں کو کسقدر اہم خیال کرتے ہیں

ہندوستان اور کالج کے متعلق گفتگو کے بعد میں نے پروفیسر سے سوال کیا کہ ایران کی تعلیمی حالت کیسی ہے؟

پروفیسر ۔ خراب ۔ اور نہایت خراب ۔ اس لحاظ سے کہ کسی علم و فن کی تعلیم کا

کوئی نصاب وہاں موجود نہیں ہے۔ رہی ابتدائی تعلیم وہ عام ہے یعنی کسی شہر۔ قصبہ یا دیہات میں بچوں کے سوا کوئی مرد یا عورت خواہ وہ کسی طبقہ کی ہو ایسی نہ ملے گی جو پڑھ نہ سکتی ہو۔ پرانے قسم کے ابتدائی مکاتب ہر جگہ موجود ہیں۔ اور ابتدا میں لازمی طور پر بچے اور بچیاں اس میں پڑھانے کو بٹھا دئے جاتے ہیں اسوجہ سے حرف شناس ہو جاتے ہیں۔

میں ۔ مغربی تعلیم کی ضرورت ابتک وہاں محسوس نہیں کی گئی؟

پروفیسر۔ کیوں۔ تمام ذی فہم لوگ اس کی ضرورت کو سمجھتے ہیں چنانچہ مغربی تعلیم کی دو ایک درسگاہیں ایران میں بہت پہلے سے ہیں۔ لیکن خود مختارانہ حکومت کا لازمہ ہے کہ عام رعایا جاہل رہے

میں اب کوئی ایسی جماعت ملک میں پیدا ہوئی ہے جو قوم کی تعلیم کے لئے کوشش کرے۔ اور ہر ایک دل میں تعلیمی ترقی کا شوق پیدا کرے۔؟

پروفیسر۔ (ہنسکر اور سینے پر ہاتھ رکھکر) ابھی تک لڑائی سے ہمارا سانس پھول رہا ہے ابھی ایک ہفتہ ہوا ہے کہ پارلیمنٹ نے اپنا اجلاس شروع کیا ہے۔ رفتہ رفتہ سب کچھ ہوگا۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس لڑائی میں جو قوم میں اور شاہ میں ہوئی ہے ایران کو کس قدر نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔ کم سے کم پچاس ہزار جان اور پندرہ کرور روپیہ۔ اس نقصان کی تلافی مدتوں میں ہوگی قوموں کی ترقی آہستہ آہستہ ہوتی ہے۔ یورپین قوموں نے صدیوں کی محنت اور کوشش کے بعد ترقی کی ہے۔

لیکن آپ یہ سمجھ لیں کہ اصلی قومی ترقی کا مدار تعلیم پر ہے۔ خاصکر تعلیم نسواں پر چنانچہ میں آپ کو خوشخبری دیتا ہوں کہ آزادگان ایران نے عورتوں کی تعلیم کو سب کاموں سے مقدم رکھا ہے۔ اور سب سے پہلے طہران میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیئے دو مدرسے کھولے ہیں۔ جن میں لڑکیاں بہت کثرت سے پڑھنے

کے لیے داخل ہو رہی ہیں۔ ان دنوں مدرسوں میں سوائے عورتوں کے مردوں کا بالکل گذر نہیں ہے اس کے تمام کارکن استانیاں عورتیں ہیں۔

میں۔ کن وجوہات سے آپ لوگ اس نتیجہ پر پہونچے کہ تعلیم نسواں قومی ترقی کی جڑ ہی ہے۔

پروفیسر۔ اسلامی دنیا کے تمام عقلمندوں پر یہ امر روشن ہوگیا ہے کہ مسلمانوں کا زوال محض عورتوں کی جہالت سے ہوا ہے۔ مردوں میں ہمیشہ ضرورت سے زیادہ تعلیم یافتہ شخصوں کی تعداد موجود رہی ہے۔ لیکن جب عورتوں کی تعلیم چھوڑ دی گئی اسوقت سے لائق آدمی پیدا ہونے موقوف ہوگئے اور مسلمان زوال اور پستی کی حالت میں آگئے۔ کیا آپ اپنے دونوں ہاتھوں میں سے اگر ایک ہاتھ کو بالکل خشک کر ڈالیں تو آپ کسی سے مقابلہ کرنے کے قابل رہیں گے۔ یہی حال عورتوں کا ہے ان کو جاہل رکھکر کوئی قوم کچھ نہیں کرسکتی۔

عورتوں کی تعلیم کا سبق ہم نے جاپان سے سیکھا ہے۔ جاپان نے اسوقت ترقی کی ہے جبکہ اس نے اپنی عورتوں میں تعلیم کو عام کردیا۔ علاوہ بریں خود اپنے ملک میں جب ہم بادشاہ کے مقابلہ میں لڑنے کے لیے کھڑے ہوئے تو ہم کو ان عورتوں سے جو تعلیم یافتہ اور روشن خیال تھیں بہت مدد ملی۔ اور شاید اگر ان عورتوں کی مدد کو خدا ہمارے شامل حال نکرتا تو بظاہر کامیابی مشکل تھی۔ سینکڑوں عورتیں مردوں کی طرح لڑکر شہید ہوگئیں۔

صاحب! عورتیں گھر کی مالک ہیں۔ بچوں کی استاد ہیں۔ سات آٹھ سال تک بچہ انہیں کے آغوش میں پرورش پاتا ہے۔ اور انہیں کی عادتیں سیکھتا ہے۔ اور یہ ابتدائی اثر تمام عمر اس کے اندر سے نہیں نکلتا۔ پھر ماؤں کا جاہل رکھنا گویا اپنے بچوں کے حقیقی استادوں کا جاہل رکھنا ہے۔ آپ اپنی بکریوں

اور بھیڑوں کے لیے تو چالاک اور سمجھدار چرواہا تلاش کرتے ہیں تو کیا آپ کو اپنے بچوں کے لیے جو آپ کے جگر گوشہ ہیں۔ سمجھدار اور تعلیم یافتہ ماں کی ضرورت نہیں ہی؟

قوم میں ہمت اور بلند اقبالی اسی وقت ہوتی ہی جب اس کی مائیں تعلیم یافتہ ہوں۔ اور اگر مائیں جاہل اور پست خیال ہوں گی تو ساری قوم پست خیال ہو گی۔ صرف مردوں کی تعلیم سے قومی ترقی ناممکن ہی۔ کیونکہ اگر قوم کو ایک درخت فرض کیجئے تو مرد اس کے پھل ہوں گے اور عورتیں جڑ۔ پھر مجھے بتائیے کہ اگر کوئی بیوقوف پھلوں کو پانی سے تر کرے اور جڑ کو سیراب نہ کرے تو کیا ایسا درخت سرسبز و شاداب رہ سکتا ہی؟

میں - عورتوں کی تعلیم کا کوئی نصاب بھی آپ کے یہاں تیار ہوا۔

پروفیسر - ابھی تک کوئی مکمل نصاب نہیں ہی۔ لیکن بہت جلد طہران میں تیار کیا جائے گا۔ عورتوں کی تعلیم میں ہم مذہبی عنصر باقی رکھنا چاہتے ہیں اور جو کام عورتوں سے متعلق نہیں ہیں انکی تعلیم انکو نہیں دینا چاہتے۔ ہم نے طے کر لیا ہی کہ ایران میں مردوں اور عورتوں کی تمام تعلیم فارسی زبان ہو گی۔

مغرب میں جو آزادی عورتوں کو دی گئی ہی اس کے خطرہ سے ہم لوگ واقف ہیں اس لیے ہم مردوں سے ان کو بالکل الگ رکھنا چاہتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی آزادی اور وہ حقوق جو مذہب اسلام نے عورتوں کو دئیے ہیں ہم اُن کو خوشی سے دیتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے یہاں عورتوں کو پارلیمنٹ میں ووٹ دینے کا حق حاصل ہی۔ وہ الگ انجمنیں اور جلسے کرتی ہیں۔ مختلف قسم کی تقریریں کرتی ہیں اور لکچر دیتی ہیں۔ اس قسم کے بہت سے لکچر عورتوں کے ہمارے یہاں کے مطبعوں میں چھپے ہیں

میں ۔ آپ نے شاید سنا ہوگا کہ اس کالج میں بھی ایک شاخ تعلیم نسواں کی ہی۔ جس کے سکریٹری شیخ عبداللہ صاحب ایک نہایت لایق اور روشن خیال مسلمان ہیں۔ ان کی کوشش سے یہاں بھی ایک اسکول اسی طریقہ پر جاری ہوا ہی جس طریقہ پر آپ کے طہران کے اسکول ہیں اور عورتوں میں تعلیمی شوق پیدا کرنیکے لیے انہوں نے ایک ماہواری رسالہ بھی نکالا ہی۔ جس کا نام خاتون ہی۔ ان کی کوشش بہت کامیاب ہو رہی ہی۔

پروفیسر ۔ میں یہ سنکر نہایت خوش ہوا۔ میری تہ دل سے یہ دعا ہی کہ خدا انکی کوششوں کو کامیاب کرے۔ آپ میری طرف سے نہیں بلکہ تمام دنیائے اسلام کی طرف سے شیخ عبداللہ صاحب کی خدمت میں شکریہ پہونچا دیجئے۔

میں ۔ ایران میں بھی کوئی رسالہ تعلیم نسواں کی اشاعت یا عورتوں کے متعلق شائع ہوتا ہی؟

پروفیسر ۔ ایران میں عورتوں کی تعلیم کی اشاعت کی حاجت نہیں ہے اس کی ضرورت سے ہر شخص واقف ہی۔ عورتوں کے متعلق کوئی اخبار یا کوئی رسالہ اسوقت تک نہیں نکلا تھا جبکہ میں نے بوشہر چھوڑا۔ لیکن بہت جلد ایسے اخبار اور رسالے نکلنے شروع ہو جائیں گے۔ میں یہاں سے واپس جا کر دیکھونگا جب اس قسم کا کوئی رسالہ یا اخبار نکلیگا تو اس کی ایک کاپی بھجوا دونگا۔

اس کے بعد ہم چائے پینے اور مختلف علمی باتوں میں مشغول ہو گئے

اسلم جیراجپوری

۸ - دسمبر ۱۹۰۹ء

عورتیں کیا ہیں

ہندؤں کے دہرم شاشتر کے بموجب عورتیں اردھنگی یعنی نصف جسم خیال کیجاتی ہیں زمانہ کے انقلاب نے اب عورتوں کی بابت مردوں میں اس قسم کی تنگ خیالی پیدا کر دی ہو کہ وہ پیروں کی جوتی شمار ہوتی ہیں۔ حالانکہ وہ عورتیں ہی ہیں۔ جن سے انسان انسان بنتا ہو۔ پانچ برس تک ماں کی گود ہی انسان کو اُس کی بے بسی کے عالم سے سن شعور تک پہنچا کر دنیا کی نعمتوں کے حاصل کرنیکے قابل کرتی ہے۔ ایک انگریزی شاعر کہتا ہو۔ کہ عورت دنیا میں انسان کے لیے خدا کی سب سے بڑی نعمتوں میں نہایت خوشنما چیز ہو۔ جو ایک وقت میں ماں بنکر پرورش کرتی ہے۔ تو دوسرے وقت میں بیوی کی حیثیت میں بطور ایک رفیق کے ساتھ دیتی ہو۔ اور تیسرے وقت میں بہن کی حالت میں خالص محبت کا اظہار کرتی ہو۔ اور چوتھے وقت میں لڑکی کی حیثیت میں بے نظیر فرمانبرداری کی مثال دکھلاتی ہو۔"

مشہور شاعر منشی درگا سہائے صاحب سرور نے جن کی نظمیں ایک خاص دلچسپی لیے ہوئے ہوتی ہیں اس پر ایک قابلانہ اور موثر نظم لکھی ہو۔

ہم یہ نظم نہ صرف ناظرین کی تفریح طبع کے لیے بلکہ عورتوں کے حقوق سمجھنے کے لیے پیش کرتے ہیں۔

نظم حضرت سرور

پیاری بہنوں!

ہر ایک درد دکھ کا مداوا تمہیں ہو تمہیں چارہ گر ہو مسیحا تمہیں ہو

مصیبت میں بنتیا ہیں کام آنیوالی
شریک غم و رنج دنیا تمہیں ہو

نہ ہو تم تو تاریک ہی بزم ہستی
اندھیرے گھروں کا اجالا تمہیں ہو

مجسم ہو تصویر تم نیکیوں کی
حیا اور عصمت کا گہنا تمہیں ہو

جو آنکھوں میں تم نور ہو پتلیوں کا
تو دل میں بھی خال سویدا تمہیں ہو

تمہیں ہو وفادار و غمخوار شوہر
مگر اپنے قیسوں کی لیلا تمہیں ہو

بھرا جس میں صانع نے رنگ وفا ہی
تمہیں ہو وہ نقشا دل زیبا تمہیں ہو

لڑکپن میں ماں باپ اور بھائیوں کی
شکیب دل ناشکیبا تمہیں ہو

جوانی میں شوہر کی ساس اور خسر کی
تمہیں راحت جاں تمنا تمہیں ہو

رضا جو و دلجو وفادار و خوشخو
مجسم وفاؤں کا پتلا تمہیں ہو

گناہوں کے چھینٹے نہ عصیاں کے دھبے
کہ تصویر عفت سراپا تمہیں ہو

تپش بھی ہے نور محبت بھی دل میں
تمہیں شمع ہو اور پتنگا تمہیں ہو

مصیبت کی کٹتی ہیں گھڑیاں تمہیں سے
کہ جینے کا دکھ میں سہارا تمہیں ہو

جو غمخوار ہو تم تو غم بھی ہے شادی
شب غم میں صبح تمنا تمہیں ہو

(از درویش ہرکاری)

صبر

ایک بادشاہ کے دو لڑکے تھے۔ ایک کا نام صاحب الجمال دوسرے کا صاحب الکمال تھا صاحب الجمال نہایت حسین و خوبصورت تھا۔ بخلاف صاحب الکمال کے جو نہایت بدصورت تھا۔ لیکن قدرت نے جس طرح صاحب الجمال کو دولت حسن سے مالامال کیا تھا دولت علم سے بالکل کورا تھا۔ صاحب الکمال بہت بڑا عالم اور زاہد تھا۔ صاحب الجمال میں ایک صفت یہ نہایت اچھی تھی کہ خواہ کیسی ہی سختی اس پر

پڑے اُس کو جھیل لیتا۔ صاحب الکمال باوجود عالم وزاہد ہونے کے ایسا بے صبر واقع ہوا تھا کہ پناہ بخدا

بادشاہ دونوں کو ایک نگاہ سے دیکھتا۔ اور دونوں سے انتہا سے زیادہ محبت رکھتا تھا۔ ایک مدت اسی طور سے گزر گئی اور دونوں شاہزادے باپ کے زیر سایۂ آرام وآسایش سے بسر کرتے رہے۔ آخر وہ زمانہ آیا کہ باپ نے اس دنیائے دوروزہ پر نفرین کی اور اپنے اصلی اور حقیقی پیدا کرنے والے سے جا ملا۔

بعد بادشاہ کے مرنے کے سلطنت پر جگھڑا پیدا ہوا۔ کچھ لوگ ایسے تھے کہ صاحب الکمال کے علم وکمال اور زہد واتقا کے سبب سے اس کو ترجیح دیتے تھے۔ اور کچھ پارٹی ایسی تھی جو صاحب الجمال کے حسن کی فدائی تھی۔ جب یہ نزاع وزیروروسا شہر کے سامنے پیش ہوئی اور اس امر کی تحقیقات کی گئی کہ کس کے حامی زیادہ ہیں تو معلوم ہوا کہ صاحب الجمال کی پارٹی زیادہ اور زبردست ہے آخر بالاتفاق یہ رائے قرار پائی کہ صاحب الجمال کو تخت سلطنت دینا چاہیے جب اس واقعہ کی خبر صاحب الجمال کے کانوں تک پہنچی فوراً بھائی کے پاس گیا اور یوں گفتگو کی۔

صاحب الجمال ۔ بھائی تمام روسا ووزیران سلطنت اس امر پر متفق ہو گئے ہیں کہ آپ سلطنت سے محروم کر دیے جائیں۔ اور یہ ذمہ واری میرے سر ڈالدی جائے۔ صبر کیجئے ان اللہ مع الصابرین (خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

صاحب الکمال۔ ہاں بھائی اب بھلا صبر نہ کرونگا تو کیا کرونگا۔ قوم نے مجھے بالکل بے دست وپا سمجھ لیا اور تمہاری پارٹی سے ڈر کر میرے خلاف

فیصلہ کردیا۔

صاحب الجمال۔ بھائی الصبر مفتاح الفرج (صبر کنجی ہے فراخی کی) خدا نعم البدل عطا فرمائیگا آپ گبھراتے کیوں ہیں۔

صاحب الکمال۔ گبھرانے کی ہی ایک ہی کی ایک شخص وارث تاج وتخت ہوتا ہے دوسرا محروم کیا جاتا ہے۔ پھر بتایئے اس پر کیا کچھ نہ گزرے گی

صاحب الجمال۔ آپ کا قول صحیح ہے لیکن آپ زاہد و عابد ہیں آپ کو سلطنت کے بکھیڑوں میں مبتلا نہ ہونا چاہیے۔

صاحب الکمال۔ کیا سلطنت عبادت و ریاضت کی مانع ہے خدا نے دنیا کی نعمتیں بنائی ہی اس لیے ہیں کہ ہر شخص ان سے فائدہ اٹھائے

صاحب الجمال۔ تو آخر آپ کا کیا منشا ہے؟

صاحب الکمال۔ جہاں تک میرے امکان میں ہوگا اسباب کی کوشش کرونگا کہ سلطنت مجھے ملے۔ میرے عقیدت مند مجھپر جان فدا کرنے کو تیار ہیں۔

صاحب الجمال۔ بھائی کے ان ارادوں کو سنکر مکان کو واپس آیا۔ لیکن راستہ میں ہی اس کے خیالات میں انقلاب عظیم پیدا ہوگیا تھا۔ مکان تک جاتے جاتے کئی مرتبہ اس پر ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ جب مکان پر پہونچ گیا تو ایک علیحدہ کمرے میں کواڑ بند کرکے خاموشی کے ساتھ دل ہی دل میں اسطور سے باتیں کرنے لگا۔

اگر بالفرض صبح کو میں یہاں موجود رہا تو ضرور ہے کہ میرے رفیق میری خاطر لڑنے کو آمادہ ہوجائیں گے۔ اور یہ تھوڑا ہی ہوسکتا ہے کہ میرے طرفدار بولیں اور بھائی صاحب کے فدائی خاموش بیٹھے رہیں یہ تو ناممکن بلکہ ناممکن سے بھی بڑھ کر ہے

وہ تو خار کھائے بیٹھے ہیں۔ میں تو انکے تیور دیکھکر تاڑ گیا تھا۔ کہ ان کے ارادے بدلے ہوئے ہیں۔ توبہ توبہ۔ انسان دولت کی خاطر کیا کیا کرتا ہے۔ حتے کہ یہ بھی نہیں سوچتا کہ میرا مقابل کون ہے۔ داراشکوہ کو عالمگیر نے قتل کر دیا۔ ضرور قتل کر دیا ہوگا واقعی اسی قسم کے دل ہوتے ہیں جو بھائی کو قتل کر دیتے ہیں۔ تو اب مجھے کیا کرنا چاہیئے مجھے یہاں سے چلا جانا چاہیے۔ اس لیے کہ صبح جلد ہو جائے گی۔ نہ میں صبح کو یہاں موجود ہونگا۔ اور نہ جھگڑا پیدا ہوگا۔ انہیں خیالات میں رات کے تین بج گئے۔ چپکے سے اٹھا اور ایک کمبل لیکر گھر سے باہر نکل گیا۔ رات کا سناٹا تھا۔ اور یہ تن تنہا خاموشی کے ساتھ شہر کی تنگ و تاریک گلیوں میں چکر لگاتا ہوا جا رہا تھا تا اینکہ صبح ہوگئی شہر کا دروازہ کھل چکا تھا۔

شہزادہ اسی طرح کمبل سے لپٹا لپٹایا ہوا دروازہ سے باہر نکل گیا۔ اور ایک طرف کی راہ لی۔ اسے معلوم نہ تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ اور کہاں پہونچونگا توکل علے اللہ ایک سمت کو منھہ اٹھائے چلا جاتا تھا دس ماہ کے بعد ایک شہر کے دروازہ پر پہنچا۔ تو خلاف معمول وہاں ایک گروہ کثیر کو دیکھا کہ ایک سرخ جانور کو اڑا رہے ہیں۔ یہ بھی وہیں مجمع میں کھڑا ہوگیا۔ وہ جانور اس کے ہاتھ پر آبیٹھا۔ تمام لوگوں میں ایک کھلبلی پیدا ہوگئی۔ کچھہ لوگ ایک طرف چلے گئے۔ اور کچھہ شاہزادے کے پاس رہے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد جو لوگ گئے تھے تاج و تخت لیکر حاضر ہوئے

۔ اور شہزادہ کے سر پر تاج رکھہ تخت پر بٹھا کندہا دیتے ہوئے دارالسلطنت میں لے آئے۔ شاہزادہ نے کاغذات دیکھے تو یہ ولایت اس کو بہت بڑی معلوم ہوئی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہم اسی سلطنت کے خراجگذار ہیں۔

اب ذرا اُدھر کا حال سنو۔ صبح ہوئی تو صاحب الکمال معہ اپنے جانباز فدائیوں کے آمادہ جنگ ہوا ادھر سے جمالی پارٹی بھی مع ساز و سامان کے آمادہ جنگ ہوئی۔ خوب کشا چھنی ہوئی لیکن چونکہ صاحب الکمال کی قوت کمزور تھی۔ جلد شکست ہوگئی اس نے چاہا کہ بھاگ جاوں۔ لیکن جمالی پارٹی نے بھاگنے بھی نہ دیا نوبت باینجا رسید کہ صاحب الکمال گرفتار کر لیا گیا۔

بعد گرفتاری صاحب الجمال کو تلاش کیا تو اُسکا پتہ نہ تھا۔ اب سخت پریشانی پھیلی اور لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ جب باوجود تلاش بسیار پتہ نہ لگا۔ تو صاحب الجمال کے لڑکے صاحب البیان کو جھوٹ موٹ بادشاہت کا تاج پہنا کر زیردن نے اپنی کارروائی شروع کر دی اور تمام سلطنت کو درہم و برہم کرنا شروع کر دیا۔

ابو البیان کی عمر ہی کیا تھی بیچارہ ۵ سال کا بچہ ٹک ٹک دیکھتا اور جپکا تھوڑی دیر جاکر بیٹھ جاتا۔ وہاں سے آتا اور گھر میں جاکر یا تو ماں کی گود میں جاکر بیٹھ جاتا یا کھیل کود میں مصروف ہو جاتا وہ بیچارہ کیا جانے کہ کیا ہوتا ہے۔ ایک عرصہ تک یہی بھنڈ خرابا ہوتا رہا اور انتظام سلطنت میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی۔

اسی حالت میں ایک سال گزر گیا۔ اور وہ زمانہ آگیا۔ جس زمانہ میں خراج جایا کرتا تھا صاحب الجمال چونکہ یہاں کا فرمانروا تھا۔ اس لیے قاعدہ کے مطابق یہ خراج صاحب الجمال کے پاس آنا چاہیے تھا۔

لیکن چونکہ انتظام خراب ہو رہا تھا۔ اور سب کارندے خود مطلبی پر جمے ہوے تھے خراج کا خیال بھی دل میں نہ آیا۔ صاحب الجمال کو وزیر نے بموجب قاعدہ کے اطلاع دی کہ حضور فلاں سلطنت سے سالانہ خراج نہیں آیا ہے۔ جو ارشاد ہو اُسکے مطابق کیا جائے۔ صاحب الجمال نے دوسرے روز پر اس کا فیصلہ ملتوی رکھا۔ رات کو سوچا کہ ایک برس سے مجھے اپنے عزیزوں کی مطلق خبر نہیں نہ یہ معلوم ہوا

کہ میرے بعد کیا پیش آئی - بہتر ہے کہ نزاع خراج کے بہانے سے کسی طور پر حالات معلوم کر لیے جائیں - صبح کو وزیر سے کہا کہ حکم نامہ جاری کر دو جس کا مضمون یہ ہو کہ یا تو فوراً خراج حاضر کرو - ورنہ ہم کو اپنے قریب جانو -

جب یہ حکم نامہ وہاں پہونچا وزراء امراء سلطنت سخت پریشان ہوئے خزانہ کا پتہ نہ تھا اس پر بدانتظامی کچھ ایسی بلا کی تھی کہ پناہ بخدا - حکم نامہ کو دیکھا تو سہی لیکن اس کا کچھ جواب نہ دیا - پھر چند دن کے بعد یہ بات آئی گئی ہوئی - پھر وہی لاابالی جلسے وہی رقص سرود کی محفلیں - گویا معلوم ہی نہیں کہ کہیں سے کوئی حکم آیا تھا ادھر صاحب الجمال کے دل کو لگی ہوئی تھی جب چند ہفتہ گزرے - تو جنگی اعلان کرا دیا - اور جھٹ اپنے باپ کے ملک پر چڑھ دوڑا - وہاں وہی عیش پرستی کے سامان تھے جب دیکھا کہ حریف سر پر ہی آ گیا تو ٹوٹی پھوٹی فوج سے باہر نکل کھڑے ہوئے - جب مقابلہ کے لیے اُدھر سے بالکل آمادگی دیکھی تو ادھر سے وزیر سلطنت نے سفید جھنڈا بلند کر دیا - اور یہ ڈپوٹیشن جس میں وزیر اور چند دیگر رئیسان سلطنت تھے - بادشاہ کی خدمت میں صلح کے ارادے سے حاضر ہوا -

جب یہ لوگ خیمہ شاہی میں داخل ہوئے تو ایک طلسمی کیفیت ان پر طاری ہو گئی - اور وزیر ملا پس وپیش صاحب الجمال کے قدموں پر گر پڑا - صاحب الجمال نے بھی شاہانہ وقار کو کام فرمایا اور نہایت مہربانی فرمائی - تمام فوج میں جب یہ خبر مشہور ہوئی تو خوشی کے شادیانے بجنے لگے - رفتہ رفتہ یہ خبر شہر میں پہونچی - فوراً ملکہ صاحب الجمال معہ اپنے فرزند صاحب البیان کے محافہ زریں میں بیٹھکر معہ سواران خاص کے جانب لشکر صاحب الجمال روانہ ہوئی - خبر داروں نے خبر کی کہ ملکہ عالم کی سواری آتی ہے - ادھر سے استقبال کے لیے بڑے بڑے اکابر سلطنت گئے - آخر یہ مدت کے بچھڑے ہوئے ملے - اور تمام حالات ایک

دوسرے ہی سنتے رہی پھر اس سلطنت کا انتظام اپنے بھائی (صاحب الکمال) کے
کے سپرد کیا۔ صاحب البیان اور ملکہ کو لیکر صاحب الجمال اپنی سلطنت کو روانہ ہوا
صاحب الکمال نے جب اس قسم کا برتاؤ بھائی کا دیکھا۔ تو فوراً خط لکھا کہ بھائی
مجھے سلطنت کی ہوس نہیں خدا یہ اور وہ دونوں سلطنتیں آپ کو مبارک کرے۔
ہر چند صاحب الجمال نے چاہا کہ بھائی سلطنت پر قابض و متصرف رہے لیکن
انکار شدید دیکھا تو بھائی کو اپنے پاس بلالیا۔ اور اس سلطنت کا انتظام بھی اپنے
ہاتھ میں لے لیا۔ بھائی کے واسطے معقول وظیفہ مقرر کر دیا۔ تاکہ وہ خاموشی کے
ساتھ خدا کی عبادت کرتا رہے۔

مدتیں گزر گئیں اور ان دونوں سلطنتوں پر قابض رہا۔ آخر صاحب البیان
جوان ہوا۔ اور صاحب الجمال کو سلطنت جوان بیٹے کے سپرد کرنی پڑی۔

جس دن تاج پہنایا گیا۔ اس دن تمام پبلک صاحب الجمال کی خوبیوں اور
انتظام سلطنت کو یاد کرتی تھی۔

تاج پہناتے وقت صاحب الجمال نے تمام حاضرین اور اپنے بیٹے کو مخاطب
کرکے جو تقریر کی اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

صاحب البیان!

میں نے جو کچھ پایا وہ صبر سے پایا میرا ہمیشہ یہ خیال تھا کہ خدا صبر کرنے والوں کا
ساتھ دیتا ہے۔ (اپنا واقعہ سناتا ہے) اس بیان سے تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مجھے
صرف صبر کی وجہ سے کبھی کسی قسم کی دقت پیش نہیں آئی۔ ورنہ بیٹھے بٹھائے
سلطنت ملنا کوئی معمولی بات نہ تھی لیکن خدا میرے ساتھ تھا۔

گو صبر تلخ ہوتا ہے مگر اس کے فائدے اچھے اچھے ہوتے ہیں۔ اسی طرح
صبر ہے۔ جس کے کرنے والے کا آخر نتیجہ اچھا رہتا ہے سعدی کہتے ہیں

صبر تلخ است ولیکن برِ شیریں دارد

آنولہ کھانے والا اول اول کیسا مونھہ بناتا ہی لیکن بعد میں ایک عجیب قسم کی لذت محسوس ہوتی ہی۔ تمام بزرگ صبر کو اچھا کہتے ہیں۔

سمندر میں ہزاروں سیپیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ابرسیاں ہی قریب قریب سب کے منہ میں جاتا ہی۔ لیکن موتی اُسی صدف میں پیدا ہوتا ہی۔ جو قطرہ کو پاکر فوراً اپنا منھہ بند کرلیتی ہی۔ غرض کہ صبر ایسی چیز ہی۔ جس کا کرنے والا اگرچہ ابتدا تکلیف اٹھائے لیکن آخری انجام اُس کے لیے نہایت اچھا ہوگا۔

اے قناعت تونگرم گرداں   کہ ورائے تو ہیچ نعمت نیست

صاحب البیان! میں یہ تاج و تخت تیرے حوالے اور تجکو خدا کے بھروسہ پر چھوڑتا ہوں۔ لیکن ہمیشہ صبر کو اپنا دستورالعمل بنائے رکھنا۔ یاد رکھو جس طرح غریب شخص صبر سے فائدہ اٹھا سکتا ہی۔ اسی طرح نواب اور بادشاہ بھی اس سے فائدہ حاصل کرسکتا ہی

اہل عرب شام مصر پر کیوں قابض ہوئے۔ صرف یہی وجہ تھی کہ حریف کی کثیر فوج کے سامنے بھی وہ اعلیٰ درجہ کا صبر کرتے۔ اسیطرح اور باتیں قیاس کرو۔ بس اے صاحب البیان تو ہمیشہ کیلئے اس عمدہ خصلت کو اپنا شعار بنالے۔ خدا تجھے اس سلطنت پر قائم رکھے اور مدتوں تیری اولاد کی زیر تصرف یہ سلطنت رہے آمین

اس تقریر کے بعد صاحب الجمال نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے جس کی تقلید تمام حاضر الوقت نے کی اور یہ تاج پوشی کا جلسہ برخاست ہوا۔

راوی ۔ ہمیں تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ چھہ سو برس تک اس خاندان میں سلطنت رہی۔ اس کے بعد قسم قسم کی جدتیں پیدا ہوگئیں۔ اور آخر کمزور ہوتے ہوتے اس سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

سدا نام اللہ باقی رہے

عاجزہ مس زیبا ساکن متھرا
مقیم بمبئی

تعلیم نسواں

شب کو میں خواب کے انتظار میں لیٹی ہوئی تھی کہ مجھے یکایک خیال آیا کہ تعلیم نسواں بہت ضروری چیز ہے جس کی مستورات میں بہت کمی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس ضرورت کو اب مردوں نے بھی محسوس کرنا شروع کیا ہے۔ پھر وسعت خیال مجھے اس حد تک لیگئی کہ میں مردوں کی حالت پر غور کرنے لگی۔ بعض بعض مرد اپنی ہی تعلیم کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں تو علاوہ اپنی عورتوں کے واسطے کیوں کوشش کرینگے۔ افسوس ہے اُن تعلیم یافتہ لڑکیوں کی حالت پر جو جاہل مردوں کے ساتھ بیاہی جاتی ہیں۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ جن لڑکیوں کو تعلیم کا شوق ہوتا ہے۔ انکو تاریک خیال شوہر تعلیم کے مخالف ملتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عمر بھر وہ پریشان اور رنجیدہ خاطر رہتی ہیں۔ اپنے شوہر کی کے ڈر سے اپنے شوق تعلیم کو روکتی ہیں اور اُف تک نہیں کرسکتیں ایسی ہونہار لڑکیوں کی شادی جاہل مردوں کے ساتھ صریحی جبر ہے شادی تو خوشی کا نام ہے لیکن ایسی شادی تو بالکل اس کے برعکس ہے کاش ایسی شادی سے تو والدین اس بیچاری کو کنواری ہی رکھیں تو بہتر ہے بعض والدین اس خیال سے کر دیتے ہیں کہ فلاں شخص ہمارا ہم کفو اور قریبی رشتہ دار ہے اور بچپن کی نسبت ہے اگر نہ کرینگے تو خاندان میں لڑائی جھگڑے ہونگے تمام لوگ مخالف ہو جاوینگے۔ اس طرح اپنی پیاری لڑکی کو

دیدہ و دانستہ بھاڑ میں جھونک دیتے ہیں۔ اور خود بھی اسکی افسوسناک حالت سے عمر بھر پریشان رہتے ہیں۔

میری رائے ہی کہ بچپن میں نسبت کبھی نکرنا چاہیے۔ والدین کیسی محبت اور محنت سے اولاد کو پرورش کرتے ہیں اور جوان ہونے پر شادی کرتے ہیں۔ اگر میاں بی بی۔ دونوں علم سے آراستہ ہیں تو کیا کہنا۔ اور اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی جاہل ہی تو اُسے دنیا ہی میں دوزخ ہی اکثر ناموافقت اسی وجہ سے رہتی ہی۔ بنئے کسطرح میاں جاہل بی بی تعلیم یافتہ یا میاں تعلیم یافتہ اور بی بی جاہل۔ یہ مانی ہوئی بات ہی کہ علم سے عقل کو ترقی ہوتی ہی جاہل شخص اچھی اور بری بات میں کبھی تمیز نہیں کرسکتا علم کی روشنی میں اچھی صورتیں نظر آتی ہیں اور تاریکی جہل میں بھیانک۔ یہ ضرور ہی کہ تعلیم کے ساتھ تربیت بھی اچھی ہو کتابیں اخلاقی پڑھائی جائیں۔ بالخصوص جو خانہ داری اور آیندہ نسلوں کے عمدہ تعلیم میں مدد دے سکیں۔ یہ مہمل ناول مثنویاں ہرگز اس قابل نہیں کہ انکا مطالعہ حاصل تعلیم ہو۔ میرا مطلب اُس تعلیم سے نہیں ہی جس سے بیحیائی اور بے پردہ دری کا خیال پیدا ہو اور ہم اپنے شرع شریف کے احکام کے خلاف کام کریں عورتوں کو پڑھکر ایسی روشنی نہ اختیار کرنی چاہیے کہ اُن پر مسلمان ہونیکا اطلاق نہو۔ آخر مسلمانوں میں بڑی بڑی تعلیم یافتہ خواتین گزری ہیں اُن کی کونسی وضع خلاف شریعت تھی۔ میں اُس تعلیم کی ضرور حامی بجان و دل ہوں جو مسلمان عورت کو مسلمان باقی رکھے اور اگر میم صاحب بنانا تعلیم کا مقصود ہی تو اِس سے جاہل رہنا بہتر ہی۔ مجھے امید ہی کہ میری تمام معزز اور پیاری بہنیں اِس ناچیز مضمون پر ضرور غور فرمائینگی۔

ف ازڈیرہ دون

شاہ لیر

گذشتہ اشاعت سے آگے

کارنوال۔ بس اب زیادہ بکواس مت کرو شاید تمکو میرا یا گلاسٹر یا ریگن کا کسی کا چہرہ بھی اچھا نہ معلوم ہوتا ہوگا۔

کینٹ۔ حضور راستبازی سے کام لینا میں اپنا شیوہ سمجھتا ہوں میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اس سے قبل جن لوگوں کے چہرہ دیکھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے وہ اُن سب سے بہتر تھے جو اس وقت میرے سامنے موجود ہیں

کارنوال۔ یہ شخص بنا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے اسکی بدتمیزی کو صاف گوئی سمجھکر پسند کیا ہوگا جس سے کہ یہ اسقدر گستاخ ہوگیا ہے اور اس لیے اپنے برتے سے بڑہ بڑھکر باتیں کرتا ہے۔ یہ دل میں سمجھتا ہوگا کہ میں تو کسی شخص کی خوشامد کرنا جانتا ہی نہیں میں ایک ایماندار آدمی ہوں اور صاف گو ہوں میں سچ بولوں گا اور دوسرے لوگ اسکو سچ سمجھینگے اور اس کو سچ بھی نہ سمجھیں تو ضرور کہینگے کہ صاف گو آدمی ہے اس قسم کے بدمعاشوں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں جو اپنی سادہ گوئی کے بہانہ سے ہزاروں شرارت کی باتیں ایسی کہہ جاتے ہیں جو اُن غریب ملازمین کو کبھی سوجھتی بھی نہیں ہیں جو اپنا فرض پورے طور پر ادا کرتے ہیں۔

کینٹ۔ حضور سچ کہتا ہوں مجکو سچائی کی قسم ہے اور حضور کی اجازت سے جو مثل آفتاب کے نورانی ہیں اور جس کے چہرہ پر مثل سورج کے شعاعیں روشن ہیں

کارنوال۔ بات کاٹکر............... کیا بک رہے ہو کیا مطلب ہی تمہارا۔
کینٹ۔ خیر اگر آپ پسند نہیں کرتے تو میں کچھ زیادہ نہیں عرض کروں گا لیکن اتنا کہنے پر مجبور ہوں کہ میں خوشامدی نہیں ہوں اگر آپکو کسی شخص نے صاف گوئی کے پیرائے میں دھوکا دیا ہو تو وہ پکا بدمعاش ہی۔ اور میں کبھی اس قسم کی کوئی بات پسند نکروں گا۔ گو آپ میری خوشامد بھی کریں کہ میں ایسا کروں اور میرے انکار پر آپ ناراضامند بھی ہوجاویں تو بھی میں ایسا نہیں کرنیکا۔
کارنوال۔ تم بتاؤ جی تمنے کیا کہا تھا کہ یہ ناراض ہوگئے
آسولڈ۔ میں نے اسکی ناراضگی کی کوئی بات نہیں کی البتہ کچھ تھوڑے دن ہوئے کہ ان کے آقا بادشاہ صاحب نے ان کے بہکانے سے مجھکو مارا اور موافقت انھوں نے بھی اپنے آقا کے ساتھ ملکر اس کے غصہ کو اور بھڑکایا اور پیچھے سے آکر میری ٹانگ پکڑ کر مجھے چت گرادیا جب میں نیچے گرا ہوا تھا مجھے برا بھلا کہا۔ گالیاں دیں اور بڑے مرد سے بنکر اینٹھنے لگے اور یہ سمجھنے لگے کہ میں نے بڑی کارگزاری کی ہی اور بادشاہ نے بھی اسکی بڑی تعریف کی اور آپ اوس واقعہ کی وجہ سے بہت دلیر ہو گئے ہیں اور اسی وجہ سے تلوار کھینچکر میرے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے ہیں۔
کینٹ۔ یہ جتنے بدمعاش بزدل۔ شیخی خورے ہوتے ہیں یہ رستم کو بھی اپنے نزدیک کچھ نہیں گردانتے۔
کارنوال۔ ذرا وہ کاٹھ تو اٹھا لاؤ کہ اس گستاخ بڈھے کو اس کی بدتمیزی کے لیے ایک سبق سکھائیں۔
کینٹ۔ صاحب اب میں بہت بڈھا ہوگیا ہوں اب کیا سبق پڑھوں گا آپ مہربانی سے کاٹھ نہ منگوائیے۔ میں بادشاہ کا ملازم ہوں انہیں کا پیغام لیکر

آپ کے پاس آیا ہوں آپ اگر بادشاہ کے ایلچی کو قید کر دیں گے تو اس میں بادشاہ کی سخت توہین ہوگی بلکہ آپ کی طرف سے بادشاہ سے ایک عداوت معلوم ہوگی۔

کارنوال۔ لے آؤ لے آؤ کاٹھ مجھے اپنی جان اور عزت کی قسم ہی کہ دوپہر تک یہ کاٹھ میں بٹھایا جائیگا۔

ریگن۔ کیا صرف دوپہر تک رکھا جائیگا نہیں رات تک بھی رکھا جائیگا بلکہ پوری رات تک رکھا جائیگا۔

کینٹ۔ بیگم صاحبہ اگر بجائے آدمی کے ہیں۔ آپ کے باپ کا کتا ہوتا تو بھی مناسب نہ تھا کہ آپ مجھسے ایسا سلوک کرتیں۔

بیگم صاحبہ۔ صاحب آپ میرے باپ کے بدمعاش ملازم ہیں اس لیے میں ایسا ہی سلوک کرونگی۔

کارنوال۔ جن بادشاہوں کے ہمراہیوں کا ذکر کانرل نے اپنے خط میں کیا ہے یہ اُسی قسم کے لوگوں میں سے ایک ہی کاٹھ منگواؤ۔ اور اسے مقید کرو۔

گلاسٹر۔ حضور میری درخواست قبول فرمائیے اور ایسا نکیجیے اس شخص کا قصور تو واقعی بہت بڑا ہی جسکے لیے ہمارے آقا بادشاہ سلامت آپکو سرزنش فرماوینگے آپ جو خفیف سزا اسکے لیے تجویز کرتے ہیں یہ ایک ایسی سزا ہی کہ جو نہایت ادنے درجہ کے نالائق لوگوں کو ذرا ذراسی چوریوں یا معمولی مداخلت کے لیے دیجاتی ہی۔ بادشاہ کو یہ بات بہت ناگوار گذریگی کہ حضور اُن کے قاصد کی ایسی تحقیر کریں اور اسکو اس طریقہ مقید کر دیں۔

کارنوال۔ خیر اس کی جوابدہی تو میں کر لونگا۔

ریگن۔ لیکن یہ تو خیال کرو کہ میری بہن کو کسقدر ناگوار گذرے گا۔ کہ اون کی

طرف سے۔ جو ایک آدمی آیا ہی اس کو اسقدر برا بھلا کہا جائے اور نیز اس پر حملہ کیا جائے
اس کی ٹانگ ضرور کاٹھ ....
(کینٹ کی ٹانگ کاٹھ میں ڈالدی گئی)

(کارنوال کی طرف مخاطب ہوکر) آئیے صاحب آئیے اب ہم تم ملیں۔ (ریگن
گلاسٹر اور کینٹ کے اور سب سے چلے جاتے ہیں)

گلاسٹر ۔ دوست مجھے تمہاری حالت پر سخت افسوس آتا ہی۔ شاہزادہ کارنوال صاحب کی مرضی ہی ہو تو کیا کیا جائے۔ یہ تو دنیا بھی جانتی ہی کہ جو کچھ بات ان کے دل میں آتی ہے نہ اس میں کوئی مزاحم ہو سکتا ہی اور نہ کوئی ان کو روک سکتا ہی۔ خیر میں تمہارے لیے پھر ان کی خوشامد کرونگا۔

کینٹ ۔ نہیں صاحب نہیں ایسا ہرگز مت کیجیگا۔ میں ایک بڑی دشوار منزل طے کر کے آیا ہوں اور کئی رات کا جاگا ہوا ہوں کچھ وقت تو میں سو کر گذاردونگا اور باقی وقت سیٹیاں بجا بجا کر اپنا دل بہلا ونگا اچھا خدا حافظ۔

گلاسٹر ۔ اس میں شاہزادہ کارنوال کا قصور ہی اس کا اثر بہت برا ہوگا۔ (اسٹیج سے چلا جاتا ہی)

کینٹ ۔ آپ ہی آپ۔ بیچارے دکھیا بادشاہ تیرے پر یہ عام مثل صادق آتی ہی کہ تمہارے لیے ادھر کنواں اور ادھر کھائی۔ اے چاند کے دیوتا ذرا مہربانی سے میرے قریب آجائیے کہ میں تیری روشنی سے اس خط کو تو پڑھ لوں۔ دنیا میں معجزات صرف مصیبت کے وقت کام میں آتے ہیں۔ ہاں میں پہچان گیا یہ خط کارڈیلیا کی طرف سے ہی جس کو معلوم ہوگیا کہ میری خوش قسمتی سے میری گمنامی اور اس بھیس بدلی ہوئی حالت کی اطلاع ہوگئی اور وہ موقع پاکر ان تمام نقصانات اور تکالیف کی تلافی کرے گی جو ہو چکی ہیں۔ میری آنکھیں بالکل

تھک گئی ہیں۔ اور جاگتے جاگتے دکھنے لگیں اب یہ موقع ہے کہ ان کو بند کر کے سو جاؤں تاکہ اس منحوس گھر کی شکل نہ دیکھوں ۔ اے میرے نصیب پھر ایک دفعہ تو جاگ تاکہ میں اس مصیبت کے چکر سے نجات پاؤں

باقی دارد

پیاری دیویو

تمہیں منزل اوج کی رہنما ہو   تمہیں کشتی زیست کی ناخدا ہو
تمہیں معدن لطف و جود و سخا ہو   تمہیں مخزن علم و صبر و رضا ہو
تمہیں فخر نوع بشر دیویو ہو
تمہیں قوم کی راہبر دیویو ہو
تمہیں تو ہو پروان ہم کو چڑھاتی   تمہیں تو ہو رتبہ ہمارا بڑھاتی
تمہیں تو ہو زر و مال ہم پر لٹاتی   مصیبت سے رنج و الم سے بچاتی
تمہیں تو ہمیں دودھ اپنا پلا کر
بناتی ہو دریائے خوبی کا گوہر
اُسی قوم نے پائی دنیا میں عزت   اسی کی ہوئی دور ساری مصیبت
اسی کو ملا عیش و آرام و راحت   اسی کے ہوا ساتھ اقبال و دولت
کہ جس قوم نے تم کو سر پر بٹھایا
تمہیں اپنا سر تاج و افسر بنایا
جو تم کو دلوں سے بھلائے ہوئے ہیں   وہ اپنے کو بیشک مٹائے ہوئے ہیں
تنزل سے وہ لو لگائے ہوئے ہیں   وہ گھر اپنے ہاتھوں لٹائے ہوئے ہیں
نہیں ان کی حالت بتانے کے قابل
نہیں حال انکا سنانے کے قابل   قمر

اڈیٹوریل

مسلمان بیبیوں کی شجاعت

جزیرہ کریٹ کے متعلق جو جھگڑا یونان اور ترکی میں حال میں ہوا اور اس میں ترکی خاتونوں نے کریٹ کے مسلمانوں کی اس سخت تباہی اور مصیبت کا اندازہ کیا جو کریٹ کو یونان میں شامل کر لینے سے ان پر آئے گی تو ان میں ایک سخت قومی جوش پیدا ہوا اور صوبہ برات کی انجمن خاتونان کی جانب سے فاطمہ جہاں صاحبہ نے مفصلہ ذیل درخواست ترکی پارلیمنٹ کے پاس بھیجی ۔ مضمون درخواست حسب ذیل ہے۔

"میں نہایت ادب سے عرض پرداز ہوں کہ ہم بیبیاں اس بات کے لئے بالکل آمادہ ہیں کہ کریٹ میں ترکی حقوق کی حفاظت کے لیے اپنی جانیں قربان کردیں۔ اور ہم نہایت خوشی سے اپنے بچوں کو میدان جنگ میں بھیجنے کو تیار ہیں۔"

قومی زندگی کے آثار ترکوں میں نمودار ہو رہے ہیں اور اس میں اُس گروہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ جس کو ہندوستان کے لوگوں نے عضو معطل کی طرح بیکار کر رکھا ہے۔ اگر زندگی حاصل کرنا مقصود ہے تو فرقہ نسواں کو اعلے درجہ کی حریت و تہذیب کے درجے تک پہونچانے میں کوشش کرو۔ یا کم از کم ان کی تعلیم کے راستے میں مزاحمت مت کرو۔

آتا ہی وقت انصاف کا نزدیک ہی یوم الحساب دنیا کو دینا ہوگا ان حق تلفیوں کا واں جواب

ہمارے قومی شاعر مقدس بزرگ مولینا حالی نے جب کی داد یں جب مذکورہ بالا شعر درج کیا تھا تو ان کے سامنے صرف مسلمان ہندوستانی بیبیوں کی حالت نہ تھی بلکہ وہ تصور کئے ایک وسیع پردے کل دنیا کی عورتوں کی حالت دیکھ رہے تھے ان کا یہ شعر ہر زمانے اور ہر قوم کی عورتوں پر صادق آتا ہی - ہم نہیں جانتے کہ مرد آیندہ چلکر اس محبت کرنیوالے - اپنی جانیں قربان کرنیوالے - دوسروں کے لیے اپنے اوپر مصیبتیں برداشت کرنے والے اور اپنی حق تلفیوں پر صبر و تحمل کرنیوالے گروہ کے ساتھ کیا سلوک کرینگے -

لیکن ابتدائے پیدایش سے جو کچھ مہربانیاں ہوتی چلی آئی ہیں ان کے خیال سے ہی دل پر صدمہ پہونچتا ہی

اب سنیئے کہ ایک مشہور مہذب ملک اور تعلیم یافتہ عیسائی قوم اپنی عورتوں کے ساتھ اس روشنی اور علم و فضل کے زمانے میں ہی کیا سلوک کر رہی ہی -

ملک امریکہ کا نام کون نہیں جانتا - ایک بڑا دولت مند اور مہذب ملک سمجھا جاتا ہی - اور عورتوں مردوں میں تعلیم و شایستگی کا بڑا شہرہ ہی - وہاں ایک صوبہ کا نام جو بطور ایک جداگانہ ریاست کے ہی کیلیفورنیا ہے - اس ریاست میں قانون یہ ہی - کہ عورتوں کو جداگانہ اپنی کوئی جایداد یا مال و اسباب رکھنے کا حق نہیں ہی - ایک عورت کی شادی نہو تو وہ اپنی جائداد علیحدہ رکھہ سکتی ہی - لیکن اگر شادی ہوگئی ہو تو پھر اس کی ہر چیز اس کے خاوند کی ہوجاتی ہی - نہ وہ وصیت کرسکتی ہی - نہ ہبہ کرسکتی ہے - اور نہ کسی کو دے سکتی ہی - خود محنت مزدوری سے یا فن ڈاکٹری وغیرہ سے اگر کچھہ بچاکر - جمع کرے تو اس کا مالک بھی شوہر ہی - اپنے بچوں کو بھی بلا اجازت شوہر صاحب کے کچھہ نہیں دیسکتی - اگر چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑکر مر جاے تو اس کی جائداد اور مال و اسباب پر بچوں کا کچھہ حق نہیں ہی - اس کا شوہر

تو دوسری شادی کر کے سب کچھ نئی دلہن کے حوالے کر دے اور بچے ویران ہوتے پھریں۔ اس ملک میں عورت کو اپنے بچوں کو اپنے پاس رکھنے کا بھی کچھ حق نہیں ہے شوہر سے رنج ہونے پر شوہر اس مظلوم کے بچے چھین کر مرغ بسمل کی طرح تڑپا سکتا ہے۔ اگر اس کا شوہر مر بھی جائے تو بھی اس کو اپنے بچوں کو اپنے پاس رکھنے کا کوئی قانونی استحقاق نہیں پہونچے گا جب تک کہ کوئی عدالت اسکو نیچے نہ دلوا دے۔ خدا کی پناہ کس قدر ظلم ہے۔ مسلمان بیبیوں کو خدا کا بہت شکر ادا کرنا چاہیے۔ کہ اسلام نے ان کے حقوق کی بہت کچھ حفاظت کی ہے جو حال ہم نے اوپر بیان کیا ہے کچھ عرصہ قبل کل یورپ میں عورتوں کا یہی حال تھا۔ اب قوانین بن گئے ہیں اور غریب عورتوں کو بھی جائداد اور بچوں کے متعلق خاص حقوق دیئے گئے ہیں۔

وکیل ٹریڈنگ کمپنی لیمیٹیڈ

تقریباً دو سال سے یہ کمپنی ہمارے دوست شیخ غلام محمد صاحب مختار عدالت وپروپرایٹر اخبار وکیل امرت سر کی کوشش سے قائم ہوئی ہے۔ اس کمپنی کا اصلی مقصد قومی لٹریچر کی ترقی اور اشاعت ہے۔ جو ایک نہایت مفید اور اہم مقصد ہے اس کا راس المال ایک لاکھ روپیہ قرار دیا گیا ہے۔ اور وہ پچاس پچاس روپیہ کے دو ہزار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

اس کمپنی کی طرف سے کتابوں کی ایک دکان بھی کھولی گئی ہے۔ جس میں ہر قسم کی اردو فارسی۔ عربی۔ انگریزی کی کتابیں فروخت کے لیے رکھی گئی ہیں اور اس بک ڈپو میں خود بھی تصنیف کا سلسلہ قائم کیا گیا ہے۔

اسوقت ہمارے پاس اس دوکان کی فہرست کتب جس میں نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خانصاحب مرحوم کی تصویر اور مختصر سوانح عمری درج ہی اور چند چھوٹی چھوٹی کتابیں جو کمپنی کی طرف سے شائع ہوئی ہیں بغرض ریویو کے آئی ہیں۔

ہم نہایت خوش ہیں کہ یہ کمپنی کچھ کام کر رہی ہی۔ اور امید کرتے ہیں کہ اگر اس کی کوشش کا سلسلہ برابر جاری رہا اور ترقی کرتا گیا۔ تو اس کا مستقبل بہت شاندار ہوگا۔ اور یہ کمپنی قومی لٹریچر کی ترقی سے مسلمانوں اور اردو زبان کو بہت بڑا فائدہ پہونچانے والی ثابت ہوگی اب ہم ان کتابوں پر ریویو کرتے ہیں جو اس کمپنی کی طرف سے ہمارے پاس اسی غرض کے لیے آئی ہیں۔

تدبیر

یہ چھوٹی تقطیع پر ۴۲ صفحہ کا ایک مختصر رسالہ ہی جس میں شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی کا مضمون "تدبیر" پر درج ہی۔ مولانا موصوف نے اس مضمون میں بتایا ہی کہ دنیا عالم اسباب ہی یہاں بے تدبیر کے چارہ نہیں ہی۔ اور اُن لوگوں کی غلطی یا غلط فہمی کو بہت اچھی طرح ظاہر کر دیا ہی جو بے سمجھے بوجھے تقدیر پر بھروسہ کر کے دنیا میں ناکامیاب رہتے ہیں۔ اس کی قیمت ۲ر ہی

الدین یسر

یہ بھی اسی تقطیع پر ایک دوسرا چھوٹا سا ۲۶ صفحہ کا رسالہ ہی۔ یہ بھی مولانا حالی صاحب کا ایک مضمون ہی۔ جس میں یہ بیان کیا گیا ہی کہ دین اسلام ایک نہایت سادہ۔ صاف اور آسان دین ہے۔ لیکن تعصب۔ جہالت تقلید اور رسم کی پابندیوں نے

اس دین کو سخت اور مشکل بنا دیا مولانا نے قرآنی آیتوں اور نبوی حدیثوں سے اپنے دعوے کا اثبات کیا ہی - اس مضمون کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ دین اسلام حقیقت میں ایک خالص کندن تہا - لوگون نے اس کو خاک آلود کرتے کرتے اتنی مٹی اس پر چڑہا دی کہ وہ مٹی کا ڈہیلا معلوم ہونے لگا - اور دوسرے مذاہب کی طرح ہزار ہا باتیں اس میں داخل کر لی گئیں - اور وہ مذہب کا جزو سمجھی جانے لگیں - لیکن اور مذاہب میں کوئی ایسی تعلیم اور بے لوث کتاب موجود نہیں ہی جس سے صحیح مذہب کا پتہ چل سکے - بخلاف اس کے ہمارے یہاں قرآن شریف اصلی اور بجنسہ موجود ہی جس میں حقیقی تعلیم الہی بعینہ محفوظ ہی - اس لیے ہم اپنی بخوبی اصلاح کر سکتے ہیں - قیمت ۳ر

مسلمانوںکی تہذیب

یہ چھوٹی تقطیع پر ۵ صفحہ کا نواب محسن الملک مرحوم کا ایک مضمون ہی جس میں انہوں نے گذشتہ مسلمانوں کی اخلاقی - تمدنی اور تعلیمی کیفیت بیان کی ہی قیمت ۴ر

مسلمانوں کی ترقی اور اُنکے تنزل کے اسباب

یہ بہی چھوٹی تقطیع ۴۲ صفحہ کی کتاب ہی اور نواب محسن الملک کی تصنیف ہی - اس میں مسلمانوں کی گذشتہ علمی اور ملکی ترقی کی مختصر تاریخ ہی اس کے بعد وہ اسباب بیان کئے گئے ہیں جن کے سبب سے مسلمانوں کو زوال نصیب ہوا وہ اسباب یہ ہیں -

(۱) خلافت کا جمہوری سے شخصی ہو جانا اور سلاطین کا احکام شریعت کا

پابند نہ ہونا۔

(۲) اسلام میں اختلاف کا پیدا ہونا اور مسلمانوں کے متفرق فرقے ہوجانا۔

(۳) مسلمانوں میں قومی آزادی کا نہ ہونا۔

(۴) تعلیم اور تہذیب کے سلسلے کا برابر جاری نہ رہنا۔

(۵) غلط مذہبی خیالات

اس کے ساتھ ہی بعض دیگر اقوام کے عروج اور زوال کی کیفیت بھی ضمناً بیان میں آگئی ہی قیمت ۸ر

اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر

چھوٹی تقطیع پر ۱۴۳ صفحہ کی کتاب ہی شمس العلما۔ مولینا شبلی صاحب نے اس کتاب میں شہنشاہ عالمگیر پر سے وہ تمام الزامات اٹھانیکی کوشش کی ہی۔ جو ان پر غیر قوم کے مورخوں نے لگائے ہیں۔ پہلے یہ مضمون الندوہ میں ٹکڑے ہوکر چھپتا رہا۔ اور اب وکیل ٹریڈنگ کمپنی کے بک ڈپو نے اس کو یکجا کر کے چھاپ دیا ہی۔ قیمت ۸ر

فلسفہ ابن عربی

چھوٹی تقطیع پر ۲۰ بیس صفحہ کا مضمون علامہ ابن عربی کے فلسفہ ہی۔ مولوی عبداللہ عمادی کی تصنیف ہی۔ اس میں ان کی زندگی کے مختصر حالات اور ان فلسفیانہ مسائل کا بیان ہی۔ جس میں انہوں نے دوسرے علما کی رایوں سے اختلاف کیا ہے قیمت ۲ر

ہندو رانیاں

یہ ۱۰۶ صفحہ کی کتاب ہی چہوٹی تقطیع پر۔ اس میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہی ہندو رانیوں کے حالات ہیں ابتدا سے لیکر آج تک جو مشہور ہندو رانیاں گذری ہیں ان کی مختصر کیفیت لکہی گئی ہی۔ مصنف کا نام نہ دارد ہی۔ جس سے تاریخی وقت اس کتاب کی بالکل نہیں رہتی قیمت ۸

یہ سب کتابیں وکیل ٹریڈنگ کمپنی امرتسر کے منیجر صاحب کے پتہ سے ملینگی

درخواست امداد

مندرجہ ذیل درخواست حیدرآباد کی ایک نیم تعلیم یافتہ غریب شریف مگر یتیم اور بےکس لڑکی کی ہی ہم نے سائلہ کی غربت اور علمی شوق کو دیکہکر خاتون اس کے نام سے جاری کر دیا ہی۔ اگر اس قسم کی لڑکیوں کو جو تہوڑا سا پڑہ چکی ہیں اور ان میں پڑہنے کا شوق ابتک باقی ہی لیکن ضروریات زمانہ سے مجبور ہوکر اپنی تعلیم کو جاری نہیں رکہہ سکتی امداد وظیفے دیں تو بہت تہوڑے عرصہ میں یہ نہایت لایق استانیاں بن سکتی ہیں۔

جنابعالی

قدمبوسی عرض ہی۔ قبل اس کے کہ میں اپنی اصلی التجا عرض کروں یہ بہی عرض کر دینا نامناسب نہ ہوگا کہ میں ایک یتیم لڑکی ہوں میرے والد انتقال کر گئے تخمیناً دو سال کا عرصہ ہوا جب تک کہ میرے باپ زندہ تہے اسوقت تک میں نے اپنی تعلیمی حالت کے درست کرنے کیلئے بہت کچہہ کوشش کی۔ چنانچہ میری کوشش اور پدر مشفق کی مہربانی کا نتیجہ ہے کہ مجہے کچہہ لکہنا پڑہنا آگیا۔

ان کے انتقال کے بعد سے وہی پرانی موجودہ کتب دیکہہ لیا کرتی ہوں

اب مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ کوئی نئی کتاب خرید کر دیکھوں۔ ان دنوں میری زندگی سینے یا پ مینے پر ہوا کرتی ہے اور اس کی مزدوری ۲ یا ۳ روپے ملتے ہیں جس سے میں اور ایک میری ضعیف بہن پرورش پاتے ہیں۔ باوجود اسقدر تنگدستی کے مجکو شوق ہے کہ اپنی تعلیمی حالت کو ترقی دوں۔ مگر افسوس۔ جہاں تک میں اپنے حالات پر نظر کرتی ہوں مجھے کامیاب ہونا ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ترقی تعلیم بغیر کتب بینی کے ناممکن اور کتب بغیر پیسے کے ناممکن ہے۔"

لہذا میں آپ سے مودبانہ ملتجی ہوں کہ براہ بندہ نوازی پرچہ خاتون لتہ میرے نام جاری فرمائیں تو اس کا اجر خداوند کریم عطا کرے گا۔ اگر لتہ جاری کرنا مانع ضابطہ ہو تو میری اس التجا کو خاتون کے کسی کونے میں جگہ دیدیجئے تاکہ کوئی ہمدرد بیگم اس کو ملاحظہ فرماکر میری ترقی تعلیم کی باعث ہوں۔

رحمت النساء

بیگم صاحبہ بھوپال اور تعلیم نسواں

ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال نے اپنی سالگرہ کے جشن کے موقع پر جو دربار منعقد فرمایا تھا۔ اس میں ایک شاندار اسپیچ دی۔ جس میں اپنی رعایا کو گورنمنٹ کی وفاداری کی برکتوں سے آگاہ کیا۔ اور ان کو تعلیم کے فوائد بتائے۔ ہر ہائینس نے فرمایا کہ میری ریاست کے جاگیرداروں کی حالت تعلیم کے لحاظ سے بہت ہی پست ہے۔ اور صرف عمدہ تعلیم ہی لوگوں کو نیک شہری اور وفادار رعایا بنا سکتی ہے۔

ہر ہائینس کا یہ خیال ان سابقہ خیالات اور کوششوں کا ایک تتمہ ہے جن کا اظہار بار بار ہو چکا ہے۔ ہر ہائینس کی تعلیمی کوشش قابل تعریف اور قابل تقلید ہے اگر دوسرے والیان ریاست بھی جو ابتک تعلیمی ضروریات اور اس کی ترقی کی طرف مائل

نہیں ہوسے ہیں ہر ہائینس کے نقش قدم پر چلیں تو جہالت کی گھنگھور گھٹائیں جو آج
کل سرزمین ہند پر چھائی ہوئی ہیں بہت جلد صاف ہو جائیں اور لوگ تہذیب اور علم
کی روشنی سے بہرہ ور ہونے لگیں۔

ملاقات

جنابہ لیڈی منّو صاحبہ نے مدراس میں پرنس آف ارکاٹ اور احمد موہن داس صاحب
خان بہادر کی اہلیہ اور ہمشیرہ کی رسم بازدید ادا کی۔

آل انڈیا لیڈیز کانفرنس

اس کانفرنس کے اجلاس کے لیے جو کرسمس کی تعطیلوں میں لاہور میں ہوگا شریمتی
تنابائی۔ بی۔ اے استقبالیہ کمیٹی کی صدر۔ پنڈتانی سرلا دیوی چودھرانی۔ بی۔
اے نایب صدر۔ شریمتی سوشلا دیوی سکرٹری اور شریمتی ہر دیوی اور مسز بنا پر جائنٹ
سکرٹری منتخب ہوئی ہیں۔